تاریخ دریاباد

منشی برج موہن لال صاحب محب

تلمیذ جناب ناظم لکھنوی

باہتمام

حاجی حافظ خواجہ قطب الدین احمد پروپرائٹر

مادر پریس لکھنؤ میں حسن خوبی چھپی

بار اول

جملہ حقوق محفوظ ہیں

قیمت فی جلد عہ روپے

ضروری التماس

(۱) بوجہ علت وقلت فرصت راقم تاریخ ہذا کی نظر ثانی سے مجبور رہا۔ اسی طرح حضرت اوستاد کی اصلاح سے بھی محروم رہی کیونکہ قبل تکمیل و ترتیب کتاب اُن کا انتقال ہو چکا تھا۔ ابتدائی مسودون کے پرچے جو انھون نے بیماری کی حالت میں ملاحظہ فرمائے تھے قابل اطمینان نہین۔ اس لیے جہان کہین کوئی ادبی غلطی یا سہو نظر آئے قابل معافی ہے (۲) مولف مین نہ دماغی قابلیت ہی نہ علمی استعداد۔ لیکن وطن پرستی کے جوش اور حضرت اوستادی قبلہ و کعبہ جناب اشک لکھنوی کی ہمت افزائی نے مجبور کیا کہ چند صفحے حوالۂ قلم کیے گئے اور کتاب کا نام سیدھے سادے لفظون مین۔ **تاریخ دریاباد** رکھا گیا۔ اُمید ہو کہ ناظرین بہ نظر انصاف ملاحظہ فرما کر راقم کو دعائے خیر سے یاد فرمائین گے (۳) اس کتاب میں صرف مشاہیر اور قابل قدر اصحاب کے حالات لکھے گئے ہین اور خاص خاص یا ضروری باتین درج کی گئی ہین۔ عام و معمولی باتین اور عام تذکرے بخوف طوالت نیز غیر مفید سمجھ کر نظر انداز کر دیے گئے (۴) کتاب ہذا مین اگر کوئی تذکرہ خلاف واقعہ معلوم ہو یا سہواً کوئی بات درج ہونے سے رہ گئی ہو تو ناظرین اور ارباب وطن براہ بندہ نوازی تکلیف گوارا فرما کر راقم حروف کو مطلع فرمائین البشرط خیریت طبع ثانی کے وقت شکریہ کیساتھ تبدیل و اصلاح کیجائیگی

اس کتاب کی تالیف مین ذیل کی کتابون وغیرہ سے مدد لیگئی ہی

(۱) افضل التواریخ (۲) بوستان اودھ (۳) تاریخ اجودھیا (۴) تاریخ پانڈے الموڑھا (۵) گزیٹیر بارہ بنکی (۶) تاریخ غدر (۷) آئین اکبری انگریزی (۸) آئین اکبری فارسی (۹) سیر المتاخرین (۱۰) خلاصہ تواریخ (۱۱) تاریخ تعلقداران اودھ (۱۲) مختصر تاریخ اقوام الکائستھ (۱۳) منتخب التواریخ (۱۴) تذکرۂ شوجا دولہ منشی (۱۵) سفینۂ موجن (۱۶) اڈیٹر اوار بک لاہور (۱۷) اودھ کا بیان (۱۸) مناقب رزاقیہ (۱۹) حدیقۃ الارض (۲۰) تذکرۂ اولیائے ہند (۲۱) ملفوظات حاجی مصطفی (۲۲) کالنجیر و نشاد لی نمبر ۱ (۲۳) کالنجیر و نشاد لی نمبر ۲ (۲۴) کالنجیر چتاؤنی (۲۵) سرور یا کل دیپ کا (۲۶) رسالہ صدیقیہ (۲۷) پشت نامہ خاندان بسنت رائے (۲۸) حالات خاندانی مرزا یوسف بیگ صاحب (۲۹) جغرافیہ ضلع بارہ بنکی نمبر ۱ (۳۰) جغرافیہ ضلع بارہ بنکی نمبر ۲ (۳۱) جغرافیہ اول (۳۲) جغرافیہ عالم حصہ اول (۳۳) جغرافیہ گیتی (۳۴) ہنس جواہر (۳۵) نامی خبری (۳۶) حکایات احمدی (۳۷) دیوان شائق (۳۸) مثنوی شائق (۳۹) رسالہ عصر جدید (۴۰) رسالہ معارف (۴۱) رسالہ سرستی (۴۲) مکاتیب اکبر (۴۳) بھگوت بھاسکر (۴۴) اُدھیاتم رامائین (۴۵) انکار شرومن (۴۶) رپورٹ کارروائی انجمن ہند (۴۷) نقل واجب العرض دریاباد (۴۸) واجب العرض بشنداس پور (۴۹) واجب العرض تاراپور (۵۰) واجب العرض تعلقہ رامپور (۵۱) واجب العرض سرائے

شکئی (۵۲) واجب العرض شیخ پور (۵۳) ایڈریس جونپور (۵۴) اودھ اخبار (۵۵) اخبار مشرق (۵۶) نقل فیصلہ محکمۂ بندوبست (۵۷) نقل روبکار محکمۂ بندوبست (۵۸) نقل مثل نمبری ۵۹۰ (۵۹) نقل سجل شاہی (۶۰) رپورٹ انڈسٹریل سروے بارہ بنکی (۶۱) متفرق کاغذات عدالت ہائے شاہی ڈائگریری متعلقۂ دریاباد (۶۲) قدیم دستاویزات اور محضرنامے وغیرہ متعلقۂ دریاباد (۶۳) چند فارسی، بھاشا، ہندی اردو خطوط (۶۴) کاغذات متعلقۂ دفتر بھوانی شنکر و بکھت (۶۵) فرامین شاہی ۳۰ (۶۶) شاہی پروانے ۵۰ (۶۷) چند سارٹیفکیٹ، چند خاندانی شجرے، چند کتب یادداشت، رجسٹر معائنہ اصحاب متعلقۂ شفاخانہ دیوی سنہ ۱۹۱۲ء و کانگریس لکھنؤ سنہ ۱۹۱۶ء وغیرہ۔

مربیان تاریخ دریاباد کے نام نامی و اسمائے گرامی

دلی شکریہ کے ساتھ معہ نذر عطیہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں

دریاباد خاص (۱) آنریبل رائے راجیشر بلی صاحب وزیر تعلیم و تعلقدار دریاباد مالا عہ (۲) مولوی احمد کریم صاحب سب جج گونڈہ عہ (۳) خان بہادر مرزا محمد یوسف بیگ صاحب رئیس و آنریری مجسٹریٹ صہ (۴) چودھری مصطفےٰ اعلی صاحب رئیس صہ (۵) حکیم مولوی محمد عبد الحبیب صاحب صہ (۶) مولوی عبد المجید صاحب ڈپٹی کلکٹر گونڈہ عہ (۷) منشی جانکی پرشاد صاحب رجسٹرار قانونگو نے (۸) شیخ عبد الکبیر صاحب صہ (۹) سید حاکم علی صاحب اسسٹنٹ ہیڈ کلرک ڈی۔ ٹی۔ بی آفس گونڈہ صہ (۱۰) بابو چندر کا پرشاد صاحب ہیڈ کلرک ٹکنکل اسکول لکھنؤ صہ (۱۱) شیخ خلیل احمد و جمیل احمد صاحب صہ (۱۲) میر سید علی و ذاکر علی صاحب صہ (۱۳) حافظ ابو سعید صاحب صہ (۱۴) شیخ شکور بخش صاحب ضلعدار صہ (۱۵) شیخ حفیظ الدین صاحب اسٹیشن ماسٹر و مولوی حکیم الدین صاحب سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس صہ (۱۶) بابو بھگونت رائے صاحب منیجر کواپریٹو بنک سلطان پور صہ (۱۷) سید محمد شفیع صاحب و سید محمد رفیع صاحب کمیشن ایجنٹ کلکتہ صہ (۱۸) بابو شاہ محمد صاحب ٹکٹ کلکٹر اسٹیشن بنارس صہ (۱۹) چودھری عاشق علی صاحب سب انسپکٹر پولیس صہ (۲۰) بابو گوکل پرشاد صاحب رنج افسر محکمۂ جنگلات بہرائچ صہ (۲۱) منشی نگن بہاری لال صاحب آنریری سکریٹری گئو شالہ دریاباد صہ (۲۲) بابو جیدیال صاحب سابق چیف پارسل کلرک اسٹیشن کانپور صہ (۲۳) حافظ محمد یونس صاحب چیف ریڈر ہردوئی صہ (۲۴) بابو جے بہاری صاحب و چھیل بہاری صاحب صہ (۲۵) شیخ محمد مبین صاحب گارڈ او۔ آر۔ آر صہ (۲۶) لالہ سیتل ساہ صہ پرگنہ دریاباد (۲۷) لالہ ملنک چند ساہ مہاجن و زمیندار ٹکیٹ نگر صہ (۲۸) لالہ دھن کمار ساہ مہاجن و زمیندار ٹکیٹ نگر صہ (۲۹) لالہ وعنیت ساہ عف لالہ مولچند ساہ، مہاجن و زمیندار ٹکیٹ نگر صہ (۳۰) ٹھاکر مولا بخش سنگھ صاحب رئیس کھجوری صہ (۳۱) ٹھاکر رام پال سنگھ صاحب رئیس سکرورھا عہ (۳۲) ٹھاکر راج بہادر سنگھ صاحب رئیس قیام پور

(۳۳) پنڈت سنت پرشاد صاحب ہیڈ ماسٹر نواب گنج بارہ بنکی، اٹوا صہ (۳۴) پنڈت رام سوچت بی۔ اے، ایل ایل بی وکیل بارہ بنکی، کھٹولی صہ دیگر حضرات (۳۵) بابو اودھ بہادر صاحب بگیہ دھاری بی۔ اے، ایل ایل بی وکیل بارہ بنکی، نواب گنج صہ (۳۶) بابو قسمت رائے صاحب بگیہ دھاری بی۔ اے، ایل ایل بی وکیل رائے بریلی صہ (۳۷) کنور بشنا تھ سہائے صاحب بی۔ اے، ایل ایل بی وکیل گونڈہ صہ (۳۸) بابو ست گرو دیال صاحب سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس پرتاب گڈھ صہ۔

افسوس اور شکایت

اُن اصحاب سے نہایت افسوس کے ساتھ سخت شکایت کیجاتی ہے، جنھون نے تاریخ ہذا کی خریداری یا سرپرستی منظور فرماکر مالی امداد دینے کا حتمی وعدہ فرمایا اور فہرست پر دستخط کردئے۔ لیکن عین موقع پر بالکل خاموشی اختیار کی یا عذر لنگ پیش کرکے مجبوری ظاہر فرمائی اور اس طرح مولف کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ
دیباچہ	۱
پہلا باب	
دریاباد کی وجہ تسمیہ اسکے بانی اور تاریخ بنا رآبادی وغیرہ کا بیان۔	۵
دوسرا باب	
پہلی فصل سنسکرت دان پنڈتون کے بیان مین	
پنڈت اندرجیت شاستری، پنڈت لکشمی دھر،	۲۶
پنڈت ودیا دھر، پنڈت کنول رام جوتشی،	″
پنڈت بھاسکر آنند نیوادی	″
پنڈت چھب ناتھ اوستھی، پنڈت دینا ناتھ	۲۷
دویدی، پنڈت جیونارائن مشر	″
پنڈت نتیانند مشر شاستری۔	۲۹
پنڈت رام دیال پانڈے، پنڈت رام غلام پانڈے، پنڈت رام پرشاد مشر	۳۰
پنڈت پراگدت وچھت	۳۲
پنڈت رُدردت مشر	۳۳
پنڈت رامچرن پانڈے۔	۳۵
پنڈت کشن دت	۳۹
پنڈت شنکر دیال اوستھی	۴۰
پنڈت بینی مادھو پانڈے	۴۲
پنڈت بھاگوت پرشاد مشر	۴۵
دوسری فصل اسلامی عالمون کے بیان مین	
مولوی مفتی محمود علی صاحب، حاجی مولانا مفتی محمد رفیع صاحب، مجتہد العصر مولانا سرفراز حسین صاحب	۴۷
مولانا مفتی محمد مظہر کریم صاحب	″
حاجی مولانا مفتی محمد کاظم علی صاحب	۴۸
مولانا مفتی شاہ محمد صاحب۔	۵۲

ہ منشی رگھبر دیال صاحب کے اکلوتے بیٹے، انخاندان محرران دریاباد، ایف۔ اے تک تعلیم پاتے، انگریزی ٹریننگ کلاس پاس، اپنے فرائض منصبی بحسن وخوبی انجام دینے میں ناموری کے ساتھ مشغول، صاحب اولاد، خلیق، ملنسار، منکسر المزاج، ولادت ۱۸۵۷ء عرصہ سے پرتاب گڈھ سکونت آبائی باغ دریاباد مین موجود ۱۲

تیسری فصل ذی علم اصحاب کے بیان مین

منشی نہال رائے صاحب ۵۲
مولوی فرید بخش صاحب ۵۳
مولوی محمد اشرف صاحب، منشی گیا پرشاد صاحب ۵۴
مولوی سالار بخش صاحب ″
مولوی عبد الرحیم صاحب ۵۵
منشی بینڈی لال صاحب ہیڈ ماسٹر ۵۶
مولوی ناظم علی صاحب ″
قاضی نوازش حسین صاحب ۵۷
رائے رگھناتھ بلی صاحب ۵۸
مولوی عبد الحلیم صاحب ۵۹

چوتھی فصل شاعرون کے بیان مین

سنسکرت دان شعراء

پنڈت رُدروت عرف غریب دھن، پنڈت رامچرن پاٹھک ۵۹
پنڈت شنکر دیال شنکر تخلص، پنڈت بینی مادھو بینی تخلص ″

شعرائے بھاشا

قاسم ۵۹
چین، لچھن ۶۰
رسدیو ۶۱
شنکر، شنکر ۶۲
بینی، گریس ۶۴

شعرائے فارسی

شائق ۶۵
کمال، خاطر ۷۴
اقبال ۷۵

انگریزی شعراء

مسٹر ۷۵

سخنوران اردو

ندیم ۷۵
شایق، لایق ۷۷
ساغر ۷۸
فرحت ۷۹
نجف ۸۰
ناظم، خاطر ۸۲

پانچوین فصل ویدون حکیمون اور ڈاکٹرون کے بیان مین

پنڈت ہیرالال وید، پنڈت شیودت وید ۸۳
حکیم حاجی امداد احمد صاحب ۸۴
حکیم مرزا برکت اللہ بیگ صاحب ۸۶
فخر وطن حکیم مولانا محمد نور کریم صاحب ۸۷
پروفیسر حکیم مولوی عبد العزیز صاحب ۹۲
ڈاکٹر خدا بخش صاحب ۹۵
حاجی ڈاکٹر محمد سلیم صاحب ۹۶

چھٹی فصل وکیلون کے بیان مین

مولوی مظفر کریم صاحب ۹۶
منشی ماتا پرشاد صاحب ۹۷

ساتوین فصل سادھوؤن اور فقیرون کے بیان مین

حضرت مخدوم آبکش دریابادی ۹۹
شاہ عبد الرسول صاحب، حاجی محمد مصطفےٰ شاہ صاحب ۱۰۳
میر منتھا شاہ صاحب، حضرت شیخ سلاح ۱۰۵
شیخ جہان چشتی گوشہ نشین ″
شاہ ابو المظفر صاحب، شاہ ابو الخیر صاحب ۱۰۶
قاضی دانا شاہ صاحب ۱۰۷
شیخ افضل شاہ صاحب ۱۰۸
فخر وطن قاسم شاہ صاحب ″

میر محمد غوث صاحب، پیر شاہ صاحب ۱۱۰
بابا باسدیو داس جی، بابا رام داس جی ۱۱۱

تیسرا باب

پہلی فصل رئیسون کے بیان مین

راجہ دینا ناتھ صاحب ۱۱۱
لالہ بھگوان پرشاد صاحب چکلہ دار ۱۱۵
لالہ اچل سنگھ صاحب ۱۱۶
دیوان دوست لال صاحب ۱۱۹
لالہ درباری لال صاحب چکلہ دار ۱۲۷
لالہ بہی لال صاحب ناظم ۱۲۷
شیخ فضل علی صاحب چکلہ دار ۱۲۸
راجہ جوانی پرشاد صاحب ۱۲۹
مرزا بلاق بیگ صاحب ۱۳۳
رائے احترام بلی صاحب ۱۳۴
رائے پرتاب بلی صاحب ۱۳۹
رائے شیوراج بلی صاحب ۱۴۰
رائے مہراج بلی صاحب ۱۴۲
رائے شنکر بلی صاحب ۱۴۳
رائے بہادر رائے نارائن بلی صاحب ۱۴۴
رائے بہادر رائے مہادیو بلی صاحب ۱۴۸
چودھری عباس علی صاحب ۱۵۰
مرزا محمد اصغر بیگ صاحب ۱۵۴

دوسری فصل شرفاؤ معززین کے بیان مین

بنھو اوستھی ۱۵۶
سدھ ناتھ اوستھی ״
کرند راگن ہوتری ۱۵۷
بابو رام اگن ہوتری ۱۵۸
شانت دکھت ۱۵۹
جمراج مشر، قاضی محمد نورالحق صاحب ۱۶۰
بھوانی شنکر دکھت ۱۶۲
قاضی محمد مشرف صاحب ۱۶۵
سید امام علی صاحب خطیب، گیادت دکھت کوتوال ۱۶۶
لالتا دت تمندار، داروغہ شیو دین دکھت ۱۶۷
لالہ سیوک رام صاحب ناظم، امیر خان صاحب کیدان ״
لالہ لیکھراج صاحب، لالہ درباری لال صاحب ۱۶۸
منشی دیب چند صاحب میر منشی، منشی شنکر سہائے صاحب ״
لالہ گلال چند صاحب قانونگو ۱۶۹
منشی سرجو پرشاد صاحب ۱۶۹
شیخ مخدوم بخش صاحب چکلہ دار ۱۷۰
پنڈت نارائن دت مشر ״
شیخ محمد حسین صاحب میجر ۱۷۱
لالہ مچھمن پرشاد صاحب ״
مرزا آغا حسن صاحب چکلہ دار ۱۷۲
لالہ رام سہائے صاحب ۱۷۳
لالہ سرجو پرشاد صاحب قانونگو ۱۸۰
شیخ کرم کریم صاحب عرف چھیدا میان ۱۸۲
لالہ شیو نارائن صاحب منصرم ۱۸۶
مولوی عبدالکریم صاحب سب انسپکٹر ۱۸۸
حافظ مصطفےٰ کریم صاحب کورٹ انسپکٹر ״
حاجی عبداللطیف صاحب سب انسپکٹر ۱۸۹
مولوی عالم علی صاحب صدر قانونگو ۱۹۰
منشی بانکے بہادر صاحب رجسٹرار قانونگو ۱۹۱
لالہ بھیرون پرشاد صاحب جگدھریا ۱۹۲
حافظ محمد جہانگیر صاحب ۱۹۷

مولوی شیخ عبدالوحید صاحب ۱۹۸
شیخ شرف الدین صاحب ۱۹۹
حاجی مولوی عبدالقادر صاحب ڈپٹی کلکٹر ۲۰۱
سید اولاد علی صاحب کمیشن ایجنٹ ۲۰۳
شیو چرن مہراج ۲۰۴
حافظ مجتبیٰ کریم صاحب چیف ریڈر ۲۰۵
لالہ چھدامی لال صاحب ״
حاجی حافظ مرتضیٰ کریم صاحب ۲۰۶
بابو راج بہادر صاحب سب ڈپٹی انسپکٹر ״

چوتھا باب

پہلی فصل سپاہیون اور پہلوانون کے بیان مین

شیخ لطف اللہ صاحب رسالدار ۲۰۷
شیو دین، بھاگیرھ ۲۰۹
بینی مادھو، مادھو رام، شیو دین سنگھ ۲۱۰
لالا تپرشاد، دیبی سہائے، بھوانی دت ״
پنڈت درگا پرشاد، چودھری لطف علی ״
اکبر خان، مرتضیٰ خان، شمس الدین خان ۲۱۱
پنڈت بدری پرشاد ۲۱۲

دوسری فصل ماہرین فن کے بیان مین

طبقۂ اوّل

گیادت دیکھت کوتوال ۲۱۲
پنڈت اجودھیا پرشاد ״
جھنکو لال، اشرف علی، مرزا خان ۲۱۳
شیخ بدھو، شاکر خان، خنجر خان ״
گرپرشاد، رادھے لال دیکھت ״
منشی شنکر سہائے صاحب، فتح خان، دلاور خان ۲۱۴
عاشق علی، محبوب علی، لالہ سندر لال ״
لالہ درگا پرشاد، پنڈت بھیرون دت ״
شیو دیال مہراج ۲۱۵
چودھری لطف علی صاحب، چودھری منصور علی صاحب ۲۱۶
چودھری معشوق علی صاحب ״
رادھے کرشن مستری ״
شیخ جھاڑ، اکبر خان و مرتضیٰ خان ۲۱۷
شمس الدین خان، تیو دین ״
پنڈت بشن دت ۲۱۸
مولوی عبدالکریم صاحب، حافظ مصطفےٰ کریم صاحب ۲۱۹
حاجی عبداللطیف صاحب، مٹھو پانڈے ״
لالہ رامچرن لال صاحب، لالہ رجن لال صاحب ۲۲۰
مولوی ناظم علی صاحب، مولوی ثابت علی صاحب ۲۲۱
مچھلی خان ۲۲۲

طبقۂ دوم

رمضانی حجام وغیرہ ۲۲۳

طبقۂ سوم

خاص موسیقی دانون کے بیان مین

جمن خان وغیرہ ۲۲۴

پانچوان باب

پہلی فصل مہاجنون کے بیان مین

چھٹنکی ساہ ۲۲۸
فخر وطن سنگی ساہ ۲۲۹
لٹو سیٹھ، پٹھی سیٹھ ۲۳۵
سدھن لال و بدھی لال ۲۳۶
لالہ سیتارام ساہ، شیو رام و کاشی رام پانڈے ۲۳۷
لالہ درباری لال ساہ، لالہ لیکا رام کندن لال ۲۴۱
لالہ سنگل سین ״

مکندی ساہ، ہرپرشاد بہاری لال ۲۴۲
لالہ کندن لال ″
دوسری فصل کارخانہ دارون کے بیان مین
سدھان بدھان، سعادت علی، جیالال ۲۴۳
امامی، جانو، اللہ رکھو، سلارنبخش ″
بھگن، شیو رام کاشی رام، انگنو ۲۴۴
براتی دوبیی ″
تیسری فصل دوکانداروں کے بیان مین
لالہ بنے مل، لالہ بھگوانداس جوہری ۲۴۵
درگا پرشاد، راحت علی، رمضان خان ۲۴۶
اچھارام، ہنست لال وبھاگو لال، ہیرا ″
سوبھاداس، سمپت رام، روشن علی ۲۴۶
راحت علی، درگادین، ہیرالال وسادھو رام ″
ماتاپرشاد، لچھمی نرائن، بہاری لال ″
بالمکند، متھراداس، فرزند علی ″
سوہن لال، خورشید علی، موہن داس ″
لالہ منّو لال جوہری، سالک رام ورام کشن ۲۴۷
لالہ چوکھے رام، لالہ فقیر چند، کودی لال ″
کشن پرشاد، امیر خان ۲۴۸
جوگل، بھولا پرشاد ۲۵۰
چوتھی فصل عام پیشہ ورون کے بیان مین
محمد علی آتشباز وغیرہ ۲۵۰

چھٹا باب

پہلی فصل عمارتون کے بیان مین ۲۵۷
دوسری فصل باغون کے بیان مین ۲۶۴
تیسری فصل محلّون کے بیان مین ۲۶۶
چوتھی فصل بازارون کے بیان مین ۲۶۹
پانچوین فصل دھرم شالون اور سراؤن کے بیان مین ۲۷۳
چھٹی فصل میلون کے بیان مین ۲۷۴
ساتوین فصل عرسون کے بیان مین ۲۷۶
آٹھوین فصل کتب خانون کے بیان مین ″

ساتوان باب

موجودہ مشاہیر کا مختصر بیان

فخر وطن آنریبل رائے راجیشر بلی صاحب منسٹر ۲۸۰
رائے بہادر رائے چندر ہربلی صاحب ۲۸۳
رائے اناتھ بلی صاحب ″
رائے سوناتھ بلی صاحب، رائے بشیشر بلی صاحب ۲۸۴
رائے شمبھو بلی صاحب ″
رائے سدھناتھ بلی صاحب فراقی ۲۸۵
رائے دیوراج بلی صاحب ورائے ہرناتھ بلی صاحب ۲۸۶
رائے امرناتھ بلی صاحب ″
خان بہادر مرزا محمد یوسف بیگ صاحب ″
مولوی محمد کریم صاحب تحصیلدار پنشنر ۲۸۷
مولوی احمد کریم صاحب سب جج ۲۸۸
مولوی عبدالمجید صاحب ڈپٹی کلکٹر ۲۸۹
حافظ عبدالرشید صاحب ″
حکیم مولوی محمد عبدالحسیب صاحب ۲۹۰
شیخ محمد مقیم صاحب ۲۹۴
شیخ محمد مبین صاحب ۲۹۵
مرزا اشرف علی بیگ صاحب ″
بابو انوکھے لال صاحب ″
فخر وطن مولوی عبدالماجد صاحب ناظر ۲۹۶
مولوی تجمل کریم صاحب وکیل ۲۹۹
شیخ حسام الدین صاحب اسٹیشن ماسٹر ۳۰۰

مولوی حکیم الدین صاحب سب ڈپٹی انسپکٹر	〃
حاجی محمد یوسف صاحب	〃
حافظ محمد یونس صاحب چیف ریڈر	〃
شیخ جلال الدین صاحب خوشنویس	۳۰۱
حافظ مشرف کریم صاحب گرداور قانونگو پنشنر	〃
شیخ محمد امین صاحب گرداور قانونگو	〃
مولوی اجتبیٰ کریم صاحب ٹکٹ اگزامنر	〃
مولوی اصطفےٰ کریم صاحب	〃
پروفیسر بابو برج راج بہادر صاحب	۳۰۲
بابو گیرراج بہادر صاحب	〃
بابو بلراج بہادر صاحب	〃
بابو برج لال صاحب	〃
پروفیسر جالپا پرشاد صاحب	〃
بابو رام سرنداس صاحب وکیل	۳۰۲
بابو شیام لال صاحب وکیل، بابو سنت بخش صاحب وکیل	۳۰۳
بابو برج لال صاحب وکیل، بابو رام شنکر صاحب وکیل	〃
بابو ہری رام صاحب	۳۰۴
بابو بھگونت رائے صاحب منیجر بینک	〃
چودھری نواب علی صاحب وکیل	〃
چودھری عاشق علی صاحب سب انسپکٹر	〃
چودھری ساجد علی صاحب انسپکٹر بینک	〃
منشی جانکی پرشاد صاحب رجسٹرار قانونگو	۳۰۵
بابو چندر کا پرشاد صاحب ہیڈ کلرک	〃
منشی مگن بہاری لال صاحب	۳۰۶
بابو گوکل پرشاد صاحب رنج افسر	۳۰۷
منشی جے بہاری لال صاحب	〃
منشی محمد عباس علی صاحب خوشنویس	۳۰۸
حافظ محمد سعید صاحب خوشنویس	〃
شیخ کریم بخش صاحب امین	〃
مرزا غفار بیگ صاحب مصور	۳۰۹
میر سید علی صاحب	۳۱۱
سید محمد شفیع و سید محمد رفیع صاحب	〃
بابو سید حاکم علی صاحب	۳۱۲
بابو جیدیال صاحب	۳۱۲
بابو چھوٹے لال صاحب	〃
سید ناصر علی صاحب منصرم پنشنر	〃
پنڈت کشوری سرن شاستری	۳۱۳
حکیم مولوی سید نذیر احمد صاحب	〃
بابو شاہ محمد صاحب ٹکٹ کلکٹر	〃
شیخ رحیم بخش صاحب	۳۱۴
سید نظیر علی صاحب موٹر ڈرائیور	〃
شیخ عظیم بخش صاحب	۳۱۵
حافظ عبدالرحیم صاحب	〃
پیشہ ور لوگ	〃

آٹھوان باب

پرگنہ دریاباد کا بیان

پہلی فصل پرگنہ کی وسعت و آبادی وغیرہ کے بیان میں	۳۱۸
دوسری فصل مشہور ریاستوں کے بیان میں	〃
تیسری فصل مشہور دیہات و مقامات کے بیان میں	۳۲۳
چوتھی فصل نامور اصحاب کے بیان میں	۳۲۷

دیباچہ

عرصہ سے میرا ارادہ تھا کہ کچھ اپنے وطن مالوفہ کی خدمت کرون۔ آخر میں بہت غور و فکر کے بعد مین اس نتیجہ پر پہونچا کہ اپنے وطن اور اپنے وطنی بزرگوں کے اوصاف اور کارنامے سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے کہ وہ اُسے مفید اور نتیجہ خیز سبق حاصل کر سکیں اور بزرگان کرام کا نام بھی قیامت تک یادگار رہے۔ بقول حضرت شیخ سعدی شیرازی رحمتہ اللہ علیہ۔ **شعر**

نام نیکِ رفتگان ضایع مکن　　تا بماند نام نیکت یادگار

شکر کا مقام ہے کہ میں اپنے ارادے مین کامیاب ہوا اور گیارہ سال کی مسلسل اور جان توڑ کوششون کے بعد دریاباد ایسے قدیم و تاریخی قصبے کی ایک مختصر سی تاریخ تالیف ہو کر مرتب ہو گئی جس سے روسا و اہل قلم اور اہل ہنر وغیرہ کے گذشتہ حالات، جو کنج گمنامی مین پڑے ہوئے تھے، عالم آشکارا ہو جائین گے اور بزرگون کے نام اور کارنامے عرصہ تک زندہ رہین گے۔ یہ خدمت اور یہ محنت و جانفشانی والی مفعت کے لحاظ سے نہین کی گئی ہے، بلکہ محض اس لئے کہ میرے وطنی بزرگون کے نام نیک ضایع نہ ہون اور دریاباد کی قدیم عظمت سے لوگ بخوبی واقف ہو جائین۔

یہ تاریخ مرضی اور خیالی تاریخ نہیں کہ دریاباد کی اہمیت جتانے اور اپنی شہرت کی غرض سے خواہ مخواہ جو کچھ جی مین آیا، لکھ مارا، اور اناپ شناپ جو سُنا، درج کر دیا۔ اس مین اصلی حالات اور واقعات قلمبند کئے گئے ہین اور حتی المقدور اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ جو تذکرہ یا حال درج کیا جائے وہ مبالغہ سے پاک و صاف ہو سنی سنائی باتون پر کامل غور و تحقیق سے کام لیا گیا ہے۔ زمانۂ حال کے اصول اور قانون کے مطابق اکثر موقعون پر تنقیدی نگاہ بھی ڈالی گئی ہے اور جہان مناسب معلوم ہوا، وہان مدلل بحث بھی کی گئی ہے، ساتھ ہی اس کے بعض بعض حالات کے متعلق مستند حوالے بھی دئے گئے ہین، اور اس طرح تاریخ نگاری کا پورا پورا حق ادا کیا گیا ہے۔

لیکن نہایت افسوس ہے کہ ہم دریاباد کی تاریخ پر، جو گہری تاریکی مین پڑی ہوئی ہے، زبردست روشنی ڈالنے سے قاصر رہے اور قدیم حالات اور اہم واقعات کے چہرے سے نقاب اُٹھانے مین حسب دلخواہ اچھی طرح کامیاب نہین ہوئے، جس کے کئی وجوہ ہین۔ اوّل تو کوئی کتاب یا پرانی پوتھی تلاش سے دستیاب نہین ہوئی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہان کے بزرگ قصبہ کی تاریخ لکھنا تضیع اوقات سمجھ کر اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے، اور جن حضرات نے کچھ مختصر طور پر لکھا بھی ہے وہ زیادہ تر انھین کے خاندانی حالات تک محدود ہے، دریاباد کے متعلق صرف کہین کہین ضمنی اشارے پائے جاتے ہین یا خاص خاص باتین درج کر دی گئی ہین، جو مشہور عام ہونے کی وجہ سے ذخیرۂ معلومات مین کوئی معقول اضافہ نہین پیدا کر سکتین۔ دوسرے اکثر سن رسیدہ اور ذی علم اصحاب تاریخ لکھنے کے قبل ہی انتقال فرما گئے اور بعض بزرگون نے، جو برائے نام کچھ پڑھے یا بالکل بے پڑھے تھے لیکن مسن ہونے کی بنا پر اُن سے بہت کچھ مدد ملتی، آغاز کتاب کے چند سال بعد اس جہان سے کوچ کر دیا۔

قرب وجوار میں بھی کوئی ایسا رگ نہیں جس کی باتیں قابل اعتماد ہوں۔ ایسی حالت میں اگرچہ دریا باد کی یہ ماجیرا در مختصر تاریخ بالکل صحیح اور پورے طور پر مکمل نہیں کہی جاسکتی، تاہم یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس کے دلچسپ اور کارآمد سامنے میں امکان بھر کوئی مفید پہلو نظر انداز نہیں کیا گیا اور جہاں تک کوشش سے قابل اطمینان پرانی باتوں کا پتہ لگا درج کرکے ایک حد تک یہ شکایت بھی رفع کردی گئی کہ تاریخ میں قدیم زمانے کے متعلق کچھ بھی ذکر نہیں۔

راقم کو اس بات کا بھی ملال ہے کہ قصبہ کے بعض سرآوردہ اور ذی اختیار اصحاب نے بجز اپنے ذاتی یا خاندانی حالات عنایت فرمانے کے دیگر اہل فن اور اہل علم وغیرہ کے حالات سے آگاہی نہیں بخشی۔ اگر یہ تھوڑی سی تکلیف گوارا فرمائے تو، علاوہ سہولیت پیدا ہوجانے کے بہت سی باتیں جو اس وقت تک صیغۂ راز میں ہیں، عام طور پر ظاہر ہوجاتیں۔ اسی طرح بعضوں نے اہم کاغذات اور بعضوں نے قدیم زمانے کی قلمی پوتھیوں (جن سے غالباً بہت مدد ملتی) کے دکھلانے میں انتہائی بخل سے کام لیا۔ واللہ اعلم یہ لوگ اپنے دل میں کیا سمجھے کہ باوجود حتمی وعدہ کرنے کے پھر بھی مجھے مرہون منت نہ فرمایا۔ علاوہ ان کے خواندہ حضرات میں سے بعضوں نے بے انتہا منتوں اور خوشامد آمیز تقاضوں سے نادم و محجوب ہوکر دو تین برس، کسی نے چار پانچ برس، کسی نے چھ سات برس کے بعد اپنے خاندانی حالات عنایت فرمائے بعض نے بی لاپروائی اور کوتاہ قلمی سے حیلہ و حوالہ میں ٹالتے رہے۔ جب ایک مدت گذر گئی اور کشتئ امید ساحل مقصود سے ہمکنار نہ ہوئی تو، ناچار اُن سے عرض کیا گیا کہ "اب آپ خود تکلیف نہ کیجئے مہربانی فرماکر جو کچھ مناسب معلوم ہو قلمبند کرا دیجئے"۔ چنانچہ بہزار دقت کئی مہینے کے بعد اُن کے خاندانی حالات دریافت ہوکر حوالۂ قلم کئے گئے۔ دریا باد کی بیلک بھی ہمارے اس کام کو ایک مخدوش اور آفت ڈھانے والی کارروائی سمجھ کر بہت دنوں تک متنبہ نگاہوں سے دیکھتی رہی لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ ہمسے جو شاہی پروانے، پرانے کاغذات اور فرامین مانگنے کے ساتھ ساتھ ہمارے باپ دادے کے حالات بھی دریافت کئے جاتے ہیں تو، شاید یہ گورنمنٹ کا کوئی خفیہ انتظام ہے، جس کی وجہ سے ایک نہ ایک دن ہمپر خرابی آئیگی اور ہمکو سخت نقصان برداشت کرنا پڑیگا۔ لیکن بڑی مشکلوں سے اس مایوس کن اور مصیبت خیز ذہنی معیار کا قلع قمع ہوا اور ہماری کوشش آئندہ کے لئے نیک شگون اور مبارک ثابت ہوئی۔ یہ امر بھی قابل تحریر ہے کہ بہت سے پرانے کاغذات، پرانی پوتھیاں، قدیم سند بن کس مپرسی کی حالت میں بالکل بیکار ہوگئی ہیں اور بیشمار پوتھیاں وغیرہ لوگوں کی غفلت سے تلف ہوکر بے نام و نشان ہوگئیں۔ یہی وجوہات ہیں جو تالیف مذکور گیارہ سال میں تمام ہوئی اور بعض اہم معاملات پوشیدہ رہے۔

اس تاریخ کے سلسلے میں مالی نقصان برداشت کرنے کے علاوہ مہینوں ہر ایک اعلیٰ و ادنیٰ کی خوشامد کی۔ واقفیت حاصل کرنے کی غرض سے ہر گلی کوچے کی خاک چھانی۔ بعض اہم باتوں کی تحقیقات کے لئے الہ آباد، گونڈہ، رائے بریلی، بہرائچ، بہرام گھاٹ، بارہ بنکی، اجودھیا، فیض آباد، بنارس وغیرہ نزدیک و دور کا سفر اختیار کیا۔ اکثر شہروں کے بڑے بڑے کتب خانوں میں تاریخ و جغرافیہ کی کتابیں تلاش کیں۔ شاہی کاغذات، فرامین، پرانی دستاویزیں، پروانے وغیرہ کی فراہمی میں انتہائی کوشش کی، ساتھ ہی اسکے بعض لوگوں کی چھیڑ کیاں

بھی نہیں، ہونٹوں کے مارے جا بھی اٹھائے، خطی بھی ہے، لالچی بھی ٹھہرے، اصلی صحت بھی کھوئی، ملازمت سے بھی ہاتھ دھونا پڑا۔ لیکن چہرے پر کبھی شکن نہ آئی اور اپنے فرائض کو نہایت مستعدی اور اطمینان کے ساتھ انجام دیا گیا۔

اوستاد مرحوم کا قول تھا "مورخ کو چاہئے کہ تاریخ لکھتے وقت تعصب، حوشامد، مُرَوّت، رعایت اور دیرینہ بغض و عداوت کو دل سے کال ڈالے۔ متانت اور سنجیدگی کے ساتھ رائے زنی کرے۔ کوئی لفظ قلم سے ایسا نہ نکلے جو پایۂ تہذیب سے ساقط ہو۔ وہ حوشیلی عبارت جس سے کسی کے مذہب یا کسی کی ذات پر حملہ ثابت ہو، ہرگز نہ تحریر کرے۔ اُس سچائی سے دور رہے جو قانونِ وقت کے خلاف اور فساد کا باعث ہو۔ اوصاف لکھنے کے ساتھ ساتھ عیوب کا بھی ظاہر کرنا ضروری اور مقدم سمجھے، اگرچہ بعضوں کے نزدیک یہ طرزِ عمل ایک حد تک اخلاقی جرم میں داخل ہے، لیکن آداب واقعہ نگاری کے عین مطابق ہے، جس کا خاص منشا یہی ہے کہ تصویر کے دونوں رُخ دکھا جائیں۔ روشن پہلو کو نمایاں کرنا اور تاریک پہلو کو چھپانا تاریخ کے اصلی مقصد کو فوت کر دیتا ہے۔" راقم الحروف نے حتی الامکان جہاں تک ہو سکا اور دماغ نے کام دیا مذکورۂ بالا زرّیں الفاظ کی حرف بحرف سختی کے ساتھ پابندی کی ہے۔

ہندوستان کے دیگر صوبوں کا نہیں علم نہیں، مگر ہمارے خاص صوبہ (یوپی) میں "تاریخ بلند شہر" کے علاوہ کسی قصبہ یا شہر کی کوئی تاریخ اس وقت تک فارسی، اُردو، بھاشا میں شائع نہیں ہوئی۔ گزیٹیر جو ہر ضلع میں گورنمنٹ کے زیرِ اہتمام تیار کیا گیا ہے، وہ ضلع کی تاریخ ہے، کسی قصبہ یا شہر کی خاص تاریخ نہیں۔ اس لئے دریا باد کی یہ تاریخ غالباً ممالک متحدہ و آگرہ میں دوسری اور اودھ میں اُردو کی پہلی تاریخ ہے، جو یقین ہے کہ قدر کی نگاہوں سے دیکھی جائیگی۔

بادیۃ النظر میں یہ کتاب محض ایک قصبہ کی تاریخی حالات کا آئینہ ہے، جس سے بجز خاص خاص لوگوں کے عام لوگ کو کسی قسم کا فائدہ نہیں پہونچ سکتا۔ لیکن، اگر غور و انصاف سے دیکھا جائے تو اس کا مطالعہ علمی دنیا میں ہر صاحب شوق کے لئے عام طور پر بھی مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس میں قدیم زمانہ کا طرزِ معاشرت، قدیم ہندو مسلم اتحاد، زمانے کی سیر گیاں، قدرت کے عجیب و غریب کرشمے، سبق آموز کارنامے، نصیحت خیز مضامین وغیرہ بہت سی سُود مند باتیں دلچسپی سے خالی نہیں۔

۱۹۱۴ء میں یہ مقام دریا باد تاریخ ہذا کے متعلق کام شروع کیا گیا اور ۱۹۱۶ء تک برابر یہی مشغلہ رہا۔ ۱۹۱۷ء لغایت ۱۹۲۰ء یہ سلسلہ ملازمت لکھنؤ میں قیام کرتے ہوئے بھی اس بارہ میں کوشش بدستور جاری رہی۔ مگر جب لکھنؤ میں مقیم رہ کر تاریخ کا اختتام یا نہایت ہی مشکل نظر آیا تو، جنوری ۱۹۲۱ء میں نوکری سے سبکدوشی حاصل کر کے تھوڑے دنوں کے بعد مئی ۱۹۲۱ء میں اپنے قدیم مخلص جناب ٹھاکر **رام پال سنگھ صاحب** (رئیس سکرورھا، پرگنہ دریا باد) کے مکان پر آزادانہ رہنا اختیار کیا۔ موصوف کی بے لوث مہربانیوں اور قابل تعریف دوستانہ برتاؤ سے ۱۹۲۳ء میں کام ختم ہو گیا۔ ۱۹۲۴ء میں ضروری ترمیم کے ساتھ ساتھ مسودوں کی صفائی ہوئی اور کتاب کی باقاعدہ ترتیب دی گئی، جو ٹھ ابواب اور چھبیس ۲۶ فصلوں پر منقسم ہے۔ باب ۱ ذکر دریا باد باب ۲

فصل ۱ ذکر علمائے ہنود فصل ۲ بیان علمائے اسلام فصل ۳ حالاتِ اصحاب دی علم فصل ۴ تذکرہ شعرائے سنسکرت و فارسی وغیرہ فصل ۵ بیانِ وید و حکماؤ ڈاکٹر فصل ۶ ذکر دکلاء فصل ۷ تذکرہ فقرائے ہنود و مسلمان باب ۳ فصل ۱ ذکر رؤسا فصل ۲ ذکر تجار و معززین باب ۴ فصل ۱ ذکر پہلوانان و سپاہیان فصل ۲ بیانِ ماہرینِ فن باب ۵ فصل ۱ ذکر مہاجنان فصل ۲ ذکر کارخانہ داران فصل ۳ بیان دوکانداران فصل ۴ ذکر پیشہ وران عام باب ۶ فصل ۱ ذکر عمارات فصل ۲ ذکر باغات فصل ۳ تذکرہ محلات فصل ۴ ذکر بازار فصل ۵ بیان دھرم شالہ و سرا فصل ۶ ذکر میلہ فصل ۷ بیان اعراس فصل ۸ ذکر کتب خانہ باب ۷ بیان مشاہیر موجودہ باب ۸ فصل ۱ ذکر برگنہ دریاباد فصل ۲ ذکر ریاست ہائے برگنہ فصل ۳ ذکر مشہور دیہات و مقامات فصل ۴ بیان اصحابِ نامور۔

اس موقع پر احسان فراموشی ہوگی اگر اس امر کا اظہار نہ کیا جائے کہ تالیف ہذا کے بارہ مین مشورہ لینے پر سب سے پہلے مخدومی و مکرمی جناب مسٹر حامد علی خان صاحب حامد بیرسٹرایٹ لا (لکھنؤ) مخدومی و مکرمی جناب پنڈت بشن نارائن دربر سٹرایٹ لا متخلص بہ اثر (لکھنوی) اور بعد کو مولوی عبد الماجد صاحب ناظر بی اے حکیم مولوی محمد عبد الحسیب صاحب نستی مکن بہاری لال صاحب (ہموطن مولف) نے بڑی خوشی کے ساتھ نہایت حوصلہ افزا کلمات سے ترغیب دی تھی۔

آخر مین اُن اصحاب کا سجدہ شکریہ ادا کیا جاتا ہے جنھون نے بلا وجہ اپنا بہت سا قیمتی وقت صرف کر کے تاریخی مواد اور رسالہ کی فراہمی مین بخوشی امداد فرمائی۔ مولف اُن کا بھی شکر گذار ہے، جن حضرات نے اپنے بزرگوں کے حالات عنایت فرمائے یا زبانی بیان فرما کر وقعیت حاصل کرنے کا موقع دیا اور ضروری کاغذات وغیرہ بھی دکھلائے اُن مصنفین و مولفین کے بارِ احسان سے بھی گردن ہمیشہ جھکی رہے گی جن کی کتابون سے تاریخ ہذا کی تالیف مین مدد لیگئی ہے۔

خاکسار رج بھوکھن لال محب ولد بھیرون پرشاد بن سیتل پرشاد دھاری معروف بہ "جگدھریا" شری داستویہ دوسرے کائستھ، ساکن دریاباد، ضلع بارہ بنکی صوبہ اودھ

دسمبر ۱۹۲۴ء

اوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلا باب

دریاباد کی وجہ تسمیہ، اس کے بانی اور تاریخ بنا، آبادی وغیرہ کا بیان

دریاباد[1] یا دریا آباد مشہور اور تاریخی قصبہ لکھنؤ اور فیض آباد کے عین وسط میں چالیس میل کے فاصلہ سے آباد، طول البلد ۸۱ دقیقہ ۳۳ ثانیہ مشرقی اور عرض البلد ۲۶ دقیقہ ۵۳ ثانیہ شمالی پر واقع، بارہ بنکی سے ۲۴ میل پورب۔ آئین اکبری، تاریخ غدر اودھ (انگریزی) بوستان اودھ، افضل التواریخ وغیرہ مین اسکا ذکر ہے۔

واجب العرض دریاباد، ڈسٹرکٹ گزیٹیر بارہ بنکی اور دیگر کتابون مین جو کچھ دریاباد کے متعلق تحریر کیا گیا ہے اُسکا خلاصہ اُنھین کتابوں وغیرہ کے الفاظ مین حسب ذیل ہے۔

(۱) بنیاد اس قصبہ کی ۸۴۳ھ (۱۴۳۹ء) سے ہے۔ وجہ تسمیہ وحال تاریخی یہ سنا جاتا ہے کہ بعہد سلطان[2] مرزا بادشاہ دریا خان صوبہ دار مقرر ہو کے ملک اودھ مین آئے اور مقام محمود آباد مین کہ قلعہ بادشاہی تھا قیام پذیر ہوئے۔ چونکہ اس مقام پر جنگل کثرت سے تھا اور قوم بھڑ یہان شورش و فساد کر رکھا تھا صوبہ دار موصوف نے قوم بھڑون کو تنبیہ و خارج کیا بعد تسلط و انتظام کے جنگل کٹوا کے قلعہ تعمیر کرایا و بنیاد آبادی قصبہ کی نام نہاد اپنے قایم کی۔ از نقل واجب العرض دریاباد ۲۶ فروری ۱۸۸۰ء (۲) ایک مسلمانی پرانا قصبہ ہے۔ محمد[3] شاہ دائی جونپور کے فوجی افسر دریا خان نے اس کو پندرھوین صدی مین آباد کیا تھا۔ تاریخ ۱۴۴۴ء اس کے بسانے کی ملتی ہے۔ از ڈسٹرکٹ گزیٹیر بارہ بنکی (۳) دریاباد پرانا مسلمانون کا قصبہ آباد کردہ دریا خان افسر فوج محمد شاہ جونپوری ہے۔ از جغرافیہ ضلع بارہ بنکی مرتبہ ٹھاکر رگھبیر سنگھ صاحب ورما، مطبوعہ روشن لال پریس لکھنؤ ۱۹۱۳ء (۴) اُس وقت ابراہیم شاہ جونپور سلطنت کر رہے تھے اور دلی کے لودھی خاندان بادشاہون سے (۱۴۵۱ء لغایت ۱۵۲۶ء) اودھ میں لڑائی ہو رہی تھی۔ اینٹھیا، بھرلیا، رکیوار چھتری خاندان کے لوگ وقتاً فوقتاً زور آور ہو جایا کرتے تھے اور سلطنت میں بدامنی قایم کر دیتے تھے۔

---

[1] اس نام سے الہ آباد مین ایک محلہ اور کھیری کے ضلع میں ایک چھوٹا سا موضع بھی ہے۔ یہ مقامات دریا کے قریب تھے مین تھے اسکی وجہ سے ریاست میں بابی بھی پائی جاتی تھا جسلئے مین بڑوا کر آباد کیا گیا تھا دریا آباد کے نام سے موسوم ہوئے ۱۲ [2] [3] کسی تاریخ سے اِن بادشاہوں کا پتہ نہیں چلتا ۱۲

دریا خان نے دریا باد قائم کیا تھا۔ ارجغرافیہ ضلع بارہ بنکی مولفہ منشی مقبول احمد صاحب، مطبوعہ سیٹھ کندن لال پریس لکھنؤ، ۱۹۱۶ء (۵) حضرت مخدوم آکش دریا بادی کے ارشاد کے موجب دریا باد کی عامل نے، جو سلطان شرقیہ جونپور کی طرف سے محمود آباد میں تعینات اور شاہ صاحب موصوف کے معتقد تھے، دریا باد کی بنیاد ڈالی تھی۔ ارحدیقۃ الارض فارسی قلمی"۔

مذکورۂ بالا اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ دریا باد کو دریا خان صاحب نے پندرھویں صدی میں آباد کیا تھا۔ لیکن، واجب العرض دریا باد سے پایا جاتا ہے کہ دریا باد اُس وقت ویرانہ نہ تھا، بلکہ جنگل کی صورت میں بھر قوم سے آباد تھا، جسے دریا خان صاحب نے خارج کرکے اس مقام پر شائستہ لوگوں کی آبادی قایم کی جس کا نام دریا باد رکھا گیا۔ بھر قوم راجہ بھوج کے بعد ہندوؤں سے علیحدہ ہوکر غیر مہذب اور وحشی قوموں کی طرح اودھ کے مختلف مقامات پر آباد ہوگئی تھی جس کا تعلق ہنود کے ادنیٰ فرقہ سے تھا۔ اس قوم کے باشندے مہذب اور شائستہ لوگوں سے دور رہتے اور مقام سکونت کو جھاڑی، جنگل سے پوشیدہ رکھتے تھے۔

علمی طبقہ کے علاوہ عام طور پر بھی یہی مشہور ہے کہ "دریا باد کو دریا خان نے بسایا تھا"۔ لیکن، دریا خان صاحب کی نسبت بعض بزرگوں کی رائے ہے کہ "وہ سلطنت دہلی کے افسروں میں سے تھے، انھوں نے دریا باد آباد کیا تھا"۔ چنانچہ راقم کے اوستاد محمد ومی ذکرمی حاجی منشی نوبت رائے صاحب نظر (لکھنوی) ایک مرتبہ بسبیل تذکرہ بیان فرماتے تھے کہ "ہمارے والد مرحوم کہتے تھے کہ جس وقت ہم دریا باد ورناکیولر اسکول (سنہ ۱۸۸۰ء) میں ہیڈ ماسٹر تھے، ہمیں دریا باد کے اکثر ذی علم حضرات سے سنا تھا کہ دریا خان نامے بادشاہ دہلی کے ایک معزز عہدیدار تھے، اُن کے حکم سے دریا باد کی بنیاد پڑی تھی"۔ مولانا مفتی کاظم علی صاحب نے سرا کے ایک مقدمہ میں بیان کیا ہے کہ "قلعہ (متعلقہ دریا باد) دریا خان نے عہد سلطان غوری (آخر بارھویں صدی عیسوی) میں تیار کرایا تھا"۔ اس سے دریا باد کی بنا، بارھویں صدی کے اندر معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ قلعہ کی تعمیر آبادی کا ثبوت ہے، خواہ آبادی قایم ہونے کے بعد قلعہ تعمیر ہوا ہو، یا آبادی کے ساتھ ساتھ، خواہ چند روز قبل۔ آلھا گانے والے مشہور بزرگ "تاطن سید بنارس والے صوبہ جون بارھویں کیر ہے علی اللہ دل اور دریا خان مٹیا علی بیگ سلطان"، گا کر بیان کرتے ہیں کہ سید تاطن آلھا اودل کے دوست تھے اور جے چند والئی قنوج کے ہم جلیسوں میں ممتاز تھے۔ بنارس میں اُن کا عالی شان مکان ابتک موجود ہے جو اُنکی نسل والوں کے قبضہ میں ہے۔ مہاراجہ بنارس بھی اُن کی خاص عزت کرتے تھے۔ وہ بڑے بہادر اور ہنود کے خیر خواہ تھے۔ آلھا اودل کے ساتھ مہاراجہ پرتھی راج کے خلاف جے چند کی طرف سے جنگ میں شریک ہوکر (زمانہ جنگ بارھویں صدی عیسوی) مارے گئے تھے۔ دریا خان نے دریا باد، علی بیگ نے علی آباد کی بنیاد ڈالی تھی۔

---

[1] اسے دریا باد کے حکیم امداد احمد صاحب نے تالیف فرمایا تھا۔ میاں جمیل احمد صاحب کے پاس موجود ہے۔ [2] نقل ظہور موسوی کاظم علی گواہ مثل مقدمہ سرا نمبری ۵۹، فیصلہ ۲۴ دسمبر ۱۸۸۳ء اجلاس مولوی سید اکبر علی صاحب بہادر ڈپٹی کلکٹر اسسٹنٹ کمشنر ضلع بارہ بنکی، راجہ رائے بہادر سنگھ تعلقدار بڑھرا مدعی کے برائے انعام ملی تعلقدار دریا باد مدعا علیہ مقدمہ سرا کی سرا ۱۲۔

اُس وقت بنارس اور قنوج، دہلی وغیرہ کی آمد و رفت کا راستہ دریاباد، علی آباد ہو کر تھا۔ اور یہ دونوں بھائی تاطھن سید کے بیٹے تھے، جو کے بزرگ سید سالار مسعود غازی کے زمانے مین ہندو سے مسلمان ہوگئے تھے۔" اس بیان سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ دریاباد کو آباد ہوئے آج تک کم و بیش آٹھ سو برس ہوگئے، جو غالباً وائی بنارس اور وائی قنوج کی سرپرستی کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ علاوہ اس کے منورؔ شہید کے بارہ مین اکثر بزرگون کی زبانی سُنا گیا ہے کہ "وہ سید سالار کے زمانے مین دریاباد کے مقام پر شہید ہوئے تھے، جو سید سالار کے ہمراہ اودھ کی طرف آئے تھے۔" سید سالار کا زمانہ سلطان محمود غزنوی کا زمانہ ہے، جس نے ۱۰۰۰ء مین ہندوستان پر حملہ کرنا شروع کیا تھا۔ اس سے دریاباد کی بستی نو سو برس سے بھی پہلے کی ثابت ہوتی ہے۔ مندر والا چشمہ دیدہ واقعہ بھی دریاباد کی قدامت پر گہری روشنی ڈالتا ہے، جو غلام مولیٰ چابک سوار کے احاطہ مین زمین کے اندر سے برآمد ہوا تھا، جس کی نسبت سُنا جاتا ہے کہ اب سے بیس بائیس برس ہوئے غلام مولیٰ کے مکان کے زنانے حصے مین زمین دھنس جانے کے باعث کھدائی شروع ہونے پر ایک سحتہ شیوالہ نما گنبد والا مندر نمودار ہوا، جو تخمیناً ۱۲ فٹ چوڑا اور ۲۴ فٹ بلند تھا۔ اندرونی حصے کے دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ مندر ابھی حال ہی مین تعمیر ہوا ہے اور سفیدی کی گئی ہے۔ مندر کی مورتیں دھات کی تھین، جن مین ایک مورت کی شکل باگھ کی تھی۔ ایک بڑے طاق پر ایک کرم خوردہ اور بوسیدہ قلمی کتاب بھی رکھی ہوئی تھی، جس کے اوراق باہم چسپاں تھے، ضخامت تخمیناً ڈیڑھ سو اوراق، فسانہ عجائب کلان کی تقطیع ایک آہنی سنسا بھی اس پوتھی کے پاس رکھا ہوا تھا۔ چھیدی سراوک نے بیس روپیہ غلام مولیٰ کو اس غرض سے دئے تھے کہ مندر کی مورتین ہمکو دیجائین۔ لیکن غلام مولیٰ نے صرف باگھ والی مورت چھیدی کو دی تھی، باقی مورتون اور سنسے کا حال بالکل پوشیدہ رہا۔ مندر کی اینٹین غلام مولیٰ نے بیچ ڈالین اور اس طرح تمام مندر منہدم ہو کر بے نام و نشان ہوگیا۔ اس مندر کا حال عام طور پر لوگون کو اُس وقت معلوم ہوا، جبکہ سارا مندر قریب قریب نیست و نابود ہوگیا، صرف زیرین حصے کی کچھ کچھ دیوارین باقی رہ گئی تھین اور صدر دروازہ موجود تھا۔ قاضی حاجی حسن صاحب، چھیدی سراوک، ٹھاکر پرشاد عطار اور دیگر لوگ اس حیرت انگیز واقعہ کی تصدیق کرتے ہین، جس سے صرف مندر کی تعمیر کا زمانہ آج تک ہزار برس سے کم نہین ثابت ہوتا، اور مندر کا وجود آبادی کی عین دلیل ہے۔ اسی طرح یہ دوسرا واقعہ بھی کچھ کم معنی خیز نہین، جس کے متعلق ٹھاکر پرشاد عطار کا بیان ہے کہ "تخمیناً ساٹھ پچیس برس کا زمانہ ہوتا ہے، چھٹنکی محل کے تہ خانے مین اس قسم کے بہت سے برتن (پھول کی تھالیان، پیتل کی پراتین) دیکھے گئے تھے، جو بظاہر مضبوط اور نئے معلوم ہوتے تھے، مگر قابل استعمال نہ تھے۔ چھو لینے سے ایک چمکتی ہوئی خاک کے سوا کچھ ہاتھ نہ لگتا تھا۔" اس موقع پر فقط اتنا ہی عرض کر دینا کافی ہے کہ چھٹنکی محل دریاباد کے محلون مین سے ایک مشہور و معروف محل تھا اور محققین کے نزدیک دھات کے برتن ہزار پانچ سو برس کے اندر زنگ آلود ہو کر بیکار

---

[1] دریاباد کے باہر دکھن طرف مرے نالا کے پاس ان کا مزار اتک موجود ہے جو ہر سال عرس ہوتا ہے ۱۲ [2] دھات مین مورچہ نہین لگتا، لیکن جب تک خاص ترکیب کے ذریعہ آنچ مین گلا کر کوئی چیز تیار کی جائیگی تو غیر مستعمل ہونے کی سادہ پڑیک مدت کے بعد زنگ آلود ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہین ۱۲۔

اُس وقت بنارس اور قنوج، دہلی وغیرہ کی آمد و رفت کا راستہ دریاباد علی آباد ہو کر تھا۔ اور یہ دونوں بھائی ناطمن سید کے بیٹے تھے جو کے بزرگ سید سالار مسعود غازی کے زمانے مین ہندو سے مسلمان ہو گئے تھے" اس بیان سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ دریاباد کو آباد ہوئے آج تک کم و بیش آٹھ سو برس ہو گئے، جو غالباً دائی بنارس اور دائی قنوج کی سرپرستی کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ علاوہ اس کے منورؔ شہید کے بارہ مین اکثر بزرگون کی زبانی سُنا گیا ہے کہ "وہ سید سالار کے زمانے مین دریاباد کے مقام پر شہید ہوئے تھے، جو سید سالار کے ہمراہ اودھ کی طرف آئے تھے" سید سالار کا زمانہ سلطان محمود غزنوی کا زمانہ ہے، جس نے ۱۰۰۰ء مین ہندوستان پر حملہ کرنا شروع کیا تھا۔ اس سے دریاباد کی بستی نو سو برس سے بھی پہلے کی ثابت ہوتی ہے۔ مندر والا چشم دید واقعہ بھی دریاباد کی قدامت پر گہری روشنی ڈالتا ہے، جو غلام مولیٰ چابک سوار کے احاطہ مین زمین کے اندر سے برآمد ہوا تھا، جس کی نسبت سُنا جاتا ہے کہ اب سے بیس بائیس برس ہوئے غلام مولیٰ کے مکان کے زنانے حصے مین زمین دھنس جانے کے باعث کھدائی شروع ہونے پر ایک سحتہ شیوالہ نما گنبد والا مندر نمودار ہوا، جو تخمیناً ۱۲ فٹ چوڑا اور ۲۴ فٹ بلند تھا۔ اندرونی حصے کے دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ مندر ابھی حال ہی مین تعمیر ہوا ہے اور سفیدی کی گئی ہے۔ مندر کی مورتیں دھات کی تھین، جن مین ایک مورت کی شکل باگھ کی تھی۔ ایک بڑے طاق پر ایک کرم خوردہ اور بوسیدہ قلمی کتاب بھی رکھی ہوئی تھی، جس کے اوراق باہم چسپاں تھے، ضخامت تخمیناً ڈیڑھ سو اوراق، فسانہ عجائب کلان کی تقطیع ایک آہنی سنسا بھی اس پوتھی کے پاس رکھا ہوا تھا۔ چھیدی سراوک نے بیس روپیہ غلام مولیٰ کو اس غرض سے دئے تھے کہ مندر کی مورتین ہمکو دیجائین۔ لیکن، غلام مولیٰ نے صرف باگھ والی مورت چھیدی کو دی تھی، باقی مورتون اور سنسے کا حال بالکل پوشیدہ رہا۔ مندر کی اینٹین غلام مولیٰ نے بیچ ڈالین اور اس طرح تمام مندر منہدم ہو کر بے نام و نشان ہو گیا۔ اس مندر کا حال عام طور پر لوگون کو اُس وقت معلوم ہوا، جبکہ سارا مندر قریب قریب نیست و نابود ہو گیا، صرف زیرین حصے کی کچھ کچھ دیوارین باقی رہ گئی تھین اور صدر دروازہ موجود تھا۔ قاضی حاجی حسن صاحب، چھیدی سراوک، ٹھاکر پرشاد عطار اور دیگر لوگ اس حیرت انگیز واقعہ کی تصدیق کرتے ہین، جس سے صرف مندر کی تعمیر کا زمانہ آج تک ہزار برس سے کم نہین ثابت ہوتا، اور صدر کا وجود آبادی کی عین دلیل ہے۔ اسی طرح یہ دوسرا واقعہ بھی کچھ کم معنی خیز نہین، جس کے متعلق ٹھاکر پرشاد عطار کا بیان ہے کہ "تخمیناً میں پچیس برس کا زمانہ ہوتا ہے، چھٹنکی محل کے تہ خانے مین اس قسم کے بہت سے برتن (پھول کی تھالیان، پیتل کی پراتین) دیکھے گئے تھے، جو بظاہر مضبوط اور نئے معلوم ہوتے تھے، مگر قابل استعمال نہ تھے۔ چھو لینے سے ایک چمکتی ہوئی خاک کے سوا کچھ ہاتھ نہ لگتا تھا" اس موقع پر فقط اتنا ہی عرض کر دینا کافی ہے کہ چھٹنکی محل دریاباد کے محلون مین سے ایک مشہور و معروف محل تھا اور محققین کے نزدیک دھات کے برتن ہزار پانچ سو برس کے اندر زنگ آلود ہو کر بیکار

لہ دریاباد کے باہر دکھن طرف مرے تالاب کے پاس ان کا مزار اتک موجود ہے جو ہر سال عرس ہوتا ہے ۱۲ لہ دھات مین موریہ نہین لگتا، لیکن جب اسے خاص ترکیب کے ذریعہ آنچ مین گلا کر کوئی چیز تیار کی جائیگی تو غیر مستعمل ہونے کی سارے پر ایک مدت کے بعد زنگ آلود ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہین ۱۲

فضل خدا افزون باد ۔ ہین وہان مہتمم وائیر وسائیر ماتھر منشی بہاری لال صاحب گوڑ الہ آبادی بجواب خط رقم الحروف رقم طراز ہین :- "جہان تک میں نے سنا ہے، میرا خاندان بھی دریا بادی ہے۔ دریا باد سے بزرگ سے پوتے یوسر اضلع فیض آباد میں سکونت اختیار کی۔ قانو گوئی کا سلسلہ تھا۔ میرے دادا منشی ہنومان پرشاد صاحب نے اپنی سسرال میں بمقام الہ آباد قیام اختیار کیا، اس وقت سے ہم لوگ الہ آباد مین ہین۔ ان تحریرون سے پایا جاتا ہے کہ دریا باد مین گوڑ کا سیستھ آباد تھے، اور انھوں نے اب سے دو سو برس قبل یہان سے علیحدگی اختیار کرلی تھی۔ نخیتار خلجی نے ۱۲۳۷ء میں بنگال پر حملہ کیا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دریا باد مین گوڑ کا سیستھون کی بنیاد اب سے ساڑھے چھ سو برس پیشتر قائم ہو چکی تھی، جسکے یہ معنی ہوئے کہ دریا باد ۱۱۰۰ء مین آباد تھا۔

"تذکرۂ ستوجاری" منشی مولفہ پروفیسر رامداس گوڑ، ساری، ایم اے، حصۂ اول صفحہ ۱۱ مین لکھا ہے :- "مقامی روایات اور تحریرات زمانۂ سلف سے معلوم ہوتا ہے کہ تیرھویں صدی عیسوی مین مقامات بنارس و کول (علی گڈھ) و نظام آباد و یوسر و بڑہر و دریا آباد میں اس فرقہ کے لوگ آباد ہوئے اور چودھوین صدی عیسوی مین گرد و نواح دہلی و دہلی و گوالیار و دیتا و اجلاع خاندیش و اندھ آباد و راجپوتانہ اودے پور و اندور دیگر مقامات وسط ہند مین بباعث دبا گوڑ دیش سے بھاگ کر گوڑ اسحاب آباد ہوئے۔ شروع اٹھارھوین صدی عیسوی مین گوڑ کا سیستھ دریا باد سے اٹھ گئے اور بسلسلۂ حاش دوسرے مقامون مین آباد ہو گئے۔" اس سے بھی دریا باد گیارھوین صدی عیسوی مین آباد پایا جاتا ہے۔

ہمیں تین مطبوعہ کانکج ونشاولیان (قنوجیا برہمنون کی نازبین) بڑی تلاش سے دستیاب ہوئی ہین جن مین منھو و سدھ ناتھ و کندرو بابو رام اگن ہوتری، شانت و بھجت اور جھمراج مستر کا ذکر ہے۔ ان معزز برہمنون کو آپ مچ گوتر کے مشاہیر میں جگہ دی گئی ہے اور انھین دریا بادی لکھا ہے، جنھون نے اپنے اصلی وطن کو خیرباد کہہ کر دریا باد مین مدات خاص سکونت اختیار کی تھی۔ یہ تاریخیں مختلف پنڈتون کی تالیف سے مختلف پریسون اور مختلف وقتون مین چھپ کر شائع ہو چکی ہین۔ پہلی کانکج ونشاولی مطبوعہ کاپور ہے۔ دوسری کانکج جنتاس ہے، جو سوامی ودیا پرکاش درجن پوری (ضلع سچ گڈھ) کی تالیف ہے اور لکشمی ویکٹیشور پریس بمبئی مین طبع ہوئی ہے۔ تیسری کانکج ونشاولی مولفہ پنڈت نارائن دت مشر لکھیم پوری (اودھ) ہے۔ یہ تیسری ویکٹیشور بمبئی مین (سمبت ۱۹۲۹ بکرمی) چھپی ہے۔ اسکی تالیف مین سمبت ۱۵۱۷، سمبت ۱۶۲۵، سمبت ۱۶۱۵، سمبت ۱۸۳۵ بکرمی یعنی ساڑھے چار سو، ساڑھے تین سو، ڈھائی سو، اور ڈیڑھ سو برس کی سنسکرت پوتھیوں سے مدد لی گئی ہے۔ کانکج ونشاولی نمبر ۳ مین لکھا ہے کہ "آپ مچ گوتر مین بیس پشت تک خاندان کو ترقی دیے اور خاندان کا نام روشن کر بمواے بزرگون کا سلسلہ قائم رہا۔" ہر سہ تاریخون کی مدد سے شجرہ بنانے پر معلوم ہوتا ہے کہ پہلی نشست میں بھویا پنڈت کے بیٹے جانی، دوسری میں نچھو، تیسری مین کمل، چوتھی مین گوپی یا بجوین مین دھرمائی، چھٹی مین دیوت و سدھ ناتھ، ساتویں میں کندرو، ساری، آٹھویں مین رُپی، نویں مین گوپیہ تانڈو، دسوین مین دیوراج، گیارھوین میں گھر داس، بارھوین مین مو۔ تیرھویں مین نردکتم، چودھوین میں بالو، پندرھویں مین تلو، سولھوین مین مدری، سترھوین مین سیوکی، اٹھارھویں مین گوپال، انیسوین مین جھمراج مستر،

بیسوین لیشت میں لنکا دہن وغیرہ بزرگ گذرے ہین۔ اس تفصیل کے مطابق حسب دستورِ زمانہ (فی لیشت ۳۰ برس کے حساب سے) بنھوسے لنکا دہن تک اُنیس لیشتون کی مدت ۵۷۰ برس ہوتی ہے اور چونکہ جمراج مسٹر اور لنکا دہن کو گذرے ہوئے اتنا زمانہ ہوا کہ لوگ ان کے نام سے بھی واقف نہین۔ صرف بعض ہن رسیدہ بزرگون کی زبانی ہی قدر سننے مین آیا ہے کہ دریا بادی مسترون نے بھی یگیہ کیا تھا اور کسی وقت ان کا بھی ستارہ بلندی پر تھا اس لئے ان بزرگون کا زمانہ تین چار سو برس سے بھی زیادہ پایا جاتا ہے۔ لیکن، اگر کم وبیش صرف تین ہی سو برس مان لیا جائے تو بھی بھنوہر راج کا دریا باد مین آباد ہونا اب سے ساڑھے آٹھ سو برس قبل ثابت ہوتا ہے اور یہ دلیل ہے اس امر کی کہ دریا باد کی بستی سنہ ۹ء (نوین صدی عیسوی) میں موجود تھی۔ اب یہ بات روزِ روشن کی طرح آشکارا ہوگئی کہ دریا باد نہایت ہی قدیم قصبہ ہے، جس کی بنیاد دائی جو بیوریا سلطان دہلی کے معزز افسر دریا خان صاحب کے صدارت میں بیتیز مہدوؤن کے عہدِ حکومت مین ڈالی گئی تھی۔ لیکن، اس کے اصل بانی اور سنگِ بنیاد کی تاریخ کا پتا لگانا ایک ایسا مشکل عقدہ نظر آتا ہے، جس کا حل کرنا لوہے کے چنے چبانے سے کم نہین۔

دریا باد کے قدیم پنڈتون جیو نارائن مسٹر اور رام پرشاد مسٹر کی لکھی ہوئی اب سے سوڈیڑھ سو برس پہلے کی دو پوتھیان دیکھنے مین آئی ہین۔ پہلی پوتھی کا نام بھگونت بھاسکر[1] ہے، دوسری کا نام اُدھیا[2] تم رامائن ہے یہ دونون سنسکرت زبان مین ہین۔ ان پوتھیون کے آخری صفحہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دریا باد کا اصلی نام دَرِدَرا واد[3] تھا، جسکے مُرادی معنی سنسکرت مین (لطفی معنی جہان کے باشندے بخیل نہ ہون) "پُرنفیس بستی" کے ہین تحقیقات سے پایا جاتا ہے کہ اکبری دَور مین اسکو دریا باد کے نام سے شہرت ہوگئی تھی۔ لیکن، اکثر سنسکرت دان پنڈت اب سے سو برس قبل یعنی غازی الدین حیدر بادشاہ اودھ کے زمانے تک اسے "دَرِدَرا واد" ہی لکھتے رہے نصیر الدین حیدر بادشاہ کے عہد حکومت مین یہ سلسلہ بھی منقطع ہوگیا اور پنڈت لوگ بھی اپنی پوتھیون مین دریا باد لکھنے پر آمادہ نظر آنے لگے، اُس وقت سے بجائے "دَرِدَرا واد" کے دریا باد نام عام طور پر اچھی طرح رائج اور مقبول ہوگیا۔

ضلع کی تاریخ اور جغرافیہ بارہ بنکی مین اسے مسلمانی قصبہ لکھا ہے۔ لیکن، گریئرسن کے فاضل مؤلف نے خود

---

[1] پنڈت مہادیو پرشاد کے پاس موجود ۱۲ [2] پنڈت رام ادھین کے یہان موجود ۱۲ [3] اس نام کی نسبت ہمارے ایک وطنی عنایت فرما ارشاد فرماتے ہیں کہ بعض لوگ یہ اعتراض کرسکتے ہین کہ ہندو بستیون کے نام کے آخر میں پُر یا نگر کا لفظ ہونا لازمی ہے، "دردرا واد" میں واد کا لفظ نامونزون اور غیر فصیح معلوم ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں صرف اسی قدر گذارش ہے کہ معترضین حضرات، پریاگ، گنجنی، گاندھار، گوجر، متھرا، لاہور، دلی، آگرہ، جگناتھ، ہردوار، پاٹلی پوتر، گیا، امدیست، گومدہ، بہرائچ، بریلی، اُناؤ، یتراب گڈھ، تکشن شلا، ہردوئی، بیلی بھیت، کمالیون، اگرہ، دوال، بیتی تال، بھوپال، الموڑھا، کھیری، کالپی، چندوسی، حالون، جھانسی، اُجین، مندراس، نندگانوں، رسانہ، گوکل، رانی مو، دلمئو، دوا، ٹیکا، آٹا، دھاوان، سکرورھا، جہار، دھنی، براس، ایچونی، کوٹوا، امدور، مالوہ، ملتان، گولا، گوکرن، نیم شار، متھرکھ وغیرہ نامون پر غور فرماکر اپنا اطمینان کرلین، جو پُر یا نگر کی قید سے بالکل آزاد نظر آتے ہین اور فصاحت و دلچسپی مین بھرت پور، ہستناپور، جونپور، گورکھپور، دھارانگر، متھلانگر، دوپایگر وغیرہ سے کسی طرح کم نہیں ۱۲

سنہ ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کے مطابق دریاباد کی آبادی ۵۹۲۸ لکھی ہے، جس مین ۳۱۵۲ ہندو اور ۲۶۴۰ مسلمان، ۱۳۶ دیگر فرقے شامل کئے گئے ہیں، اس وقت بھی ہندوؤن کی تعداد غالب ہے۔ اس سے دریاباد کو ہندووانی بستی یا ہندو مسلمان کی مشترکہ آبادی کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مختلف روایات و تحقیقات سے ظاہر ہوتا ہے کہ دریاباد کی بستی بہ لحاظ اپنی تمدنی ترقی کے بہت ممتاز درجہ رکھتی تھی لیکن، ہندوؤن کے زمانے سے اوائل سلطنت معلیہ تک اسکی صحیح حالت کا اندازہ کرنے کے لئے نہ کوئی تاریخی ثبوت ملتا ہے نہ مستند تحریر۔ ہمایون شاہ کے بعد جو تاریخین وغیرہ لکھی گئی ہین، اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ شہنشاہ اکبر کے عہد مین دریاباد مشہور قصبہ و پرگنہ ہونے کے علاوہ ایک بہت بڑا محال بھی تھا جسے سرکار اودھ کے جملہ محالون پر فضیلت حاصل تھی۔ مرزا عبدالرحمن صاحب (ولد مؤید بیگ) یہان کے حاکم تھے۔ اُس وقت اس کا رقبہ ۴ لاکھ ۸۷ ہزار ۱۴ بیگھہ تھا، مالگذاری و محاصل ۵ لاکھ ۳۶ ہزار ۹۵۲ روپیہ۔ ایک سو سوار تنخواہ تھے، پیدل فوج کی تعداد دو ہزار تھی، جس مین راجپوت، چوہان، ریکوار جھنزی فرقہ کے لوگ شامل تھے۔ پختہ اینٹون کا قلعہ موجود تھا۔ ماخوذ از ملفوظات[1] حاجی مصطفی اقلیدس، آئین اکبری انگریزی ایڈیشن، صفحہ ۱۷۴، جلد ۲ مطبوعہ سنہ ۱۸۹۱ء کلکتہ اور آئین اکبری فارسی صفحہ ۸۰، کالم اول مطبوعہ سنہ ۱۸۶۷ء، نولکشور پریس لکھنؤ، بیان سرکار اودھ خمسہ[2] مصنفہ نثار دہلوی۔

منتخب التواریخ (مولفہ نثار دہلوی) مین لکھا ہے: "سروا پالی و لاہرپور مضاف صوبہ اودھ و سرکار خیرآباد و دریاباد" "سرکار خیرآباد و دریاباد" مین لفظ "سرکار" اور "واو عطف" سے پایا جاتا ہے کہ شہنشاہ اورنگ زیب کے بعد دریاباد صوبہ اودھ کے سرکارون مین سے ایک سرکار یعنی چیف کمشنری کے درجہ پر تھا۔ لیکن، نواب صفدر جنگ کے عہد کی شاہی تحریرون سے پتہ چلتا ہے کہ نوابی زمانے مین انتظام جدید کے وقت، جبکہ اکثر سرکارین منکسر ہوکر چکلہ و نظامت قرار دی گئی تھین، دریاباد کی سرکار بھی تخفیف مین آگئی تھی۔

نواب شجاع الدولہ بہادر کا دور حکومت (سنہ ۱۱۸۰-۱۲۰۲ھ) شروع ہوتے ہی یہ ایک چکلہ قرار دیا گیا۔ نواب سعادت علیخان بہادر (سنہ ۱۲۲۹-۱۲۲۲ھ) کے زمانے مین محالات رُدولی و سورجپور وغیرہ شامل کرکے اسے ایک بڑا چکلہ بنا دیا گیا اور "دریاباد رُدولی" نام رکھا گیا[3]، جس کی آمدنی اُس وقت ۵ لاکھ ۵۸ ہزار[4] تھی۔ تھوڑے ہی دنون کے بعد غازی الدین حیدر بادشاہ (سنہ ۱۲۴۳-۱۲۲۹ھ) کے حکم سے نظامت[5] مالگذاری ۱۲ کا دفتر بھی یہان قائم ہوگیا اور کئی ایک چکلے اس مین شامل کردئے گئے۔ توپخانہ اور فوج مین بھی بہت کچھ اضافہ ہوا۔ آخر زمانہ واجد علی شاہی تک بدستور یہی شان قائم رہی۔

---

[1] مولوی عبدالماجد صاحب بی اے (دریاباد) کے کتب خانہ مین موجود ۱۲ [2] پروفیسر رام داس گوڑ سارسی کے کتب خانہ مین موجود ۱۲

[3] یہی وجہ ہے کہ آج تک عوام مین دریاباد کو "دریاباد رُدولی" کے نام سے شہرت ہے ۱۲ [4] ملاحظہ ہو تاریخ بوستان اودھ مولفہ راجہ درگا پرشاد صاحب مہر سندیلوی، ذکر نواب سعادت علی خان بہادر ۱۲ [5] نظامت اور چکلہ کی تصدیق کے لئے تاریخ اجودھیا، صفحہ ۱۰۵، بوستان اودھ (ذکر نواب سعادت علیخان) اور شاہی پروانے جو کتاب ہذا مین جابجا درج ہین ملاحظہ ہون ۱۲۔

دریاباد صرف چکلہ (ضلع) اور نظامت (کلکٹری) کے نامون ہی سے نامزد نہ تھا، بلکہ ہر دو محکمے کا صدر مقام بھی تھا۔ عامل اور ناظم قلعہ مین رہتے تھے۔ قلعہ سے ملحق توپخانہ تھا۔ بستی کے باہر فوج رہتی تھی۔ انھین وجوہات کی بنا پر اسے ایک اچھا اور بارونق شہر بن جانے کا فخر حاصل ہوگیا تھا۔ عملۂ شاہی کے متعلق چند مشہور عہدہ دارون کے نام حسب ذیل ہین جن مین بعض بعض دریاباد کے خاص طور پر بھی خواہ بھی تھے۔

منشی ہرپرشاد صاحب چکلہ دار ۱۲۳۸ھ، راجہ گوپال بہادر چکلہ دار ۱۲۴۹ھ، راجہ رام ادھین سنگھ بہادر ناظم ۱۲۵۱ھ، میر خلیل احمد صاحب چکلہ دار ۱۲۵۳ھ، مرزا نور محمد بیگ صاحب عامل ۱۲۵۵ھ، راجہ دلسنگھ بہادر متوکل (عہد آصفی) راجہ بختاور سنگھ بہادر ناظم ۱۲۶۷ھ، راجہ ہردت سنگھ بہادر چکلہ دار ۱۲۶۷ھ، کمیدان گردھاری سنگھ صاحب ناظم ۱۲۶۶ھ، سید حسن علی خان بہادر عامل ۱۲۷۱ھ، پاٹھک سندر لال و سیتارام ناظم، باقر علی صاحب ناظم ۱۲۷۴ھ، سید نوروز علی صاحب چکلہ دار ۱۲۷۶ھ، مہابل سنگھ صاحب عامل ۱۲۶۴ھ، راجہ مان سنگھ بہادر قائم جنگ ناظم ۱۲۶۲ھ، مرزا مہدی علی خان صاحب ناظم، رائے بدری داس صاحب چکلہ دار، مرزا مجید بیگ صاحب عامل، پاٹھک امرت لال صاحب عامل ۱۲۳۵ھ، امیر خان صاحب[1] کمیدان لکھنوی، حسن[2] علی خان صاحب قندھاری رسالدار، کپتان سیتلا بخش، بخشی رام پرشاد[3]، بخشی پران سکھ[4]۔

سنا جاتا ہے کہ "میان الماس[5] علی خان صاحب جو نواب آصف الدولہ بہادر کے منظور نظر اور اعزا مین وزیر اعظم سے کم نہ تھے، اکثر لکھنؤ سے دریاباد آتے اور آبادی کے باہر خیمون مین ٹھہرا کرتے تھے۔ اس آمد و رفت کے سلسلے مین ہمون نے میان گنج کی بنا ڈالی اور اپنے رہنے کے لئے ایک نہایت نفیس اور قابل دید بارہ دری تعمیر کرائی، ساتھ ہی اس کے ہمراہیون، اور گھوڑے، ہاتھی، نیز فوج وغیرہ کے واسطے مکانات بنوانے کے بعد میان گنج سے دریاباد تک پختہ دکانون کے ذریعہ بازار کی تیاری کا کام بھی جاری کر دیا۔ آبادی کا سلسلہ قائم ہونے لگا، دوکانین بننے لگین۔ لیکن، اسی درمیان مین دفعتہً اُن کی طبیعت کچھ ایسی ناساز ہوگئی کہ وہ جانبر نہ ہوسکے اور اس طرح سارا منصوبہ خواب و خیال ہوگیا۔" بعضون کا بیان ہے کہ "دور آصفی ختم ہوجانے سے یہ کارروائی خاک مین مل گئی"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ الماس علی خان صاحب کو دریاباد سے خاص محبت تھی، جسے ترقی دینے اور زیادہ بارونق و دلچسپ بنانے کے لئے وہ حوصلے سے لاکھون روپیہ خرچ کرنے پر آمادہ ہوگئے تھے۔

نواب آصف الدولہ بہادر کے زرین عہد مین اس قصبہ نے خصوصیت کے ساتھ ترقی کی تھی کہ ہر گلی کوچے مین

---

[1] [2] [3] [4] یہ حضرات ابنا آبائی وطن چھوڑ کر دریاباد مین سکونت پذیر ہوگئے تھے۔ حسن علیخان صاحب بڑے بہادر اور نامی گرامی رسالدار تھے۔ نواب سعادت علی خان بہادر کے وقت مین خوب شہرت پیدا کی تھی۔ مینڈو خان صاحب کے رشتہ دار تھے۔ ان کا مکان مردہی محلہ مین ایک عالی شان امیرانہ عمارت تھی، جس کا شکستہ پھاٹک اب سے آٹھ دس برس قبل موجود تھا۔ رسالدار صاحب نے ایک موضع بھی خرید لیا تھا۔

[5] یہ ایسے منتظم، دلعزیز اور وفادار دیوان تھے کہ سلین صاحب بھی تعریف کرتے ہین ۱۲ ارشاد لکھنؤ صفحہ ۱۰۱، مولوی محمد احمد علی صاحب بی اے اکاؤنٹنٹ

عموماً اور بازاروں میں خصوصاً ہر طرف چہل پہل نظر آتی تھی۔ ایک طرف دیوان روشن لال صاحب اور بھوانی شنکر دیکھیت ایسے محبانِ وطن کی کوششیں، دوسری طرف رکن الدولہ میاں الماس علیخان صاحب کی مہربانیاں، اسیر مستنزاد نواب صاحب بہادر ممدوح کا ہر ہفتہ یہاں قیام فرمانا، یہ سب ایسے اسباب تھے کہ جن سے دریاباد کی رونق میں اضافہ ہوجاتا ایک قدرتی بات تھی۔ کہا جاتا ہے کہ نواب آصف الدولہ بہادر ہر آٹھویں دن لکھنؤ سے فیض آباد اپنی والدہ بہو بیگم صاحبہ کی ملاقات کو جایا کرتے تھے اور اسی آمد و رفت کے سلسلے میں وہ اس مقام پر دو شب قیام فرماتے تھے۔ اس کی تصدیق جغرافیہ ضلع بارہ بنکی (مرتبہ منشی مقبول احمد صاحب) سے بھی ہوتی ہے، جس میں لکھا ہے کہ "نواب آصف الدولہ کا فیض آباد سے لکھنؤ کو سلطنت منتقل کرنے میں دریاباد کو عروج ہوگیا کیونکہ یہ ایک سب کے لئے بادشاہوں کا قیام گاہ بن گیا تھا۔ شاہی راستہ فیض آباد سے شجاع گنج، حیات نگر، دریاباد، صفدر گنج، نواب گنج ہوکر لکھنؤ کو تھا۔ یہ ایک چوڑی سڑک تھی اور اس کے کنارے سایہ دار درخت اور جابجا پختہ کنوئیں، مسجدیں اور سرائیں وغیرہ بھی تھیں۔ (صفحہ ۳۷)" شاہی قیام اور میاں الماس علی خان صاحب کی خاص عنایت اس امر کی کافی شہادت ہے کہ دریاباد کی آب و ہوا خوشگوار اور بستی خوبصورت و دلکش تھی، جسکی وجہ سے یہ قصبہ نہ صرف امیر پسند، بلکہ بادشاہ پسند بھی تھا۔

دریاباد کی خوشحالی اور پُررونق بازاروں کے بارہ میں حضرت قاسم شاہ فرماتے ہیں: "دریاباد ایسا روشن شہر لکھنؤ اور اجودھیا کے درمیان واقع ہے، جسکے باشندے کنول کے پھول کی طرح شگفتہ اور عیش و آرام سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہاں ایسے ایسے کامل بزرگ پیدا ہوئے ہیں، جن کے نورانی فیض سے شہر میں چاروں طرف روسی پھیلی ہوئی ہے۔ قاضی عدل و انصاف میں مصروف ہیں، کہیں نام کو بھی بے انصافی نہیں ہونے پاتی۔ بقول ایسے نیک اور ایماندار ہیں کہ بستی کے لوگ اُن سے بہت راضی و خوش رہتے ہیں۔ مہاجن رحیم ہیں۔ یہاں کے بہادر سپاہی مخالفوں کو پھٹکنے نہیں دیتے۔ انتظام ایسا معقول ہے کہ راستہ میں مسافروں کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوتی۔ ہر گلی اور بازار میں وہ رونق ہے گویا چمن کھلا ہوا ہے۔ خدا کے فضل سے کسی چیز کی کمی نہیں ہے، سب کچھ موجود ہے۔" (ترجمہ از مہنس جواہر بھاشا)

سطور بالا کی عبارت مظہر ہے کہ دریاباد کو قاسم شاہ کے وقت میں، جو نواب برہان الملک کی حکومت کا زمانہ (۱۱۲۶-۱۱۷۰ھ) تھا، بجائے قصبہ کے شہر کے نام سے شہرت ہوگئی تھی۔ اسی زمانے کی لکھی ہوئی چند پوتھیاں اور بھی دیکھنے میں آئی ہیں، جن میں اسے "نگر" تحریر کیا گیا ہے۔ سنسکرت لغت میں نگر کے معنی شہر کے لکھے ہیں۔ چنانچہ حضرت سودا مرحوم نے اپنی ایک نظم میں دہلی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ مصرعہ "نگر کبھو کسی عاشق کا یہ نگر دل تھا" اس مصرعہ میں نگر سے مراد شہر ہی ہے نہ کہ دیہاتی بستی یا گانون۔ اگر بستی یا گانون کے معنی لیے جائیں تو فصاحت کے

---

[1] یہ صحیح نہیں۔ بہو بیگم صاحبہ کے پاس زر و جواہرات کا بیشمار خزانہ تھا۔ اس لالچ میں نواب صاحب اُنکی خدمت میں حاضر ہوکر اپنا مطلب حاصل کرتے تھے ۱۲

ساتھ ساتھ اصل مطلب کا بھی خون ہو جاتا ہے۔

کسی وقت اس بستی کا رقبہ بہ شکل مستطیل طولاً دو ڈھائی میل اور عرضاً ایک میل سے کم نہ تھا۔ مشرق مین بلہری، لال گنج گوجرپور، سرائے سنگئی، گوبند پور، ہونسے پور، اور مغرب مین سرائے خواجگی و کسفر کے قریب تک مسلسل آبادی قائم تھی۔ بعض بزرگون کی زبانی سنا گیا ہے کہ "پوربی، ولیسی، جالپا دیوی کے مندر آبادی کے اندر تھے۔ دریاباد سے پچھم طرف کسفر اور سرائے خواجگی کے درمیان اور پورب لال گنج و بلہری تک جابجا کھیتون مین زمین دوز پختہ نیوین، اور بکثرت اینٹین، روڑے، عمارتی کنکر دیکھنے مین آئے ہین"۔ اس وقت بھی بعض بعض مقامات پر ایسے نشانات موجود ہین جنھین دیکھ کر گمان ہوتا ہے کہ یہان کبھی پختہ عمارتین تعمیر ہوئی ہونگی۔

یہان ہر قسم کے باشندون کی کثرت تھی، جو اپنے مکان و سکہ کے بذات خاص مالک[1] تھے۔ ہر فرقہ و ہر پیشہ کے لوگ آباد تھے۔ عالم، فاضل، پنڈت، ویدانتی، شاعر، انشا پرداز، دُر دیش، مہاتما، پہلوان، سپاہی، ماہرین فن، رئیس شریف، فیاض، شوقین، سیٹھ، مہاجن، وغیرہ وغیرہ سبھی طرح کے لوگ موجود تھے جن مین قاسم شاہ (مصنف ہنس جواہر) ادبی حلقہ مین، حکیم مولوی نور کریم صاحب (مصنفہ شفاء الامراض) طبی جماعت مین، سنگئی شاہ جین طبقہ مین اس وقت بھی دور دور تک مشہور ہین۔ اوتھی، ڈوکھت، اگن ہوتری، مسر بھی کا بیج برہمنوں مین (اودھ سے دہلی و آگرہ تک) خاص شہرت رکھتے ہین۔ تعمیرات کے ذیل مین پختہ مکانات بہت زیادہ اور خام بہت کم تھے۔ عمارتون کا دوسری سلسلہ زبردست تھا، تین تین، چار چار، پانچ پانچ منزل والی حویلیان بھی متعدد تھین عظیم الشان محل بھی تعمیر تھے۔ امام باڑے، کوٹھیان، مندر، مسجد، وغیرہ کے متعلق بھی بہت سی عمارتین تھین۔ سیر و تفریح کے لئے باغات بھی تھے اور پھلواریان بھی آراستہ کی گئین تھین۔ آٹھ پختہ سرائین، چار دھرم شالے، پانچ منڈیان، سات بازار، پچاس محلے اور چونتیس پھاٹک قائم تھے، جن مین سے دو بازار، ۱۹ محلے معمولی حیثیت سے اب بھی موجود۔ محلون، منڈیون اور بازارون وغیرہ کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) دسوالن ٹولہ عرف جوہری محلہ (۲) بازداران (۳) سواران (۴) خاسرادہ (۵) گوبند پور۔ (۶) ہونسے پور رائے گنیشی لال صاحب بہادر کے فیصلہ کے مطابق ۱۸۶۲ء تک شامل دریاباد بعد اس کے موضع کی حیثیت سے علیحدہ ہونے ہی لاپتا (۷) قضیانہ، قاضیون کا آباد کردہ، عرصہ سے مخدوم زادگان مین شامل، واجب العرض دریاباد ۱۸۷۰ء مین اس کا ذکر ہے (۸) سنگئی گنج (۹) میران نگری، بانی میر محمد غوث، عرف

---

[1] ملاحظہ ہو نقل سجل شاہی بمقدمہ جیراتی سیر ساز بنام چودھری سیں علی، اجلاس دراراتِ العالیہ شاہ اودھ، ۲۳ ربیع الاول ۱۲۵۳ء۔ یہ نقل میان عبدالرشید صاحب کے پاس موجود ہے۔ [2] بردارانی محلہ، برتاب گنج، کمنی، ٹھکانہ، سرادگی، دیکھیانہ، ٹھیا عرف کرمس ٹولہ (خاص کرمیون کی آبادی) منبوئی چوہٹہ، سیر ٹھی بازار، مخدوم زادگان، چودھریان، محرران، کٹرہ رنش لال، بنے تلے، مرد ہی، پورہ حسن، جھیپی، سفلان، گھڑیالی۔ ماخوذ از کاغذات مردم شماری ڈرجسٹر ہوس ٹیکس ۱۲۔

میران غوث - پچاس ساٹھ مکانون مین سے صرف بیس پچیس باقی - عرصہ سے محلہ کا نصف حصہ مردہی محلہ مین اور نصف چھیپی محلہ مین شامل (۱۰) گوجر پور، بندوبست ۱۸۶۲ء مین دریاباد سے خارج کرکے ایک موضع قرار دیا گیا، تھوڑے ہی دنون کے بعد ویران ہوکر بے نام ونشان ہوگیا (۱۱) نواب گنج، عرف کٹرہ دربار ہی لال (۱۲) برواری ٹولہ، برواروں کی وجہ سے مشہور - دستاویز نوشتہ مسماۃ امامن، دریاباد، مصدقہ دفتر رجسٹری روناحی ضلع فیض آباد یکم مارچ ۱۸۶۶ء رجسٹر نمبر ۲، صفحہ ۶۵ مین اس کا ذکر ہے (۱۳) سگئی ٹولہ (۱۴) محلہ شیخانہ عرف شیخن محلہ - منشی خدا بخش صاحب سابق کے بزرگون کا آباد کردہ، شیخ ہونے کی رعایت سے شیخانہ کے نام سے موسوم، واجب العرض دریاباد ۱۸۶۲ء مین اس محلہ کا نام درج ہے[۵]، آج کل میست دناود، زمین داخل کاشت (۱۵) پورہ چودھری، عرف لودھون کا پورہ، بانی چودھریون کے بزرگ، لودھون کی زیادہ سکونت (۱۶) پھاٹک اندر، بانی ماتھر کایستھ، اس محدود حلقۂ آبادی کا حصہ ایک پختہ پھاٹک کے ذریعہ سے محفوظ ہونے کے باعث "پھاٹک اندر" مشہور ہوا، جو اس وقت بھی کسی نہ کسی صورت مین موجود ہے - منشی سمجھو دیال صاحب نے اپنے بزرگون کے بقائے نام کی غرض سے اس کی مرمت کرا دی ہے - اس محلہ میں ماتھر کائستھون کے علاوہ ہندوؤن کے دیگر فرقے بھی آباد تھے - عرصہ سے یہ محلہ بھی برائے نام اور ٹھکانی محلہ مین شامل (۱۷) شیخن احاطہ شیخون کی وجہ سے مشہور، جسکی آبادی ایک پختہ احاطہ کے اندر گھری ہوئی تھی - دکھن طرف شاہی سڑک سے متصل پختہ پھاٹک تھا، جس پر ہر وقت ڈنکا بجا کرتا تھا، جو دریاباد کے مشہور سپاہی شیخ لطف اللہ صاحب رسالدار کو دربار اودھ سے مرحمت ہوا تھا - ان شیخون کی اولاد مین شکور بخش اور رحیم بخش وغیرہ موجود اور اسی محلہ کی زمین پر آباد (۱۸) ویجھتانہ (۱۹) ٹھکار (۲۰) توتی ٹولہ، نائیون کی کثرت محلہ کے نام کی بنیاد، بانی چودھری صاحب کے بزرگ، غدر کے بعد محلہ چودھریان مین شامل (۲۱) مردہی محلہ، مردہون کی کثرت نام کی رعایت - شاہی مین ان مردہون کو شہردار بھی کہتے تھے - یہان کے اکثر خوش نصیب مسلمانون نے محنت ومشقت پر کمر باندھکر کلکتہ مین روزگار کے ذریعہ بہت ترقی حاصل کی ہے - کئی ایک پختہ مکانات جدید تعمیر ہوئے ہین، جن سے محلہ مین بہت کچھ رونق ہوگئی ہے - اس محلہ کے مسلمانون نے باہمی چندہ سے ایک قدیم شہید کردہ مسجد کے بجائے ایک نئی پختہ مسجد ۳۳ فٹ طویل، ۲۰ فٹ عریض ۴۰ فٹ بلند بنوائی ہے، جس کی لاگت کا تخمینہ چار ہزار روپیہ سے کم نہین - اس کے بانی اور مہتمم سید ذاکر علی صاحب تھے (۲۲) پورہ حسن علی - بانی حسن علی صاحب شہردار (۲۳) بنّے تلے - اصل نام بنّے ٹولہ، بانی بنّے مل جوہری اس مقام سے متصل یورب طرف ملدی یر جوہری محلہ مین بنّے مل کا محل تھا، محل کے نشیب مین "بنّے ٹولہ" کی آبادی قائم ہوئی تھی، جو اب بھی نشیب مین واقع ہے - اس سے قیاساً معلوم ہوتا ہے کہ پہلے کچھ دنون تک محل سے قریبی چند مکان بنّے محل کے تلے والے مکانات مشہور ہوئے ہونگے، پھر رفتہ رفتہ کل آبادی کو "بنّے محل کے تلے والا محلہ" کہنے لگے ہونگے، بہت زمانے کے بعد جبکہ بنّے محل کا وجود نہ باقی رہا ہوگا تو اسے "بنّے تلے" کے نام سے شہرت ہوگئی ہوگی (۲۴)

---

[۵] دستاویز مسماۃ امامن دریاباد (مصدقہ دفتر رجسٹری روناحی ضلع فیض آباد یکم مارچ ۱۸۶۶ء رجسٹر نمبر ۲، صفحہ ۱۵) سے بھی اس محلہ کا پتا چلتا ہے ۱۲

بھیپی ٹولہ (۲۵) کھرن ٹولہ (۲۶) مغلن ٹولہ (۲۷) گھڑیالی ٹولہ۔ گھڑیالیوں کی زیادتی محلہ کے نام کی وجہ (۲۸) کھٹنی ٹولہ۔ آبادی کے وقت ایک بہت بڑا مشہور درخت کھٹنی کا موجود تھا، اسی مناسبت سے محلہ کا نام کھٹنی ٹولہ یا کھٹنی تلے موسوم ہوا (۲۹) تمبولی چوہٹہ۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی وقت یہاں کسی خاص چوراہے پر تمبولی لوگ پان بیچتے رہے ہونگے اور اس طرح ایک چوہٹہ کا بازار قائم ہوگیا ہوگا۔ اس رعایت سے محلہ کا نام "تمبولی چوہٹہ" پڑگیا ہوگا، جو کہ قرین قیاس ہے۔ کیونکہ تمبولی سنسکرت لفظ "تام بول" سے بنایا گیا ہے، جسکے معنی پان کے ہیں، فارسی میں "تنبول" اسی کا تصرف ہے۔ چوہٹہ یعنی چار بازار (چو بمعنی چار، ہٹہ مخفف ہاٹ بمعنی بازار) مراد چوپڑ والے بازار سے (۳۰) سراوکی ٹولہ۔ خاص سراؤگون کی بستی، یہی وجہ تسمیہ (۳۱) آصفی بازار، بازار کے متعلق آبادی، بانی لالہ رام سیوک عرف سیوک رام ناظم (۳۲) مخدوم زادگان (۳۳) محرّران (۳۴) چھانون کا محلہ، عرف نزیا پار۔ خاص چھانون کی بستی۔ قلعہ کی خندق کے اُس پار پچھم طرف واقع ہونے کی بنا پر "نزیا پار" کہتے تھے، عرصہ سے بے نام و نشان ۱۸۱۸ء تک آباد، واجب العرض دریاباد مین نام موجود (۳۵) کٹرۂ الماس گنج عرف کٹرۂ روشن لال (۳۶) چودھری محلہ (۳۷) کمہارن ٹولہ، عرف منڈی، گوپال مندر کی پشت پر دکھن طرف۔ اس مین کمہارن کے گھر بہت تھے، جو کسی خاص مقام پر روزانہ جمع ہوکر مٹی کے برتن فروخت کرتے تھے، اس لئے اسے کمہارون کی منڈی بھی کہتے تھے مدت دراز کے بعد منڈی یا منڈئی مشہور ہوگیا۔ واجب العرض دریاباد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ محلہ ۱۸۱۸ء مین موجود تھا (۳۸) سمدا۔ باوجود کوشش وجہ تسمیہ نہ معلوم ہوئی (۳۹) پورۂ رام سہائے۔ آباد کردہ لالہ رام سہائے صاحب، محلہ محرران کے پچھم طرف، آخر سرے پر۔ چند گھر اب بھی باقی ہین۔ نصف صدی قبل داخل محرران (۴۰) بکری محلہ۔ ایک خاص مقام پر بکریون کی خرید و فروخت ہونے کے باعث اس نام سے شہرت ہوئی۔ نقل عیوضی نامہ[۱] نوشتہ فریدبخش بنام مولوی مخدوم بخش صاحب سے پتہ چلتا ہے کہ یہ محلہ ۱۸۱۸ء مین آباد تھا (۴۱) سندداری۔ ایک دستاویز[۲] مین یہ محلہ اسی طرح لکھا ہوا دیکھا گیا ہے۔ عبارت یہ تھی "محلہ سندداری سن محلات دریاآباد" (۴۲) سُنارن ٹولہ (۴۳) چمارن ٹولہ۔ بھیا محلہ کے پورب طرف آباد رہا (۴۴) بان والی گلی۔ اس مین عمدہ اور نفیس بان بنانے والے بہت تھے اور ہر وقت یہاں بانون کی بکری ہوتی تھی۔ (۴۵) منہارن ٹولہ۔ یہاں چوڑی فروشون کے گھر زیادہ تھے (۴۶) بڑھئی ٹولہ (۴۷) کفش دوزان (۴۸) رنگسازان۔ اس محلہ مین رنگسازون کے علاوہ صیقل گرون، باڑھیون، خرادیون، آئینہ سازون کے بھی بہت سے گھر تھے۔ (۴۹) کٹرہ مہی لال۔ بانی لالہ مہی لال صاحب ناظم (۵۰) کسگر ٹولہ **منڈیون مین** ترکاری منڈی، گھاس والی منڈی، بڑی منڈی انجبی یا اناج کی منڈی، بردہی، بیلون کی منڈی **بازارون مین** الماس گنج، ٹیڑھی بازار، جوہری بازار، سنگئی گنج کا بازار، آصف گنج عرف کٹرۂ مہی لال، نواب گنج عرف کٹرۂ درباری لال، آصفی بازار **سرائین** دھانا

---

[۱] [۲] یہ دستاویزین میاں رشید کے پاس موجود ۱۲

بھٹیاری کی سرا عرف بھٹیاری سرا (۲) سوار دن کی سرا (۳) پرانی سرا عرف بیچ کی سرا (۴) و (۵) الماس گنج کی سرائین (۶) کٹرہ مہی لال کی سرا (۷) کٹرہ درباری لال کی سرا (۸) آصفی بازار کی سرا

دھرم شالے (۱) بجین لال کا دھرم شالہ (۲) سنگئی ساہ کا دھرم شالہ (۳) نگو سیٹھ کا دھرم شالہ (۴) پچھی سیٹھ کا دھرم شالہ **پھاٹک** دس پھاٹک دو منزلے جو بیس برجیون والے (۱) دھرم شالہ سنگئی ساہ کا پھاٹک۔ (۲) امام باڑہ تصرف حسین کا پھاٹک (۳) و (۴) سنگئی ساہ کے بازار والے پھاٹک (۵) شیخ فضل علی کے مکان کا پھاٹک (۶) شیخ فضل علی کے امام باڑہ کا پھاٹک (۷) شیخین احاطہ کا پھاٹک (۸) ماتھر کایستھون کا پھاٹک (۹) بھٹیاری سرا کا پھاٹک (۱۰) سوار دن کی سرا کا پھاٹک (۱۱) طوائیفون کا پھاٹک (۱۲) و (۱۳) پرانی سرا کے پھاٹک (۱۴) حسن علی خاں رسالدار کے مکان کا پھاٹک (۱۵) کمیدان کے امام باڑہ کا پھاٹک (۱۶) مہابیر جی کے مندر کا پھاٹک (۱۷) روشن لال کے مکان کا پھاٹک (۱۸) و (۱۹) الماس گنج کے پھاٹک (۲۰) و (۲۱) الماس گنج کی سرا کے پھاٹک (۲۲) لغایت (۲۷) کٹرہ درباری لال کے پھاٹک (۲۸) کٹرہ درباری لال کی سرا کا پھاٹک (۲۹) کٹرہ مہی لال کا پھاٹک (۳۰) کٹرہ مہی لال کی سرا کا پھاٹک (۳۱) آصفی بازار کا پھاٹک (۳۲) آصفی بازار کی سرا کا پھاٹک (۳۳) شیو آلہ والی پھلواری کا پھاٹک (۳۴) مٹھ والی پھلواری کا پھاٹک۔ ان میں سے بازار سنگئی ساہ، شیخین احاطہ، پرانی سرا، مکان روشن لال، الماس گنج، کٹرہ درباری لال (مغربی پھاٹک) بازار نواب گنج (سرا کا پھاٹک) کے پھاٹک دو منزلے تھے، باقی سب برجیون والے۔ آج کل صرف آٹھ پھاٹک، پانچ معمولی اور تین دو منزلے۔

دیہات مین یہ روائیت اب تک ضرب المثل ہے کہ "دریاباد کے لڑکون نے دہلی کے گانگو اور سہا دل کو حلوائی کے ہاتھ بیچکر مٹھائی کھائی"۔ اس روائیت کی اصلیت یون بیان کی جاتی ہے کہ "گانگو اور سہا دل دلی کے رہنے والے دیہات میں لوگون کو ٹھگ ٹھگ کر حل و فریب سے کھاتے کماتے دریاباد آئے راستے میں کہین کسی نے یہ شناخت کی کہ یہ لوگ چالاک ہیں۔ لیکن دریاباد کے چند بزرگون نے ان کی صورت دیکھ کر فوراً بھانپ لیا کہ یہ دونون آدمی چالاک اور بدمعاش ہین۔ اس خیال کی بنا پر انھون نے دو چار لڑکون کو کچھ سمجھا بجھا کر ان کے پیچھے لگا دیا جس وقت گانگو اور سہا دل ایک حلوائی کی دوکان پر مٹھائی خریدنے کی غرض سے پہونچے، تعلیم یافتہ لڑکے ان کے ساتھ ہی تھے، انھون نے ان سے پہلے حلوائی سے مٹھائی مول لی اور چلتے وقت کہہ گئے کہ دام ان سے لے لو۔ حلوائی یہ سمجھا کہ یہ لوگ لڑکون کے بزرگ ہونگے، مٹھائی دیکر خاموش رہا۔ اور گانگو سہا دل لڑکون کے اس فعل کو مغفلانہ شرارت خیال کرکے چپ رہے۔ جب یہ بھی مٹھائی لیکر چلنے لگے تو حلوائی نے پہلے لڑکون کی بابت دام مانگے اور بعد کو ان کی لی ہوئی مٹھائی کی قیمت طلب کی۔ انھون نے کہا کہ لڑکون کی بابت ہم دام کیون دین؟ حلوائی نے جواب دیا کہ "لڑکون نے چلتے وقت کہدیا تھا کہ "دام ان سے لے لینا"، تم یہ سن کر خاموش رہے، اس لئے ہمین یقین آگیا کہ تم دونون آدمی لڑکون کے بزرگ ہوگے۔ اگر تمکو لڑکون سے کچھ تعلق نہ تھا تو تم چپ کیون رہے؟ اب تمکو دام دینا پڑینگے"۔ اس حجت و تکرار نے یہان تک طول پکڑا کہ بہت سے آدمی جمع ہوگئے اور کوتوالی مین اس واقعہ کی اطلاع کی گئی۔ دونون آدمی طلب ہوگئے، وہان انکی ساری قلعی کھل گئی، اور جو کچھ مکر و فریب سے کمایا تھا، سب چھین لیا گیا، جس طرح دہلی سے خالی ہاتھ نکلے تھے، بدستور لنگوٹی باندھکر واپس گئے۔ اس واقعہ کے بعد یہ روایت مشہور ہوگئی کہ "دلی کے گانگو سہا دل کو دریاباد کے لڑکون نے حلوائی کے ہاتھ بیچکر مٹھائی کھائی"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے

کہ دریا باد کے قدیم باشندے بڑے ذہین اور مردم شناس تھے، جن کی دانائی کے دہلی والے بھی قائل ہو گئے تھے۔

ٹھاکر کالکا سنگھ صاحب (نائب رئیس سکر درھا) بیان کرتے ہین کہ تخمیناً ۴۰ سال کا زمانہ ہوا کہ مین ایک گھوڑا فروخت کرنے کی غرض سے فیض آباد گیا، اُس وقت میرا سن ۲۵ یا ۲۶ سال کا تھا۔ ترکاری منڈی کے پاس سرا مین قیام کیا۔ ایک دن ایک بزرگ نے (عطر فردوس) جو قریب ہی کوٹھری مین ٹھہرے ہوئے تھے مجھ سے میری سکونت دریافت کی۔ مین نے کہا کہ مین دریا باد کے قریب رانی مئو مین رہتا ہون۔ دریا باد کا نام سُنتے ہی اُس بزرگ نے میری بہت بڑی تعظیم و تکریم کی۔ مین نے حیرت سے پوچھا کہ دریا باد کا نام سُن کر آپ نے میری اتنی تعظیم کیون کی؟ مرد بزرگ نے جواب دیا کہ آپ اُس دریا باد کے رہنے والے ہین جسکی بدولت قرب و جوار کے دیہاتی لوگ بھی عالی دماغ ہو گئے۔ سُنئے! دریا باد کے پاس ہی ایک موضع کسفر ہے ٹھاکر امیر سنگھ صاحب وہان کے زمیندار تھے۔ ایک مرتبہ مین اُنکی خدمت مین عطر بیچنے کی غرض سے حاضر ہوا اور عطر کی سینکیین پیش کین۔ ٹھاکر صاحب نے عطر کی شناخت کے لئے ایک لودھن کو بلایا۔ اُس نے سب سینکون کو سونگھ کر ایک کی نسبت کہا کہ "یہ عطر حنا کا بہت اچھا ہے، یہی لے لیجئے"۔ اِس واقعہ سے میرے ہوش و حواس باختہ ہو گئے کہ ایک رذیل قوم کی عورت اس قدر تمیز دار کہ عطر کی شناخت کر لی۔ ٹھاکر صاحب نے مجھ سے قیمت پوچھی۔ مین تصویر حیرت بنا ہوا تھا، قیمت کیا کہتا۔ ناچار موصوف نے خود ہی ایک تولہ عطر خرید کر کے دس روپیہ میرے حوالے کئے، جو اُنکی قدر دانی کی خاص دلیل تھی۔ میرا سن اُس وقت پچاس سال کا تھا۔ مین نے اپنی زندگی مین عطر فروشی کرتے ہوئے عطر کا ایسا شناخت کرنے والا آج تک نہین پایا۔ اس وجہ سے آپ کی خاص طور پر تعظیم کی کہ آپ اُس دریا باد کے جوار کے رہنے والے ہین، جس کے فیض سے کسفر کے ٹھاکر صاحب عطر کے شوقین اور قدر دان ہو گئے اور اُنکی صحبت نے ایک رذیل قوم کی عورت کو تمیز دار اور صاحب دماغ بنا دیا"۔ یہ بزرگ دہلی کے رہنے والے اور ذات کے مسلمان نہایت نیک اور سیدھے سادے تھے"۔ یہ بیان بھی دریا باد کی اہمیت کا ایک اعلیٰ ثبوت پیش کرتا ہے۔ دہلی کے ایک جہاندیدہ بزرگ کا اِسے وقعت کی نگاہ سے دیکھنا کوئی معمولی بات نہین۔

یہ بستی بہت متمول اور شاندار تھی۔ جین فرقہ کے متعلق جھینپی ٹپی وال، سراؤگون کی آبادی عموماً اور جوہریون کا آباد ہونا خصوصاً اس امر کی دلیل ہے کہ دریا باد بڑے شہرون مین شامل تھا۔ کیونکہ دسوال یا جوہری معمولی شہرون مین نہین آباد ہوتے۔ اسی طرح سراؤگ وغیرہ بھی تجارت پیشہ ہونے کی وجہ سے معمولی جگہون مین نہین بستے۔ علاوہ اِن کے دو ایک سیٹھون کے بھی یہان گھر تھے، اِن کا بھی چھوٹے مقامون پر گذر نہین۔

اسی سلسلہ مین سنگی ساہ کی دولت مندی اور اُنکی شانِ امارت بھی لائق اظہار ہے جنھون نے زعفران ایسی قیمتی چیز گارے مین ڈلوا کر ہفت منزلہ محل تعمیر کرایا اور جن کے یہان پالو جانور مثلاً گائین، بھینسین وغیرہ رسیون کے بجائے طلائی زنجیرون سے باندھے جاتے تھے۔

یہان کے ہندو مسلمانون کا باہمی میل ملاپ بھی قابل تعریف ہے، جو اِس وقت تک قائم۔ کبھی کسی قسم کا کوئی

مذہبی جھگڑا ایسا نہین ہوا، جو باہمی رنجش و ملال کا باعث ہو۔ ایک مرتبہ دسہرہ و محرم کے زمانے مین چند مفسدون کی جاہلانہ کوشش سے طرفین مین کچھ عداوت کی آگ بھڑک اٹھی تھی، مگر صلح پسند اور بلند خیال ہندو مسلمانون نے فوراً اُسے بجھا دیا۔

اِس قصبہ مین مکتب خانے، پاٹ شالے، کتب خانے بھی بہت تھے۔ کئی ایک مذہبی میلے بھی ہوتے تھے، جن مین "دھنش یگیہ" اور دسہرہ و محرم مہاسیر جی کا میلہ خاص طور پر دُور دور تک مشہور۔ محرم مین قرب و جوار کے لوگون کی شرکت سے پچاس ساٹھ ہزار آدمیون کا مجمع ہو جاتا تھا، کیونکہ یہ میلہ ہندو مسلمانون کا مشترکہ میلا ہوتا ہے۔ آج کل بھی محرم کا میلہ اچھا ہوتا ہے اور ہر سال پچیس تیس ہزار آدمی شریک ہوتے ہین۔ دسہرہ بھی بُرا نہیں ہوتا، پندرہ بیس ہزار آدمی اس میلہ مین بھی جمع ہو جاتے ہین۔ لیکن تعجب ہے کہ گزٹیر مین یہان کے معززین نے اِن مین سے کسی ایک میلے کا بھی ذکر نہین درج کرایا۔ اسی طرح چھٹنکی محل، سنگئی ساہ کا ست کھنڈا، عالمگیری مسجد (جامع مسجد) مہابیر جی کا مندر بھی درج نہین۔ سنگی ساہ کا بھی حال تحریر نہین۔ جن کی دولت مندی کے بیشمار افسانے اس وقت تک زبان زد ہر خاص و عام ہین۔ قاسم شاہ (مصنفِ ہس جواہر) پیر اشاہ، شیخ عبدالرسول، شیخ جہان چشتی، شاہ خوبان وغیرہ کامل بزرگون کے تذکرے سے بھی تاریخ مذکور کے صفحات خالی ہین۔ پیر اشاہ وہ بزرگ تھے کہ نواب آصف الدولہ بہادر معتقد تھے شیخ عبدالرسول صاحب، شیخ جہان وغیرہ درویشون کی نسبت اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ نامور سلاطین دہلی نے اِنھین۔ خطابات اور معافیون، جاگیرون کے فرمان عنایت فرمائے تھے۔ قاسم شاہ کا نام ہندوستان بھر مین مشہور ہے۔ ڈسٹرکٹ گزیٹیر بارہ بنکی مین یہ کمی ایک افسوسناک کمی ہے۔ اس موقع پر ہم رُودلی، فتحپور، مدوسرائے (بدیع السرا) وغیرہ کے سر برآوردہ اصحاب کی تعریف کئے بغیر نہین رہ سکتے جنھون نے اپنے یہان کے میلے، ٹھاکر دوارے، مسجد، مزار، واقعات، روایات، مٹی ہوئی یادگارین، مرامین شاہی، معافیون کے پروانے وغیرہ سب درجِ تاریخ کرا دیئے۔

سخاوت اور فیاضی مین بھی دریاباد ممتاز نظر آتا ہے۔ چنانچہ روائیتون سے مترشح ہوتا ہے کہ چھٹنکی ساہ کے یہان ہر سال ساڑھے بائیس سیر سونا (۴½ مارچتہ) دان کیا جاتا تھا، جسکی قیمت زمانہ حال کے مطابق دس ہزار آٹھ سو روپیہ ہوئی۔ اسی طرح پیر اشاہ چھیانوے ہزار روپیہ سالانہ خیرات کرتے تھے۔ روایات مذکور حسب ذیل ہین:۔

(۱) نواب آصف الدولہ بہادر ہر ہفتہ اپنی والدہ کی قدمبوسی کے لئے لکھنؤ سے فیض آباد جایا کرتے تھے اور اور اس آمد و رفت کے سلسلے مین ہر مرتبہ عقیدتمندی کی وجہ سے پیر اشاہ کی خدمت مین حاضر ہو کر ایک ہزار روپیہ بطور نذر پیش کرتے تھے، جسے شاہ صاحب کی فیاض طبیعت فوراً ہی لُٹانے پر آمادہ ہو جاتی تھی۔ اس طرح پیر اشاہ کی بدولت ہر آٹھویں دن دو ہزار روپیہ خیرات ہونے سے سیکڑون غریب اور محتاج بہت جلد مالا مال ہو گئے تھے نواب صاحب ممدوح اور پیر اشاہ کی زندگی تک یہ غیر معمولی چشمۂ فیض برابر جاری رہا (۲) رامجی مل جوہری روزمرہ پوجا پاٹ کر کے ایک چھٹانک سونا دان کیا کرتے تھے، اِسی وجہ سے اِن کا نام چھٹنکی ساہ مشہور ہو گیا تھا۔

قصبہ کی خصوصیات مین پیڑے، مرفیان اور راٹری بھی قابل ذکر چیز بن ہین، جن کی دُور دُور تک خاص شہرت تھی۔ پیڑے اب بھی مشہور و معروف اور جغرافیہ کی کتابون مین مذکور۔ بان بھی نہایت نفیس اور خوبصورت تیار ہوتے تھے۔ غیر شہرون مین ان باتون کی بکثرت مانگ تھی۔ عمارتون مین سنگئی ساہ کا محل، چھٹنکی محل، رنگ بھون (زمانہ تعمیر پانچ چھ سو برس قبل) شیش محل، رنگ محل (زمانۂ تعمیر ۳۰۰ برس پیشتر) بھی اپنی بعض خصوصیات کی بنا پر ایک خاص اہمیت رکھتے ہین۔ سنگئی ساہ کا محل چھٹنکی محل، یہ دونون (پُرصنعت) ہفت منزلہ ہونے کی وجہ سے "ست کھنڈے" مشہور تھے۔ یوپی کا حال نہین معلوم۔ اودھ مین "لکھنؤ والا ست کھنڈا" محمد علی شاہ (۱۲۵۳-۱۲۵۸ھ) کے وقت مین تیار ہوا تھا، جسے آج تک (۱۳۴۱ھ) صرف ۸۳ برس ہوے۔ رنگ بھون نام کی عمارت دوسری جگہ سننے میں نہین آئی۔ قلعۂ آگرہ کا شیش محل شہنشاہ اکبر کی یادگار ہے اور لکھنؤ والا شیش محل نواب آصف الدولہ بہادر کے حکم سے تعمیر ہوا تھا۔ قنوج کی رنگ محل نامے تعمیر البتہ قدیم زمانے کی تعمیر ثابت ہوتی ہے، جسے سالنا راجہ چندنے تیار کرایا ہو۔ اس لئے دریاباد کے ست کھنڈے اور عجیب و غریب نامون کے محلات اودھ مین خصوصًا اور ممالک متحدہ مین عمومًا اول تعمیرین ہین، جن مین جدت طرازی و دلکشی دونون صفتین پائی جاتی ہین۔

دریاباد مین رائے صاحب، محرر، چودھری، کھرے کائستھ، پھاٹک اندر والے ماتھر کائستھ، دیوان روشن لال صاحب یہ چھ تعلقدار تھے اور بیس تیس چھوٹے بڑے رئیس و زمیندار۔ بعض بعض بزرگون کی زبانی سُنا گیا ہے کہ یہان نوسو گھر خانزادون، چارسو گھر بازوارون، دو ڈھائی سو گھر سوارون، پانچ سو گھر کائستھون، سات سو گھر برہمنون، سو ڈیڑھ سو گھر چھیپی والون، سو گھر تمبولیون۔ ڈیڑھ سو گھر بکر قصابون، دو سو گھر پاسیون اور کئی سو گھر نائیون، باریون اور کہارون کے تھے۔ ہندو نقطۂ خیال سے یہ مقام بہت مقدس مانا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہان کے دیچھتون، اوسیھون، جگدھریون، اگن ہوتریون نے مختلف وقتون مین بڑی دھوم دھام سے یگیہ[۵] کئے تھے، جو اس وقت تک مشہور ہین۔ اس سے اندازہ کر سکتے ہین کہ بہ حیثیت مجموعی دریاباد کیسا مقام تھا! لیکن، نہایت افسوس ہے کہ یہان کے پیشہ ور بیفکرے، آرام طلب اور معزز "پدرم سلطان بود" پرمار ان تھے شریف اور سفید پوش محنت و مشقت سے گھبراتے اور ملازمت پر قانع تھے، آبائی جائداد اور بزرگون کی کمائی پر زندگی بسر کرنا فخر سمجھتے تھے۔ رئیس عیش پرست، ناعاقبت اندیش اور نفاق پسند تھے، خاندان مین نت نئے جھگڑے لگے رہتے تھے۔ یہی وجوہات تھے جن سے دریاباد تباہی و بربادی کا تماشا رہوا، اگرچہ واجد علی

---

[۵] یگیہ کی کئی قسمین ہین، مگر مشہور وہی ہوتے ہین جو غیر معمولی دھوم دھام اور زبردست اہتمام کے ساتھ کئے جاتے ہین۔ ان مین "راجسویہ" اور "اشومیدھ" یگیہ اُن راجون کیلئے مخصوص ہین جو ہفت اقلیم کے مالک ہون۔ جب تک کل دُنیا فتح نہ ہو جائے یہ یگیہ نہیں کر سکتے۔ اگن ہوتر، اوستھیہ وغیرہ یگیہ عام طور پر اعلیٰ طبقہ کے ہندو کرا سکتے ہین، جن کا مقصد زبردست کامیابی یا اعزاز و خطابات حاصل کرنا ہے جو قوم کی طرف سے عطا ہوتے ہیں۔ دان پُن، پوجا پاٹ، دعوت و تواضع، برادری کی اطاعت، دوست و احباب کی دلجوئی، برہمون اور سادھوؤن کی خدمت، نیک نیتی، عاجزی، سیر چشمی، حسب مسائل کا سوال پورا کرنا یگیہ کے خاص ارکان اور لوازم ہیں ۱۲

شاہی ہر دو لنگ اور غدر کی بدامنی بھی اس مین شامل تھی، مگر دراصل دریا باد کی تباہی کی بہت بڑی اور زبردست وجہ یہ تھی کہ یہان کسی خاص پیشہ کے متعلق کوئی باقاعدہ جماعت کے ذریعہ غیر شہرون سے تجارتی سلسلہ نہ قائم تھا۔ اگر بریلی، ٹانڈہ کی طرح یہان بھی ہزار دو ہزار جولاہے یا بڑھئی وغیرہ آباد ہوتے اور صنعتی و حرفتی کارخانے کھول کر اُن کی امداد کی جاتی تو باوجود ضلع شکست ہو جانے کے بھی دریا باد ویران نہ ہوتا۔

کہا جاتا ہے کہ امجد علی شاہ (۱۲۶۳-۱۲۵۱ھ) کے زمانے تک ہر طرح کا امن و امان رہا۔ واجد علی شاہ کے عہد مین بدنظمیٔ سلطنت کے باعث شمال شاہی کے ملازمون اور فوجی سپاہیون کو رعایا پر ظلم و بدعت کرنے کا خوب موقع ملا اور اس طرح اس قصبہ کی تباہی کا دور شروع ہوا۔ جوہریون کے یکدم پچیس گھرون کے باشندے لکھنؤ چلے گئے، باقی دہلی و آگرہ اور بنارس جا کر آباد ہو گئے۔ بکر قصاب میرٹھ اور سپر ساز لکھنؤ بھاگ گئے اور وہین "طبّاخی" وغیرہ کا کام کرنے لگے۔ اسی طرح دیگر اہل حرفہ کو بھی سمجھ لینا چاہئے۔ بھیا سیورتن سنگھ صاحب، جن کی عمر اُس وقت ۳۰ برس کی تھی بیان کرتے تھے کہ "شاہی زمانے تک اس کی خوشنما آبادی بیس پچیس ہزار سے کم نہ تھی۔ ۱۸۵۷ء کے غدر مین اسے سخت مصیبتون کا سامنا کرنا پڑا، لیکن پھر بھی بعد تسلّط باشندون کی تعداد پندرہ سولہ ہزار باقی رہ گئی تھی"۔ اس سے دریا باد کی اصلی آبادی کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہین۔

"تاریخ غدر اودھ" سے پتا چلتا ہے کہ ۱۸۵۶ء مین، جبکہ واجد علی شاہ سلطنت سے علیحدہ ہو کر کلکتہ مین رونق افروز تھے، دریا باد ضلع کے ساتھ ساتھ صدر مقام بھی بنا دیا گیا تھا، جہان سرکاری خزانہ کے علاوہ ایک انگریزی پلٹن بھی رہتی تھی۔ تاریخ مذکور مین لکھا ہے:-

"جس زمانے مین غدر کے آثار لکھنؤ اور اُس کے اطراف مین ظاہر ہونے لگے، اُس وقت دریا باد ضلع کا صدر مقام تھا۔ جہان پیدل فوج کی ایک یورپین پلٹن مسمی بہ نمبر ۵۔ او۔ آئی۔ انفنٹری رہا کرتی تھی، اور تین لاکھ کا سرکاری خزانہ بھی موجود تھا۔ ۱۶ مئی ۱۸۵۷ء کو اس پلٹن کے کمانڈر کپتان ڈبلو ایچ ہیوس نے چاہا کہ اس خزانہ کو بحفاظت تمام لکھنؤ پہنچا دین، لیکن، سپاہیون نے نہ مانا۔ کپتان موصوف اُس وقت خاموش ہو گئے۔ مگر، دو ہفتہ کے بعد جب اُنھون نے دیکھا کہ بغاوت صبح و شام مین پھیلنے والی ہے، تو، اُنھون نے زبردستی خزانہ کو لکھنؤ روانہ کر دینا چاہا چنانچہ ۹ جون ۱۸۵۷ء کو وہ اپنے ہمراہیون کے ساتھ خزانہ لیکر چلے۔ لیکن، ابھی نصف میل مسافت طے کی ہو گی کہ سپاہیون نے غدر کر دیا۔ چند سپاہی جو بدستور سرکار انگریزی کے وفادار رہے تھے، وہ کپتان موصوف کے ساتھ ہوئے۔ لیکن باغیون نے گولیان چلانا شروع کر دین اور چونکہ اِن کی تعداد بہت زیادہ تھی، فتح اُنھین کے ہاتھ رہی۔ خزانہ کی گاڑیان باغی دریا باد واپس لے آئے، اور حکام انگریزی فرار ہو گئے۔ کپتان ہیوس کا باغیون نے خصوصیت کے ساتھ تعاقب

ؔ بڑے تجربہ کار زمانہ دیدہ، اُمرائے لکھنؤ کے صحبت یافتہ، اُردو خوب بولتے تھے۔ قدیم زمانے کی باتین بہت یاد تھین۔ گرد و نواح کے حالات سے اچھی واقفیت تھی۔ ۹۵ برس کے ہو کر ۱۹۳۰ء مین فوت ہوئے۔ رانی مئو سکونت۔ دریا باد کے حالات لکھنے مین بھیا صاحب نے بہت بڑی مدد دی تھی، جس کا راقم الحروف نہایت ممنون ہے ۱۲

کیا، اور انھین اپنی گولیون کا بالکل ہدف بنالیا، لیکن اُن کی جان بالکل محفوظ رہی، یہان تک کہ رام سنگھ تعلقدار سوہی (سیف پور) نے اُنکو پناہ دی اور ۱۱ جون کو وہ بخریت لکھنو پہونچ گئے۔ رام سنگھ نے دو اور فوجی افسرون یعنی لفٹنٹ گرانٹ و لفٹنٹ فلرٹن کو بھی معہ اُن کے سارے خاندان کے پناہ دی اور انھین لکھنو روانہ کیا۔ لیکن راستہ مین باغیون نے اُن کو گرفتار کرلیا اور دریاباد کی طرف لے چلے۔ اتنے مین دریاباد کے باغی سپاہیون کا قاصد یہ اطلاع لیکر پہونچا کہ ہمین اِن افسرون کو نقصان پہونچانا منظور نہین۔ چنانچہ یہ لوگ بھی بخیریت لکھنو پہونچ گئے دریاباد کے ڈپٹی کمشنر مسٹر ڈبلو نیسن کو راجہ صاحب ہڑہا نے پناہ دی اور اپنی حفاظت مین لکھنو پہونچا دیا۔ حکام انگریز کے فرار ہوجانے کے بعد باغیون نے معزول شاہ اودھ کو اپنا فرمانروا قرار دیا اور ہندوستانی عہدہ داران، انگریزی کی تلاش مین نکلے۔ اُس زمانے مین دریاباد کے مشہور ڈپٹی کلکٹر منشی عبدالحکیم تھے، وہ اپنے بعض دوستون کے مکان مین روپوش ہوگئے اور چند روز کے بعد دریاباد کے دوسرے ڈپٹی کلکٹر مرزا علی رضا بیگ (سابق کوتوال لکھنو) کے ساتھ حکام انگریزی سے لکھنو مین آملے"۔ ماخوذ از "تاریخ غدر اودھ" مولفہ مسٹر گبن صاحب "دریاباد زمانہ غدر مین"۔

دریاباد انگریزی زمانے مین کب تک ضلع و صدر مقام رہا؟ اس کا ٹھیک پتہ نہین چلتا۔ بارہ بنکی گزیٹیر سے ثابت ہوتا ہے کہ "۱۸۵۹ء مین دریاباد کے بجائے بارہ بنکی ضلع قایم ہوگیا تھا اور نواب گنج صدر مقام قرار دیا گیا تھا۔ اس تبدیلی کی وجہ یہ تھی کہ یہان عام طور پر ملیریا کی کثرت تھی اور اسکے گرد چارون طرف دلدل کی وجہ سے گندگی پھیلنے کے باعث آب و ہوا پر خراب اثر پڑتا تھا۔ برسات کے موسم مین نشیب مین واقع ہونے کی بنا پر دریاآباد اسم بامسمیٰ ہوجاتا تھا"۔ جغرافیہ اول (مولفہ پنڈت شیو نرائن صاحب ڈپٹی انسپکٹر مدارس لکھنو، مطبوعہ نولکشور پریس لکھنو مارچ ۱۸۶۸ء دوسرے ٹائیٹل پیج مین ۱۸۷۲ء، صفحہ ۴۲) سے معلوم ہوتا ہے کہ "دریاباد ۱۸۶۸ء یا ۱۸۷۲ء تک ضلع رہا، مگر صدر مقام نواب گنج تھا"۔ جغرافیہ عالم حصہ اول (مولفہ منشی الیشری پرشاد صاحب سرونگ ماسٹر مدرسہ دستور تعلیم میرٹھ، مطبوعہ گورنمنٹ پریس الہ آباد ۱۸۷۶ء، صفحہ ۲۵ و ۲۶) سے ظاہر ہوتا ہے کہ دریاباد ۱۸۷۶ء تک علاوہ مشہور شہر و ضلع ہونے کے ضلع کا صدر مقام بھی[1] رہا۔ ایک فولیو[2] اسٹامپ مین تحریر ہے

---

[1] جغرافیہ عالم مین لکھا ہے کہ اودھ مین چار قسمتین اور بارہ ضلعے حسب تفصیل ذیل ہین۔ (۱) لکھنو، اناؤ دریاباد (۲) فیض آباد مین فیض آباد، گونڈہ، بہرائچ (۳) بیواڑہ مین رائے بریلی، پرتاب گڑھ سلطان پور (۴) خیرآباد مین سیتاپور لکھیم پور، ہردوئی۔ واضح ہو کہ قسمت بیواڑے کا صدر مقام کمشنری رائے بریلی اور قسمت خیرآباد کا مقام کمشنری سیتاپور ہے باقی ضلعون اور قسمتون کے صدر مقام کے شہر انھین کے نام سے ہین۔ شہر لکھنو حیف کمشنر اودھ کا دارالحکومت دریائے گومتی کے کنارے ہے۔ یہ شہر بہت عالی شان اور بارونق ہے۔ اس شہر مین شیش محل، حسین آباد، مارٹین صاحب کی کوٹھی، آصف الدولہ کا امام باڑہ قابل دید ہے قسمت لکھنو مین نواب گنج بڑا قصبہ ہے۔ شہر فیض آباد کے پاس قدیم شہر اجودھیا ہے جس مین مندر بہت ہین۔ علاوہ ان شہرون کے جن کے نام سے ضلعے ہین، اودھ مین محمدی، لالپور، سلون مشہور شہر ہین ۱۲ [2] ہرکرشن بی صاحب کے پاس موجود ۱۲۔

کہ "بتاریخ نوزدہم دسمبر ۱۸۶۶ء متی اگہن سدی دوادش نمبری ۱۹۷۳ روز چہارشنبہ قیمتی ہشت آنہ بدست۔ کنھیا لال ولد الیسری پرشاد قوم کایتھ ساکن دریاباد مقام تحصیل نواب گنج ضلع دریاباد برائے نقل فرد حصہ" ایک دوسرے سرکاری کاغذ[1] مین (فیصلہ محکمہ بندوبست، نواب علی خان مدعا علیہ، مقصود علی وغیرہ مدعیان ۲۳ جوری ۱۸۶۶ء، متعلقہ میلا رائے گنج) میجر شمیر صاحب بہادر مہتمم بندوبست ضلع دریاباد لکھا ہوا ہے۔ رسالہ[2] صدیقیہ قلمی (مولفہ شایق دریابادی، ذکر محمد علی صاحب) مین کنتور ضلع دریاباد لکھا ہے۔ یہ رسالہ ۱۲۸۸ھ یعنی ۱۸۶۹ء مین تالیف ہوا تھا۔ جغرافیہ گیتی (مرتبہ منشی درگا پرشاد صاحب بہادر اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس صوبہ اودھ، مطبوعہ تمنائی پریس واقع محلہ نوبستہ لکھنؤ، فروری ۱۸۸۲ء) مین رقم ہے کہ "کمشنری لکھنؤ مین لکھنؤ اُنام، بارہ بنکی تین ضلعے۔ بارہ بنکی مین نواب گنج، زیدپور، دریاباد، رُدولی خاص قصبے ہین"۔ بعض بزرگون کی زبانی دریافت ہوا ہے کہ "غدر کے بعد پانچ چھ برس تک دریاباد ضلع کی حیثیت سے صدر مقام رہا۔ ڈپٹی کمشنر، ڈپٹی کلکٹر تحصیلدار، منصف وغیرہ حکام بستی کے باہر اُتر جانب گورا[3] بارک سے متصل خس پوش بنگلون اور کھپریلے مکانون مین رہتے تھے۔ انگریزی حکام کے بنگلے کھپریلے تھے اور ہندوستانی حاکمون کے بنگلے پھوس کے تھے۔ کچہریان بھی وہین بنی ہوئی تھین۔ اِن کچہریون کے مکان بھی کھپریلے تھے یہ بنگلے اور مکان پہلی انگریزی مین تیار ہوئے تھے۔ بندوبست کے زمانے مین جب شمیر صاحب مہتمم بندوبست مقرر ہوئے تو بارہ بنکی ضلع اور سنہی گھاٹ تحصیل ہوگیا، ساتھ ہی اس کے منصفی اور تھانہ کا دفتر بھی وہین منتقل کردیا گیا، شاہی سڑک بھی شمیر گنج کو، جسے رانی صاحبہ (سورجپور) نے شمیر صاحب کے نام سے آباد کیا تھا، اور جو سنہی گھاٹ سے متصل واقع ہے، تبدیل ہوگئی۔ گو بندپور، ہونسے پور، پورہ چودھری، گوجرپور وغیرہ (۱۸۶۲ء مین) دریاباد سے علیحدہ ہوکر بجائے خود موضعے قرار پائے۔ اس عظیم انقلاب کی وجہ سے دریاباد کی شہری شان وشوکت یک قلم زایل ہوگئی اور یہ ایک معمولی قصبہ رہ گیا"۔

مندرجۂ بالا عبارت پر غور کرنے سے جار و ناچار یہ ماننا پڑتا ہے کہ دریاباد ۱۸۵۹ء کے بجائے ۱۸۶۳ء تک اودھ کے مشہور شہرون مین شمار ہونے کے ساتھ ساتھ ضلع کی حیثیت سے صدر مقام بھی رہا۔ ۱۸۶۵ء لغایت ۱۸۷۲ء صرف ضلع کے نام سے مشہور رہنے کے بعد یعنی ۱۸۸۲ء کے قبل بارہ بنکی کے خاص قصبات مین شامل ہوگیا تھا۔ اب رہی ضلع کی تبدیلی کی وجہ۔ اسکی نسبت یہی کہہ سکتے ہین کہ حکام کی مرضی لیکن گزیٹیر مین جو وجوہات ضلع کی تبدیلی کے بارہ مین بیان کئے گئے ہین وہ نہ صرف پبلک کو غلط فہمی مین مبتلا کرکے دھوکے مین ڈالتے ہین، بلکہ حکام کو بھی بہت کچھ خوف دلاتے ہین۔ وجوہات کے اصل الفاظ حسب ذیل ہین:۔

"دریاباد نشیب مین ہے، اس کے اردگرد دلدل ہے، اس لئے برسات کے موسم مین اکثر یہ پانی سے گھر کر اسم بامسمیٰ ہوجاتا ہے۔ موسم خزان مین تپ ولرزہ کی زبردست شکایت رہتی ہے۔ انھین وجوہات کی بنا پر ضلع

---

[1] واحد علی صاحب (میلا رائے گنج) کے پاس موجود ۱۲ [2] شیخ اقبال احمد صاحب پوسٹ ماسٹر دریاباد کے پاس محفوظ ۱۲ [3] کچھ کچھ نشانات اب بھی موجود ہین ۱۲۔

وصدر مقام جو قبل اور بعد غدر یہان قائم تھا، نواب گنج منتقل کردیا گیا۔"

ہمیں اس سے بحث نہین کہ گزیٹیر کے یہ شاندار الفاظ خود فاضل مولف کے قلم سے نکلے ہین یا کسی مہربان کے جوش مخالفت اور فرضی خیالات کا نتیجہ لیکن، ان کے ذریعہ سے دریاباد کی جو ہیبتناک اور بدنما تصویر کھینچی گئی ہے وہ اصلیت سے بالکل خالی اور واقعیت کے سراسر خلاف ہے۔ کیونکہ تحقیق سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہان شاہی مین چکلہ و نظامت کے محکمے قایم تھے، ناظم و عامل کے اجلاس ہوتے تھے۔ آبادی کے باہر فوج رہتی تھی۔ انگریزی عملداری مین بھی یہ ۱۸۶۳ء تک ضلع کا صدر مقام رہا۔ اول انگریزی یعنی ۱۸۵۶ء مین ایک یوروپین پلٹن بھی یہان تعینات ہوئی تھی غدر کے بعد آخر جولائی ۱۸۵۸ء مین پھر دوبارہ اسے ضلع وصدر مقام قرار دیا گیا تھا۔ اگر دریاباد مین دلدل کا اندیشہ ہوتا اور نشیب کی وجہ سے برسات میں دریاباد دریا کی شکل اختیار کرتا یا آب و ہوا خراب ہوتی یا ملیریا کا زور و شور ہوتا تو نہ بادشاہی مین اسکو عروج ہوتا نہ برٹش حکومت مین ۱۸۵۶ء لغایت مئی ۱۸۵۷ء سال ڈیڑھ سال کے تجربہ کے بعد عین بارش کے موقع پر یہ پھر ضلع کا صدر مقام بنایا جاتا۔ اس بارہ مین سن رسیدہ بزرگون کے بیان کا بھی خلاصہ یہی ہے کہ، دریاباد مین فصلی بیماری کی خاص شدت اور دلدل اور نشیب کی وجہ سے سیلابی وغیرہ نہ کبھی دیکھی گئی نہ سُنی گئی۔ اس مختصر بحث کے بعد جس سے حقیقت حال واضح ہوگئی، پھر بھی اگر گزیٹیر کی رائے تسلیم کرلیجائے تو سمجھ مین نہین آتا کہ دریاباد کے چارون طرف دلدلی زمین پر پورب، پچھم، اُوتر، دکھن لکھنؤ، بیضوآباد، رُودولی، ٹکیٹ نگر، رام نگر، حیدر گڈھ وغیرہ کی سڑکین کیونکر تیار ہوئین، جن کی نسبت خود گزیٹیر کی تحریر شاہد ہے؟ آج کل وہ واقعات کیون نہین ظہور پذیر ہوتے، جو مولف گزیٹیر کے زمانے مین ہر سال پیش آتے تھے؟ اور وہ دلدل اور نشیبی زمین خود بخود نصف صدی کے اندر پوشیدہ طور پر کس طرح غایب ہوگئی؟ کیا یہ کوئی طلسمی کارخانہ تھا، یا چند روزہ انتظام آلہی کا تعجب انگیز کرشمہ، کہ لوگون کو اس وقت تک مطلق خبر نہ ہوئی؟ مشرقی بنگال کے اضلاع جو برسات مین طغیانی کی وجہ سے ہمیشہ تباہ و برباد ہوجایا کرتے ہین اور جہان ہر سال ہزارون جانین دریا کی طوفان خیز لہرون مین ضایع ہوتی رہتی ہین، کیون نہین شکست کردئے جاتے؟ اسی طرح ہندوستان کے تمام شہرون مین عموماً، ترائی کے اکثر ضلعون مین خصوصاً ملیریا کی وبا شدت سے پھیلتی رہتی ہے، وہ کیون بدستور ضلع کی حیثیت سے قایم ہین؟ اخبارون کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر سال صدہا آفت خیز اور دردناک ہنگامے اور حادثے واقعے دنیا کے تمام شہرون مین نمودار ہوتے رہتے ہین لیکن، کوئی شہر دریاباد کی طرح ضلع سے محروم نہین کیا گیا۔ پس معلوم ہوگیا کہ دریاباد سے ضلع کی تبدیلی مصنوعی ملیریا اور دلدل وغیرہ کی وجہ سے نہین ہوئی، بلکہ اس کے اسباب کچھ اور تھے جو ظاہر نہین کئے گئے۔

موجودہ دریاباد ایک معمولی برائے نام قصبہ ہے، جس کی آبادی ۱۸۶۹ء کی مردم شماری مین ۵۹۹۹ اور ۱۸۹۱ء مین ۵۹۶۹، ۱۹۰۱ء مین ۵۹۲۸؛ جس مین ۲۹۴۴ مرد تھے، باقی عورتین۔ ۳۱۹۲ ہندو، ۲۶۴ مسلمان، ۱۳۶ نیچ قوم کے لوگ، جو کسی مذہب مین شامل نہ تھے۔ ۱۲۹۰ مکانات مین ۷۲۴ گھر دار

کے قابل تھے۔ کل آمدنی گھر وارہ کی ۱۶۴۳ روپیہ تھی (ماخوذ از ڈسٹرکٹ گزیٹیر بارہ بنکی) سنہ ۱۹۲۰ء کی مردم شماری مین ۴۹۷۳ آدمیون کا شمار کیا گیا تھا یعنی ۲۰ سال کے عرصہ مین قریباً ایک ہزار آدمی کم ہو گئے۔ یہان ایک ورنا کیولر مڈل اسکول، دو ایپریمری اسکول، زنانہ مدرسہ، ٹریننگ اسلامیہ اسکول، شفاخانہ، ڈاکخانہ اور تار گھر، کانجی ہوس، لورڈنگ ہاؤس، دو آنریری مجسٹریٹیان، ایک آنریری منصفی، آنریری اسسٹنٹ کلکٹری۔ علاوہ سرکاری مدرسون کے ایک سنسکرت پاٹ شالہ رابصاحب کی سرپرستی میں قائم ہے۔ کوآپریٹو بینک کا دفتر اور گئو شالہ بھی ہے۔ ستمبر سنہ ۱۹۲۲ء مین پبلک ٹریننگ اسکول اور ٹون پولیس تبکت اور رجسٹری کا دفتر سنہی گھاٹ منتقل ہو گیا ہے۔ قصبہ مین تین پختہ سڑکین ہین۔ ایک بھلسر اور کیارگھاٹ کو باری کی باغ تک، دوسری اُتر طرف ٹکیٹ نگر اور دکھن طرف اسٹیشن ہوتی ہوئی تحصیل سنہی گھاٹ اور حیدر گڈھ کو، تیسری بدوسرائے، رام نگر کو گئی ہے۔ رُدولی، فیض آباد، لکھنؤ، سیدھور والی سڑکین خام ہین۔ دریاباد کا اسٹیشن بستی سے دکھن طرف ۱۲ فرلانگ کے فاصلہ پر اودھ رُہیلکھنڈ ریلوے کی لوپ لائن مین دوسرے درجہ کا ہے، کیونکہ اس سے ٹکیٹ نگر اور بھٹریا دو بڑی تجارتی منڈیون کو مال کی آمد رفت مین بردست مدد ملتی ہے۔ اسٹیشن پر پان، سگریٹ، مٹھائی وغیرہ کھانے پینے کی ضروری چیزین ہر وقت موجود رہتی ہین۔ یہ قصبہ اگرچہ افلاس اور تنزل کی وجہ سے بالکل تباہ اور ویران ہے، تاہم انٹرنس پاس شدہ اصحاب کو چھوڑ کر (جنکی تعداد معقول ہے) دو ایم اے، سات بی۔ اے، پانچ بی اے، ایل۔ ایل۔ بی۔ پانچ ایف۔ اے، ایک سیرسٹر ایک شاستری، تین حکیم، تین خوشنویس، ہونے کے ساتھ ساتھ نظم و نثر، تصنیف و تالیف کا مشغلہ بھی جاری رہنا اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ علمی حیثیت سے اب بھی دریاباد بہت کچھ غنیمت ہے۔

ایڈریس مطبوعہ (بہ تقریب ورود مسعود آنریبل رائے راجیشر بلی صاحب مسٹر بمقام جونپور منجانب ممبران کائستھ صدر سبھا جونپور ۱۶۔ اپریل سنہ ۱۹۲۴ء) مین لکھا ہے: "ہم لوگون کو اس بات پر کمال مسرت ہے کہ گو صوبۂ اودھ مین ہماری قومی تعداد معقول ہے اور اُس کے اضلاع مین خاص خاص بزرگان قوم سربرآوردہ ہین۔ لیکن، تعلقداران اودھ کے منتخب جماعت مین، جن مین ہندوؤن کے تمام شریف قومون کے تعلقداران شامل ہین، دریاباد کی قوم کائستھ نے ہر اعتبار سے وقعت قایم رکھا ہے"۔ اسی طرح ۱۴۔ اگست سنہ ۱۹۲۴ء کے اخبار مشرق گورکھپور مین بزیر عنوان "علی برادران کا دورہ" صفحہ ۴، کالم اول مین تحریر ہے:۔ دریاباد کوئی معمولی جگہ نہین، ہمیشہ سے نام و نمود اور علم و فضل کا گہوارہ رہا ہے، اور آج تو حضرت فلسفی شاہ (مولانا عبدالماجد بی۔ اے ۱۲ مولف)۔ کی برکت سے یہ مقام بہت بڑی خانقاہ کی طرح زبان زد خاص و عام ہے"۔ ان گران قدر اور معنی خیز الفاظ سے اس اُجڑی ہوئی بستی کی شہرت اور عظمت کا بخوبی اظہار ہوتا ہے۔ لیکن رسالۂ معارف (علی گڈھ) مئی سنہ ۱۹۲۴ء سے پایا جاتا ہے کہ دریاباد کا شہرہ محض صوبۂ متحدہ یا ہندوستان کی ادبی جماعت ہی تک محدود نہین، بلکہ یورپ مین بھی اسے اپنی شاندار اور غیر معمولی علمی خدمت کی بناء پر مقبولیت اور ناموری کا افتخار حاصل ہو چکا ہے

مولف "پہونچا ہے شہرہ ہند سے یورپ تک اے محب پھو بستیان نثار اس اُجڑے دیار پر"۔

مشاہیر مین آنریبل رائے راجیشر بلی صاحب بہادر وزیر تعلیم، مولوی عبد المجید صاحب ڈپٹی کلکٹر، مولوی احمد کریم صاحب سب جج، حکیم مولوی محمد عبد الحسیب صاحب، مولانا عبد الماجد صاحب ناظر مصنف فلسفۂ جذبات وغیرہ، جن کی قابلیت کا شہرہ ہندوستان سے یورپ تک ہے، قابل فخر۔ مولف

چرخ قائم رہے، جب تک رہے دنیا آباد رہے تب تک یہ ترقی یہ خدایا آباد

کبھی ویران نہ ہو قصبۂ دریا آباد

دوسرا باب

علماؤ فضلاؤ شعرا اور حکماؤ و کلاؤ فقرا کا بیان

پہلی فصل سنسکرت دان پنڈتون کے بیان مین

پنڈت اندر جیت شاستری

پنڈت جی کا زمانۂ حیات اور انکی علمی قابلیت کا کچھ بھی پتہ نہین چلتا کہ یہ کس زمانے مین تھے اور سنسکرت کے چودہ علوم مین سے انھین کس علم پر زیادہ عبور حاصل تھا۔ لیکن، شاستری کا لقب اس امر کا اشارہ ہے کہ پنڈت جی کسی ایک شاستر کے عالم تھے۔

پنڈت لکشمی دھر، پنڈت ودیا دھر

پنڈت لکشمی دھر بہ عہد شہنشاہ اکبر موتمن الدولہ راجہ ٹوڈرمل (دیوان سلطنت دہلی) کے یہان ملازم تھے ان کے بھائی پنڈت ودیا دھر کو راجہ مان سنگھ بہادر (اکبر شاہ کے نورتنون مین تھے) کی مصاحبت کا فخر حاصل تھا اس سے ان پنڈتون کی علمی قابلیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

پنڈت کنول رام جوتشی

جوتش مین بہت بڑے قابل، اب سے دو سو برس پیشتر دور دور تک ان کی خاص شہرت تھی۔

پنڈت بھاسکر آنند تیواری

اپنے وقت کے نامور پنڈتون مین سے تھے۔ راجہ نول رائے صاحب (نائب صوبۂ اودھ، یہ عہد نواب

ابوالمنصور خان بہادر صفدر جنگ) کی اِن پر خاص نگاہ کرم اور نظرِ عنایت مبذول تھی۔ زمانۂ حیات اب سے ڈیڑھ سو برس قبل۔

پنڈت چھب ناتھ اوستھی

دیاکرن مین زبردست قابلیت رکھتے تھے۔ راجہ جھاؤلال صاحب (نواب آصف الدولہ بہادر کے زمانے مین وزیر جنگ اور افواج شاہی کے جنرل تھے) کے دربار مین اِن کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ زمانۂ حیات اب سے سوا سو برس اُدھر۔

پنڈت دینا ناتھ دوویدی

ساہتیہ (علم ادب) کے مشہور و معروف پنڈت، راجہ ٹکیت رائے کے درباری پنڈتون مین شامل۔ راجہ صاحب موصوف کی قدردانی سے نہایت اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کی۔ اب سے سوا سو برس قبل موجود۔

نوٹ نہایت ہے ان بزرگون کے حالات باوجود کوشش کچھ بھی دریافت نہین ہوئے۔ ہر شرد اوستھی اور بھیا شیو رتن سنگھ صاحب کی زبانی جو کچھ سننے مین آیا اُسی پر قناعت کرکے درج تاریخ کیا گیا۔

پنڈت جیونا رائن مشر

سرورِیا برہمن، وتس گوتر، پیاسی مشر، عالی نسب، اپنے وقت کے نامی گرامی پنڈت، دھرم شاستر کے زبردست

ہ کانکبج برہمون کے دو فرقے مشہور ہیں، سرورِیا، قنوجیا۔ کانکبج دیش کے رہنے والے کانیہ اور کبج دو بھائی تھے۔ جو دریائے سرجو کے اُس پار جاکر آباد ہوئے، اُن کی اولاد سرورِیا مشہور ہوئی۔ دوسرے بھائی نے اس طرف جنوبی حصے میں سکونت اختیار کی جن کی نسل والے کانکبج یعنی قنوجیا کہلائے۔ سرورِیا برہمن زیادہ تر گورکھپور، عازی پور، راپور، احودھیا، پراگ، جوہور، بستی، اعظم گڈھ، کاشی مین آباد ہین۔ قنوجیا اودھ، فتوح، دلی، آگرہ تک آباد ہیں اور اِن شہرون کے مجموعی رقبہ کو کانکبج دیش کہتے ہین۔ اِن برہمون کے بہت سے فرقے ہیں یعنی پانڈے، پاٹھک، تریاٹھی، دوبے، دیدی، ترودیدی، چترودیدی، اوستھی، دیکھیت، تنگل، مشر، اُپادھیا، ٹھٹھاچاریہ، اگن ہوتری، باجپئی وغیرہ۔ دیدیٹرھے سے دوبے (دوبے) ترودیدی، چترودیدی (چوبے) تریاٹھی (تیواری) اور دیدیٹرھا والے، پانڈے، پاٹھک، ٹھٹھاچاریہ، اُپادھیا کہلائے۔ یگیہ کرنے اور کرانے سے باجپئی، اگن ہوتری، اوستھی، دیکھیت اور عمدہ کاموں مین صفائی کے سبب تنگل اور اوصاف حمیدہ اور کامون مین ہوشیار اور سب مین ملے رہنے کی وجہ سے مشر مشہور ہوئے۔ عرصہ سے اس قسم کی کارروائی متروک ہے اور برہمون کا ہر فرقہ اپنے قدیم موروثی لقب پر نازان اور شاکر ہے۔ سرورِیا اور قنوجیا برہمون کے گوتر قریب قریب ایک ہی ہین، حرف فرق یہ ہے کہ سرورِیون مین تین گوتر گرگ، گوتم اور شانڈلیہ اعلیٰ اور تیرہ گوتر اِن سے کم درجہ کے مانے جاتے ہین اور یہ تین اور تیرہ گھر مشہور ہین۔ قنوجیون مین چھ گوتر کنیب، شانڈلیہ، کاتیائن، بھردواج، اُپ مُنج، ستانکرت اول اور دس گوتر دوسرے درجہ کے تسلیم کئے گئے ہیں اول گوترون کی اولاد اصل خاندان اور دوسرے درجہ والے عالی نسب شمار کئے جاتے ہین ۱۲

ماہر ہونے کے علاوہ ویاکرن، کرم کانڈ، کاویہ سے بھی واقف تھے، جوتش اور پرانوں سے بھی دلچسپی تھی۔

پنڈت جی کی لکھی ہوئی آدھیاتم رامائن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے والد کا نام تمیر تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ "ان کے بزرگ بڑے وِدوان موضع مجھولی (ضلع بستی) کے رہنے والے دیچھتون کے زمانۂ عروج مین یگیہ کرانے کے لیے حسب الطلب آئے تھے۔ یگیہ ختم ہونے کے بعد دیچھتون نے اُن سے گرنتر (سعیت) حاصل کر کے ایسی خدمت کی کہ وہ اپنا وطن بھول کر دریاباد ہی مین رہ گئے اور اُن کی نسل یہان قائم ہوگئی"۔ دیچھتون کے یگیہ کو آج تک چھ سو برس ہو چکے، جس کے بانی شانت مہاراج تھے۔ یگیہ مین اُس پنڈت کی ضرورت ہوتی ہے جو وید کا ماہر ہو، اور وید کی نسبت "تاریخ ہندوستان" صفحہ ۶۸ مین لکھا ہے کہ "وید پرانی سنسکرت مین لکھے ہوئے ہین، جو آج کل کی سنسکرت سے اس قدر مختلف ہے کہ بجز بڑے بڑے قابل اور عالم برہمنون کے اسکو کوئی نہین سمجھ سکتا ہے"۔ اس سے پنڈت جی کے مورث اعلیٰ کی علمی قابلیت اور دریاباد مین ان کے خاندانی سلسلہ کی قدامت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

چند شاہی پروانون کے دیکھنے سے اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ پنڈت جی کے آبا و اجداد بہت بڑے معزز پنڈت تھے جنھین دربار شاہی سے ایک سو بارہ بیگھہ پختہ آراضی بہ طور معافی عطا ہوئی تھی۔ پروانون کی نقلین حسب ذیل ہین جن مین پنڈت جی کے منجھلے بیٹے رامیشر مشر کا ذکر ہے اور جو انھین کے خاندان مین پنڈت مہادیو پرشاد کے پاس موجود۔

"(۱) عزیز القدر رام نواز۔ پروانہ راجہ صاحب بہادر دام اقبالہ ورود نمود کہ رامیشر زنار دار ظاہر نمود کہ موازی یکصد و دوازدہ بیگہ زمین شکلپ در دہات پرگنہ دریاباد مفصلہ ذیل بموجب اسناد از قدیم باسم دعاگو مقرر لغایت حال قابض و متصرف بود حالا آنعزیز القدر سند بنام خود میخواہد لہذا نگارش میرود کہ آنعزیز القدر آراضی مذکور موافق معمول قدیم مزاحم نشوند درین باب تاکید دانستہ حسب المسطور بہ عمل آرند مرقوم بست و سیوم ربیع الاول ۱۱۷۹ھ فصلی۔ نقل دفتر دیوان ۱۱۷۵ھ۔ مہر نور محمد بیگ (۲) پروانہ مہر راجہ صاحب راجہ بینی بہادر بتاریخ بست و ہفتم ماہ شوال ۱۱۷۶ھ ہجری گرامی قدر رفیع الشان مرزا نور محمد بیگ۔ رامیشر زنار دار ظاہر نمود کہ موازی یکصد و دوازدہ بیگہ زمین خارج جمع در دہ شکلپ از دہات پرگنہ دریاباد از قدیم مقرر و سابق پروانہ از اینجا ہم بنام آن گرامی قدر حاصل نمودہ لیکن متاجران کہ بعضی دہات را تعہد کردہ اند بزبردستی نمیگذارند و سماعتی اینمقدمہ نمیکنند لہذا نگارش میرود کہ از تاکید باید است مزاحمت از زمین خارج جمع کہ از سرکار گذاشت و معاف است موافق معمول مزاحم نشوند اگر باعث تعدی و ظلم بر غریب خوب ندانند (۳) برادر صاحب عزیز از جان مرزا محمد علی بیگ حسنو۔ پروانہ مہاراجہ صاحب بہادر ورود نمود کہ رامیشر زنار دار ظاہر نمود کہ موازی یکصد و دوازدہ بیگہ زمین نیچر خارج جمع شکلپ در دہات پرگنہ دریاباد بموجب اسناد از قدیم باسم دعاگو مقرر لغایت حال قابض و متصرف بودہ حالا آنعزیز از جان سند بنام خود میخواہد لہذا بر طبق آن مرقوم مے نمود کہ آراضی مذکور موافق معمول قدیم بتصرف او واگذارند مرقوم پنجم شہر صفر المظفر ۱۱۷۷ھ ہجری"

جیو نارائن مشر سلم کے سچے خادم اور پوتھیون کے بے مثل شوقین تھے، انھون نے دولت خرچ کرنے کے

ان پروانون میں بعض الفاظ کرم خوردہ تھے، اور بعض پڑھے نہیں گئے اس لئے اُنکی جگہ سادی چھوڑ دی گئی ۱۲

علاوہ اَن تھک اور غیر معمولی کوششون سے کتابون کا ایسا زبردست ذخیرہ جمع کیا تھا جو ایک بڑے کتب خانہ سے کم نہ تھا۔

پنڈت جی کی لکھی ہوئی بہت سی پوتھیان موجود ہین جس سے پتا چلتا ہے کہ یہ اعلیٰ درجہ کے محرر تھے، لیکن خوشنویس نہین تھے، بلکہ بدخط لکھنے مین ید طولیٰ رکھتے تھے۔ سمبت ۱۷۶۹ بکرمی مطابق ۱۷۱۲ء کے قبل پیدا ہو چکے تھے اور سمبت ۱۸۰۱ بکرمی مطابق ۱۷۴۴ء مین بہ قید حیات تھے، جسے آج تک ۱۷۸ سال ہوتے ہین۔ اولاد مین نتیانند، رامیشر، اندرمن مشہور (وبجھتانی ٹولہ)

پنڈت نتیانند مشر شاستری

پنڈت جیونارائن مشر کے فرزند اول۔ اس قدر ودّوان تھے کہ ان کی علمی شہرت سُن کر مہاراجہ ٹکیت رائے نے اِنھیں بڑی عزت و توقیر کے ساتھ بُلایا اور کچھ دن کے بعد اِن سے گُرمنتر (بیعت) حاصل کیا۔ اِن کے چھوٹے بھائی اندرمن بھی اچھے پنڈت تھے، مہاراجہ صاحب کے درباری پنڈتون مین شامل تھے۔ پنڈت جی کی ایک چٹھی (اِس چٹھی کا ترجمہ دیوان روشن لال صاحب کے بیان مین درج ہے) سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کائستھون کے بڑے بہی خواہ تھے اور انھین دھرم، کرم اور قومی زبان سے آگاہ کرنا اپنا خاص فرض سمجھتے تھے۔ بھاشا زبان سے سنسکرت دان پنڈتون کی طرح نفرت نہین کرتے تھے، بلکہ اُس سے خاص دلچسپی رکھنے کے ساتھ ہی انشا پرداز بھی تھے، لیکن تحریر مین سنسکرت کے دقیق الفاظ زیادہ استعمال کرتے تھے، جس سے محض بھاشا دان بغیر لغت کے نہیں سمجھ سکتے تھے۔ یہ پنڈت ہونے کے ساتھ ساتھ تجربہ کار، زمانہ کے نشیب و فراز سے واقف، موقع شناس، آغاز و انجام سے آگاہ بھی تھے۔ ہم وطنون کے باہمی رنج و ملال کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے اور حتی المقدور اُس کے دفع کرنے کی کوشش مقدّم سمجھتے تھے"۔ اِس سے پنڈت جی کی روشن خیالی اور فطری دانائی اچھی طرح ثابت ہوتی ہے۔

بعض بزرگ بیان کرتے ہین کہ پنڈت نتیانند جی مہاراجہ ٹکیت رائے کے گُرو (مُرشد) نہین تھے، بلکہ اِن کے بھائی اندرمن مہراج تھے۔ لیکن تاریخ اس بیان کی تائید مین بالکل خاموش ہے "سرور یہ کل دیپکا" (سرور یہ برہمنون کی تاریخ، مولفہ پنڈت گنیش پرشاد مشر ساکن گونڈہ، اسسٹنٹ ماسٹر اسکول گونڈہ) کے آخری صفحہ پر لکھا ہے۔ "پنڈت بینی مادھو کے بزرگ، شیوارام پانڈے ناگ چوری چیتا سے آکر دریاباد ضلع بارہ بنکی مین بسے، جن کو مہاراجہ ٹکیت رائے کے گرو نتیانند پیاسی مشر نے اپنی لڑکی بیاہ دی تھی"۔ اِس سے ماننا پڑتا ہے کہ مہاراجہ ٹکیت رائے کے گرو پنڈت نتیانند ہی مہراج تھے۔

پنڈت جی نے بنارس مین سنسکرت کی تعلیم پائی تھی۔ پنڈت لچھمن پرشاد لکھنوی کی لکھی ہوئی رگھوونش نامے پوتھی سے پایا جاتا ہے کہ نتیانند مہراج کو شاستری کا لقب حاصل تھا اور لچھمن پرشاد ان کے شاگرد تھے افسوس ہے کہ پنڈت جی کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی۔ پوتھی مذکور مہابیر دیجیت کے یہان موجود ہے۔

پنڈت رام دیال پانڈے

سروریا برہمن، دتس گوتر، ناگ چوری پانڈے، عالی نسب (تیرہ گھر والے) جوتش مین خاص طور پر شہرت رکھتے تھے۔ بنارس مین سنسکرت پڑھی تھی۔ ریاست ہڑہا (بارہ بنکی) کے راجہ پرتھی پت سنگھ صاحب نے ان کی خوب قدر کی، ساٹھ بیگھہ زمین بطور معافی عنایت فرمائی تھی جس پر پنڈت جی نے ایک پورہ بھی آباد کیا تھا، جو اب تک "پورہ پنڈت" کے نام سے مشہور ہے۔

"سروریا کل دیپکا" (سروریا برہمنون کی تاریخ) سے معلوم ہوتا ہے کہ "پنڈت جی کے والد شوا رام پانڈے موضع "چینیا" (ضلع بستی) سے دریاباد آکر آباد ہوئے تھے جنھین پنڈت نتیانند مشر کی بیٹی منسوب ہوئی تھی"۔ پنڈت رام دیال دریاباد ہی مین پیدا ہوئے تھے۔ لاولد وفات پائی۔ زمانہ حیات اب سے سو برس قبل۔ ان کے بھائی پنڈت رام غلام منتر شاستر کے اچھے پنڈت تھے۔ ان کی اولاد مین رام پرشاد، رام بخش، رام نارائن، رام چرن، جن مین صرف رامچرن نے بزرگون کا نام روشن کیا۔ دیکھیا نہ

پنڈت رام غلام پانڈے

پنڈت رام دیال کے چھوٹے بھائی، منتر شاستر کے زبردست ماہر، کرم کانڈ، جوتش و دیاکرن سے بھی واقف تھے۔ پہلے اجودھیا جی، پھر بنارس مین سنسکرت حاصل کی تھی۔

پنڈت جی کے نام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دریاباد کے ذی علم برہمن بھی اسلامی زبان سے اچھی طرح مانوس ہو کر اب سے ڈیڑھ سو سال پہلے فارسی الفاظ بلا تکلف بولنے لگے تھے، جس کے اثر سے اُن کے گھر کی عورتین بھی مخفوض رہ سکین اور پنڈت جی کو بجائے رام داس اور رام سیوک کے رام غلام کے نام سے پکارنے لگین، جو اس بات کی دلیل ہے کہ انھین بھی مردون کی طرح غیر ملکی زبان پیاری اور بھلی معلوم ہونے لگی تھی۔ اس سے قدیم ہندو مسلم اتحاد کا بخوبی اظہار ہوتا ہے۔

پنڈت رام غلام کی اولاد مین رام پرشاد، رام بخش، رام نارائن، رامچرن ان مین صرف رامچرن نے بزرگون کا نام روشن کیا۔

پنڈت رام پرشاد مشر

عرف پرشاد، شاکدیپی برہمن، مشر کے لقب سے مشہور، بھردواج گوتر، پنڈت بودھے رام کے بیٹے، شاگرد پنڈت رام غلام دریاباد ی، ساہتیہ اور جوتش مین اچھی استعداد رکھتے تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے خاندان مین اچھے اچھے قابل اور مشہور سنسکرت دان بزرگ گذرے ہین، لیکن یہ نہین کہا جا سکتا کہ پنڈت جی کے بزرگ کب اور کہان سے دریاباد آکر آباد ہوئے تھے۔ پنڈت جی کے خاندانی لوگون کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ "ان کے مورث اعلیٰ دریاباد کے دکھن طرف تھوڑے فاصلے پر ایک گاؤن سے

(جس کا اب کہین پتہ نہین) آکر دریا خان صاحب کے وقت مین جبکہ دریا باد آباد ہو رہا تھا، یہان بسے تھے"۔ پنڈت جی کے یہان چند پوتھیان تلاش سے دستیاب ہوئی ہیں، جو سمبت ۱۶۹۹ بکرمی اور سمبت ۱۸۸۱ بکرمی کے درمیان لکھی گئی ہین۔ ان مین سیکھر بودھ، جاتکا النکار، لگھو جاتک، لگھو جاتک معہ ٹیکا، مہورت چنتامن، برنے سندھ (۱۱۶ ورق ناتمام) وغیرہ جوتش کے متعلق اچھی کتابین ہین، جو اس بات کو ظاہر کرتی ہین کہ پنڈت جی کے بزرگ دریا باد مین اب سے تین سو برس قبل آباد ہو چکے تھے جس کی نسل مین دیو کرشن ولد سی رام (سمبت ۱۸۰۰ بکرمی) پنو ولد شیو رام بن بتلیر (سمبت ۱۷۸۳ بکرمی) منی رام (سمبت ۱۷۲۸ بکرمی) تلسی مستر وغیرہ (سمبت ۱۶۹۹ بکرمی) نجوم کے اچھے ماہر تھے اور مستر کہلاتے تھے۔ فاضلون کا بیان ہے کہ ان برہمنون کے مورث اعلیٰ جو بے مثل پنڈت اور بہترین وید تھے، شری کرشن چندر مہاراج کے وقت مین اُنکے بیٹے سام جی کے علاج کے لئے جو جذام مین مبتلا تھے طب الطلب شاک دیپ (یورپ) سے ہندوستان آئے اور بعد صحت یہین رہ گئے تھے، اُن کی نسل یہان قائم ہو کر شاکدیپی یا شاکدیپی برہمن کہلانے لگی۔ پرانون سے اس روایت کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ شاکدیپی برہمن ساڑھے چار ہزار برس سے ہندوستان مین آباد ہین، جن کا خاندان اب سے پانچ ہزار برس قبل یورپ مین موجود تھا۔ متو سمرتی وغیرہ پوتھیون مین لکھا ہے کہ کسی وقت آریہ ورت کے بہت سے باشندے غیر ملکون مین آباد ہو گئے تھے جس کی تائید مین محققان یورپ نے اچھی طرح ثابت کر دیا ہے کہ فرنگستان و ایران وغیرہ عموماً اور جرمن خصوصاً ہندوستان کے برہمنون کا آباد کردہ ہے، جو آج کل سنسکرت زبان کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اس لئے قیاس غالب ہے کہ شاکدیپی برہمنون کا اصلی وطن ہندوستان ہی ہوگا جن کے بزرگ مدت دراز کے بعد جرمن سے پھر اپنے قدیم ملک کو واپس آگئے ہونگے یہ برہمن آپس مین شادیان کرتے ہین۔ ہندوستانی برہمن انھین ابتک اجنبی جانتے اور ان سے رشتہ قرابت پیدا کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہین۔ ہنود کے اعلیٰ فرقے ان کے ہاتھ کا پکا یا ہوا کچا کھانا نہین کھاتے، اگرچہ تمام ہندو قوم شاکدیپی برہمنون کو برہمن تسلیم کرتی اور تعظیم و تکریم مین ہندوستان کے برہمنون سے کم نہین سمجھتی۔ یہ افسوسناک غلطی اور یہ باہمی نفاق اور قومی تفریق مہاراجہ بکرم کے بعد سے شروع ہوئی ہے۔ کیونکہ تاریخون سے پایا جاتا ہے کہ اگلے زمانے کے ہندو ان تباہ کن اور فساد انگیز باتون سے مطلق آگاہ نہ تھے جن کے وقت مین شودرون اور راجپوتون تک کی لڑکیون کے ساتھ شادیان کر لینا شاستر اور اخلاقاً ہر طرح جائز تھا اور قومی جماعت کے روشن خیال بزرگ اسی طرز عمل کو اپنے حق مین مفید اور معراج ترقی کا زینہ سمجھتے تھے، جو افسوس! کہ بدقسمتی سے آج کل خواب و خیال ہے، جس کا نتیجہ ظاہر۔

پنڈت جی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی مہالکشمی، ست نارائن اور ادھیاتم رامائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کچھ کچھ کرم کانڈ سے بھی واقف تھے اور سمبت ۱۸۴۱ بکرمی کے قبل پیدا ہو چکے تھے، نیز سمبت ۱۸۸۱ بکرمی مین بہ قید حیات تھے۔ (بھیپی ٹولہ)۔

پنڈت پراگدت دُبے چھت

اپنے وقت کے نامی پنڈت، بھوانی شنکر دیچھت کے اکلوتے بیٹے، از نسل شانت دیچھت، قنوجیا برہمن اُپ منج گوتر، کاویہ، کرم کانڈ، جوتش کے ماہر ہونے کے علاوہ اچھے انشا پرداز بھی تھے۔

لوگون کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ دریا بادی دیچھتون کے خاندان مین بہت سے وِدوان ہوگئے ہین۔ اس خاندان مین ایک مدت تک سلم سنسکرت کا خاص طور پر چرچا رہا۔ جب دیچھتون کا زمانہ زوال مین آیا تو یہ باتین ایک افسانہ ہوگئین۔ اب ان دیچھتون کے وقت کی پوتھیان شاید پنڈت ہنومان دت، جنکے بزرگ دیچھتون کے آچاریہ تھے، کے یہان ہون۔ کئی پشتون کے بعد دیچھتون کا ستارہ چمکا اور پنڈت پراگدت پیدا ہوکر علمی شوق کے باعث سنسکرت کے وِدوان مشہور ہوئے۔ انھون نے بہ صرف کثیر ایک بہت بڑا کتب خانہ قائم کیا تھا، جس مین ہر قسم کی بیشمار کتابین موجود تھین۔ سکرند دیچھت، پنڈت بختاور اور اجودھیا پرشاد وغیرہ پوتھیان لکھتے تھے۔ سکرند دیچھت وغیرہ تو عزیزدار ہی تھے، مگر پنڈت بختاور اور اجودھیا پرشاد پانچ پانچ روپیہ ماہوار پر نوکر تھے"۔ یہ پانچ روپے آج کل سو روپیے کے برابر ہوئے۔

بنارس میں سنسکرت کی تعلیم پائی تھی۔ یہ بڑے نیک، ملنسار، منکسر المزاج تھے۔ کسی قسم کا غرور نہ تھا۔ اپنے وطن کے بھی خواہ تھے قرب وجوار کے اکثر مینیہ در باشندے ان کی وجہ سے دیچھتانی محلہ مین آباد ہوگئے تھے فیاض بھی تھے، روزانہ کچھ دان پُن کرتے تھے۔ غریبون اور محتاجون پر زیادہ مہربان رہتے تھے۔ مصیبت کے وقت ہر کس و ناکس کے شریک حال ہوکر ہر طرح کی امداد دینے پر بدل وجان تیار ہوجاتے تھے۔ ان کی طبیعت صلح پسند تھی، محلہ مین جہان کہین لڑائی جھگڑا ہوتا تھا یہ پہونچکر فوراً میل ملاپ کرا دیتے تھے۔ ان کا اخلاقی دائرہ بھی بہت وسیع تھا۔ یہی وجہ تھی کہ چھوٹے بڑے سب انکے مداح تھے۔ دل مین تعصب کو مطلق دخل نہ تھا، ہندو مسلمان سب سے مراسم تھے۔ ان کی ذات رشک وحسد سے بری تھی۔ انھین ہمیشہ اس بات کا ملال رہا کہ ہمارے دار بلا وجہ دیوان روشن لال صاحب اور من سکھ اوستھی سے کھنچے رہے۔ تیوہارون اور تقریبون کے موقعون پر یہ خود اپنے ہاتھ سے غریبون کو عمدہ کھانا تقسیم کرتے تھے۔ علمی خیرات میں بھی حصہ لیتے تھے، سیکڑون پوتھیان لکھوا کر نادار طلبا کو تقسیم کردین۔ خاندان پرور، شریف نواز، مخلص نواز، علم وہنر کے قدردان بھی تھے۔

پنڈت جی فارسی دان بھی تھے۔ دریا باد کے کسی مولوی سے فارسی پڑھی تھی۔ امارت اور نفاست کے بھی دلدادہ تھے ان کا کمرہ بہت آراستہ تھا۔ امیرانہ قیمتی پوشاک پہنتے اور کھانا نہایت نفیس کھاتے تھے قصہ سُننے کے بیحد شوقین تھے، ایک داستان گو ہمیشہ نوکر رہا، جو انھین رات کے وقت کہانیان سُنایا کرتا تھا گانے بجانے سے بھی دلچسپی تھی، خود بھی اچھا گاتے تھے اور ستار بھی خوب بجاتے تھے۔ گانا فطری تھا، مگر ستار

کا فن لکھنؤ مین حاصل کیا تھا۔ تینگ بھی اچھا اُڑاتے تھے لیکن یہ شوق جوانی ہی تک محدود رہا۔

دیجھیت مہراج پنڈت ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے منتظم اور جفاکش بھی تھے۔ چنانچہ اپنے باپ کی وفات کے بعد جبکہ بلدی رام اِن کے چچا بھوانی شنکر کی جگہ پر راجہ بھوانی دین (حالیہ راجہ ٹکیت رائے) کے یہان کام کرنے لگے، آبائی زمینداری و مہاجنی وغیرہ کا کام نہایت نیک نیتی اور قابلیت سے جب تک زندہ رہے، انجام دیتے رہے۔ کاروبار مین کسی طرح کا قصور نہیں آیا۔ دفتر اور مہاجنی کے کاغذات کی دیکھ بھال بہت غور و فکر کے ساتھ کرتے تھے۔ اکثر ضروری کاغذون کو خود بھی لکھتے تھے۔ آخری عمر مین اِنھون نے "ٹھیا تلاو (تالاب) کو پختہ بنوانے اور اُسکے قریب ہی عالی شان پتھر کا ٹھاکر دوارہ معہ عمدہ پھلواری کے تیار کرانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ لیکن یہ تیر کو منظور نہ ہوا، قبل از وقت ناگہانی موت نے ان کی یہ آرزو پوری نہ ہونے دی۔

کیا شان الٰہی ہے کہ جہان اِنھین سب طرح کا سامان عیش و آرام میسر تھا وہان اولاد کی طرف سے کمی تھی۔ کئی ایک بچے پیدا ہو ہو کر کم سنی ہی مین گذر گئے۔ بڑھاپے کے زمانے مین ایک لڑکا ہوا جو زندہ رہا، لیکن، بدنام کنندہ خاندان، جاہل مطلق، مفسد، بیراز۔

ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی بھاگوت مہاتم، دس کرم، بھاو آرتھ پرکاشکا" نامے پوتھیون کے دیکھنے سے جن کی خوشخطی اور صفائی قابل تعریف ہے، ظاہر ہوتا ہے کہ پنڈت جی خوشنویس بھی تھے اور صحیح نویس بھی۔

"بھاگوت مہاتم" سے معلوم ہوتا ہے کہ پنڈت پرالگدت سمبت ۱۸۰۰ بکرمی مین بقید حیات تھے اور اس لئے دریاباد کے پنڈت رام پرشاد مشر کے ہم عصر تھے۔ ہر پرشاد اُنھی کہتے تھے کہ ہمکو خوب یاد ہے۔ "پنڈت پرالگدت اپنے چچا بلدی رام کے بعد فوت ہوئے ہیں"، اور بلدی رام سمبت ۱۸۶۵ بکرمی مین موجود تھے (ملاحظہ ہو باب ۳، فصل ۲، ذکر بھوانی شنکر دیجھیت) اس سے قیاس غالب ہے کہ شروع بیسوین صدی بکرمی مین پنڈت جی کا بیکنٹھ باس ہوا ہوگا۔

افسوس ہے کہ پنڈت جی کا انتقال ہوتے ہی خاندان مین باہمی مہالت اور نفاق کی توپون نے تباہی کے وہ وہ گولے برسائے کہ دیجھیتون کی قدیمی شان و شوکت کا مستحکم اور بلند قلعہ، جسے بھوانی شنکر نے از سر نو تعمیر کیا تھا، بات کی بات مین مسمار ہو کر ڈھیر ہو گیا۔ نہ زمینداری اور مہاجنی باقی رہ گئی، نہ دولت اور امارت۔ پنڈت جی کی یادگار مین "بھاو آرتھ پرکاشکا" (درگا پوتھی کی شرح) نامے مختصر سی نثر تصنیف غیر مطبوعہ پنڈت ہنومان دت کے پاس موجود۔ خاندانی حالات کے لئے باب ۱، فصل ۲، ذکر شاستر دیجھیت ملاحظہ ہو۔ (دیکھیئے محلہ)

پنڈت رُدر دت مِشر

عُرف غریب دھن، سرور پرسمن، از نسل پنڈت جیو نارائن مشر پنڈت اندرس مہراج کے نامی بیٹے، جو تنتر میں مشہور، صاحب تصنیف و تالیف، دیاکرن، کاویہ، کرم کانڈ کے علاوہ پرانون کے بھی ماہر تھے، مشر شاستر مین بھی اچھی استعداد رکھتے تھے، ساتھ ہی اِس کے اچھے خاصے شاعر بھی تھے اور خوشنویس بھی۔ اِنھون نے پہلے

دریاباد من پھر بنارس مین تعلیم پائی تھی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ مدن سنگھ صاحب چودھری وقانونگو (رئیس دریاباد، مورت رایصاحب) اور اسرن سنگھ صاحب تعلقدار (قیام پور) اِن کے بڑے قدردان تھے۔ چنانچہ ساٹھ ساٹھ بیگھ آراضی خام دونون رئیسون نے بلالگان عنایت فرمائی تھی۔ لیکن، جب ٹھاکر نورنگ سنگھ صاحب زبردستی تعلقۂ قیام پور کے مالک بن بیٹھے تو اُنھون نے آراضی مذکور ضبط کرلی۔ کچھ دن کے بعد واللہ اعلم کیا سمجھے کہ پھر واپس دینے پر آمادہ ہوگئے۔ مگر، پنڈت جی نے صاف کہدیا کہ "ہم یہ آرضی اُسی وقت لین گے جب ٹھاکر اسرن سنگھ پھر تعلقدار ہوکر ہمین سنکلپ دین گے"۔ ٹھاکر نورنگ سنگھ نے بہت کچھ کوشش کی کہ آراضی مذکور پنڈت جی قبول کرلین، لیکن، پنڈت جی بات کے دھنی اور آن بان والے تھے، تا زندگی اپنے قول پر ثابت قدم رہے۔ رائے صاحب کے یہان کی معافی بدستور اِن کے خاندان مین اب تک بحال ہے"۔ ایک ہندی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ نورنگ سنگھ نے اِن کے لڑکے اِندردت کو بھی آراضی مذکور دینی چاہی تھی، مگر، اُنھون نے بھی لینے سے انکار کردیا تھا۔ ہندی تحریر حسب ذیل ہے۔

"بھیا نورنگ سنگھ کے دسکھت سہی۔ سُوست شری برم مُورت اندردت جیو کا لکھ بھیا نورنگ سنگھ جیو کے پرنام۔ آگے تم آپن سنکلپ دنا پُرمان جو ہو ہوتا وہ جائے ہم مجا ہم نا ہوبے۔ آگے سُبھ۔ متی ساون بدی تیج سن۔ ۱۲۵۹ معمولی ترجمہ بھیا نورنگ سنگھ کے دستخط صحیح۔ برمھ مُورت پنڈت اِندردت جیو! نورنگ سنگھ کا پرنام آپ کی معافی جو دنا پُور میں تھی، بحال کی گئی، اب ہم مزاحم نہ ہونگے۔ ساون بدی تیج ۱۲۵۹ فصلی"

زمانہ کا اِنقلاب دیکھئے کہ اب سے ۶۰ برس قبل یعنی آخر شاہی مین مات کے آگے ۶۰ بیگھ آراضی کوئی چیز نہ تھی، لیکن آج کل ہم لوگ ایک بسوہ زمین کے لئے سیکڑون جھوٹی قسمین کھانے کو تیار ہین۔

سُنا جاتا ہے کہ رائے بدری پرشاد صاحب چکلہ دار بھی ان کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے۔ راجہ چھتر پتی سنگھ کے ذمہ جب تین برس کی مالگذاری واجب الادا ہوگئی اور اُنھون نے کسی طرح ادا نہ کی تو ناچار چکلہ دار صاحب نے پنڈت جی سے کہا کہ آپ کوئی ایسی ساعت بتلائیے کہ ہم اُن کو گرفتار کرکے شاہی مالگذاری وصول کرلین پنڈت جی نے ایک ساعت مقرر کردی جس کے مطابق چکلہ دار صاحب حملہ آور ہونے پر کامیاب ہوگئے اور دربارِ شاہی مین اُن کی بڑی عزت و توقیر ہوئی۔ اِس بنا پر وہ پنڈت جی کے معتقد ہوگئے تھے۔ اس واقعہ سے پنڈت جی کی نجوم دانی بخوبی ثابت ہوتی ہے۔

پنڈت عربیہ دھن کی جنم کنڈلی سے پتہ چلتا ہے کہ اِن کا جنم ماگھ بدی چھٹھ سمبت ۱۸۲۶ بکرمی مین ہوا تھا "شیو راتر برت" اور سنبت راج نامے پوتھیان اِنھین کی لکھی ہوئی دیکھنے مین آئی ہین "شیو راتر برت" کے خاتمہ پر سمبت ۱۸۳۷ بکرمی تحریر ہے، جو اِس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ یہ گیارہ برس کے سن مین کتابین لکھنے اور کرم کانڈ یعنی فقہ کی تعلیم پانے لگے تھے۔ سنبت راج سے معلوم ہوتا ہے کہ اِنھون نے راجہ نرمل داس۔

(جانشین راجہ ٹکیت رائے) کے خوش کرنے کو یہ نفیس اور پاکیزہ نظم سمبت ۱۹۴۵ کرمی مین تصنیف کی تھی، جس سے یہ نتیجہ کالا جا سکتا ہے کہ پنڈت جی ایسے ذہین تھے کہ انیس ہی برس کے سن مین اچھے شاعر ہو کر ایک نامی رئیس کے دربار مین دلکش منظوم تصنیف کے ذریعہ اظہار قابلیت پر آمادہ ہو گئے تھے۔

رائے صاحب کے کتب خانہ مین ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی "دھنزدید" نامے مشہور و معروف تصنیف کی نقل دیکھنے مین آئی ہے، جس مین جنگی فنون کا بہ تشریح بیان ہے۔ یہ پوتھی سمبت ۱۹۵۰ کرمی مین لکھی گئی ہے خاتمہ کتاب پر پنڈت جی نے بجائے اصلی نام کے اپنا مشہور نام "غریب دھن" ہی تحریر فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پنڈت جی تیر تلوار وغیرہ کے فن اور فوجی قواعد سے بھی واقف تھے یا واقفیت حاصل کرنے کے لئے ان فنون سے دلچسپی پیدا کی ہو جسکی شاہی زمانہ مین بیحد ضرورت تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی ذی علم اور بہادر رئیس کی فرمائش پر کتاب مذکور نقل کی گئی ہو۔ کتاب پر "غریب دھن" نام تحریر ہونا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اب سے سوا سو برس قبل دریا باد مین عام طور پر لوگ فارسی کے الفاظ استعمال کرتے تھے اور اس وقت فارسیت کا اس قدر زور ہو گیا تھا کہ پنڈت جی کے والدین بھی پنڈت رام غلام کے باپ، مان کی طرح اس زبان سے مانوس ہو کر کائستھون کی تقلید مین "دردت" کو "غریب دھن" کہنے لگے جس کے اثر سے نیز جم پرکل داس اور رائے بدری پرشاد صاحب چکلہ دار وغیرہ فارسی دانون کی صحبت سے فارسی الفاظ انھین بھی بھلے معلوم ہونے لگے جسکی مثال یہ ہے "دردت عرف غریب دھن" لکھنے کے صرف "غریب دھن" لکھا برا نہ معلوم ہوا۔ "غریب" اور "غلام" فارسی الفاظ ہین جو سنسکرت الفاظ "رام" اور "دھن" کے ساتھ استعمال کئے گئے ہین۔

پنڈت جی نے سو برس کی عمر پائی۔ تخمیناً سمبت ۱۹۲۷ کرمی مین انتقال کیا۔ اولاد مین اندردت، دیبی دت، تصنیفات کے ذیل مین (۱) منتر چنتامن، مورت استھاپا کے متعلق منتر وغیرہ (۲) بسنت راج، نفیس بہار یہ نظم (۳) پرمیش جیسن چندر کا، منتر شاستر کے متعلق، تین سو منتر (۴) درگا مہوتسو، چار سو اشلوک، دسہرہ درگا اور نوراتر کے پوجا وغیرہ کے بیان مین (۵) مہورت پرکاش جوتش یعنی نجوم، پانچ سو اشلوک، عمدہ تالیف مستند اور قدیم تصنیفات کے انتخاب کا اعلیٰ مجموعہ یہ کل پوتھیان خوبصورت حرفون مین خود پنڈت جی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی عمدہ یادگار ہین جو افسوس!! کہ اب تک غیر مطبوعہ اور پنڈت ہنومان دت کے یہان موجود (دیکھتا)

پنڈت رامچرن پانڈے

سرور یا برہمن، ناگ پوری پانڈے، وتس گوتر، پنڈت رام غلام کے بیٹے، بہت بڑے نامور پنڈت، پنڈت اُمان دت تیواری (اجودھیا) کے شاگرد رشید، راجہ مان سنگھ والئ اجودھیا کے علمی مجلس کے خاص رکن، ولادت سنہ ۱۸۰۱ء، وفات سنہ ۱۸۷۱ء۔

بھیا شیو رتن سنگھ صاحب بیان کرتے تھے کہ "پنڈت رامچرن اپنے وقت کے زبردست پنڈت تھے، جن کا نام دور دور تک مشہور تھا۔ اِن کے ہم عصر و ہمنام گنیش پور[1] کے پنڈت رامچرن اور قصبۂ ایچولی کے پنڈت درگا پرشاد بھی نامی پنڈت تھے، جو اِن سے کسی طرح کم نہ تھے۔ لیکن۔ دُرگا پرشاد دیاکرن مین اور رامچرن (گنیش پوری) ساہتیہ یعنی علمِ ادب مین اور رامچرن۔ (دریابادی) نیائے شاستر مین دی استعداد تھے۔ چونکہ دریابادی پنڈت رامچرن "نیائے" کے اعلیٰ ماہر تھے اس لیے اِن کا درجہ سب سے بلند تھا۔ پنڈت رامچرن (دریابادی) راجہ مان سنگھ کے درباری پنڈت تھے۔ راجہ صاحب دریاباد کے حکیلہ دار ہونے کے باعث اکثر وہاں رہتے تھے، اور شاستر آرتھ (علمی بحث) ہوا کرتا تھا، جس مین ان تینوں پنڈتوں کی باہمی خوب خوب چوٹین چلتی تھین اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے اپنی انتہائی قابلیت صرف کرنے پر آمادہ ہو جاتا تھا مگر آخر مین نیائے کے پنڈت رامچرن سب پر غالب آجاتے تھے۔ کبھی کبھی زیادہ دیر تک نوک جھونک کی باتین ہوتے ہوتے طرفین کو غصہ بھی آجاتا تھا اور باہمی ملال کی نوبت پہونچ جاتی تھی لیکن یہ ملال بحث و مباحثہ کے بعد ہی فوراً رخصت ہو جاتا تھا۔ پنڈت دُرگا پرشاد اور گنیش پوری پنڈت رامچرن بھی تیواری ہی جی کے شاگرد تھے ٹھاکر اوتار سنگھ صاحب کے زمانے مین اکثر "کوجا باٹ" کے موقعون پر یہ تینون پنڈت بڑی عزت کے ساتھ بلائے جاتے تھے، اور ٹھاکر صاحب موصوف (تعلقدار رانی مئو، پرگنہ دریاباد) کے گرو (مرشد) "مہا مہو پادھیائے" پنڈت سورج[2] نارائن شاستری بھی آتے تھے اور باہمی بحث و مباحثہ ہوتا تھا، جس مین دریابادی پنڈت رامچرن کی خاص طور پر تعریف کی جاتی تھی۔ پنڈت سورج نارائن کہا کرتے تھے کہ تیواری جی کے خاص خاص شاگردون مین پنڈت رامچرن دریابادی بہت اچھے پنڈت نکلے۔"

سُنا جاتا ہے کہ جب راجہ درشن سنگھ صاحب وائی اجودھیا نے شیو آلہ تیار کرایا تھا تو، استھاپنا کے موقع پر پنڈتون کی ایک سبھا قرار دی گئی تھی، جس مین شاستر آرتھ (بحث) کے بعد پنڈت رامچرن مہاراج ہی کا انتخاب عمل مین آیا تھا جس کی بناء پر انھین کے ذریعہ راجہ صاحب بہادر نے یہ مقدس فرض ادا کیا تھا۔ اِس سے کرم کانڈ کے متعلق پنڈت جی کی غیر معمولی قابلیت ظاہر ہوتی ہے۔

پنڈت جی نیائے شاستر کے علاوہ ویاکرن، جوتش، اور پُرانون سے بھی واقف تھے، دھرم شاستر مین بھی قابل تھے، کچھ کچھ فارسی سے بھی آشنا تھے، ساتھ ہی اسکے سنسکرت کے اچھے شاعر بھی تھے اور کیسے شاعر؟ سخن دوست، سخن سنج، سخن پرور! لیکن، پنڈت جی کے پوتے پنڈت بینی مادھو کی ایک تصنیف "شری گنگا مہتو سنجری" جو کانپور کے نولکشور پریس مین مالک مطبع کے ذاتی صرفہ سے پنڈت اُمان دت کے اہتمام مین چھپی ہے، اُسکے ذیل مین یہ "پرو رانگ واچسپت شری مان پنڈت رامچرن" تحریر ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ پنڈت رامچرن چھپ

[1] اِسے بہرام گھاٹ بھی کہتے ہین، ضلع بارہ بنکی مین واقع ۱۲ [2] آپ کی سکونت لچھمن پور (ضلع سلطان پور)، راقم کو بھی بہ سلسلۂ ملازمت رانی مئو آپ کی خدمت مین حاضر ہونے کا فخر حاصل ہو چکا ہے۔ ۱۲

علوم شکشا (حروف پڑھنے کے قواعد) کلپ[۲] (یگیہ وغیرہ کامون کے متعلق، فقہ) جوتش[۳] (نجوم وہیئت اور ریاضی) نروکت[۴] (وید کے سخت اور مشکل الفاظ پڑھنے کے اصول) ویاکرن[۵] (صرف ونحو) چھند[۶] (عروض وقافیہ) کے بھی پنڈت (مستری) یعنی بے مثل فاضل تھے۔

رامچرن مہراج وِدّوان ہونے کے ساتھ ساتھ مُخیّر بھی تھے۔ چنانچہ لالہ شنکر لال صاحب (مردہی محلّہ) بیان کرتے ہین کہ "چالیس پچاس دوگے اور مکمّل جاڑون مین لور لوٹے، جوتے گرمیون مین بلا تفریق مذہب غریبون کو ہمیشہ تقسیم کیا کرتے تھے۔ یہ خیرات زیادہ تر ہمارے اور لالہ رام سہائے کے ذریعہ سے ہوتی تھی"۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ پنڈت جی کی یہ فیاضی عام تھی، جس مین قومی تعصب کو ذرا بھی دخل نہ تھا۔

لالہ دیبی[۷] دین صاحب بیان فرماتے ہین کہ "ایک مرتبہ جاڑے کے دنون مین ایک کبیشر (شاعر) آیا، اُس وقت پنڈت رامچرن پٹھوا اوڑھے اور بانات کا انگرکھا پہنے تھے۔ کبیشر نے گیت (چار مصرعے والی نظم) سُنائے، جسے سُن کر یہ ایسا خوش ہوئے کہ فوراً پٹھوا اور انگرکھا اُتار کر اُسکے حوالہ کر دیا اور اُس کبیشر کی تعریف کرنے لگے۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پنڈت رامچرن دیگر سنسکرت فاضلون کی طرح بھاشا زبان سے متنفّر نہ تھے، بلکہ بھاشا ادب کے ماہر ہونے کے علاوہ اُس کے قدردان بھی تھے۔

ہر پرشاد اوستھی[۸] کہتے تھے کہ "ایک دن جاڑے مین شام کے وقت اِن سے کہین راستے مین ایک ذی علم پنڈت جی سے ملاقات ہوگئی، جو اِس قدر غریب تھے کہ بدن پر لتّا تابُت نہ تھا۔ پنڈت جی شاعر بھی تھے، رامچرن مہراج کی شان مین بہت سے سنسکرت کے اشلوک برجستہ پڑھے۔ یہ بیحد خوش ہوکر اُنھین اپنے گھر لائے اور اپنا مہمان بناکر بڑی خاطر ومدارات کی۔ ایک ہفتے کے بعد قیمتی پوشاک سے اُن کی حیثیت دُرست کرکے اُنھین رخصت کیا اور چلتے وقت دس روپیہ نقد بھی اُنکی نذر کئے۔ پنڈت جی ہزارون دعائین دیتے ہوئے اپنے گھر واپس گئے۔ پوشاک یہ تھی۔ دھوتی، مخملی جوتا۔ بنارسی صافہ، بانات کا انگرکھا، قیمتی دوشالہ۔ تھوڑے دنکے بعد معلوم ہوا کہ رامچرن مہراج کی سفارش سے پنڈت جی راجہ مان سنگھ کے یہان اچھی تنخواہ پر ملازم ہوگئے تھے"۔ اِس سے پنڈت رامچرن کی رحم دلی، فیاضی، قوم پروری، علمی قدردانی بھی ظاہر ہوتی ہے۔

پنڈت رامچرن جس طرح وِدّیا اور بات کے دھنی تھے، اُس طرح اپنی جبلی فیاضی کے باعث دولت کے دھنی نہ تھے، مگر آن بان رکھتے تھے۔ مجبوری مین اپنی ضرورتین بجز خاص خاص دوستون کے دوسرے سے نہین بیان کرتے تھے، چاہے جو کچھ ہو۔ خاص خاص دوستون مین لالہ سینتل پرشاد صاحب جگدھریا (راقم کے دادا) شیخ کرم کریم صاحب عُرف چھیدا میان، چودھری عبّاس علی صاحب، لالہ رام سہائے صاحب مشہور تھے۔

---

[۱] فارسی میں بہترین فاضل کو عطارد اور سنسکرت میں مستری سے تشبیہ دیجاتی ہے [۲] و [۳] راقم اِن بزرگوں کا بہت ممنون ہے کہ اِنھون نے دیہاباد کے متعلق بہت سی اہم باتین اور پُرانے حالات بیان فرماکر آگاہی بخشی۔ لالہ دیبی دین صاحب اس وقت تک بہ قید حیات، ۸۶ برس کا سن، تجربہ رسیدہ، ہر پرشاد اوستھی، بڑے نیک، اور قابل بزرگوں میں سے تھے۔ ۹۵ برس کی عمر پائی، ۱۹۳۲ء میں فوت ہوئے ۱۲۔

پنڈت جی کا عام قیاس ہونا، ہندو مسلمان دونوں قوموں سے یکساں برتاؤ رکھا اس امر کی کافی دلیل ہے کہ یہ بہت بڑے وسیع الخیال اور خوش اخلاق ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے مذہب کی اخلاقی تعلیم سے بھی آگاہ اور اُس کے پابند تھے، جس کا یہ منشا کہ یکی کے وقت ذات پات کی قید مٹا دو اور ہر شخص و ہر قوم سے میل ملاپ پیدا کرنے کی کوشش کرو، بشرطیکہ وہ بدچلن نہ ہو"

لیکن، اِن تمام خوبیوں کے باوجود پنڈت جی میں یہ بہت بڑا عیب بھی تھا کہ وِدّیا دان (علمی خیرات) سے انھیں قطعی نفرت تھی اور اس بارہ میں یہ سختی کے ساتھ پابند تھے۔ لکھنؤ کے نامی گرامی حکیم بابا صاحب بھی علمی نخل میں مشہور تھے مگر وہ ان کے ہم پلہ نہ تھے، اُنھوں نے مولوی نور کریم صاحب (دریاباد کے مشہور و معروف حکیم) کو اپنی علمی فیاضی سے مالا مال کر دیا تھا بہرحال اِس جگہ میں پنڈت جی کی نظیر صرف قارون سے دی جا سکتی ہے کہ وہ دولت کی خیرات سے مجبور تھا اور یہ علم کی خیرات سے ناراض تھے۔ چنانچہ سُننے میں آیا ہے کہ "انھوں نے بجز اپنے بیٹے اور پوتے کے کسی ہمسر کے لڑکے کو سنسکرت کی تعلیم نہیں دی۔ جس وقت یہ اپنے بیٹے یا پوتے کو تعلیم دیتے تھے تو مکان کا بیرونی دروازہ بند کر لیتے تھے، تاکہ کوئی شوقین طالب علم محض آواز سُن کر علم سے مستفیض نہ ہو جائے۔ جب پنڈت شنکر دیال نے انھیں وِدّیا دان سے اِس طرح جی چُراتے دیکھا تو، ناچار اُنھیں سنسکرت پڑھنے کے لئے قصبہ ایجولی کے پنڈت دُرگا پرشاد کے پاس جانا پڑا۔" کیا یہ شرم کی بات نہیں ہے؟

سن رسیدہ بزرگوں کی زبانی سنا گیا ہے کہ "پنڈت رامچرن نیک مزاج، مذہب کے پابند، خوش رو، مدبر، اندام، دلیر، رُعب دار، دراز قد، مستقل طبیعت، صابر و شاکر، خوش بو شاک، راست گو، لنسار، آبائی وضع کے عاشق اور کٹر ہندو تھے۔ اپنے دھرم کی توہین سُننے کے ذرا بھی روادار نہ تھے، ساتھ ہی اس کے دوسرے مذہب کی بُرائی بھی نہیں کرتے تھے۔ خوشامد پسند تھے، خوشامد پرست نہ تھے۔ وِدّوان ہو کر مغرور بھی نہ تھے، مگر شاستر آرتھ کے وقت علمی سبھا میں پنڈتوں کو دشمن کی نگاہ سے دیکھتے تھے، جہاں کہیں پنڈتوں کی سبھا میں اِن کا گذر ہوتا تھا تو، پالا اِنھیں کے ہاتھ رہتا تھا۔"

معلوم ہوتا ہے کہ بنارس اور اجودھیا کے وِدّوان بھی پنڈت جی کی دانائی اور علمی قابلیت کے قائل ہو گئے تھے۔ چنانچہ پنڈت شیو کمار شاستری اور پنڈت لبھندت جی کے بیان سے اِس بات کی اچھی طرح تائید ہوتی ہے۔

پنڈت شیو کمار شاستری۔ مخاطب بہ مہامہوپادھیائے، بنارس کے رہنے والے جوتش، ویاکرن، ساہتیہ، پران، نیائے، میمانسا وغیرہ کے زبردست عالم، ہندوستان کے مایۂ ناز فاضل سنسکرت کے اچھے اچھے علما و فضلا اور بڑے بڑے راجے، مہاراجے والیان ملک اُن کے معتقد تھے جشن تاجپوشی کے زمانے میں شہنشاہ جارج پنجم کے حضور میں خاص طور پر باریاب ہوئے، ملک معظم نے ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا۔ شاستری جی نے دعائیہ اشلوک پڑھے جس کے صلے میں خوشنودی مزاج کا شاہی فرمان مرحمت ہوا۔ اُنھوں نے ایک مرتبہ (غالباً ۱۹۰۷ء میں) ٹھاکر جالکی پرشاد سنگھ صاحب سے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ "دریاباد کے پنڈت رامچرن نامی وِدّوان تھے"

ف تفصیلی بیان باب ۴، فصل ۲، طبقہ اول، ذکر پنڈت بھیرون دت میں ملاحظہ ہو۔

پنڈت تسدت رائی مئو (پرگنہ دریاباد) مین رہتے اور قرب وجوار مین اچھی طرح مشہور، ۵۵ سال کی عمر۔ اُن کا بیان ہے کہ "جس وقت ہم پندرہ سولہ برس کے سن میں" اجودھیا پاٹ شالہ" (سنسکرت کا نامی انگریزی اسکول) مین پڑھتے اور اشلوک سمجھنے اور کہنے لگے تھے، وہاں کے پنڈتون کو اکثر سبیل تذکرہ باہم گفتگو کرتے ہوئے ہمنے یہ سُنا ہے کہ:۔ پنڈت رامچرن (دریابادی) اور پنڈت رامچرن (گنیش پوری) یہ دونون بہت عقلمند اور بڑے وِدّوان گذرے ہیں، جو ہر ایک علم کے متعلق بحث (شاستر آرتھ) کرنے مین نہایت تیز اور قابل تعریف تھے۔ پاٹ شالہ مین پنڈت دیبی دیال کاشمیری (ساکن جبل پور) پنڈت بینی مادھو باجپئی (اُناؤ) پنڈت مہیش دت (بارہ بنکی) پنڈت ہرن ناتھ جھا میتھلی (ترہت) پنڈت سورج بلی (اجودھیا خاص) ملازم تھے۔ یہ پنڈت ماہتار سنسکرت والی کے خاص طور پر مشہور تھے"۔

اِن حالات پر نظر کرتے ہوئے ہمارے ایک لایق اور معزز ہموطن کا یہ ارشاد فرمانا ایک عجیب و غریب منطق سے کم نہین کہ "پنڈت رامچرن (دریابادی) مین علمی لیاقت کچھ بھی نہ تھی، البتہ دبگ تھے، پنڈتون کی سبھا مین جو کچھ بھی مین آتا تھا بکتے چلے جاتے تھے اور دوسرون کی کچھ بھی نہین سُنتے تھے"۔

آغاز پیری مین انھین ایک نوجوان بیٹے کا داغ مفارقت نصیب ہوا، جس کا عمر بھر قلق رہا۔ ۷۵ سال کی عمر پائی۔ اولاد مین دو بیٹے دیوکی نندن[1] اور ایک پوتا بینی مادھو۔ یادگار مین کانگچ ونتادلی، منوہر تشک قابل تعریف تصنیفات غیر مطبوعہ[2] (دیچھتانہ)

پنڈت کشن دت

اصلی نام کرتس دت، عرف کشن دت۔ سروریہ برہمن، لکھنؤ راکے تسگل گرگ گوتر، افضل خاندان، بہت بڑے معزز، پنڈت سیتارام کے بیٹے، جین دھرم کے مشہور پنڈت، مگر ویشنو مذہب کے دلی معتقد، تنتر[3] شاستر کے زبردست ماہر، اور سنسکرت و پراکرت دونون زبانون سے اچھی طرح واقف تھے۔ جین مذہب کے متعلق اعلیٰ معلومات حاصل ہونے کی بنا پر دور دراز شہرون شولاپور، دربھنگا، چھپرا، جے پور، دِلّی، آرہ وغیرہ کے جینی اِن کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔

اِن کے مورث اعلیٰ پنڈت دو لچند دہلاس موضع "ترکھیاڈیہ" (ضلع بستی) سے اب سے تخمیناً دو سو برس قبل دریاباد آکر آباد ہوئے تھے، جو اپنے وقت کے نامور پنڈت تھے۔ اِنھین جین دھرم سے دلچسپی پیدا ہو جانے کے باعث جین آچاریہ نے اپنا جانشین قرار دیکر گوتہ نتیتی اختیار کی تھی۔ سُنا جاتا ہے کہ پنڈت دو لچند دہلاس دربار اودھ سے دو روپیہ روزانہ ماکاریاتے تھے جس کے متعلق فرامین اِن کی نسل والون کے پاس تھے،

---

[1] عرف ڈرملی، معمولی پنڈت، مگر پہلوان اچھے تھے، جو دھری لطف علی صاحب کے شاگرد تھے ۱۲ [2] یہ پوتھیان پنڈت بینی مادھو کے پاس تھیں، لیکن اب لا پتا ہیں ۱۲ [3] اس علم کے زور سے دشمن کو قابو میں لاکر اُسے عاجز کر سکتے ہین ۱۲۔

مگر کسی دشمن نے چوروں کے ذریعہ سے اُنھیں جلوا دیا۔

تنترِ دِیا کی بدولت پنڈت جی نے ہزار ہا روپیہ پیدا کیا۔ پنڈت مادھو پرشاد عرف مادھو جی[1] اِن کے حقیقی بھائی بھی اچھے پنڈت تھے۔ اِن دونوں بزرگوں نے آبائی مکان کو از سرِ نو درست کرا کے عالی شان مکان بنا دیا جس کا صدر دروازہ بہت بلند اور جسکی اگلی ڈیوڑھی دو منزل کی ہے۔

یہ کھانا بہت عمدہ اور نفیس کھاتے تھے۔ رات کو ہمیشہ تازندگی پوری اور ترکاری کھایا کئے۔ کپڑے قیمتی پسند تھے۔ وضع قدیم تھی چپکن و مرزائی، دھوتی سُرخ کنارے کی، جوتا دِتی دار، اور پگڑی اِستعمال کرتے تھے۔

پنڈت کِشن دت مہراج امیرانہ شان بھی رکھتے تھے۔ اِن کا کمرہ شیشہ آلات سے سجا ہوا تھا، جسے انھوں نے خود کلکتہ مین خرید کیا تھا۔ آج کل یہ سامان مندر مین، جو کمرے سے ملا ہوا ہے، آراستہ کر دیا گیا ہے۔ (دیکھتا نہ)۔

سنسکرت انھوں نے پہلے اچھوٹی میں پنڈت درگا پرشاد سے پڑھی، بعد اُسکے اجودھیا مین، پراکرت ذاتی محنت و مشقت سے حاصل کی تھی۔ بیس پچیس برس کے سن میں وِدوان ہو گئے تھے۔ تخمیناً ۸۰ سال کی عمر مین ۱۹۱۵ء مین اِن کا بیکنٹھ باش ہوا۔ بڑے ملنسار، نیک اور خلیق تھے۔ اولاد مین پنڈت بشناتھ، آرہ شہر مین جین مندر کے پجاری[2]۔

پنڈت شنکر دیال اوستھی

کانیکبج برہمن، نگرا[1] کے اوستھی، اُپ مُنج گوتر، عالی نسب، نامی پنڈت، دیاکرن، کرم کانڈ، پُران، جوتش سے واقف، بھاشا و سنسکرت کے ناظم و ناثر، بنگالہ اور فارسی زبان سے بھی آشنا، صاحب تصنیف و تالیف، شاعری مین شنکر تخلص، ولادت پھاگن سدی اشٹمی روز چہارشنبہ سمبت ۱۸۹۲ بکرمی مطابق ۱۸۳۵ء، وفات سمبت ۱۹۶۴ بکرمی مطابق ۱۹۰۷ء۔

سُنا جاتا ہے کہ پنڈت جی کے والد پنڈت سُکھدیو علم جوتش کے اچھے پنڈت تھے، دربار اودھ سے پچاس روپیہ سالانہ بطور نانکار ہمیشہ پایا کئے۔ اِن کے بزرگ نگرا (ضلع رائے بریلی) سے دریاباد آکر آباد ہوئے تھے۔ اِن بزرگوں کی نسل مین پنڈت پُدم کی لکھی ہوئی پوتھی "نرنے آمرت" دیکھنے مین آئی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پُدم پان کے والد بیبی دت، دادا ہر شنکر، اور پردادا پنڈت گنپت تھے۔ پوتھی "نرنے آمرت" سمبت ۱۷۰۶ بکرمی مین نقل کی گئی ہے، جسے آج تک (سمبت ۱۹۷۸ بکرمی) ۲۷۲ برس ہوئے۔ اب اگر گنپت سے پُدم پان تک چار پشتون کا زمانہ قدیم دستور کے موافق (فی پشت ۳۰ برس) ۱۲۰ برس شمار کیا جائے تو پنڈت جی کا خاندانی سلسلہ ۳۹۲ برس سے کم نہین ثابت ہوتا۔ لیکن گنپت پنڈت مورث اعلیٰ نہین کہے جاتے۔ اِن سے پیشتر اور بھی کئی ایک بزرگ اس خاندان مین گذر چکے ہین۔ اس سے کہا جا سکتا ہے کہ پنڈت جی کے اول بزرگ اب سے پانچ

---

[1] ان کی اولاد مین چھوٹے لال، قید حیات ۱۲ [2] کانیکبج و شادلیون مین نگرا کے اوستھیون کا کہیں ذکر نہیں ہے ۱۲ مولف

سو برس قبل دریا باد مین آباد ہوے ہونگے۔ تحقیق سے دریافت ہوا ہے کہ پنڈت جی کے بزرگ بڑے دولتمند اور خوشنویس پنڈتون مین تھے، اُن کے پاس بہت سی خوشخط قلمی پوتھیون کا عمدہ ذخیرہ تھا۔ اُنھون نے ایک مہتمم بالشان "فارسی پرکاش" نامے کتاب تصنیف کی تھی جس مین فارسی الفاظ کا سنسکرت لفظون سے باہم مقابلہ کرکے نہایت قابلیت وانصاف کے ساتھ یہ دکھلایا گیا تھا کہ فارسی زبان کا مخرج صرف سنسکرت ہے۔ لیکن، ابھی حال ہی مین جہان آن بزرگون کی دیگر پوتھیان خاندان والون کی غفلت سے رسات کی نذر ہوکر سڑ گل گئین، وہان یہ عجیب وغریب تصنیف بھی مٹی مین مل گئی، جسے ایک افسوسناک زبردست واقعہ سمجھنا چاہئے، اِس لئے کہ اگر یہ کتاب چھپ گئی ہوتی تو اِس سے نہ صرف دریا باد کی شہرت ہوتی بلکہ ہندی معلومات مین ایک قابل قدر اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ ہندو علوم کی قدامت پر بھی کافی روشنی پڑتی۔ مذکورۂ بالا پوتھیان اِسی تلف شدہ ذخیرہ سے تعلق رکھتی ہین، جو پنڈت تسکر دیال کے یہان اب تک موجود اور جن کی خوشخطی قابل قدر ہے۔

اِنھون نے پہلے قصبۂ ایچولی کے مشہور پنڈت دُرگا پرشاد سے سنسکرت کی تعلیم پائی، بعد کو اجودھیا مین پنڈت اُمان دت تیواری جی سے (جن کا نام آج بھی سنسکرت کی دنیا مین آفتاب کے مانند روشن ہے) تکمیل علم کی۔ اِن کی ایک تصنیف سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اٹھارہ برس کی عمر مین ذی استعداد ہوکر تصنیف وتالیف مین مشغول ہوگئے تھے، جو پنڈت جی کی اعلیٰ ذہانت کا کافی ثبوت ہے۔

پنڈت جی عالم باعمل تھے۔ مذہبی پابندی کے ساتھ ساتھ از روئے دھرم شاستر جسمانی طہارت کا بھی بہت بڑا خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ پیشاب کرنے کے بعد "لگھ شنکا شوچیہ" یعنی استنجا ضرور پاک کرتے تھے، جہان پانی نہ ملتا تھا وہان مٹی کا ڈھیلا استعمال کرتے تھے۔ اِن کا استنجا صرف دو لوٹون پر موقوف نہ تھا۔ ہر روز علی الصباح کم از کم آدھ گھنٹے تک جسم مل مل کر نہانے کے بعد دو ہاتھ کے انگوچھے سے بدن پوچھتے تھے، بدن اور سر خشک ہوجانے پر پوجا پاٹ مین مشغول ہوتے تھے۔ یہ وظیفہ حتی المقدور زندگی بھر برابر جاری رہا، جو حفظ صحت کے قدیم اصولون مین سے پہلا اصول مانا گیا ہے۔ افسوس ہے کہ یہ مفید طریقے ایک نامعلوم زمانے سے عام طور پر ہندوؤن مین رائج نہین۔ اَشنان صرف ایک ڈھکوسلا ہوگیا ہے اور استنجا (لگھ شنکا شوچیہ) کے فوائد سے خاص خاص لوگ واقف ہین۔ یہی وجہ ہے کہ ہندو قوم اپنی اصلی تندرستی کھو بیٹھی۔

یہ لکھنے مین بڑے مشاق، معمولی خوشنویس اور زود نویس، صحیح نویس بھی تھے۔ ایک دن مین ہزار اشلوک (شعر) لکھتے تھے۔ اِن کا طریقۂ تعلیم نہایت مفید اور قدیم اصول پر مبنی تھا۔ یہ طالب علمون کو بہت جی لگا کے پڑھاتے تھے، پڑھانے کے وقت نرمی اور شیرین کلامی سے پیش آتے تھے، اُلجھی ہوئی باتون کا مطلب اس طرح سمجھا کے بیان کرتے تھے کہ فوراً ذہن نشین ہوجاتا تھا۔ غریب اور امیر ہر بدّیارتھی (طالب علم) پر یکسان نظر رکھتے تھے، تعلیم بلا لحاظ معاوضہ مفت دیتے تھے۔ لیکن، اگر کوئی ذی مقدور طالب علم اپنی خوشی سے

کچھ نذر کرتا تھا، تو اُس کے لینے مین کوئی عذر بھی نہ تھا۔ اِنھون نے کبھی کسی تِدِیارتھی سے کوئی سوال نہین کیا۔ تعلیم دینے مین بجائے بُخل کے ہمیشہ فیاضی سے کام لیا، کسی قسم کی بھلو تہی نہین کی۔ یہی وجوہات تھے کہ قرب وجوار کے علاوہ سیتا پور تک کے طالب علم تعلیم کی غرض سے اِن کے پاس آتے تھے، جو بہت جلد ضرورت کے موافق علم سے بہرہ یاب ہوکر خوشی خوشی اپنے وطن واپس جاتے تھے۔ شاگردون کی تعداد بہت ہے۔

پنڈت جی کے داماد بیان کرتے ہین کہ، پنڈت جی ایک روز یکہ سے گر کر سخت زخمی ہوگئے۔ ایک ہاتھ ٹوٹ گیا، اچھے نہ ہونے پائے تھے کہ، اتفاقیہ پیٹ مین عارضہ پیدا ہوجانے کے باعث آماس آگیا اور باوجود کوشش ایک مہینے کے بعد بیکنٹھ باش ہوگیا۔ ۷۲ سال کی عمر پائی۔ اولاد مین ایک لڑکا جگدیش نامے ۱۸ سال کا موجود۔

بیکنٹھ باشی پنڈت جی مہاراج نہایت نیک، رسیم، ملنسار، بُردبار، کم سخن، لاطمع، فکر دنیا سے آزاد، شگفتہ خاطر اور خوشحال بزرگ تھے، جو وضع قطع اور طرز تکلم کے لحاظ سے صاف ہندو اور پنڈت معلوم ہوتے تھے، جب تک زندہ رہے، آرام سے زندگی بسر کرتے رہے۔ رائے نارائن بلی صاحب (تعلقدار ورمیں دریا باد) کے دربار مین اِن کی خاص طور پر آؤ بھگت تھی۔ علاوہ اس کے دُور دُور تک کے خوش عقیدہ ہندو بھاگوت (مشہور اور مُقدّس تصنیف جس مین شری کرشن جی کا بیان ہے) سُننے کی غرض سے اِنھین بڑی عزت کے ساتھ بُلایا کرتے تھے، جس سے ہر سال ایک معقول آمدنی حاصل ہوجاتی تھی۔ اِس مبارک خدمت کی وجہ سے یہ "بھاگوتی پنڈت" کے نام سے مشہور ہوگئے تھے۔

تصنیفات مین (۱) شانکر یہ رام چرتر سن چھیپ، بالمیکی رامائن کا دلچسپ انتخاب منظوم (۲) شبپ پریتیہ مصہ ترجمہ نشر ۶۴۔ اشلوک، (۳) بُرت بودھ ۴۱۔ اشلوک، سمبت ۱۹۶۲ بکرمی مین تصنیف ہوئی، بنگل یعنی عروض کے متعلق (۴) تنکرپ پرمود، اِس مین رامچندر جی کا بیان ہے، آخری سن مین تصنیف ہوئی۔ یہ سب بزبان سنسکرت اور (۵) سن چھیپ رامائن، جس مین دوہے، چوپائیان، کبت، چھند، سورٹھے وغیرہ ہر قسم کا کلام موجود ہے (۶) آلکیرت مال صناع شاعری کے متعلق ۴۱۴ دوہے، ۶۵ سال کی عمر مین سمبت ۱۹۵۰ بکرمی مین تصنیف ہوئی۔ یہ ہر دو تصانیف بزبان بھاشا۔ علاوہ اِن کے پچاس کبت (قطعات) اور بیس پچیس استوتر (مدحیہ نظمین) مذہبی رنگ مین علمی قابلیت اور مذہبی خدمت کی عمدہ یادگار ہیں۔ افسوس ہے کہ یہ کارآمد اور مفید تصانیف اس وقت تک غیر مطبوعہ ہین۔ (ٹھیکانہ)

پنڈت بیٹی ماؤ دھو پانڈے

سنسکرت کے غیر معمولی پنڈت، بھاشا ادب کے اوستاد، فارسی و اُردو کے ماہر، انگلش مین قابل انگریزی قانون سے آشنا، اور ہر زبان میں صاحب تصنیف و تالیف۔ ولادت ۱۰۔ اکتوبر ۱۸۵۱ء بمقام الہ آباد، وفات نومبر ۱۹۲۳ء بمقام کانپور۔

انھون نے سنسکرت اپنے دادا پنڈت رامچرن سے حاصل کی تھی، فارسی دریاباد کے نامی مکتب خانون مین، انگریزی ذاتی طور پر انٹرنس تک۔ یہ سنسکرت اور بھاشا کے اعلیٰ شاعر ہونے کے علاوہ فارسی و اُردو کے بھی اچھے شاعر تھے، یہی نہین۔ بلکہ انگریزی مین بھی شعر کہتے تھے اور انگریزی و بھاشا کے انشا پرداز بھی تھے، ساتھ ہی اِس کے جس طرح ہر زبان کے سخنور تھے؛ اُسی طرح سخن سنج بھی تھے اور موسیقی دان بھی۔ سنسکرت و بھاشا مین **بینی** اور فارسی و اُردو مین **خاطر**، انگریزی مین **مسٹر** تخلص تھا۔ اُردو شاعری مین منشی کالکا پرشاد صاحب **موجد** اور فارسی مین منشی عبداللہ خان صاحب **وجد** (لکھنوی) کے شاگرد تھے۔ سنسکرت کے متعلق دیاکرن، ساہتیہ، جوتش مین زبردست قابلیت رکھتے تھے، دھرم شاستر، کرم شاستر سے بھی واقف تھے، پُرانون سے بھی آگاہ تھے۔ لکھنؤ کے نامی گرامی وکیل منشی کالی پرشاد صاحب مرحوم **کُل بھاسکر** (کائستھ خاندان کے آفتاب) کی صحبت مین رہ کر انگریزی قانون مین بھی ذی استعداد ہو گئے تھے۔

پنڈت جی کے والد کا نام **دیوکی نندن** عرف "بھاگو" تھا (پنڈت رامچرن کے بیٹے، جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے) جو پنڈت بھی تھے اور سنسکرت و بھاشا کے شاعر بھی، فارسی سے بھی واقف تھے۔ نہایت ذہین، نیک چلن اور ہونہار خوبصورت آدمی تھے۔ آغازِ جوانی مین ۲۷ سال کے ہو کر دنیا سے گذر گئے۔

پنڈت بینی مادھو جس انگریز حاکم سے ملتے تھے وہ اِن کی انگریزی تقریر سُن کر خوش ہو جاتا تھا جس رئیس کے دربار مین اِن کا گذر ہوتا تھا، یہ پانچ زبانون کے ماہر قابلیت کے زور سے حسب موقع و محل کسی نہ کسی طرح اُسے اپنا گرویدہ بنا لیتے تھے۔ نجوم، عدالتی قانون، مذہبی امورات کے متعلق ہر سائل کو معقول جواب دیکر مطمئن کر دیتے تھے۔ اشلوک، کبت، چھند، پوئیٹری، غزلین وغیرہ حسب فرمایش منظوم فرما کر پیش کر دیتے تھے۔ سنسکرت کی سبھاؤن مین شاستر آرتھ کے لئے سدھرک آمادہ ہو جاتے تھے۔ حسب ضرورت مذہب کے متعلق تقریر (لیکچر) کرنے سے بھی بارہ آتے تھے۔ الغرض بہ حیثیت مجموعی پنڈت جی ایک قابل تعظیم دی علم بزرگ تھے، جن کی ذات نہ صرف دریاباد بلکہ قرب و جوار مین بھی معتنمات سے تھی۔

اِن مین جہان مذکورۂ بالا اوصاف تھے، وہان چند عیوب بھی تھے۔ مقدمہ بازی سے انھین خاص دلچسپی تھی، ذرا ذرا سی بات پر درخواست دینا اِن کے نزدیک ایک معمولی کھیل تھا۔ اپنے بھی خواہون سے بلا وجہ دشمنی مول لیا، سیدھے سادے آدمیون کو ٹیڑھے راستہ پر لیجا کر عدالت کے ذریعہ سے تباہی کی جھول بھگتان دکھانے کی انتہائی کوشش کرنا، اِن کا خاص حصّہ تھا۔ معمولی باتون پر بھی انھین بہت جلد غصّہ آجاتا تھا اور غصّے کی حالت مین یہ تہذیب کے دشمن ہو جاتے تھے۔ یہی وجوہات تھے کہ ملازمت کے سلسلے مین کہین بھی یہ مستقل طور پر اپنے فرائض منصبی انجام دیکے سرسبز نہ ہو سکے۔ لیکن، پھر بھی اپنی علمیت کی بنا پر جب تک زندہ رہے، نہ کسی کے دستِ نگر ہوئے نہ کبھی تہیدست و بیکار۔ سُنا جاتا ہے کہ مرنے وقت اِن کے پاس چار سو روپیہ نقد جمع تھا،

جس کی نسبت ان کے ایک رشتہ دار نے عدالت کانپور مین نالش دائر کی تھی۔

پنڈت جی چند سال پرگنہ دریاباد کے گرداور قانونگو اور ۱۸۸۶ء لغایت ۱۸۸۹ء تحصیل اُترولا (گونڈہ) مین قائمقام پیشکار رہے۔ بعد اُسکے مہاراجہ صاحب بہادر بلرام پور کی قدردانی سے سو بیگھہ آراضی کے معافی دار ہونے کے ساتھ ہی ریاست کے گرداور قانونگو مقرر ہوئے، پانچ چھہ برس رہ کر نواب کلب علیخان بہادر (والئی رامپور) کے دربار مین باریاب ہوئے اور اپنی نجوم دانی کے باعث خاص زمرۂ ملازمان مین نامزد کئے گئے، تھوڑے ہی دنون کے بعد ریاست اجودھیا (عدالت کورٹ) مین داخل ہوئے اور وہان ۱۹۰۷-۱۸۹۷ء تک منیجر جانسٹن صاحب بہادر مدار المہام کی مہربانی و قدردانی سے عہدۂ ہیڈ کلرکی (مشاہرہ پچاس روپیہ ماہوار) مامور رہے۔ ۱۹۰۰ء مین ملازمت چھوڑکر اپنے وطن دریاباد واپس آئے اور تخمیناً آٹھ برس رائصاحب کے یہان رائے مارائس بلی صاحب (رئیس و تعلقدار دریاباد) کے وقت مین پرائیویٹ سکریٹری کا کام بھی کرتے رہے اور ساتھ ہی اس کے لڑکون کو انگریزی تعلیم بھی دیتے رہے، جن مین سے رائے چندر ہربلی صاحب اپنی سعادتمندانہ شاگردی کا حق ادا کرتے ہوئے نہایت خلوص دل سے آج تک پنڈت جی کی علمی قابلیت کا زوردار الفاظ مین اعتراف کرتے ہین۔ ۱۹۱۱ء مین ان کی سعادتمند بی بی کا انتقال ہوگیا، اولاد کوئی نہ تھی، اس لئے پنڈت جی تنہائی کے عالم مین زندگی سے تنگ آکر کانپور چلے گئے اور وہان جذام کا عارضہ لاحق ہوجانے کی وجہ سے صرف درس تدریس کے ذریعہ پچیس تیس روپیہ ماہوار پیدا کرکے زندگی کے دن کاٹتے رہے، گھر کھدکر ویران ہوگیا۔

کانپور مین یہ گنگا کے کنارے رہتے تھے اور باوجود جذام مین مبتلا ہونے کے اچھے اچھے شریف دولت مند اپنے لڑکون کو سنسکرت کی تعلیم کے لئے پنڈت جی کے پاس بھیجتے تھے۔ بڑے بڑے وِدّوان شکوک رفع کرنے کی غرض سے اِن کے پاس دوڑے جاتے تھے۔ دلدادگانِ سنسکرت اِن کی بیحد تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے۔ بھاشا ادب کے مشہور ماہرین منشی دیبی پرشاد صاحب (وکیل ہائی کورٹ) اور پنڈت منّی لال صاحب متخلص بہ برج چندؔ سے اِن کے گہرے تعلقات تھے۔ رَسِک سماج (بھاشا زبان کی ادبی انجمن) کے خاص اراکین مین اِن کا شمار تھا۔ مسلمانون مین مولوی فرید احمد صاحب (وکیل ہائی کورٹ جو آخر مین منصف ہوگئے تھے) اِن پر بہت مہربان رہتے تھے، جن کی فرمائش پر پنڈت جی نے اُردو کی ڈھائی سو غزلون کا مختصر دیوان ایک مہینے مین تصنیف فرماکر اُنھین خوش کردیا تھا۔ اِس سے اندازہ کرسکتے ہین کہ پنڈت بینی مادھو کیسے سنسکرت دان پنڈت اور کتنے بڑے طبّاع و ذہین شاعر تھے؟

اِنھین مذہبی پابندی کا مطلق خیال نہ تھا۔ نہ پوجا پاٹ سے کچھ سروکار نہ برت وغیرہ سے مطلب۔ صرف کہنے سُننے کے لئے سال مین دو ایک مشہور برت (روزہ) رکھ لیتے تھے، مگر وہ بھی خلاف اصول اور پھل اہار یعنی سنگھاڑے کا حلوہ وغیرہ پیٹ بھرنے والی ثقیل چیزون کے سہارے سے۔ اِن کا اشنان بھی بالکل بے قاعدہ ڈھکوسلے سے کم نہ تھا۔ "گنگہ سُنکا شوچیہ" یعنی استنجا پاک کرنا بھی اِن کے نزدیک کچھ زیادہ ضروری

نہ تھا۔ شاید یہی وجہ تھی جو ان کی صحت ہمیشہ خراب رہی اور اس کے چہرے پر کبھی رونق نہ آئی۔

پنڈت بینی مادھو مہراج آبائی وضع کے پابند تھے۔ انگرکھا، دھوتی، ٹوپی، نری کا جوتا پہنے دوران ملازمت میں اپنے عہدہ کا فرض ادا کرتے وقت دھوتی کے اوپر اکثر چوڑی دار پائجامہ پہن لیتے تھے۔ نہایت افسوس ہے کہ ۶۹ برس کے سن میں ان کا بکنٹھ باس ہو گیا، جس سے نہ صرف پنڈت جی کے خاندان کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا، بلکہ دریاباد سے علم سنسکرت کی زبردست روشنی بھی غائب ہو گئی، جو ہندو نقطۂ خیال سے ایک زبردست سانحہ سے کم نہیں۔ یادگار میں قابل قدر تصانیف موجود جن میں سے چند پوتھیاں کانپور کے بعض ذی ہمت اصحاب، نیز لکھنؤ کے مشہور و معروف رئیس منشی بشن نرائن صاحب (مالک نولکشور پریس) نے ذاتی صرفہ سے چھپوا کر شائع کر دی ہیں، جو مقبولیت عام کی سند حاصل کر چکی ہیں۔ ان بزرگوں کی یہ علمی خدمت اور علمی قدردانی بہت کچھ تحسین و شکریہ کی مستحق ہے، جس سے پنڈت جی کے لقائے نام کے ساتھ ساتھ دریاباد کی بھی ہمیشہ شہرت ہوتی رہے گی

تصنیفات اور تالیفات حسب ذیل ہیں۔

(۱) سن چھیپ ہردتش پران (۲) گنگا مہتو منجری معہ ترجمہ نثر بھاشا (۳) رامائن، نہایت ضخیم اور مہتم بالشان تالیف، اس میں بالمیکی تلسی کرت، ادھیاتم رامائن، ہنومان ناٹک، اتر رام چرتر ناٹک وغیرہ بہت سی سنسکرت و بھاشا کی مشہور و مستند کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔ یہ سب سنسکرت میں (۴) شیو بباؤ (۵) پریم ترنگ مالنی (۶) کا ئیستھ کل شکتا نن جیتر گوپت جی کے حالات (۷) گنگا لہری معہ ترجمہ نثر (۸) سانگیت رتناولی، موسیقی کے متعلق (۹) رام گیتا ابھیاد (۱۰) رام ہردے ابھیاد (۱۱) رام نام مہاتم (۱۲) دوہاولی۔ یہ کل متعلق ربان بھاتا (۱۳) دولہ خاطر، فارسی دیوان معہ ترجمہ اردو نثر حسب فرمایش منشی ماتا پرشاد صاحب (وکیل دریاباد) تصنیف کیا گیا۔ جسے مولانا محمد اطہر علی صاحب مرحوم (دہلوی) نے بہت پسند فرمایا تھا (۱۴) سروش خاطر، دیوان اردو (۱۵) سنسکرت کی ایک پوتھی کا انگریزی میں منظوم ترجمہ۔ ان میں سے (۲) و (۴) تا (۸) مطبوعہ، باقی کتابیں اب تک غیر مطبوعہ، جن کی نسبت گمان غالب ہے کہ چند روز میں سڑ گل کر فنا ہو جائیں گی۔

پنڈت بھاگوت پرشاد مشر

کانکبج برہمن، شانڈلیہ گوتر، گویا تھی دھودہا مشر، بہترین نسب، بہت بڑے معمر، ٹھاکر پرشاد مشر[۱] کے بڑے بیٹے (چھوٹے بھائی برج لال داشرتی لال[۲]) جو تش کے اچھے پنڈت ہونے کے علاوہ کاویہ، کوش، ویاکرن، اور بعض بعض پرانوں سے بھی آگاہ تھے۔ ولادت تخمیناً ۱۸۶۸ء، وفات ۱۱۔ اپریل ۱۹۱۱ء۔

پہلے دریاباد میں پنڈت شکر دیال، پھر پنڈت بینی مادھو سے اور بعد اسکے اجودھیا میں انھوں نے

[۱] ۷۴ برس کے ہو کر ۱۹۱۸ء میں فوت ہوئے ۱۲ [۲] ۲۶ مارچ ۱۹۲۰ء میں بمقام بمبئی وفات پائی ۱۲ [۳] بہ قید حیات صاحب ادلاد ۱۲

سنسکرت حاصل کی تھی۔ چونکہ یہ قدرتی طور پر علم کے شوقین تھے اور ساتھ ہی اس کے ذہین بھی تھے، اس لئے بہت جلد صاحب استعداد ہو کر علمی ترقی مین مشغول ہو گئے تھے۔ انھون نے بہت سی نایاب قلمی پوتھیان تلاش سے جمع کی تھین جن کے مطالعہ سے عمدہ معلومات بہم پہونچائے تھے۔ بعض کہتے ہین کہ یہ پوتھیان ان کے چچا پنڈت بشن دت نے دیچھنیون کے یہان سے بذریعہ تحریر خرید کی تھین۔

پنڈت جی کے والد جاہل محض تھے جو کاشتکارانہ زندگی بسر کرتے تھے، لیکن چچا عقلمند اور روشن خیال تھے انھون نے ان کی تعلیم و تربیت مین کافی حصہ لیا تھا اور حتی المقدور روپیہ خرچ کرکے اس بات کی کوشش کی تھی کہ بھاگوت پرشاد پنڈت ہو جائین۔ چنانچہ ہمت مردان مدد خدا کی مثل صادق آئی اور بھاگوت پرشاد جی سنسکرت دان پنڈتون مین مشہور ہو گئے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے بزرگ جدّا مشر دیچھیتون کی رشتہ داری کے باعث موضع "اسنی" سے آکر دریاباد مین آباد ہوئے تھے۔ دیچھیتون کے دیئے ہوئے بچہ مکان مین رہتے تھے۔ مہاجنی پیشہ کرتے تھے۔ ان کے نام سے پورۂ مشر (متصل اٹورا) ابتک موجود ہے۔ اس پورہ کی اصلیت یہ ہے کہ جدّا مشر ایک دن راجہ صاحب ہڑہا کے کوٹ مین موجود تھے، اُن کے دشمنون نے راجہ صاحب کے دھوکے مین مشر موصوف کو قتل کر ڈالا، اس بنا پر راجہ صاحب نے اُن کے لڑکے انچھا رام کو ایک بہت بڑا ٹکڑا آراضی کا مروٹ مین عنایت فرمایا۔ کچھ حصہ آراضی پر انچھا رام نے اپنے باپ کے نام سے مشر کی رعایت سے پورہ آباد کیا۔ کچھ دنون کے بعد اس پورہ کی مالگذاری ادا نہ ہونے کے باعث انچھا رام کے بیٹے سیتا رام نے "پورۂ مشر" راجہ صاحب ہڑہا کو سات فاقہ کرنے کے علاوہ رائصاحب (دریاباد) کی سفارش کرا کے واپس کر دیا۔ پھر بھی راجہ صاحب نے بنظر عنایت ایک سو بیگھہ آراضی بطور معافی عنایت کی، جو راجہ رانا رہا در سنگھ صاحب کے وقت مین ضبط ہو کر شامل ریاست ہو گئی، لیکن پورۂ مذکور کا باغ ابتک مشرون کے قبضہ مین ہے۔

پنڈت جی اپنے خاندان مین علمی حیثیت سے بہت ممتاز درجہ رکھتے تھے، کیونکہ ان سے پہلے کوئی انکے برابر ذی علم نہین ہوا تھا۔ ان کی ذات بھی دریاباد مین بہت کچھ غنیمت تھی۔ افسوس ہے کہ عمر کا بیالیسوان سال ختم ہوتے ہی دفعتہً بعارضۂ طاعون دہیضہ ان کا انتقال ہو لیا۔ (دیچھتانہ)

بیکنٹھ باسی مسٹر مہاراج شگفتہ رو، کشادہ پیشانی، گندم رنگ، خوش قد، خوش وضع، خوبصورت، جوان، نیک چلن، ملنسار، اور ہونہار شخص تھے۔ رانی مئو کے مشہور پنڈت لشندت سے خاص مراسم تھے۔ پنڈت شنکر دیال کی طرح انھین بھی "بھاگوتی پنڈت" کے لقب سے شہرت ہو گئی تھی۔ اولاد مین شیو نارائن، سورج نارائن بہ قید حیات، قدیم پختہ مکان موجود۔

دوسری فصل اسلامی عالمون کے بیان مین

مولانا مُفتی محمود علی صاحب

بہت بڑے عالم اور صاحب فتوہ۔ یہ عہدِ شہنشاہِ اکبر نواب خانخانان کی سرکار مین ملازم تھے۔ افسوس ہے کہ اس سے زیادہ اِن کے حالات کچھ نہ دریافت ہوسکے۔

حاجی مولانا مفتی محمد رفیع صاحب

اِن کے حالات کچھ بھی نہین معلوم ہوئے۔ مولوی ثابت علی صاحب کی زبانی صرف اسی قدر دریافت ہوا ہے کہ یہ صاحب فتوہ اور جیّد عالمون مین سے تھے۔ زمانہ حیات اب سے تخمیناً ڈیڑھ دو سو برس قبل حاجی کا لقب ظاہر کرتا ہے کہ مفتی صاحب کو حج بیت اللہ کا بھی شرف حاصل تھا۔

مجتہد العصر مولانا سید حسین صاحب

شیعہ مذہب، سیّد، نواب شجاع الدولہ بہادر (وزیر شاہ دہلی ۱۱۸۱-۱۱۷۰ھ) کے عہد حکومت مین مولانا کی دھوم تھی، شاہی عالمون مین نامزد تھے، "مجتہد العصر" کا خطاب حاصل تھا۔

مولانا مُفتی محمد مظہر کریم صاحب

از نسل حضرت شیخ مخدوم آبکش دریابادی فرزند دوم مولوی مخدوم بخش صاحب، اپنے زمانے کے بہت مشہور عالم و فقیہ تھے۔ فرنگی محل مین تحصیل علم کی، اس کے بعد وہ عزت و ناموری حاصل کی کہ خود علمائے فرنگی محل اور مولانا عبد الحیٔ صاحب فرنگی محلی جیسے زبردست عالم اِن کی تعظیم کرنے لگے۔

مولانا زمانہ شاہی مین مفتی تھے، قیام شاہجہان پور مین رہتا تھا۔ قبل غدر انگریزی حکومت مین سررشتہ دار ہوگئے تھے غدر کی شورش مین جہان ہزارہا اور بے گناہ پھنسے وہان یہ بھی محفوظ نہ رہ سکے جھوٹی مخبرون اور بدگمانیون کا زور تھا، اِن پر یہ الزام لگایا گیا کہ "جہاد کا فتویٰ دیا تھا" اور "عبور دریائے شور" کی سزا دیدی گئی۔ وہان پہونچکر یہ علمی خدمت مین مصروف ہوئے، یعنی جغرافیہ پر عربی زبان مین ایک بڑی ضخیم مستند کتاب **مراصد الاطلاع** کا ترجمہ اُردو مین کر ڈالا۔ گورنمنٹ اُس زمانے مین معتبر ترجمون کی بیحد قدردان تھی اِس لئے اِس خدمت کے صلے مین چند سال کے بعد انھین رہائی دیدی۔ یہ وطن واپس آئے اور آخر وقت

تک مذہبی و علمی خدمات مین مصروف رہے۔

اِن کا خط بہت پختہ ہوتا تھا، بیسیون کتابین اپنے ہاتھ سے نقل کر ڈالین۔ سالِ وفات ۱۰ شعبان ۱۳۲۹ھ، یوم دوشنبہ، "حل جنّات النعیم" عربی مین مادۂ تاریخ وفات ہے (از لوحِ مزار مولانا صاحب) اولاد مین عبد الرحیم، عبد القادر دو بیٹے اور ایک بیٹیان۔ یادگار مین تصنیفات ذیل موجود، جن مین سے اکثر غیر مطبوعہ۔

(۱) ترجمہ مراصد الاطلاع، از عربی، جغرافیہ، مکمل، غیر مطبوع، اُردو (۲) مظاہر قادریہ، تصوف، در حالات و مناقب حضرت غوث پاک، غیر مطبوع (۳) غایۃ المرام فی تحقیق المولد و القیام۔ در فضائل آداب محفل میلاد، مطبوع، اُردو (۴) فتاوائے مظہریہ۔ فقہ و فتاویٰ مولانا کے خود جاری کردہ فتوؤن کا ضخیم مجموعہ، غیر مطبوع (۵) مسائل مظہریہ، فقہ غیر مطبوع۔ یہ دونون متعلق زبان فارسی (مخدوم زادگان)۔

حاجی مولانا مفتی محمد کاظم علی صاحب

از نسلِ سادات رضویہ، نامی گرامی عالم و فاضل، مشہور مفتی و قاری اور واعظ، اچھے حافظ قرآن و طبیب، ساتھ ہی اِس کے اُردو فارسی کے شاعر و منشی بھی تھے اور رمل و جفر سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔

اِن کے پردادا امیر عثمان علی صاحب اب سے تخمیناً دو سو برس قبل نواح دہلی سے آکر دریاباد مین آباد ہوئے تھے۔ میر کریم بخش صاحب دادا، مولوی قاسم علی صاحب پدر بزرگوار تھے۔

مولانا صاحب دس برس کی عمر میں معمولی فارسی پڑھنے کے بعد تحصیل علم کے شوق مین گھر بار چھوڑ کر لکھنؤ ہو لیے اور وہان یک لخت بیس برس تک جناب مولانا تراب علی صاحب مدظلہ (مصنف منتہی الکلام ساکن کرۂ ابوتراب خان) کی خدمت مین حاضر رہ کر جمیع علوم سے بہرہ یاب ہونے کے ساتھ ہی دستار فضیلت حاصل کرکے اپنے وطن دریاباد واپس آئے۔ بعد فراغت تحصیل علوم تیس برس کے سن مین میر حیدر علی صاحب۔ (ساکن بدوسرائے) کی بیٹی سے انھون نے اپنا عقد کیا۔ بہ عہد واجد علی شاہ بادشاہ لکھنؤ بیت الانشاء سلطانی مین ملازمت اختیار کی۔ لیکن، واجد علی شاہی کی بساط ہی کیا! ایک بجلی کی چمک تھی جو آن واحد مین نظر سے غائب ہوگئی، پھر بھی آٹھ نو برس چین سے گذرے۔ جب نوابی دور ختم ہوگیا، تو، ناچار مولانا کو انقلاب سلطنت کے باعث دریاباد واپس آنا پڑا۔ اگر یہ چاہتے تو، گورنمنٹ کی طرف سے کسی معزز عہدے پر سرفراز ہو جاتے، لیکن انھون نے عہد کر لیا تھا کہ "شاہی ملازمت کرکے اب سرکاری نوکری نہ کرینگے" بدین وجہ نان خشک پر قناعت کرکے بقیہ عمر اسی آن بان سے بسر کی اور باوجود تکلیفین برداشت کرنے کے کسی سے کسی قسم کی خواہش خود نہ ظاہر کی۔ واہ رے استغنا!!!

ایک شاہی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا صاحب کو بہ عہد واجد علی شاہ دربار لکھنؤ سے کچھ

آراضی بھی مرحمت ہوئی تھی، اور یہ وہاں شاہانہ الطاف کی بدولت اعلیٰ عہدہ پر سرفراز تھے۔ شاہی تحریر حسب ذیل ہے:۔

"حکمنامہ باسم متصدیان مہمات حال واستقبال پرگنہ دریا باد زین قبل حسب ملاحظہ معروضہ اہتمام الدولہ بہادر داروغہ نزول باغ وآراضی بزدل متمولہ مبدگاہ دریا باد بسید کاظم علی امین بیت الانتاء سلطانی عنایت گشتہ حالا بمزید رأفت خسروانی درطرہ مرحمت سلطانی در بارۂ معافی آراضی مسطورہ حکم قدر توام شرف نفاذ مے پذیرد کہ متمار الیہ را ہموارہ بر آراضی وباغ عطیہ مذکورہ قابض مستقل داشتہ بحالتے از تصرفات وتغیرات مطالبہ چیزے نہ نمائید ونسلاً بعد نسل وطناً بعد بطن ابداً از جملہ مطالبات دیوانی وسائر تکالیف خسروانی معاف ومرفوع القلم دارند تاکید اکید وقدغن مزید پندارند یازدہم ربیع الثانی ۱۲۷۲ھ ہجری مطابق ۲۹ ماہ سلیمان سنہ احد یوم المبارک سنہ جلوس والا"

شاہی ملازمت کے بعد مولانا نے اپنی زندگی کا طولانی حصہ درس وتدریس، وعظ وپند، دینی وقومی خدمت اور مذہبی فرائض کی ادائیگی مین صرف کیا اور ساتھ ہی اس کے کلکتہ، بمبئی، حیدرآباد، بنارس، اعظم گڈھ وغیرہ کا سفر کرتے ہوئے ۱۲۹۷ھ مین مدینہ منورہ ومکہ معظمہ کی زیارت بھی حاصل کی۔ ۸۰ برس کی عمر مین ۶½ برس بعارضۂ فالج مبتلا رہ کر ۱۳۰۵ھ مین وفات پائی۔

مرحوم نہایت یک جلین، عالمانہ وضع کے لاطمع اور باعمل عالم تھے۔ مذہبی مسائل کی پیچدار گتھیان سلجھانے مین ید طولیٰ رکھتے تھے۔ دور دور سے لوگ رفع شکوک کی غرض سے آکر خوش خوش واپس جاتے تھے۔ ان کا فتویٰ فرنگی محل تک تسلیم کیا جاتا تھا۔ یہ ایمان اور شرع کے اس قدر پابند تھے کہ ایک دفعہ ایک امیر نے اپنے مطلب کے لئے شرع کے خلاف کچھ کارروائی کرانے کی غرض سے پانچ سو روپیہ نذر کئے، مگر انھون نے لینے سے صاف انکار کردیا۔

مولانا کے یہان ایک استفتا دیکھنے میں آیا ہے، جس مین لکھا ہے:۔ بخدمت علماء دین ومفتیان شرع متین حیدر علی (ساکن دریا باد) جو رسالہ میزان پر بھی قادر نہین، وعظ دیتے اور فتوی زبانی جاری کرنے کے علاوہ استفتون پر مذہبی مسائل کے متعلق دستخط بھی کرتے ہین، اور مولوی کاظم علی صاحب (دریا باد) بھی وعظ دیتے ہین جن کی علمیت سے علماء دین بخوبی آگاہ ہونگے جو کل کتب درسیہ پڑھتے ہوئے ہین۔ ایسی حالت مین کس کے قول پر عمل کرنا چاہئے؟ اس کے جواب مین مولوی محمد صاحب، مولوی رؤف احمد صاحب، مولانا محمد لطف اللہ صاحب، مولانا محمد معین الدین صاحب، مولانا محمد محمود صاحب، مولانا محمد یوسف صاحب، مولانا محمد یعقوب صاحب (دہلوی)، مولانا محمد نعیم صاحب (لکھنوی) مولانا انور علی صاحب، مولانا محمد ذکریا صاحب، مولوی محمد اصغر صاحب، مولوی محمد نور کریم صاحب (دریا بادی) مرزا عبد اللہ صاحب چغتائی، مولانا تراب علی صاحب (لکھنوی) مولوی محمد عبد اللہ صاحب وغیرہ بزرگان دین نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے، اس سے

مولانا محمد کاظم علی صاحب کے فضل وکمال پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔ ناظرین کی آگاہی کے لئے چند مولوی صاحبان کی تحریرون کا خلاصہ ذیل مین درج کیا جاتا ہے۔ یہ استفتا جس پر مولوی صاحبان کے دستخط اور اُن کی مہرین لگی ہوئی ہین مولوی حاتم علی صاحب کے پاس موجود ہے۔

(۱) مولوی کاظم علی صاحب سالہائے دراز در لکھنؤ بوعظ کتاب اللہ عزاسمہ ہو اللہ الکافی واحادیث رسول مقبولؐ مشغول ماندہ اند گاہے تا این زمان نہ شفاہا نہ سماعا از ثقات حرفیکہ محل جرح وطعن در مسائل دینیہ تواند شد بگوشم نرسیدہ العبد آسی انور علی (۲) در باب مسائل شرعی چہ از عبادات وچہ از معاملات ہر چہ پیش آید جماعۃ مسلمین آن جوار را اساس اعتبار و وثوق بر قول مولوی حکیم سید کاظم علیصاحب کہ فحول علما اعتراف علم وفضل و دیانت شان میدارند باید نہاد و بر قول ہمچو مفتی کہ منجملۂ ناخواندگان علوم اند دست رو باید کشید العبد محمد ذکریا۔ (۳) مولوی سید کاظم علی صاحب در بالآبادی کہ واعظ و حافظ کلام الٰہی واقف احادیث رسالت پناہی عالم معقول ومنقول جامع فروع واصول متشرع متورع حکیم فہیم شاعر ناثر باہمہ صفت موصوف کمالات اُنکے ہر طرف مشہور ومعروف ہین جماعۂ مسلمین اُس سرزمین کو چاہئے کہ اتباع اور انقیاد ایسے عالم عابد کو غنیمت جانین العبد محمد صغیر (۴) جو مسئلے میر حیدر علی نے بیان کئے محض غلط ہین مسلمانون کو چاہئے کہ قول مولوی کاظم علی صاحب پر عمل کرین اسواسطے کہ میر حیدر علی کو مولوی صاحب موصوف کی سامنی لیاقت وعظ کہنی کی نہین اور فتوی دینا تو انکو کسیطرح اور کسیوقت نہ چاہئے کہ بعلم فتوی دینی والی پر فرشتے لعنت کرتے ہین العبد محمد یعقوب (۵) در علم وفضل وتقوی واستعداد تدریس کتب درسیہ واشتغال بعلوم تفسیر وحدیث وبیان وعظ ونصائح وقوت واستنباط واستخراج مسائل فقہیہ از کتب معتبرہ ونظر کامل بر کتب سیر واثار بنحویکہ درین سن بمولوی سید کاظم علیصاحب اللہم زد وبارک حاصل است اظہر من الشمس وابین من الامس وزینہا محتاج بہ بینہ وبرہان نیست ومردم خواص منزلت وقدر اینچنین فضایل می شناسند نہ مردم عامی کہ بہرہ از علم ندارند پس جملہ اہل اسلام را لازم است کہ بمتابعت اینچنین شخص ذی الاستعداد دین خود درست نمایند و در احترام واعزاز شان سعادت وفلاح دارین دانند حررہ محمد نور کریم الدریا ابادی عفی عنہ (۶) مولوی کاظم علی علوم دینیہ سے بہرہ کافی رکھتے اور کتاب اللہ وحدیث ما یحتاج سے بخوبی ماہر ہین۔ اس لئے وہ واجب الاتباع اور واجب التقلید ہین غیاث الدین محمد المدعو مرزا عبد اللہ چشتی (۷) فضل وکمال نودی زمان المعنی دوران مولوی حکیم سید حافظ کاظم علیصاحب اظہر عیان راجہ بیان ومولوی صاحب ممدوح ہمہ کتب درسیہ منقول ومعقول بتحقیق وتدقیق خواندند وازمدت دراز در تدریس ووعظ مشغول اند وازذات شان ہدایت بمردمان حاصل ودر تحقیق مسائل شرعیہ بمولوی صاحب موصوف رجوع باید کرد حررہ ابو البرکات رکن الدین محمد المدعو تراب علی عفی عنہ (۸) فضل وکمال مولوی حکیم سید حافظ کاظم علیصاحب اظہر من الشمس وابین من الامس وبمولوی صاحب ممدوح

کہ در علوم واقفیت کما ینبغی دارند رجوع نمایند کہ امید صلاح و فلاح است محمد عبداللہ عفی عنہ"۔

مولانا بہت بڑے ذہین تھے اور ان کا حافظہ بہت تیز تھا۔ مرزا غالب مرحوم کی طرح انھون نے بھی نہ کسی کتاب کی نقل کی اور نہ کبھی کوئی کتاب مول لی جس کتاب کو ایک نظر دیکھ لیتے تھے، عمر بھر کے لئے ازبر ہو جاتی تھی جو کچھ کسی سے سنتے تھے، دل مین نقش کالحجر ہو جاتا تھا۔ مذہبی مسائل اور الفاظ کے معنی و تصریح بیان کرکے صرف کتاب کا حوالہ ہی نہین دیتے تھے، بلکہ صفحہ و سطر تک بتا دیتے تھے کہ مین جو کچھ کہتا ہون اس کی تصدیق کے لئے آپ خود فلان کتاب کے فلان صفحہ اور فلان سطر مین دیکھ کر اطمینان کرلین چنانچہ لالہ دیبی دین صاحب بیان کرتے ہین کہ "مولوی مظہر کریم صاحب (در بابا د) اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہمنے بہت سی کتابین جمع کی ہین، بغیر ان کے کام نہین چلتا۔ لیکن، مولوی کاظم علی صاحب کو کسی کتاب کی ضرورت نہین وہ کل امور اپنے حافظہ کی قوت سے بحسن و خوبی انجام دیتے ہین اور اس بارہ مین وہ اپنی نظیر نہین رکھتے" دماغ بھی ان کا نہایت صحیح اور اعلیٰ تھا۔ تا زندگی کبھی سر مین خوشبو دار تیل نہین ڈالا اور دماغی بیماریون سے محفوظ رہے۔

اگرچہ مولانا نے کوئی کتاب نقل یا قیمت کے ذریعہ سے حاصل نہین کی، تاہم ان کے پاس معقول اور مستند کتابین کافی تعداد مین جمع ہو گئی تھین، جنھین بعض رئیسون کا عطیہ، دوست و احباب کا تحفہ اور لایق و سعادت مند شاگردون کی نذر سمجھنا چاہئے۔ افسوس ہے کہ یہ مختصر مگر کارآمد کتب خانہ برسات کے موسم مین دفعتہً مکان کے گر جانے سے بالکل تلف ہو گیا یہ واقعہ مولانا کے بعد کا ہے۔

سنا جاتا ہے کہ ان کی مذہبی تقریر بہت پُر تاثیر اور معنی خیز ہوتی تھی۔ چنانچہ حیدرآباد مین جب ایک مرتبہ ان کا وعظ ہوا تھا تو حضور نظام (نواب میر محبوب علی خان بہادر مرحوم کے والد ماجد) نے خوش ہو کر پانچ سو روپیہ انھیں عنایت فرمایا تھا۔

سید صاحب کی ایک خود نوشت تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ۱۲۹۸ھ کے قبل ہز ہائینس حضور نظام کے دربار مین ارباب ہو کر الطاف خاص سے سرفراز ہوئے تھے۔ یہ افتخار حاجی حکیم مولوی مفتی محمد حسن خان صاحب صدر الصدور کے ذریعہ سے حاصل ہوا تھا۔ تحریر مذکور کے الفاظ حسب ذیل ہین:۔

"از انجا کہ فیض پرورش سرکار کردون وقار دیر و حسنات این دربار و دُربار شاملحال مستحقان دور و نزدیک است درین شہر مبارک سنہ ماضیہ بذریعہ حاجی حکیم مولوی مفتی محمد حسن خان صدر الصدور حال سابق رکن مجلس مراقبہ عدالت حضوری اعانت و پرورش این خادم العلما الفقرا البعط قدردانی و عزت و افزائی بظہور آمدہ ..... سوم ماہ مبارک ۱۲۹۸ھ ہجری"۔

یہ بات بھی لکھنے کے قابل ہے کہ مولانا نے افلاس اور غریبی کی حالت مین، جبکہ صرف دس برس کا سن تھا، تن تنہا لکھنؤ جا کر (جہان بجز ذات باری تعالیٰ کے اور کوئی مونس و مددگار نہ تھا) طرح طرح کی

تکلیفین اور مصیبتین جھیلتے ہوئے بڑی خوشی کے ساتھ تمام علوم حاصل کرکے خاص طور پر نام پیدا کیا تھا اس سے مولانا کا علمی شوق، مولانا کی دلیرانہ ہمت، صفا کشی، جودت طبعی ظاہر ہوتی ہے۔

افسوس ہے کہ ان کی تصانیف کا کچھ بھی پتہ نہیں چلتا۔ صرف دو مختصر رسالے (رسالہ فاتحہ تنگ عشرہ کاملہ) عالمانہ قابلیت کی مذہبی یادگار مطبوعہ موجود ہیں۔ اسی طرح ان کے شاگردوں میں سے جو بیسیوں کی تعداد میں تھے فقط شاعری کے متعلق لالہ شنکر لال صاحب کمال (دریا بادی) اور حاجی مفتی مولوی محمد حسن خانصاحب (صدر الصدور حیدر آباد، ساکن مضافات اودھ) کا نام دریافت ہوا ہے۔ اولاد میں محمد حاتم علی صاحب اولاد بہ قید حیات، آبائی باغ و عطیہ شاہی پر قابض۔ مولانا کے بیان میں جن کاغذات کا ذکر کیا گیا ہے وہ مولوی حاتم علی صاحب کے پاس موجود۔ (قضیانہ حال مخدوم، اوگان)

مولانا مفتی شاہ محمد صاحب

سنی المذہب، رضوی سید از خاندان میران غوث، مشہور مفتی و زبردست عالم تھے شہنشاہ اورنگ زیب کے دربار میں ان کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ ان کے مرنے کے بعد بادشاہ نے ان کی بیٹی، بیوی اور دیگر بیوہ عورتوں کی گذر اوقات کے لئے ساٹھ سیکھ پختہ آراضی مرحمت فرمائی تھی جو ذیل کے پروانہ سے ظاہر ہے۔

پروانہ بہر معتمد الملک میر جملہ معظم خان خانخاناں بہادر مظفر جنگ، آنکہ کماشتہ ہای جاگیرداران و کردریاں پرگنہ دریاباد سرکار روضہ اودھ از اعلام آنکہ بموجب یادداشت واقعہ عہد مرقوم پنجم شہر ذی حجہ سنہ ۱۳ کہ بتاریخ دہم جمادی الاول سنہ ۱۴ نفرض مکرر رسیدہ مواری تصت سکرہ زمین بیحد افتادہ لایق زراعت حارج جمع از پرگنہ مذکور در وجہ مدد معاش مسماۃ بی بی وغیرہ بیوہ مستحقات حسب الحکم مقرر گشتہ باید کہ طریق یادداشت واقعہ عملہ آراضی مسطور را بیمودہ و چک بستہ بہ تصرف آنہا بازگذارند و صلا مطلقا تغیر و تبدل بدان راہ ندہند و بوجہ من الوجوہ طلب و طمع ننمائند کہ حاصلات آنرا صرف معیشت خود بانمودہ بدعای دوالت ابد مدت استقلال مینمودہ باشند اگر در محلہ یکری دختری داشتہ باشد آنرا اعتدا نگشتہ درین باب قدغن دانستہ حسب المسطور عمل آرند بتاریخ پنجم رجب المرجب سنہ ۱۴ جلوس والا قلمی شد تفصیل آراضی ہست سید رکن الدین بنت عنایت اللہ بنت شاہ محمد بنت محمد علی۔ مہر قاضی اکرم۔

مختصر نامہ نوشتہ قاضی نور الحق صاحب مرقومہ ۲۲ جمادی الاول سنہ ۱۱۸۸ھ بہ گواہان حاشیہ "سید امام علی خطیب ولد محمد علی بن سید شاہ محمد مفتی" درج ہے اور دستاویز نوشتہ قدرت علی بنام مولوی مخدوم بخش صاحب مرقومہ سنہ ۱۲۰۸ھ میں "سید امام علی خطیب" تحریر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب کے بیٹے محمد علی اور پوتے امام علی تھے۔ اولاد میں میر بلاقی بہ قید حیات۔ (میران نگری، حال مرد ہی محلہ)۔

تیسری فصل ذی علم اصحاب کے بیان میں

منشی نہال رائے صاحب

کائستھ، ماتھر، چھتری درس، لالہ اجاگر چند کے فرزند دوم (بڑے صاحبزادے حوشحال رائے تھے) فارسی کے ذی استعداد انشا پرداز، بھاشا ادب کے بھی ماہر، سنسکرت سے بھی واقف، صاحب تالیف

منشی نہال۔ ۔ے صاحب کے مورث اعلیٰ رائے "جسر تھ رائے" اکبرآبادی تھے جنھین شیر شاہ بادشاہ دہلی کے زمانے مین رائے کا معزز خطاب عطا ہوا تھا، ساتھ ہی اس کے چند مواضعات بھی بطور جاگیر مرحمت ہوئے تھے۔ اُنکے نام سے ایک موضع "جسرتھ پور" ابتک آباد ہے۔ رائے صاحب کے پوتے گڈھرمل، گوبر دھن، جوہرمل، تارا چند، اننت داس بھی بادشاہ دہلی کی قدردانی سے معزز عہدہ پر ممتاز اور "رائے" کے خطاب سے سرفراز تھے۔ ان بزرگون کی نسل مین شیام سنگھ صاحب منشی نہال رائے صاحب کے دادا شاہی فوج کے رسالدار تھے، ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار تنخواہ پاتے تھے۔ سرمایہ نواب ابوالمنصور خان بہادر صفدر جنگ فیض آباد آئے اور اس طرح رائے صاحب (دریاباد) کے خاندان والون سے سلسلۂ قرابت و رشتہ داری پیدا ہو جانے کے باعث اُنھون نے دریاباد مین سکونت اختیار کی اور اپنے اصلی وطن (آگرہ) کو خیرباد کہدیا۔ وہ بھاشا کے اچھے شاعر بھی تھے اور فارسی دان بھی۔ شاعری مین نیام تخلص کرتے تھے۔ ماسکیت پورانکا ترجمہ دوہے اور چوپائیون مین غیر مطبوعہ یادگار سے ہے جو ۱۸۰۲ء بکرمی مین تالیف ہوا تھا۔ اُن کے حقیقی بھائی اُودت سنگھ بھی شاہی ملازم تھے۔ لیکن، وہ راجہ لول رائے صاحب (نائب سلطنتِ اودھ) کی ہمراہی مین تعینات ہو کر لکھنو مین آباد ہو گئے تھے۔ (ارجھوپت کرت محررۂ اُدت سنگھ صاحب)۔

منشی صاحب کی لکھی ہوئی تلسی کرت رامائن کے شروع مین یہ عبارت تحریر ہے کہ۔ "یہ پوتھی شری رامائن تلسی کرت دستخطی بابا صاحب قبلہ شیام سنگھ جو بے مرمت شدہ بود سدہ نہال رائے در سنہ ۱۲۲۹ ہجری بمقام لوا بگنج کہ بنا بر خواہیدن و اصلات لالہ موہن لال عامل محال مذکور مقیم بود از دستِ خود مانکل پوتھی را مرمت ساختہ دو جلد نمود بہاگن سدی دوج سمت ۱۸۷۹ بکرمی" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مالی کام ان کے سپرد تھا، تحصیلداری کے عہدہ پر مامور تھے۔ افسوس ہے کہ ان کے حالات اس سے زیادہ اور کچھ نہ معلوم ہوئے۔ اولاد مین رام دیال لاولد فوت ہوئے۔ تالیف کے متعلق دسم اسکندھ بھاگوت کا ترجمہ ان کی علمی یادگار۔ مذکورۂ بالا پوتھیان منشی نہال رائے صاحب کے خاندان مین منشی گوپال پرشاد صاحب کے پاس موجود۔ (دیکھنا نہ)

مولوی فرید بخش صاحب

شیخ، فارسی و عربی کے اعلیٰ ماہر، دریاباد مین شاہی فوج کے تمنا دار۔ ان کے والد فوج شاہی مین کمیدان تھے۔ زمانہ حیات اب سے سولہ برس قبل، اولاد مین محمد حسین، جن کا ذکر باب ۳، فصل ۲ مین ملاحظہ ہو۔ افسوس ہے کہ مولوی صاحب کے والد کا نام بھی نہ معلوم ہوا، حالات کا کیا ذکر! (قضیانہ حال مخدوم زادگان۔

ماخوذ از پوتھی ماسکیت مولفہ شیام سنگھ صاحب جو منشی گوپال پرشاد صاحب کے یہان موجود ہے (مخدوم زادگان)۔

مولوی محمد اشرف صاحب

شیخ، از نسل حضرت مخدوم آبکش دریا بادی، عربی و فارسی مین صاحب استعداد، ریاضت پسند۔ دربار لکھنؤ سے بہت سی جاگیرون کے فرمان حاصل کئے تھے، جو خاندان والون کی غفلت سے تلف ہو گئے۔ زمانۂ حیات اب سے سو برس قبل، اولاد مین فرحت اشرف وغیرہ۔

منشی گیا پرشاد صاحب

شری واستو یہ دوسرے کائستھ، معروف بہ پانڈے الموڑھا، چھتری ورن، از اولاد مہاراجہ تلوک چند فرمانروائے دہلی، لالہ دربار لال صاحب چکلہ دار کے بیٹے، راجہ بھوانی پرشاد صاحب کے بھتیجے، عربی و فارسی کے زبردست ماہر ہونے کے علاوہ سنسکرت مین بھی دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ نصیر الدین حیدر بادشاہ کے وقت مین یعنی اب سے ۸۵ برس قبل بہ قید حیات۔ اولاد مین مہادیو پرشاد، عرصہ سے تارک الوطن۔ ان کے والد کا ذکر باب ۱، فصل ۲ میں اور خاندانی حالات باب ہذا کی فصل اول مین بہ ذکر راجہ بھوانی پرشاد ملاحظہ ہون منشی صاحب کے بعض حالات تواریخ پانڈے الموڑھا سے اخذ کئے گئے ہین۔ (محرر)

مولوی سالار بخش صاحب

سید، شمس المذہب، مولوی مشرف علی صاحب کے فرزند دوم (بڑے بیٹے مولوی بشارت علی صاحب ندیم تھے) فارسی و عربی کے زبردست بافیض معلم اور بڑے خوشنویس تھے۔ اُس وقت دریاباد کے عام شرفا پہلے انھیں سے اپنے لڑکون کو بسم اللہ کی تعلیم دلواتے تھے اور ان کی نہایت قدر و منزلت کرتے تھے۔ مولوی ثابت علی صاحب کہتے تھے کہ مولوی سالار بخش صاحب نے فرنگی محل (لکھنؤ) مین تعلیم پائی تھی اور علمی استعداد مین اپنے ہم عصر مولوی واحد بخش صاحب[1] سے کم نہ تھے

[1] مولوی واحد بخش صاحب۔ سید از فرقۂ شیعہ، عربی زبان کے عالم، فارسی کے بہت ستھرے انشا پرداز، لکھنؤ میں علم سے بہرہ یاب اور وہیں عہدۂ قضا یا مامور، سرا۔ صدر وہیں مارے گئے موضع کوٹلاور (پرگنہ دریاباد) کے رئیس دار تھے، وہان کے ٹھاکرون سے تنگ آکر دریاباد میں آباد ہو گئے تھے۔ اولاد میں حسن رضا، علی حسن، علی ارجا۔ مولوی حسن رضا صاحب عربی و فارسی مین قابل، فارسی کے اعلیٰ انشا پرداز اپنے والد کے شاگرد، زمانۂ شاہی مین بہ مقام لکھنؤ اماوت کے عہدہ پر مامور، بعد عہد بربسیور و صلع گونڈہ مین سب رجسٹرار ہو کر تا حیات اسی عہدہ پر بحال اب سے نصف صدی قبل موجود۔ اولاد میں قاضی عنایت احمد صاحب اولاد بہ قید حیات، مرزا صاحب کے یہان آنریری مجسٹریٹی کے سررشتہ دار۔ مولوی علی حسن صاحب شاہی میں کوتوال، انگریزی زمانے مین بھلسر، دریاباد کے سب انسپکٹر رہنے کے بعد بر تاب کر گھر تبدیل کئے گئے۔ آخر مین بہ سبب ضعف لصارت گورنمنٹ سے پنشن پاکر جا رہے تھے۔ اب سے تخمیناً ۳۶ یا ۳۷ برس قبل قید حیات، اولاد نرینہ کوئی نہیں۔ سید علی ارجا صاحب۔ بہ عہد شاہی گونڈہ و بہرائچ مین عہدۂ قضا پر مامور، آٹھ مواضعات کے مالک، انگریزی مین پولیس کے سب انسپکٹر اور اسی سلسلہ میں فیض آباد تبدیل ہونے کے ساتھ ہی وہین محلہ سعادت گنج میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔

تاعمر درس وتدریس مین مشغول رہے۔ اِن کے بزرگ غالباً نواب آصف الدولہ بہادر کے قبل دریاباد مین آباد تھے"۔

لالہ دیبی دین صاحب بیان کرتے ہین کہ مولوی صاحب مصوّر بھی تھے اور دستکار بھی۔ طرح طرح کے رنگین بیل بوٹے کاغذ اور کپڑے پر بنانے مین فرد تھے۔ نیچہ ساری کے فن سے بھی خوب ماہر تھے۔ پتنگ اور مکھل بھی خوبصورت بنالیتے تھے۔ علاوہ اس کے جو نایاب چیز دیکھ لیتے فرمایش پر ہو بہو ویسے ہی تیار کردیتے تھے مگر یہ سب فنون شوقیہ تھے، ذریعۂ آمدنی نہ تھے۔ مولوی صاحب کے والد بھی بڑے دستکار تھے۔ اِن کے دو بھائی اور بھی تھے۔ فقیر بخش لکھنؤ مین معلّم گری پر مامور تھے اور امیر علی دریاباد کے مکتب خانون مین تعلیم دیتے تھے مولوی سالار بخش صاحب اسّی پچاسی برس کے سن مین غالباً اب سے ۴۰ برس قبل موجود تھے۔ اِن کے بعد دریاباد سے اِن کے خاندان کا خاتمہ (محلہ محرّران)۔

مولوی عبدالرحیم صاحب

شیخ قدوائی ہ از نسل حضرت مخدوم آبکش دریابادی (ر)، مولانا محمد مظہر کریم صاحب کے بڑے بیٹے (چھوٹے بیٹے حاجی مولوی ڈپٹی عبدالقادر صاحب تھے) فارسی کے ادیب اور اردو کے ظریف الطبع انشا پرداز جس زمانہ مین اخبارات کا رواج بہت کم تھا، یہ کئی کئی اخبارات منگاتے، ملک کے اکثر ادیبون سے اِن کے تعلقات مراسلت قایم تھے۔ علاوہ اس کے یہ دستکار بھی تھے۔ کاغذ کے خوشنما بیل بوٹے اور پھول قینچی سے تراش کر بنایا کرتے تھے جنھین دیکھ کر طبیعت شگفتہ ہوجاتی تھی۔

مولوی صاحب بہت بڑے مُحیّر بھی تھے۔ طرح طرح کی تکلیفین اُٹھاتے، مگر اپنی فطری فیاضی سے باز نہین آتے تھے۔ تنخواہ کا ایک زبردست حصّہ حیرات کی نذر ہوجاتا تھا۔ یہ خیرات زیادہ تر خفیہ ہوتی تھی۔ اکثر راہ چلتے بھی یہ جہان کہین کسی کو پریشان دیکھتے تھے، بلاسوال ہندو ہو یا مسلمان، جیب مین جو کچھ ہوتا تھا چپکے سے اُس کے حوالہ کردیتے تھے۔ علاوہ اس کے مجرّب نسخہ جات کے ذریعہ اپنے صرف سے دوائین تیار کرکے داد، آتشک وغیرہ کے مریضون کو مفت تقسیم کیا کرتے تھے۔ تا زندگی یہ نیک مشاغل بدستور جاری رہے۔

اِنھون نے اپنے والد کے ہمراہ شاہجہان پور اور لکھنؤ مین فارسی سے استفادہ حاصل کیا۔ عدر کے بعد یہ جونپور مین کلکٹری کے نقل نویس ہوئے اور ایک عرصہ تک اِسی عہدہ پر مامور رہنے کے ساتھ ساتھ ہردوئی تبدیل کئے گئے اور وہان کچھ دن کام کرکے ملازمت سے خود مستعفی ہوکر اپنے وطن مین آزادانہ زندگی بسر کرنے لگے اور آبائی زمینداری کو ذریعۂ معاش قرار دیا۔ ۱۳۱۵ھ مطابق دسمبر ۱۸۹۷ء مین انتقال ہوا، ساٹھ سال کی عمر پائی۔

مرحوم نہایت خوش مزاج، زندہ دل، صابر و شاکر، حلیم، قناعت پسند، آبائی وضع کے پابند تھے۔ اولاد مین عبدالحلیم صاحب ایف۔ اے تک تعلیم یافتہ اور ڈاکٹر محمد سلیم صاحب، جن کا حال ہی مین انتقال ہوگیا ہے

خاندانی حالات کے لئے باب ہذا کی فصل ۔ مین حضرت مخدوم آبکش کا ذکر ملاحظہ ہو۔ (مخدوم زادگان)

منشی مینڈی لال صاحب ہیڈ ماسٹر

شری داستو یہ دوسرے کائستھ چھتری دن، از خاندان محرران دریاباد، لالہ شادی لال صاحب عرف مہنگو کے بیٹے، انگریزی ادب کے اعلیٰ ہنر اور مشہور انشا پرداز۔ عرصہ تک بارہ بنکی ہائی اسکول مین بعہدہ ہیڈ ماسٹری مامور رہے۔ بعد اُس کے کھیری تبدیل ہوئے اور وہین غالباً سنہ ۱۹۰۰ء مین وفات پائی۔ اولاد مین تین بیٹے بہ قید حیات۔ (محرر۔ ان)

مولوی ناظم علی صاحب

سنی المذہب، رضوی سید، مولوی قاسم علی صاحب کے فرزند دوم (بڑے بیٹے حاجی مولانا محمد کاظم علی صاحب تھے) ذی استعداد۔ اپنے بھائی سے لکھنؤ مین تعلیم پائی تھی۔ عدر کے آثار شروع ہوتے ہی دریاباد چلے آنے کے باعث دستار فضیلت سے محروم رہے۔ فارسی و عربی کے علاوہ اردو ادب سے بھی کافی بہرہ رکھتے تھے۔

یہ پہلے کورٹ کی طرف سے شیخ نوشاد علی خان صاحب مرحوم (تعلقدار میلا رائے گنج) کے معلم و اتالیق مقرر ہوئے جب انھین عربی و فارسی پڑھنے کے بعد انگریزی تعلیم کے لئے حکم ہوا، تو مولوی صاحب بھیا کشن دت رام پانڈے (تعلقدار ضلع گونڈہ) کے یہان اُن کے لڑکون کو تعلیم دینے پر مامور ہوئے۔ کچھ دنون کے بعد پانڈے جی کا علاقہ کورٹ ہو گیا۔ ناظم علی صاحب نے ریاست سے علیحدہ ہوتے ہی نارمل پاس کر کے سررشتہ تعلیم سے تعلق مین ملازمت کر لی اور ضلع گونڈہ کے تحصیلی مدارس مین بعہدہ افسر مدرسی کام انجام دیتے ہوئے سنہ ۱۹۱۰ء مین انتقال فرمایا۔ تخمیناً ۸۰ سال کی عمر پائی۔

مرحوم شاعر بھی تھے، اُردو فارسی مین شعر موزوں کہتے تھے۔ شیخ نوشاد علی خان صاحب جو مشہور شاعر اور سخن سنج بھی تھے، مولانا کی بڑی توصیف و تعریف کیا کرتے تھے۔ اُن کی مجلس کے شعرا بھی ان کی شاعرانہ قابلیت کے خاص طور پر مداح تھے۔ کلام کا پتا نہیں ہے۔

سید صاحب شطرنج کے فن مین بھی اوستاد تھے۔ اُنکی دانشمندانہ چالین، ان کے پُرغور منصوبے دیکھ کر اچھے اچھے کھیلنے والون کی عقل دنگ و مکرات ہو جاتی تھی۔ شطرنج کا فن لکھنؤ مین اور شاعری کا ہنر اپنے بھائی سے حاصل کیا تھا۔ شاعری مین ناظم تخلص فرماتے تھے۔ بڑے نیک، ملنسار، خلیق اور جہاں گشی بزرگ تھے۔ تا زندگی کسی کے محتاج نہیں رہے۔ اولاد مین حاکم علی صاحب اولاد۔

ے خاندانی حالات کے لئے باب ۳، فصل ۱، ذیل سراین صاحب ملاحظہ ہو ۱۲

قاضی نوازش حسین صاحب

انگریزی زبان کے بہترین انشاپرداز، زمانۂ حال کے گریجویٹون سے افضل، اور دُور دُور تک مشہور و معروف، عربی و فارسی مین بھی قابل ذکر، اُردو ادب سے بھی آشنا، شعر گوئی کے شوقین، خواجہ نوبیر کے پوتے خواجہ افضل حسین صاحب قدیر کے شاگرد۔ ولادت ۱۸۵۶ء، وفات ۱۸۹۰ء۔

اِن کے والد منشی بہادر علی صاحب مرحوم سیّد عبدالغنی صاحب نیشاپوری کی نسل مین قاضی حسام الحق صاحب (دریابادی) کے نواسے اور موضع احمد پور (ضلع بارہ بنکی) کے رہنے والے تھے قاضی حسام الحق صاحب کے بیٹے قاضی فدا حسین صاحب کے کوئی اولاد نہ تھی، اس لئے منشی جی نے اپنا وطن چھوڑ کر دریابادمین سکونت اختیار کرلی تھی اور قاضی صاحب کی وفات پر کُل نا تہائی جائداد کے مالک ہوگئے تھے۔ مخدوم زادون کے شجرہ سے یا یا جاتا ہے کہ شیخ نظام الدین صاحب کی بیٹی اِنکے یہان سیّد عبدالغنی صاحب کو بیاہی گئی تھی۔ اس سے بھی منشی صاحب عالی خاندان اور عالی نسب ثابت ہوتے ہین۔

نوازش حسین صاحب قاضی کے لقب سے مشہور تھے۔ عربی و فارسی گھر پر مکتب خانہ مین پڑھی اور انگریزی بارہ بنکی کے ہائی اسکول مین انٹرنس تک حاصل کی ۱۸۷۲ء میں جب اِن کے والد کا تبادلہ جو نظارت کے عہدہ سے متعلق تھا، بارہ بنکی سے لکھنؤ ہوا، تو یہ بھی والد کے ہمراہ لکھنؤ آئے اور اسکول کی تعلیم ترک کرکے پرائیویٹ طور پر بابو کالی پرشاد سنہا (ماہر انگلش پہلے منصرم، بعد کو لکھنؤ مین سب جج ہوگئے تھے) اور مولوی چراغ علی صاحب (انگریزی فارسی کے ماہر، ڈپٹی منصرم لکھنؤ، آخر مین حضور نظام سیدرآباد کے مدارالمہام ہوگئے تھے) ایسے فاضلون کی خدمت مین علمی استفادہ حاصل کرتے رہے، اور کلکٹری کے محکمہ مین نقل نویسی کے عہدہ پر مامور ہوئے۔ اتفاقِ زمانہ سے مسٹر ویلی صاحب اسسٹنٹ کمشنر بہادر (لکھنؤ) کے ہاتھ مین گھوڑے سے گرجانے کے باعث ایسی سخت چوٹ آگئی کہ وہ کام کرنے سے مجبور ہوگئے اور چونکہ قاضی صاحب انگریزی مین غیر معمولی قابلیت رکھتے تھے، اسلئے بوساطت جے۔ ڈبلو۔ کوٹین صاحب بہادر (ڈپٹی کمشنر لکھنؤ) اسسٹنٹ کمشنر بہادر ممدوح کی پیشی مین کام کرنے لگے اور مقدمات کے متعلق بیانات، ڈگری، تجاویز وغیرہ ایسی فصیح اور حسین عبارت مین تحریر کئے کہ صاحب بہادر اِن کی انشاپردازی پر بے انتہا خوش ہوگئے۔ جب ممدوح کو صحت کلی حاصل ہوگئی اور اپنی ڈیوٹی انجام دینے لگے تو، صلۂ انعام پانچ سو روپیہ کا ایک نوٹ قاضی صاحب کو دیا چاہا، مگر اِنھون نے مہذب الفاظ مین لینے سے اِنکار کردیا۔ اِس پر ممدوح نے جناب صاحب جوڈیشل کمشنر بہادر کی منظوری سے نقشہ نویسی پر (بہ مشاہرہ مبلغ للعہ ر) اِنھین مقرر کرادیا۔ ایک سال کے بعد اسسٹنٹ منصرمی کے عہدہ پر مامور ہوکر بارہ بنکی آئے۔ یکم اگست ۱۸۷۹ء کو مستقل عہدۂ منصرمی عطا ہوا۔ چند روز کے بعد صحت خراب ہوجانے

سے (کسی کے کہنے پر کشتہ کھا لیا جسکی وجہ سے تمام جسم مین دانے نکل آئے) مجبوراً ایک سال کی رخصت لی اور گھر پر علاج کرتے رہے جب کوئی صورت افاقہ کی نہ معلوم ہوئی تو ناچار ملازمت سے دست کش ہوگئے بیکاری کے زمانے مین مرزا نجف علی بیگ صاحب سخت نے دوستانہ طور پر ہموطنی کے جوش مین ان سے کہا کہ "صاحب ازیڈنٹ بہادر کرنیل بارا اور مہارانی صاحبہ ریوان مین باہمی ملال ہوگیا ہے، لہذا آپ مہارانی صاحبہ کی طرف سے براہ راست جناب ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند سے خط و کتابت کیجئے۔ یہ خدمت آپ کے لئے بہت مفید ثابت ہوگی" قاضی صاحب نے اسے منظور کیا اور منجانب مہارانی صاحبہ عرضداشت لکھنا شروع کیا۔ یا تو جناب مہارانی صاحبہ کے کسی درخواست پر جو قبل روانہ ہو چکی تھین، بالکل توجہ نہ فرمائی گئی تھی، یا ان عرضداشتون پر غور ہونے کے بعد جناب قیصرۂ ہند نے حکم صادر فرمایا کہ "مفصل کیفیت آنی چاہئے" چنانچہ مفصل حالات قاضی صاحب نے قلمبند کرکے روانہ کئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بذریعۂ گورنر جنرل کشور ہند حکم صادر ہوا کہ مہارانی صاحبہ جو ناراض ہوکر باہر چلی گئی ہین، بہت عزت کے ساتھ ریاست مین پہونچا دیجائین" کرنیل ازیڈنٹ صاحب بہادر لندن طلب کئے گئے اور وہان اُن سے سخت باز پرس کی گئی۔ قاضی صاحب جب تک زندہ رہے، ریاست ریوان سے برابر سلوک ہوتا رہا اور مہارانی صاحبہ بدل و جان قاضی صاحب کے حسن کارگذاری کی مداح رہین۔ اس واقعہ سے قاضی صاحب کی انگریزی قابلیت پر زبردست روشنی پڑتی ہے۔

قاضی صاحب خوش فہم اور سخن سنج شاعر بھی تھے۔ شہیر تخلص تھا۔ طبیعت اچھی پائی تھی۔ سانتقانہ رنگ مین خوب کہتے تھے۔ لیکن، افسوس ہے کہ میدان سخن مین اچھی طرح جوہر نہ دکھانے پائے تھے کہ ساغر حیات لبریز ہوگیا۔ عین جوانی مین انتقال ہوا، ۳۴ سال کی عمر پائی۔ اولاد نرینہ کوئی نہین۔ ان کے دو بھائی امجد حسن و حاجی حسن بقید حیات (قضیانہ)

رائے رگھناتھ بلی صاحب

ماتھر کائستھ، بھٹری بورن، از خاندان رائصاحب، رائے پرتاب بلی صاحب کے فرزند دوم، رائے ابھرام بلی صاحب تعلقدار دریاباد کے حقیقی چچازاد چھوٹے بھائی، بھاشا زبان مین قابل، بعض دلچسپ اور کارآمد فنون کے متوقین تلشی کرت رامائن کے خاص طور پر شیدائی، صاحب تصنیف و تالیف۔ ولادت ماہ پھاگن سمت ۱۹۱۱ بکرمی مطابق ۱۸۵۴ء، وفات سمت ۱۹۷۲ بکرمی مطابق ۲۲ جون ۱۹۱۵ء یوم سہ شنبہ۔

فارسی کا علم اپنے مکتب خانہ مین ضرورت کے موافق حاصل کیا تھا، اور بھاشا پنڈت شنکر دیال دریاباد سے پڑھی تھی۔ اُردو زبان سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔ تین کتابین ان کی علمی خدمت کی قابل قدر یادگار سے اب تک موجود ہین۔ (۱) رسالہ فوائد عامہ اُردو، اس میں امراض کی تفصیل اور مجرب نسخون کے علاوہ قدیم و جدید رنگساری، فن طعام، شعبدے وغیرہ کا بھی بہ تشریح بیان کیا گیا ہے (۲) موسیقی کے متعلق

ایک ضخیم کتاب مین ٹھمریاں، ادھے، پد، ہولیان، وغیرہ دلکش اور نفیس گانے عمدہ اور مشہور کتابوں سے انتخاب کرکے درج کئے گئے ہین، عبر مطبوع (۳) تلسی کرت رامائین کی لغت جس مین مشکل الفاظ کی نہایت وضاحت کے ساتھ بامعنی تشریح کی گئی ہے۔ یہ مفید اور کارآمد لغت چھپ گئی ہے اور جو رامائن پنڈت نیل کنٹھ کے اہتمام سے بمبئی مین چھپی ہے، اُس کے آخر میں شامل کردی گئی ہے۔ ۳ × ۲۶ تقطیع، حجم ۲۷۳ صفحات مذکورہ بالا تینون کتابین رائے صاحب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی راے سدھ ناتھ بلی صاحب کے پاس موجود۔ انھین شراب سے زیادہ رغبت تھی، اِس وجہ سے جسمانی قوت قبل از وقت بہت زائل ہوگئی تھی۔ ۶۱ سال کی عمر مین انتقال ہوا۔ عقیدے کے مضبوط، خلیق، کم سخن، آبائی وضع کے بزرگ تھے۔ گندمنگ جوانی مین خوبصورت، دوہرہ بدن، متوسط قد، بابری حجامت، سر پر چھوٹے چھوٹے بال، کتری ہوئی چھوٹی چھوٹی موچھین، داڑھی ندارد، ہاتھ پانون سُڈول۔ اولاد مین شمبھو بلی، سدھ ناتھ بلی بقید حیات۔

مولوی عبدالحلیم صاحب

از نسل حضرت مخدوم آبکش دریابادی، مولوی عبدالرحیم صاحب کے فرزند اکبر، انگریزی مین صاحب استعداد، ایف۔ اے تک تعلیم یافتہ ولادت غالباً ۱۸۶۵ء، وفات ۱۹۰۳ء۔ نہایت نیک، خوش مزاج، صاحب اخلاق۔ ملنسار، خوش وضع۔ نہایت افسوس ہے کہ عین جوانی مین انتقال ہوگیا۔ اولاد کوئی نہین۔

چوتھی فصل شاعرون کے بیان مین

سنسکرت دان شعرا

پنڈت رُوردت عرف عریب دھن، پنڈت رامچرن پانڈے، پنڈت تسکر دیال شنکر تخلص، پنڈت بینی مادھو بینی تخلص کے حالات باب ۲، فصل ۱ مین ملاحظہ ہون۔

شعرائے بھاشا

قاسم

محمد قاسم نام، قاسم تخلص، عرف قاسم شاہ، مشہور و معروف روشن خیال شاعر، مصنف ہنس جواہر کے حالات باب ہذا کی ساتوین فصل مین مفصل درج کئے گئے ہین۔

چین

گنگا سہائے نام، چین تخلص، کانکبج برہمن، بالا کے شوکل، بھردواج گوتر، بہت بڑے معزز، عالی نسب، بلند خیال اور زبردست شاعر تھے۔ حسب ضرورت سنسکرت سے واقف تھے۔ مہابیر دیچھت اور پنڈت ہنومان دت کی زبانی جس قدر کلام سننے میں آیا، سیر جو کچھ تلاش سے دستیاب ہوا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عاشقانہ اور مذہبی دونوں رنگ میں خوب کہتے تھے۔ ان کی شاعری میں فارسی الفاظ کی آمیزش قابل داد ہے۔ ان کا زمانۂ حیات اب سے سو برس قبل دریافت ہوا ہے، لیکن ان کے اشعار زمانۂ حال کے شعراء کی نظموں سے ٹکر کھاتے ہیں۔ اس سے ان کی شاعرانہ قابلیت اور کہنہ مشقی بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔

سنا جاتا ہے کہ ان کے بزرگ دیچھتوں کے رشتہ دار ہونے کی وجہ سے دریا باد آئے، یہاں اُن کی ایسی خاطر و مدارات ہوئی کہ وہ اپنا آبائی مکان اور اصلی وطن بالکل بھول گئے اور اس طرح کویہ جی کا خاندانی سلسلہ دریا باد میں قائم ہو گیا، جو نہایت قدیم زمانے سے تعلق رکھتا ہے۔ کانکبج و نشاولی (فتوحیا برہمنوں کی تاریخ) سے پایا جاتا ہے کہ بالا کے شکل برہمنوں کی نسل حفیظ آباد اور شکوہ آباد میں قائم ہوئی تھی۔ اس سے قیاساً کہا جا سکتا ہے کہ چین کویہ (شاعر) کے مورث انھیں مقاموں سے آئے ہوں گے۔

چین نے اپنی زندگی بڑے سکھ چین سے بسر کی۔ ریاست ہڑاہا میں ان کی بڑی قدر و منزلت تھی یہ راجہ پرتھی پت سنگھ صاحب کے درباری رکن بھی تھے اور شاعر بھی۔ پچیس بیگھہ آراضی ایک کبت (دو شعر کا قطعہ) کے صلہ میں معہ خلعت حاصل کی تھی۔ تا زندگی دوسرے دربار کا رُخ نہیں کیا۔

پنڈت ہنومان دت کے یہاں شکل مہراج کا ایک پرانا کبت ایک پرچے میں لکھا ہوا دیکھا گیا ہے جس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ پنڈت رُدر دت (دریا باد کے مشہور پنڈت) نے کسی سے سن کر لکھ لیا تھا۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ ان کا کلام ایسا دلچسپ اور نفیس ہوتا تھا کہ بھاشا کے علاوہ سنسکرت دان طبقہ والے بھی مقبولیت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اولاد میں شیو رام کے لڑکے شیو ساگر، ان کے بیٹے اور پوتے بیجناتھ، رام اوتار، جگناتھ یہ قید حیات، مگر چھ برس سے تارک الوطن۔ یادگار میں صرف آٹھ کبت اور ایک دوہے کی مذہبی تصنیف "گنگا اشٹک" نامے غیر مطبوعہ راقم کے پاس موجود۔ باقی کلام کا پتہ نہیں ہے۔ (دیچھتانہ)

لچھمن

لچھمن پرشاد نام، لچھمن تخلص، عرف لچھمن دوبے، قنوجیا برہمن، دُوبے، کہنہ مشق شاعر دن میں مشہور عاشقانہ اور مذہبی دونوں رنگ میں بے مثل کہتے تھے۔ بستی کے راجہ صاحب ان کے بڑے قدردان تھے

زمانہ حیات اب سے سو برس قبل۔ افسوس ہے کہ اس سے زیادہ نہ ان کے حالات معلوم ہوئے نہ کلام کا پتہ چلا

رسدیو

دیبی پرشاد نام، رسدیو تخلص، کانیکبج برہمن، اپ مُنج گوتر، عالی نسب، رامدین پاٹھک کے بیٹے، اپنے وقت کے نامی شاعرون مین تھے۔ بھاشا مین بہت اچھی قابلیت رکھتے تھے، ضرورت کے موافق سنسکرت سے بھی واقف تھے، پنگل (عروض) سے اچھی طرح ماہر تھے، طبّاع اور ذہین ہونے کے ساتھ ساتھ بلند خیال اور جدت پسند بھی تھے، اکثر برجستہ شعر بھی کہتے تھے۔

ان کے بزرگ دریاباد کے قدیم باشندون مین سے تھے، جانا پوری پاٹھکون کی نسل مین مورانوان (ضلع اناؤ) سے آئے تھے، اسی وجہ سے جانا پوری مورانوان کے پاٹھک کہلاتے تھے۔ ان کے نام سے ٹھکانہ محلہ اب تک موجود اور مشہور ہے۔ یہ لوگ بڑے دولت مند اور نہایت عالی حوصلہ تھے۔ ان پاٹھکون مین تارا، ہرنس، نہرے، مشہور بزرگ گذرے ہین، جن کی یادگار مین تارا پور، ہرنس پور عرف ہرس پور، نہرے پور مواضعات اس وقت تک آباد ہین۔ یہ لوگ شہنشاہ اکبر کے زمانے مین موجود تھے۔ ان کی نسل والے ایک مدّت تک زمیندارانہ حیثیت رکھتے ہوئے قانونگوئی کے عہدہ پر مامور رہے، جو سُور بیر اور سپاہی بھی تھے۔ کسی وقت دریاباد مین ان کی بھی دھاک بندھی ہوئی تھی، قرب وجوار کے بہادر لوگ ان کا خوف کھاتے تھے۔ سنہ ۱۲۰۰ھ سے باہمی نفاق کے باعث پاٹھکون کی زمیندارانہ حیثیت شکست ہونے لگی۔ سنہ ۱۲۲۶ھ مین نصف تارا پور رائے بھرام بلی صاحب (تعلقدار دریاباد) کے قبضہ مین آگیا، کچھ دن کے بعد نہرے پور بھی بیع ہوگیا، سنہ ۱۲۷۲ھ مین دیگر جائداد مکان، باغ وغیرہ کا بھی فروخت ہونا شروع ہوگیا۔ نوابی دور ختم ہوتے ہی قانونگوئی کا عہدہ کل جانے کی وجہ سے دفعتہً پاٹھکون پر خرابی آگئی اور غدر کے بعد شروع انگریزی عملداری مین پاٹھک لوگ آوارہ وطن ہوکر غیر جگہون مین آباد ہوگئے، ان کے مکانون کا نام ونشان مٹ گیا، چند اشخاص جو باقی رہ گئے تھے وہ بھی آہستہ آہستہ اب سے پچیس برس قبل دریاباد چھوڑکر باہر چلے گئے۔ تارا پور کے پاٹھک اسی خاندان سے ہیں، جو بقیہ آبائی زمینداری پر تا حال قابض۔ آج کل دریاباد مین پاٹھکون کے نام لیوا صرف سرجو پاٹھک زندہ اور رائیصاحب کے یہان سپاہیون مین ملازم۔

بیان کیا جاتا ہے کہ "رسدیو آنریبل سر مہاراجہ پرتاب نارائن سنگھ صاحب بہادر راؤ دھونریس کے

ع ان حالات کے لکھنے مین بعض بعض مواقع پر تارا پور ہرنس پور اور نہرے پور کی واجب العرض، رہن نامہ نوشتہ، بیع نامہ پاٹھک قانونگو سائر پرگنہ دریاباد مرحومہ سنہ ۱۲۰۰ھ، بیعنامہ نوشتہ اُجاگر پاٹھک سنہ ۱۲۲۲ھ، بیعنامہ نوشتہ رامجیادن دوبیی پرشاد پاٹھک قانونگو مرقومہ سنہ ۱۲۷۲ھ وغیرہ کاغذات سے مدد لی گئی ہے۔ ان مین آخری کاغذ نیز دست فکر دبال کے یہان موجود ہا بی مرحوم پرشاد پاٹھک (تارا پور) کے پاس ۱۲۔

سی، ایس، آئی (د ائی) اجودھیا، پرسڈنٹ انجمن (سد لکھنؤ) کے درباری شاعر بھی تھے اور خاص مصاحب بھی، مہاراجہ صاحب کے یہاں کھانے (یومیہ دو نفیس خوراکیں) کپڑے کے علاوہ تحصیل روپیہ ماہوار تنخواہ پاتے تھے اور پانچ سو بیگھہ آراضی کے معافی دار بھی تھے، جو مسدر کے مصارف کے لئے ریاست سے عطا ہوئی تھی۔ مہاراجہ صاحب بہادر ان کی بیحد قدر و منزلت کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ انھوں نے اپنا قدیم وطن دریاباد چھوڑ کر اجودھیا جی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ یہ صرف اجودھیا ہی میں نہیں مشہور تھے، بلکہ دور دور تک اچھی خاصی شہرت رکھتے تھے۔ کل رسون (ہر رنگ) میں کبت کہتے تھے اور دوہے، چوپائی، چھند، سورٹھے وغیرہ جملہ اصنافِ شاعری پر قادر تھے۔ اجودھیا جی کے نامی گرامی شاعر کچھ راہم، جو راجہ مان سنگھ بہادر کے درباری شاعر تھے، ان کی بڑی تعریف کرتے تھے۔ ان کے اکثر کبت چھپی ہوئی پوتھیوں میں متفرق طور پر دیکھے گئے ہیں۔ کویہ جی جہان شاعر تھے، وہاں بڑے رامچندر جی کے بڑے بھگت بھی تھے اپنے وطن، سیر قرب و جوار کے رہنے والوں کی بڑی عزت کرتے تھے۔ بھاشا کے شاعروں کا سب سے زیادہ لحاظ کرتے تھے۔ گھمنڈی نہیں تھے، بڑے بھلے مانس اور ملنسار تھے۔ دس بارہ برس ہوئے (غالباً ۱۹۱۰ء) کہ نوجوان بیٹے کے غم میں ان کا بیکنٹھ باس ہو گیا۔ مرنے کے وقت سن ۷۰ سال سے زائد نہ تھا۔ ان کے مرتے ہی ان کی صورت بھی گذر گئی۔ ان کی بہو ان کی جائیداد و پختہ مکان پر قابض۔ یادگار میں پختہ مندر وکٹوریہ پارک کے پورب طرف لب سڑک پختہ موجود۔ گندم رنگ، متوسط قد، مخروطی چہرہ ماتھے پر چندن کا ٹیکا، چوڑا چکلا سینہ، بڑی بڑی آنکھیں، زبردست اور لمبی مونچھیں، دوہرہ بدن، ہاتھ پاؤں مضبوط، چوڑے اور بھاری بھاری ڈنڑ، سر پر چھوٹے چھوٹے بال، وضع آبائی۔ افسوس ہے کہ ان کے کلام کا پتہ نہیں، لیکن چند کبت جو بعض شوقینوں کے زبانی سنے گئے ہیں ان سے رسدیو جی کی شاعرانہ قابلیت بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔ (پٹھکانہ)۔

شنکر

شنکر دیال نام، شنکر تخلص، اوستھی، قنوجیا برہمن، ذی استعداد شاعر، صاحب تصنیف۔ ان کے حالات باب ہذا کی پہلی فصل میں بیان ہو چکے ہیں۔

شنکر

شنکر سہائے نام، شنکر تخلص، قنوجیا برہمن، اپ منیج گوتر، خالی لب، بڑے معزز، آزاد اولادِ اگن ہوتری دریاباد کے بہت اچھے شاعر اور شاعری میں شیریں مقال اور نازک خیال ہونے کے ساتھ ساتھ قادر الکلام بھی تھے۔

کویہ جی کے والد بیجو سنگھ جو بہادر سپاہی بھی تھے، رائے صاحب کے یہاں رائے ابھرام بلی صاحب کے عہد میں عہدۂ ضلعداری نوکر تھے، مگر انھیں علمی ترقی کے شوق میں علمی خدمت پسند آئی۔ یہ پندرہ برس کے سن میں معمولی طور پر دیوناگری سے فارغ ہو کر سررشتۂ تعلیم کی ملازمت حاصل کر کے یک لخت ۲۵ برس رامپور (ضلع سیتاپور) کے مدرسہ میں بہ عہدۂ افسر مدرسی مامور رہے۔ اس درمیان میں ان کی شاعری ایسی چمکی کہ ضلع کے علاوہ دور دور تک ان کا نام روشن ہو گیا، کیونکہ ریاست رامپور میں تعلقدار صاحب کی قدردانی سے بڑے بڑے نامی شاعر آتے تھے اور ان کا کلام سن کر محظوظ ہونے کے ساتھ ہی غالباً تعریف کرنے لگتے تھے۔ ۴۰ برس کے سن میں کویہ جی نے مدرسہ کی ملازمت سے گھبرا کر خود استعفا دیدیا اور اپنے وطن آ کر رائے مہاراج بلی صاحب کے دربار میں اپنا آبائی عہدہ حاصل کیا، جسے ۲۶ برس تک نہایت نیک نیتی اور ہوشیاری و مستعدی کے ساتھ انجام دینے کے بعد تخمیناً ۶۸ سال کی عمر میں خود اپنی خوشی سے بوجہ پیرانہ سالی ترک کر کے خانہ نشینی اختیار کی۔ رائے صاحب کے یہاں کب جی کی بہت کچھ قدر و منزلت تھی تنخواہ کے علاوہ دو سو بیگھہ آراضی کا پٹہ معمولی لگان پر عنایت ہوا تھا۔ لیکن لگان وصول نہیں کیا جاتا تھا۔ مرتے دم تک بدستور رعایتیں قایم رہیں، کسی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔

شکر کویہ سنسکرت سے بالکل ناواقف تھے مگر بھاشا زبان سے اچھی طرح ماہر تھے۔ شاعری میں کسی کے شاگرد نہ تھے۔ پنڈت شنکر دیال جی کو اپنے گیت سنایا کرتے تھے۔ لیکن بہ نظر اصلاح نہیں، دوستانہ طریق پر کیونکہ بھاشا کی شاعری میں یہ ان سے کم نہ تھے "تلسی کرت رامائن" اور کاویہ برے" کے مطالعہ سے مشق سخن میں قوت بہم پہنچا کر کافی استعداد حاصل کر لی تھی، جسکی نسبت یہ خود اپنی زندگی میں اکثر کہا کرتے تھے کہ "ہمنے رامائن پڑھ کر شاعری کا فن سیکھا ہے، اس لئے ہمارے گرو (اوستاد) صرف تلسی داس جی مہاراج ہیں"۔

یہ ہر رنگ میں اچھا کہتے اور ہر صنف کلام پر قادر تھے، لیکن ان کے پھڑکتے ہوئے اور چلبلے عاشقانہ کویتے بہ خصوصیت کے ساتھ قابل داد ہوتے تھے۔ ان کی شاعری قدیم طرز سخن کے گہوارہ میں پلی تھی، اس لئے سارا کلام پرانے رنگ میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے۔

ان کی شاعری دور دور تک مشہور تھی لکھنؤ، بنارس، کانپور، سیتاپور وغیرہ کی کاویہ سبھا (مشاعرہ) سے سمسیا پتر (طرحی مصرعہ کے خطوط) آتے تھے، لیکن یہ کہیں جاتے نہ تھے، البتہ گیت (شعر) کہہ کر بھیجدیتے تھے، جن کی بڑی تعریف ہوتی تھی رائے صاحب کے یہاں جو شعرا آتے تھے، وہ ان کے اشعار سن کر بہت خوش ہوتے تھے۔ بنارس، لکھنؤ وغیرہ کے علاوہ سیتاپور کے ضلع میں خاص طور پر اب تک ان کی شہرت ہے پنڈت سنگم لال (کویہ جی کے نواسے) بیان کرتے ہیں "کہ ان مقامات میں اگر بھاشا کے شاعر دن یا بھاشا ادب کے ماہروں سے کب جی کا نام لیا جائے تو وہ صرف تعریف ہی نہیں کرینگے، بلکہ ان کے کبت بھی سنا دیں گے، جس کا ہمیں ذاتی تجربہ ہے"۔

اِنھین ورزش کا بھی شوق تھا۔ مذہبی پابندی کے علاوہ دھرم شاستر کے بموجب اشنان اور لگھو سنکا (غسل اور استنجا) کے فرائض باقاعدہ انجام دیتے تھے جس سے تندرستی ہمیشہ اچھی رہی، نہ ہاضمہ مین کبھی فتور واقع ہوا، نہ غذا مین کمی ہوئی۔ کھانے پینے کے متعلق کسی چیز سے پرہیز نہ تھا، ہر شئے بلا تکلف شوق سے استعمال کرتے تھے۔ اچار بیحد مرغوب تھا، طرح طرح کے اچار تیار رہتے تھے، جسے کھانے کے وقت روز کھاتے تھے۔

خانہ نشینی کے زمانے مین اِن کی صورت کسی قدر خوفناک ہوگئی تھی، جس سے لوگ اِنھین محسون خیال کرتے تھے مگر جب کسی ذی علم یا گویہ (شاعر) سے ملاقات ہوتی تھی تو، اِس قسم کی بات چیت کرتے تھے کہ دیکھنے والے دریائے حیرت مین غرق ہوجاتے تھے اور ملنے والا اِن سے خوش ہوکر اِن کا مدّاح ہوجاتا تھا۔ ۴۰ برس کی عمر پائی سمبت ۱۹۷۱ بکرمی مطابق ۱۹۱۳ء مین انتقال ہوا۔ سانولا رنگ، لانبا قد، موٹے تازے، ہاتھ پانون زبردست مگر سُڈول، سر پر چھوٹے چھوٹے بال، چندیا صاف، ماری حجامت، اوسط درجہ کی سیاہ مونچھیں، مُڈی ہوئی داڑھی، خوبصورت ملیح چہرہ۔ آدمی ملنسار، خوش اخلاق، زندہ دل، رنگین مزاج، طبیعت کسی قدر شوخ اور ظرافت کے چٹخارے سے آشنا، وضع آبائی۔ دو لنگی مارکین کی دھوتی اور اسی کی مرزائی، دو پلڑی تنزیب کی ٹوپی، چمرودھا جوتا، جاڑے مین چھینٹ کی مرزائی، لیکن، شادی بیاہ یا کسی دیگر تقریب کے موقع پر بجائے مرزائی کے انگرکھا پہن لیتے تھے۔ اولاد نرینہ کوئی نہین، جملہ جائیداد اور پختہ مکان پر اِن کی عورت قابض۔ یادگار مین اَلنکرت مال نامے قابل قدر تصنیف جس مین مختلف رنگ کے مضامین مختلف بحرون، مختلف اصنافِ شاعری پر مشتمل ہین، غیر مطبوعہ موجود۔ اشعار سلیس، عام فہم، پُرتاثیر، مضامین چٹیلے، زبان صاف اور سُستہ۔ (ٹھکانہ)۔

بینی

بینی مادھو نام، بینی تخلص، مشہور سخنور، صاحبِ تصنیف۔ ان کے حالات باب ہذا کی پہلی فصل مین ملاحظہ ہون۔

گریس

مہیش دت نام، گریس تخلص، پنڈت گنگا پرشاد عرف گنگا پال اوستھی کے بیٹے، پنڈت شنکر دیال کے حقیقی بھتیجے اور شاعری مین اُنھیں کے شاگرد۔ اچھے شاعرون مین تھے اور شاعری کے علاوہ موسیقی کے فن سے بھی واقف تھے۔ گورے رنگ، لمبے قد کے، دُبلے پتلے سیدھے سادے آدمی تھے۔ رائے صاحب کے یہان پنڈتون کے زمرہ مین ملازم تھے۔ عین شباب مین ۱۹۱۳ء کے ختم ہوتے ہی اِن کا بیکنٹھ باس ہُوا۔

ف ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی "رتن دیو مالے" بحرمی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سمبت ۱۹۱۱ بکرمی کے قبل پیدا ہو چکے تھے۔ یہ پوتھی رائے صاحب کے کتب خانہ مین موجود ہے ۱۲۔

۳۰ سال کی عمر پائی۔ تصنیف سے سُکھ بلاس نامے راگون کی نظم یادگار ہے جو عرصہ ہوا کہ چھپ کر شائع ہو گئی ہے۔ اولاد مین دو لڑکیان اور ایک لڑکا موجود۔

شعرائے فارسی

شائق

خدا بخش نام، شائق تخلص، بلند خیال اور کہنہ مشق شاعر، اچھے انشا پرداز، فارسی و عربی مین ذی استعداد ہونے کے علاوہ اُردو ادب سے بھی آشنا، نجوم کے بھی ماہر اور رمل و جفر سے بھی واقف، نظم و نثر دونون مین صاحب تصنیف و تالیف۔ ولادت ۲۸ ۱۲ ۱۲۲۶ھ / ۱۸۰۹ء، وفات ۱۳۰۶ھ / ۱۸۸۸ء۔

منشی خدا بخش صاحب شائق کے والد منشی بنی بخش صاحب متخلص بہ عاصی عربی و فارسی مین کافی مہارت رکھتے تھے۔ فارسی و اُردو کے شاعر بھی تھے۔ کنتور مین پیدا ہوئے[1]، بالغ ہونے پر اپنے وطن دریا باد آئے اور یہین اُن کا عقد ہوا۔ چند روز کے بعد راجہ پرتھی پت سنگھ صاحب (تعلقدار ہڑہا) کے دربار مین بہ عہدۂ منشی گری مامور ہو کر ایک عرصہ تک اپنے فرائض منصبی خوبصورتی کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ ساٹھ سال کی عمر مین ضعف بصارت اور ثقل سماعت کی وجہ سے خانہ نشین ہونے کے ساتھ ہی علمی خدمت مین مشغول ہو گئے اور تا زندگی درس و تدریس کا مشغلہ برابر جاری رہا۔ شائق صاحب کے علاوہ ان کے دو بیٹے اور بھی تھے۔ بڑے بیٹے مولوی پیر بخش صاحب سترفاد کے لڑکون کو عربی و فارسی کی تعلیم دیتے تھے، منجھلے بیٹے شیخ مخدوم بخش صاحب حیدر گڈھ کے چکلہ دار تھے۔ منشی صاحب خانہ نشینی کی حالت مین اپنے انھین فرزندون کی سعادتمندانہ اطاعت کے باعث تا زندگی دنیاوی تکلیفون سے آزاد رہے۔ ۸ رجب ۱۳۵۸ھ مین وفات پائی۔ شائق صاحب نے تاریخ کہی[2]:—

حیف کز دارِ فنا کرد بنی بخش سفر — زانکہ او بود ز ارباب یقین پاک نفس

سالش از روئے بجا گفت سروش محزون — قطرہ پیوستہ بدریائے محیط اقدس

منشی صاحب کے اوّل بزرگ شیخ سلیمان، جو حضرت محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسل سے آٹھوین پشت مین تھے، ملک شام مین تحصیل علوم سے فیضیاب ہو کر نجف اشرف ہوتے ہوئے بطریق سیاحی دہلی وارد ہوئے اور اپنی علمی قابلیت اور کشف و کمالات کے زور سے ابوالمظفر جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی کے دربار مین باریاب ہو کر خطاب "شیخ الاسلام" سے سرفراز ہونے کے

[1] عاصی صاحب کے والدین کنتور (پرگنہ بدوسرائے) مین آباد ہو گئے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے والد شیخ محمد علی صاحب پان بہت کھاتے تھے۔ گھر والون نے بیجا مصارف دیکھ کر نصیحت کی، انھین کچھ ایسی غیرت معلوم ہوئی کہ ترک وطن پر مجبور ہو گئے اور پھر عمر بھر دریا باد کی طرف رخ نہیں کیا ۱۲ [2] ماخوذ از رسالہ صدیقیہ ۱۲۔

ساتھ ہی موضع موسی پور (پرگنہ دریاباد، غالباً یہ وہی موضع ہوگا جو آج کل ہوسنے پور کے نام سے لال گنج کے قریب آباد ہے) کی معافی کا فرمان حاصل کرکے دریاباد آئے۔ کچھ دن کے بعد انھون نے سید پھول رضوی کی بیٹی سے نکاح کیا اور دریاباد مین مستقل سکونت اختیار کی۔ ان کی اولاد شیخون کے نام سے مشہور ہوئی جس کے نام سے "شیخانہ محلہ" سنگی محلہ کے قریب ہی آباد تھا۔ ان شیخون نے اپنی عالی نسبی، خداداد دہانت، اپنے قابل تقلید طرز عمل اپنے غیر معمولی علم و کمال سے خاص شہرت حاصل کی تھی۔ شہنشاہ اکبر، شاہجہان بادشاہ، شہنشاہ عالمگیر محمد شاہ بادشاہ (شاہان دہلی) اور نواب ابوالمنصور خان بہادر صفدر جنگ، نواب شجاع الدولہ بہادر، نواب آصف الدولہ بہادر (صوبہ داران اودھ) کے دربارون سے انھین عہدۂ قضا و قانونگوئی عطا ہونے کے ساتھ ساتھ جائداد اور معافیون کے فرامین بھی مرحمت ہوئے تھے۔ یہ سلاطین دہلی و حکمرانان لکھنؤ کے حضور مین باریابی سے سرفراز تھے۔ ان کے قبضے مین صرف موسی پور و امین پور مواضعات و جاگیر اور سکنات و پختہ مکانات (واقع محلہ چودھری و شیخانہ) ہی نہ تھے، بلکہ اچھی خاصی زمیندارانہ حیثیت رکھنے کی وجہ سے رئیسون مین ان کا شمار تھا۔ ان مین چند بزرگ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہین **شیخ بھیکھا** شیخ سلیمان کے بیٹے، علوم ظاہری و باطنی سے بہرہ، دربار اکبری مین ذریعۂ فرمان خطاب تقوی شعاری سے سرفراز **مولانائی رعنا** شیخ سلیمان کے فرزند دوم، ریاضت پسند، ذی استعداد شہنشاہ اکبر کے عہد مین ذریعۂ فرمان محررہ ۹۶۵ھ عہدۂ قضا پر مامور **شیخ حبیب اللہ** مقرب شہنشاہ اورنگ زیب، اپنے وقت کے بے مثل علامہ اور اعلیٰ زاہد و مرتاض، انھون نے تعمیر کے متعلق کل ضروری سامان دہلی سے دریاباد بھیجکر قدیم اور آبائی خام مکان کو از سر نو پختہ بنوا کر نہ صرف اپنے آباؤ اجداد کا نام و نشان ہمیشہ کے لئے استحکام کے ساتھ قائم کیا، بلکہ اپنی حب الوطنی اور مراحم خسروانہ کا کافی ثبوت دیا۔ کچھ آراضی بھی ذریعۂ فرمان ۱۰۶۹ھ مین انھین مرحمت ہوئی تھی **شیخ محمد شریف**، کعبۂ معظمہ کی زیارت کے بعد مسجدون مین وعظ دیتے ہوئے عبادت مین ہمہ تن مصروف رہے اور سب علوم باطنی سے بہرہ ور ہوگئے تو شیخ دوست محمد (از اولاد شیخ خلیل الرحمن صاحب رئیس رودولی) کی بیٹی سے منسوب ہوکر عہدۂ قضا پر ممتاز ہوئے **شیخ گھیسا**، قانونگوئی کے عہدہ پر مامور، دریاباد کے رئیسون مین شامل۔ یہ حالات رسالہ صدیقیہ فارسی، دیوان گلشن فیض، فہرست[1] فرامین شاہی مرتبہ شائق صاحب، اقرار[2] نامہ نوشتہ مسماۃ امامن، سے اخذ کئے گئے ہین، جو شیخ اقبال احمد صاحب پوسٹ ماسٹر

---

[1] اس فہرست میں چودہ فرامین کے نام درج ہیں (۱) فرمان شاہجہان نام شیخ بھیکھا (۲) فرمان شہنشاہ اکبر بنام شیخ سلیمان (۳) فرمان عالمگیر شاہ بنام شیخ حبیب اللہ (۴) فرمان محمد شاہ نام بی بی مسمی، بنت شیخ سلیمان (۵) فرمان محمد شاہ نام بی بی مسمی ۱۱۳۳ھ (۶) فرمان محمد شاہ نام عالمگیر شاہ ۱۱۵۷ھ (۷) فرمان نواب ابوالمنصور خان صفدر جنگ ۱۱۴۸ھ (۸) فرمان نام شیخ بھکھاری ۱۱۶۱ھ (۹) فرمان عالمگیر شاہ نام شیخ حبیب اللہ ۱۰۶۳ھ (۱۰) فرمان بی بی عائشہ بنت نعمت اللہ ۱۱۶۱ھ (۱۱) فرمان نواب شجاع الدولہ بہادر بنام شیخ سلیمان و شیخ گھیسا ۱۱۶۱ھ (۱۲) فرمان نام شیخ حرم علی عرف شیخ گھیسا ۱۱۶۱ھ (۱۳) فرمان نواب آصف الدولہ بہادر بنام شیخ اللہ ۱۱۹۳ھ (۱۴) فرمان نواب آصف الدولہ بہادر بنام شیخ رحیم بخش ۱۱۹۳ھ

[2] مصدقہ دفتر رجسٹرار ردنامی، یکم اپریل ۱۸۶۶ء، رجسٹر نمبر ۷۷، صفحہ ۶۵

(شائق صاحب کے پوتے) دریاباد کے پاس محفوظ ہین۔

گلشن فیض (دیوان شائق) کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شائق صاحب نے اپنے والد سے تعلیم پائی تھی اور یہ حاجی وارث علی شاہ صاحب کے مُرید تھے اور اُنھین کی ترغیب سے غزل گوئی پر آمادہ ہوکر شاعری مین اُنھین کے شاگرد ہوئے تھے" لیکن شائق صاحب کے بیٹے مولوی فرید احمد صاحب بیان کرتے ہین کہ شائق صاحب کو اُن کے والد منشی بنی بخش صاحب نے عربی و فارسی علوم کی تعلیم بھی دی تھی، و شاعری مین بھی اُنھین کا فیض تلمذ حاصل تھا۔ اس بارہ مین دیوان مین جو کچھ لکھا ہے وہ محض اُن کی عقیدتمندی کا اظہار ہے۔ راقم کے نزدیک یہ بیان بہت صحیح ہے، کیونکہ عام طور پر سُنا جاتا ہے کہ حاجی صاحب پڑھے نہین تھے۔

منشی صاحب دریاباد مین پیدا ہوئے تھے بیس برس کے سن مین صاحب استعداد ہوکر پہلے ریاست رام نگر دھمینڈی (بارہ بنکی) مین تحصیلدار ہوئے۔ بعد اُس کے برجیس قدر بہادر کی ماں بیگم صاحبہ نے (کسی سے ان کی علمی قابلیت کی تعریف سُن کر) اِنھین راجہ صاحب کی رضامندی سے اپنا میر منشی مقرر کیا۔ غدر شروع ہونے کے پہلے گردھارا سنگھ صاحب حواس وقت خیرآباد کے چکلہ دار تھے، اِن پر مہربان ہوگئے اور بیگم صاحبہ سے اجازت لیکر منشی صاحب کو اپنے تعلقہ کے دفتر کا افسر کردیا۔ گردھارا سنگھ صاحب ذاتی طور پر تعلقدار بھی تھے، اُن کا مکان اور ریاست کا دفتر خیرآباد ہی مین تھا۔ اِسی وجہ سے اُنھون نے نظامت دریاباد کے مقابل مین خیرآباد کی چکلہ داری پسند فرماکر خود تبدیلی کرالی تھی۔ گردھارا سنگھ صاحب کی وفات پر سلیم پور کے تعلقدار راجہ نواب علی خان صاحب نے اِن کو طلب فرماکر مختارگری کے عہدہ پر سرفراز فرمایا اور خاص مصاحبون مین آبرو بخشی۔ اُس زمانے مین ریاست سلیم پور کے بارہ مواضعات جو دیگر زرا گنج سے شامل تعلقہ ہوکر نکل گئے تھے اُن کی بابت فنانشل کمشنر صاحب بہادر لکھنؤ کی عدالت عالیہ مین مقدمہ دائر تھا۔ راجہ صاحب نے منشی صاحب سے فرمایا کہ "اگر کوشش و پیروی کرکے مقدمہ جیت لیجیے گا تو پانچ سو روپیہ انعام آپ کو دیا جائے گا" خدا کے فضل سے منشی صاحب مقدمہ مین کامیاب ہوگئے اور راجہ صاحب کو خوشی سے اپنا وعدہ وفا کرنا پڑا یہ سلیم پور کے دیگر مختارون مین ممتاز اور عام مختار تھے، پینتالیس روپیہ ماہوار تنخواہ تھی اور دیگر رعایتین اس کے علاوہ۔ تاحیات راجہ صاحب کی بیحد قدردانی سے وہین ملازم رہے اور نہایت اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کی۔

ملازمت کے سلسلے مین شائق صاحب جہان کہین رہے اپنا فرض منصبی نہایت مستعدی و قابلیت کے ساتھ انجام دیتے رہے، اپنے سے نیچے درجہ کے ملازمون کو بھی عزت کی نگاہ سے دیکھتے اور اُن سے بے تکلف ملتے رہے، اپنی شیرین بیانی و دیانت داری اور راستگوئی و انکساری کی بدولت سب مین ہر دل عزیز رہے۔

اِن کی شادی برولی ملک مین شیخ امام بخش صاحب (جو لکھنؤ کے شیوخ مین شیخزادۂ بہرہ کی نسل سے

تھے) کی سلیقہ مند، منتظم اور نیک بخت بیٹی کے ساتھ ہوئی تھی۔

یہ بڑے خوش نصیب تھے۔ تحصیل علوم سے فارغ ہوتے ہی ملازم ہوگئے اور پھر کبھی بیکار نہیں ہمیشہ معقول مشاہرہ کے ساتھ معزز عہدہ پر مامور رہے۔ مالک جوہر شناس اور قدردان پاتے رہے مین نہ دنیاوی تکلیفون سے آشنا ہوئے نہ کسی سخت بیماری مین مبتلا۔ انھین کسی وقت کسی بات تکلیف نہین ہوئی، حسب حیثیت ہر چیز مہیا رہی۔ تباہ کن شوق سے فطری طور پر احتراز رہا۔ مرتے دم لینے کی نوبت نہین آئی۔ بی بی کے مرنے کا غم، اولاد کا داغ مفارقت خواب مین بھی نہ نصیب ہو ہونے تک ان کے سر پر والدین کا سایہ رہا۔ ایک بیٹی اور چار نوجوان بیٹون کی شادیون سے فراغت حا ہنسی خوشی ۹۰ برس کے سن مین کلمہ پڑھتے ہوئے جمعہ کے دن انھون نے انتقال کیا۔ پستہ قد، گن گداز بدن، مانگ دار زلفین، شرعی داڑھی، شرعی مونچھین، ہاتھ پاؤن سڈول اور مضبوط، کشادہ خوبصورت گول چہرہ۔

مرحوم روزہ و نماز کی پابندی کے علاوہ ریاضت پسند بھی تھے۔ ہر روز دو بجے رات کو اٹھ صبح تک یاد آلہی مین مشغول رہتے تھے۔ متعصب نہ تھے، ہندو مسلمان سب سے یکسان برتاؤ رکھتے حاجی وارث علی شاہ صاحب کے دلی معتقد تھے۔ دیگر اولیائے کرام حضرت شاہ مینا صاحب (لکھنؤ عبدالحق صاحب (رودولی) شاہ عبدالرزاق صاحب (بانسہ) شاہ لطف رسول صاحب، شاہ ر رحمۃ اللہ علیہم سے بھی عقیدت رکھتے تھے اور ہادیٔ اسلام حضرت سید سالار مسعود غازی رح کے تھے۔ ساتھ ہی اس کے مقدس زیارت گاہون نجف اشرف، کعبہ شریف، مدینہ منورہ کی طرف سے خیالات نہایت ہی پاکیزہ تھے۔ طبیعت مین سخاوت بھی تھی، سائل کا سوال حتی المقدور خواہ ہندو مسلمان، کبھی رد نہین کرتے تھے۔ مزاج مین صفائی اور سادگی بہت تھی تکلف نام کو بھی نہ تھا۔ کے متعلق نوکر جو کچھ پکا کر سامنے رکھدیتا تھا، یہ خوشی سے کھا لیتے تھے اور خدا کا شکریہ ادا کرتے تھے۔ ان لباس بھی سادہ اور بالکل معمولی تھا۔ ٹرے پائینچے والا نین سکھ کا پائجامہ، تنزیب کا انگرکھا، کرتا، دو ٹوپی، زرد مخملی گول پنجے والا جوتا، جاڑون مین روئی دار انگلا استعمال کرتے تھے۔ کچہری کے وقت سر پر لیتے تھے۔ نوابی سے انگریزی تک یہی وضع بدستور قائم رہی، کسی قسم کا فرق نہین آیا۔

شیخ صاحب اپنے ہم وطنون کا بہت بڑا ادب کرتے تھے۔ جب سلیم پور سے دریا باد آتے تو کچھ پھا قریب پالکی سے اتر پڑتے اور اپنے مکان تک پیدل آتے تھے، بستی کے اندر کبھی کسی سواری پر سوار اس سے ان کے اخلاق و عادات اور طرز عمل کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ کیسے دانشمندانہ اور اصول پر مبنی تھا۔

ف نوازش احمد، ہادی احمد، فرید احمد، علی حسن۔ ان مین سے نوازش احمد ۱۳۱۷ھ ۱۸۹۹ء مین اور علی حسن ۱۹۲۰ء مین فوت ہوگئے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ" ایک مرتبہ جب یہ بہت بیمار ہوئے تو اِن کے لڑکے جو باہر ملازم تھے، خبر علالت سُن کر انھین دیکھنے کے لئے آئے۔ انھون نے اُن سے کہا کہ" ابھی تُم لوگ کیون آئے؟ جب ہمکو اپنی موت کا زمانہ قریب معلوم ہوگا تو ہم تمکو خود اطلاع دینگے" جس وقت اِن کے مرنے مین ایک دن باقی رہ گیا تو انھون نے گھر مین کہدیا کہ" ہم کل مرینگے، اب سب لوگون کو کیسے اطلاع ہوسکتی ہے؟ چونکہ یہ اتفاقیہ طور پر سلیم پور سے اچھے بھلے چنگے آئے تھے اور دفعتہً بیمار ہوکر پھر سنبھل گئے تھے، اِس لئے کسی کو اس بات کا مُطلق یقین نہ آیا۔ لیکن، دوسرے ہی روز یکایک اِن کا انتقال ہوگیا، جسے سُن کر لوگون کو سخت حیرت ہوگئی" یہ بھی روایت ہے کہ ایک دفعہ انھون نے اپنی بی بی سے خود ہی کہدیا تھا کہ" تُم ہمارے مرنے کے دس برس بعد مروگی" اور یہ پیشین گوئی بھی راست آئی"۔ اِس سے شائق صاحب کی نجوم دانی اچھی طرح ثابت ہوتی ہے۔

انھون نے ذاتی قابلیت پر کبھی گھمنڈ نہین کیا، بلکہ ضرورت سے زیادہ اپنی ہیچمدانی کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ "گلشن فیض" کے دیباچہ مین تحریر ہے کہ" این رہ نورد بادیۂ ہیچمدانی وبستۂ سلاسل نادانی رایگی از ہزار اندکی از بسیار لیاقت صوری ومعنوی نصیب نہ گشت بلکہ بالطبع شیشۂ بلند نامی بزرگان را بسنگ جہل وبدلیاقتی ہا درہم شکست اصلاً سرمایہ لیاقتی درخود نداشت کہ حرفی بصفات اکابران آفاق تحریر می ساخت لیکن، شاعری وہ فن ہے کہ جسے حاصل ہوجاتا ہے وہ قدرتی طور پر کچھ نہ کچھ نازان ہونے کے ساتھ ہی اُس کا اظہار بھی کرنے لگتا ہے۔ شائق صاحب بھی اس صفت سے موصوف ہوکر اپنی غزلون کی تعریف مین" ہر غزل گنجینۂ اسرار است وہر سطرش گوہر آبدار"۔ لکھنے پر مجبور ہوگئے، جو اسی دیباچہ مین کسی جگہ مرقوم "گلشن فیض"، "تحفۃ الاصفیہ" کے ٹائٹل پیج اور "مثنوی شائق" کے آخری صفحہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ منشی صاحب عظیم آباد (پٹنہ) تشریف لیگئے تھے (غالباً یہ سفر پیرانہ سالی کے زمانے مین یعنی ۱۳۰۵ھ کے قبل ہوا ہوگا) اور وہان مولوی محمد یحییٰ صاحب (وکیل وآنریری مجسٹریٹ) سے دوستانہ تعلقات پیدا ہوگئے تھے۔ منشی درگا پرشاد صاحب (داروغہ محبس ضلع لکھنؤ) سے بھی خاص مراسم تھے۔ انھین بزرگون کی بیحد قدردانی سے شائق صاحب کی تصانیف چھپ کر دوامی یادگار کا باعث ہوئین۔

شائق صاحب وطن کے سچے عاشق بھی تھے اور خادم بھی۔ ذیل کی غزل اِن کی وطنی خدمت اور وطنی محبت کی ایک شاعرانہ عمدہ یادگار ہے، جو اگرچہ بیجا لفاظی کی بھرمار سے اصلیت کے خلاف غلو کی حد تک پہونچ گئی ہے، لیکن، قابلِ گرفت نہین۔ کیونکہ اب سے تین سو برس پہلے ہند کے مشہور فاضل اور باکمال شاعر تلسی داس جی مہاراج فرما گئے ہین۔ "جہان بسے وہ سُندر دیسو"، یعنی جہان سکونت ہو وہی خوبصورت مُلک ہے۔

غزل

بود تا خاک وآب وآتش وباد　　الٰہی! باد دریا باد آباد

عجب شہرے کہ در اطرافِ عالم — بہم جنسی دُستوانِ جنبر داد
درین بُستان دو نخلِ سر کشیدہ — یکے چون سرو و دیگر ہمچو شمشاد
بحسنِ صورت و خوبیٔ سیرت — نباشد مثلِ آنہا چرخ را یاد
چو از سامانِ آنجا نقش بندند — بلرزد مرقدِ مانی و بہزاد
بحسن و دلبری خوبانِ آنجا — سبق بردند از حور و پری زاد
بہ پیشِ عالمانش پیر گردون — کند تہ زانوئے چون پیشِ اُستاد
زحل دارد سرِ مدحت در آنجا — بخاکِ آستانِ جملہ زہاد

لیکن، اِس غزل کو دیکھ کر اِن کے قلم سے نکلے ہوئے یہ الفاظ نہایت دِلشکن اور حیرت انگیز ہوتے ہین کہ: "مشہور است کہ اول کسے را کہ احداث و تعمیر عمارت پختہ در قصبہ خاص دریا باد کرد آن شیخ حبیب اللہ بود کہ چوب کڑی و کنواڑ و سامان طیاری سقف مکانات از دہلی بدریا باد فرستادہ چنانکہ آن عمارت تا حال باستثناء چند ابواب قائم و موجود است و اثری از کہنگی ندارد" (از رسالہ صدیقیہ مولفہ شائق صاحب) منشی صاحب کا یہ فرمانا سراسر خلاف واقعہ ہی کہ "خاص دریا باد مین پہلے پہل پختہ عمارت کی بنیاد شیخ حبیب اللہ صاحب (شائق صاحب کے بزرگوار) نے قائم کی اور یہ اُن کی جدت ہے" یعنی دریا باد مین شیخ صاحب کے قبل جس قدر مکانات تھے وہ سب کے سب خام تھے اور پختہ تعمیر اور اُس کے متعلق ضروری اشیا سے کوئی مطلق آگاہ نہ تھا یا تعمیری سامان کا دستیاب ہونا غیر ممکن تھا، جب شیخ صاحب موصوف نے "چوب کڑی و کنواڑ و سامان طیاری سقفِ مکانات" دریا باد روانہ فرما کر اپنا مکان پختہ بنوایا تو دیکھی دیگر مکانات بھی پختہ تیار ہونے لگے۔ شیخ حبیب اللہ صاحب کا زمانۂ سن بلوغیت عالمگیر شاہ عہدِ حکومت کے بیشتر نہین ثابت ہوتا اور دریا باد مین اِس سے بہت پہلے صدہا پختہ مکانون کے علاوہ چند نہایت عظیم الشان مشہور و معروف عمارتین بھی تعمیر ہو چکی تھین۔ اکبر شاہ کے زمانے مین حاجی مصطفیٰ صاحب نے محلسرا، رنگ محل، شیش محل، مسجد وغیرہ پختہ عمارتین بنوائین۔ اب سے پانچ چھ سو برس قبل سنگرام شاہ کے حکم سے ست کھنڈا (محل چار منزل) الاباد کی کنوان، پھلواری کے متعلق پختہ چہار دیواری، مکان تعمیر ہوئے۔ گنج مین پختہ دوکانین بنین، پختہ شہر پناہ قائم ہوئی، پھاٹک بنے، دھرم شالے تیار ہوئے۔ علاوہ اِس کے اوستھیون، اگن ہوتریون، جگدھریون، دیھتیون کی حویلیان اور گیتیہ شالے اور عمارتین بھی قدیم زمانے مین تعمیر ہوئی تھین چھٹنکی محل، رنگ بھون، لکشمی بھون، للّو اور لچھی سیٹھ کے دھرم شالے، دھنو سیٹھانی کا پچ محلہ وغیرہ وہ عمارتین ہین جن کی قدامت کا آج تک باوجود کوشش صحیح نہ چلا۔ ان مین سے چھٹنکی محل جو غدر کے بعد بھی کچھ دن تک شکستہ حالت مین موجود رہا، شائق صاحب نے خود ملاحظہ کیا ہوگا، اور سنگرام شاہ کا محل (کھنڈر کی صورت مین) اِس وقت تک موجود۔ حاجی مصطفیٰ

شاہ صاحب کی عمارتون کا ذکر کتاب حدیقۃ الارض مین درج ہے۔ دیگر مکانون کی قدامت تحقیقات سے بخوبی ثابت ہوچکی ہے، جسکے اظہار کی چندان ضرورت نہین۔ اب ناظرین غور فرمائین کہ دریا باد مین اول کس نے پختہ عمارت کی بنیاد قائم کی؟ اور اس ایجاد کا سہرا کس کے سر بندھتا ہے؟

تحقیق اور تصانیف سے پتہ چلتا ہے کہ شائق صاحب چوبیس برس کے سن مین باقاعدہ تصنیف و تالیف کے میدان مین آگئے تھے اور سنہ ۱۲۹۰ھ یعنی ۶۲ سال کی عمر تک علمی خدمت کے جوہر دکھایا کئے۔

منشی خدابخش صاحب شائق معمولی شاعر نہ تھے، قدردان جماعت مین اپنے وقت کے سعدی و حافظ اور مولانا روم سمجھے جاتے تھے۔ انھین عروض و قافیہ سے اچھی طرح واقفیت تھی، اصناف سخن پر کامل عبور تھا، صناع و بدائع سے خاص دلچسپی تھی۔ لکھنؤ، عظیم آباد، گورکھپور کے ادبی مجلسون مین ان کی اچھی شہرت تھی، قدرت نے انھین زبردست دل و دماغ عطا فرمایا تھا، ان کی طبع موزون روانی مین دریا سے کم نہ تھی، اُسپر علمی قابلیت و ذہانت مستزاد تھی۔ زود گوئی، بدگوئی، خوشگوئی، مشق سخن ان کے خاص جوہر تھے۔ شاعری سے ان کو فطری لگاؤ تھا۔ ملازمت کے سلسلے مین اپنے فرائض منصبی انجام دیتے ہوئے فکر سخن مین بھی مشغول رہتے تھے اور اس طرح ایک مدت تک مشق سخن کرتے کرتے انھون نے شاعری مین پوری قابلیت حاصل کرلی تھی جسکی تصدیق کے لئے گلشن فیض (دیوان شائق) اور مثنوی شائق کی ورق گردانی کافی ہے۔

گلشن فیض مین غزلین، رُباعیان، خمسے، قصائد، مستزاد، قطعات، ترجیع بند، مخمس، مثنویان، تاریخ وغیرہ ہر قسم کا کلام موجود ہے۔ بہت سی غزلین، قطعات، رُباعیان خاص صناع شاعری کے متعلق نظم کی گئی ہین جو منقوط، غیر منقوط، مرادف، تجنیس خطی، ذو بحرین، ذو القوافی، چیستان، معمّا وغیرہ انواع و اقسام کی لفظی صنعتون سے مزیّن ہین۔ ان مین دو ایک غزلین ایسی بھی ہین جن مین خاص شیخ سعدی رح کی تقلید کا گہرا رنگ نظر آتا ہے۔ چند غزلین اس قسم کی ہین جو دیوان مین دائرے، مثلث، گلدستہ کے اندر لکھی ہوئی ایک خاص ترکیب سے پڑھی جاسکتی ہین۔ کلام کا زیادہ حصہ تصوف، معرفت، حمد و نعت، مناجات، اولیائے کرام کے اوصاف، ہادیان اسلام کی تعریف، مقدس زیارت گاہون کی صفت اور حاجی وارث علی شاہ صاحب کے عشق سے لبریز ہے۔ عاشقانہ رنگ کے اشعار بھی لطیف اور پاکیزہ ہین۔ اکثر سنگلاخ زمینون مین بھی طبع آزمائی کی گئی ہے اور خوب خوب اشعار نکالے گئے ہین۔ ہر شعر دلچسپ و فصیح، مضامین مفید اور نتیجہ خیز، لفظی رعائت معقول، بندش درست، ردیف و قافیہ مربوط۔ بعض بعض نظمون مین قافیہ و ردیف کے اعتبار سے جدّت طرازی و اختراع پردازی کی جھلک بھی پائی جاتی ہے۔

مثنوی شائق۔ تصوف و اخلاق مین مشہور و معروف، مثنوی مولانائے روم کے برابر۔ مثنوی کے خاتمہ پر (منجانب مطبع) لکھا ہے کہ:۔ درین زمان گلدستہ بہارستان توحید و شگرف گوہرین گنج معانی تفرید جامع نکات معارف و حقائق مسمی بہ مثنوی شائق چہ خوش شاہدیست کہ بآرایش

لمعات فیض ارشادات حضرت سید وارث علی شاہ صاحب از حجلۂ بطون بجلوہ گاہ ظہور خرامیدہ و بمشاطگئی طبع موزون سخنور بیمثال شاعر شیرین مقال معتقد خاص الخاص حضرت موصوف مولوی خدا بخش صاحب متخلص بہ شائق ولد مولوی بنی بخش مرحوم تخلص عاصی رئیس دریاباد بزیور نظم آبدار و دلکش ہر ہفت شدہ بر چار بالش جلوہ آرائی متمکن گردیدہ۔ چہ خوش مثنوی ست مملو از شنگرف مضامین اخلاق و تصوف با ایزاد حکایات مثالیہ در صورت و حقیقت با مثنوی حضرت ملا جلال الدین رومی ہم معنی زیرا کہ ہر دو حضرات از یک وادی سخن راندہ اند و ابواب معارف از انداز و لصائح و پند بر روی کافہ طالبین کشادہ دنبای دفاترش بموجب عدد لطائف ستہ مقررہ نزد سالک طریقت کہ لطیفہ اول نفس باشد دوم قلب سوم روح چہارم سر پنجم خفی و ششم اخفی باشد مثنوی موصوف را بر شش دفتر منقسم فرمودہ حسب فرمایش بلند حوصلہ منشی درگا پرشاد صاحب داروغہ محبس ضلع لکھنؤ در مطبع نامی جناب منشی نولکشور صاحب بماہ اکتوبر ۱۸۷۷ء مطبع گردید۔" (خلاصہ از مثنوی شائق مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ ۱۸۷۷ء)۔

مذکورۂ بالا تصانیف کے علاوہ حال میں گلزار شائق نامے ایک تیسری تصنیف کا پتہ لگا ہے، جس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ یہ کتاب بھی چھپ گئی تھی اور لوگوں میں بہت مقبول ہوئی تھی "یہ نظم نایاب ہے، اسلئے اس کی شاعرانہ خوبیوں اور اس کے نفس مضمون پر کسی قسم کی رائے زنی فضول محض ہے۔ لیکن "مثنوی شائق" اور گلشن فیض" دیکھ کر اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ "گلزار شائق" بھی شاعری کے جملہ لوازمات سے آراستہ، فصاحت و بلاغت سے معمور اور دیکھنے کے قابل ہوگی۔

حضرت شائق محض فارسی ہی کے شاعر نہ تھے، اردو شعر گوئی کا بھی شوق رکھتے تھے اور اس بارہ میں بھی اپنے والد ہی کے شاگرد تھے۔ فارسی کی طرح اردو شاعری میں بھی خوب مشق بہم پہنچائی تھی، اس لئے جو شعر کہتے تھے بہت اچھا کہتے تھے۔ قیام لکھنؤ کے زمانہ میں وہاں کے بعض بعض نامی گرامی شاعروں سے انسے دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے تھے، انھیں کے ہمراہ یہ اکثر مشاعروں میں شریک ہو کر غزلیں پڑھا کرتے تھے اور اس طرح چند روز میں ان کی اردو صاف اور شستہ ہو گئی تھی۔ لیکن جس طرح "گلزار شائق" کا پتہ نہیں ہے، وہی حال ان کے اردو کلام کا بھی ہے، صرف دو شعر مولوی ثابت علی صاحب کی زبانی سننے میں آئے ہیں وہ آگے موقع سے درج کئے جائیں گے۔ انھوں نے اپنے بیٹے مولوی علی حسن صاحب کو بھی اردو شاعری کی تعلیم دی تھی اور خود ہی ان کا تخلص "لائق" قرار دیا تھا۔ اس سے شاعری کے متعلق ان کی زمانہ شناسی بھی ثابت ہوتی ہے کہ انگریزی عہد میں بجائے فارسی کے اردو کا رواج ترقی پر ہے، اس لئے اردو شاعری "زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز" کے عین مطابق ہونے سے زیادہ مفید اور عام مقبولیت کا باعث ہو سکتی ہے۔

مولانا جہان عربی و فارسی اور اردو زبان کے ماہر اور نجوم، رمل، جفر تین علوم سے آگاہ

ہونے کے ساتھ ساتھ شاعر و منشی بھی تھے، وہان خدا کے فضل سے زمیندارانہ حیثیت بھی رکھتے تھے اور دریاباد کے رئیسون مین مشہور تھے۔

تصنیفات کے ذیل مین (۱) گلشن فیض - دیوان کا تاریخی نام جس سے سنہ ۱۲۹۰ھ نکلتے ہین اور یہی سال ترتیب ہے - یہ دیوان ۱۵ شعبان سنہ مذکور کو مرتب ہوا ۱۰ محرم سنہ ۱۳۰۰ھ مین مولوی محمد یحییٰ صاحب (وکیل و آنریری مجسٹریٹ پٹنہ) کی فرمائش سے عظیم آباد کے مطبع قیصری میں چھاپا گیا۔ تقطیع ۲۰ × ۲۶ گدہ اور معمولی کاغذ (۲) تمسری شائق - سنہ ۱۲۹۰ھ میں مرتب ہوئی اور حسب فرمائش منشی دُرگا پرشاد صاحب (داروغہ مجلس ضلع لکھنؤ) نولکشور پریس لکھنؤ سنہ ۱۲۹۴ھ مطابق سنہ ۱۸۷۷ء مین چھپ کر شائع ہوئی - ۲۶۲ تقطیع، ۱۲۵ صفحات، فی سطر چار مصرعے - خاتمۂ کتاب پر منشی بھگوان دیال صاحب **عاقل** (سابق سررشتہ دار دفتر مطبع، حال ایجنٹ نول کشور پریس کانپور) کا قطعہ تاریخ درج ہے "ہست زیبا چہ گلشن عرفان" مادۂ تاریخ ہے، جس سے سنہ ۱۲۹۴ھ نکلتے ہین (۳) گلزار شائق مطبوعہ مگر لاثانی ہونے کی وجہ سے یہ نہین کہہ سکتے کہ یہ شائق صاحب کا دوسرا دیوان ہے یا کوئی دیگر تصنیف (۴) تحفۃ الاصفیہ - حاجی وارث علی شاہ صاحب کی سوانح عمری، نثر، مصنف کی ساٹھ سالہ عمر مین تصنیف ہوئی، اس مین جابجا موقع و محل سے مصنف کے طبع زاد بہت سے اشعار بھی ہین - عبارت نہایت دلچسپ، سال ترتیب سنہ ۱۳۱۸ھ یہ کتاب پہلی مرتبہ مطبع انوار محمدی (لکھنؤ) مین فتح محمد تائب کے اہتمام سے چھپی، ۱۶۸ صفحات، تقطیع خورد ۱۸ × ۳۰ - دوسری مرتبہ وکیل صاحب موصوف کی فرمائش سے عظیم آباد کے مطبع قیصری مین چھپ کر شائع ہوئی، سال طبع سنہ ۱۳۰۶ھ (۵) رسالہ صدیقیہ، نثر، مولف کے خاندانی حالات کی مختصر کتاب جو سنہ ۱۲۸۸ھ مین تالیف ہوئی ۱۰۲ + ۲۰ تقطیع، ۴۴ صفحات، غیر مطبوعہ -

ناظرین کی آگاہی کے لئے شائق صاحب کے چند اشعار دیوان گلشن فیض سے نقل کر کے بطریق نمونہ ذیل مین درج کئے جاتے ہین - (شیخانہ حال برداری محلہ)

از بیخۂ من موئی پریشان گلہ دارد	در گریۂ من دشت و بیابان گلہ دارد
از دیر و خرابات سوئی صومعہ رفتم	آن کافر بدکیش ز ایمان گلہ دارد
ہر غنچہ بہ تنگ است ز تنگیٔ دہانت	وز خندۂ تو ہر گلِ خندان گلہ دارد
جانم ز تن و تن ز رگ و رگ ز دم سرد	دین سرد دم از سینۂ سوزان گلہ دارد

صد مردہ دلان را بدمی زندہ نماید
شائق ز لبش چشمۂ حیوان گلہ دارد

ثنائے حسنِ او حدِ بیان نیست — زبان را چشم و چشمی را زبان نیست

ؔ یہ سر تلسی داس جی کی اس مشہور چوپائی سے لڑتا نظر آتا ہے - سیام گور کم کروں کھائی بگو ایمیں نبر سی مانی ۱۲ -

کمال

شکر لال نام، کمال تخلص، از خاندان کائیتھان کھرے، لالہ شیو دین لال صاحب کے بیٹے، نامور اور خوش فکر شاعر، صاحبِ استعداد۔ ولادت ۱۸۳۲ء، وفات ۱۹۰۸ء۔

فارسی مولانا کاظم علی صاحب (دریابادی) سے پڑھی اور شاعری کا فن بھی انھین سے حاصل کیا۔ شاعری کے علاوہ کبوتر بازی کا بھی شوق تھا، قیمتی کبوتر ان کے ہان پلے ہوئے تھے۔ بڑے ملسار، نیک، رنگین طبیعت، خوش مزاج بزرگ تھے۔ شیخ مظفر کریم صاحب (وکیل بامدہ) لالہ پرمیشر دیال صاحب، منشی ماتا پرشاد صاحب وکیل، ان کے خاص وطنی دوستون مین تھے۔ قرب وجوار میں ٹھاکر مہابیر بخش سنگھ صاحب (رئیس سکرورھا) اور بھیا ہمت بہادر سنگھ صاحب (قیام پور) سے بھی خاص مراسم تھے۔

کمال صاحب پہلے ریاست سورجپور مین، بعد اُس کے ریاست رائی مئو مین مختار عام ہوئے اور ٹھاکر اوتار سنگھ صاحب کے زمانۂ حیات تک بدستور نہایت عزت کے ساتھ اپنے کار متعلقہ پر مامور رہے ٹھاکر جنگ بہادر سنگھ صاحب کے عہد میں، جو بیحد تنکی مزاج تھے، علیحدہ ہو کر خانہ نشین ہو گئے اور پھر زندگی بھر کسی کی نوکری نہین کی۔ ۷۵ سال کی عمر پائی، لاولد فوت ہوئے۔ کلام کا پتا نہین ہے، بڑی مشکل سے ایک غزل کے چند اشعار دستیاب ہوئے ہین، جن سے اِن کا کمال شاعری ظاہر ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہون۔ (کھرن ٹولہ حال مغلان)۔

گفتہ کہ رنجوری چرا، گفتم ز فرقت ہائے تو،
گفتہ علاجِ خود بگو، گفتم کہ خاک پائے تو
گفتہ از اینجا دور شو، گفتم اگر بوسہ دہی
گفتہ نہ زیبد این ترا، گفتم بود زیبائے تو
گفتہ کجا داری مکان، گفتم کہ باشم لامکان
گفتہ کہ بر بامم بیا، گفتم بود رسوائے تو
گفتہ کہ اسم خود بگو، گفتم کمالِ خستہ دل
گفتہ چرا کردی فغان، گفتم کہ از سودائے تو

خاطر

بینی مادھو نام، خاطر تخلص۔ اِن کا بیان باب ہذا کی پہلی فصل مین درج ہو چکا ہے۔ یہ چونکہ کاینور مین فوت ہوئے تھے اور اِن کی تصانیف دہین اِن کے پاس تھین، لہذا اِن کا فارسی دیوان دستیاب نہ ہونے سے کلام کا نمونہ اِس جگہ درج نہ ہو سکا۔

ع حاضر الی حالات کے لئے باب ۳، فصل ۱، ذکر لالہ بھگوان پرشاد صاحب حیکلہ دار ملاحظہ ہو ۱۲۔

اقبال

مہادیو بلی نام، اقبال تخلص۔ باب ۳، فصل ۱ میں ان کا مفصل ذکر کیا گیا ہے، یہاں پر صرف چند اشعار درج کئے جاتے ہیں جن سے ان کا پایۂ شاعری معلوم ہوتا ہے۔

چو لچھمن در رام شاہ نگاہم نمودند تیر باران
سپے مدد در رسید سگر بود ہنوتش ہمر کاب آمد

زتیر و مشت دلکد چو شد خستہ رام ببرید یک سر اد
سر و گر شد بجائش پیدا بجسم امر عجاب آمد

چو دید ہر بار این تماشا ریدیکیا رده سرش را
فتاد بر روئے خاک و از جام مرگ مست و خراب آمد

نمود تا ہفت روز با رام روز و شب جنگ سخت راون
بآخر از بش شستر رگھبر بکشتنش کامیاب آمد

صدا بر آمد کہ رام بر حق است نیست انسان کہ کشت راون
ہم او بپے قتل ہر ناکتب بشکل شیر از عتاب آمد

انگریزی شعرا

مسٹر

بینی مادھو نام، مسٹر تخلص، صاحب تالیف۔ ان کے حالات باب ہذا کی پہلی فصل سنسکرت دان پنڈتوں کے بیان میں ملاحظہ ہوں۔

سخنوران اردو

ندیم

بشارت علی نام، ندیم تخلص سنی المذہب، سید مولوی مشرف علی صاحب کے بڑے بیٹے (چھوٹے بیٹے مولوی سالار بخش تھے، جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے) مشہور شاعر، خواجہ حیدر علی صاحب آتش لکھنوی کے شاگرد دریاباد میں اردو شاعری کے بانی مبانی۔ ان کے قبل یہاں فارسی کے سوا کوئی اردو کے نام سے بھی آشنا نہ تھا، یہی اول اور قابل فخر بزرگ ہیں جنھیں فارسی کے زمانہ عروج میں ادب اردو سے محبت ہونے کے ساتھ ہی آتش ایسے نامی گرامی اوستاد کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا تھا اور جن کے فیض سے دریاباد میں نہ صرف اردو کا رواج ہوا، بلکہ اعلیٰ طبقہ کے لوگوں کو اس نئی انوکھی اور غیر مانوس زبان سے اس قدر دلچسپی پیدا ہوئی کہ انھیں اردو میں شعر گوئی کا اعلیٰ شوق پیدا ہو گیا۔

ندیم صاحب فرنگی محل (لکھنؤ) میں علوم سے بہرہ یاب ہوئے تھے عربی و فارسی میں پوری دستگاہ

رکھتے تھے - رند، صبا، خلیل، سیم وغیرہ مشہور شاعروں کے ہم عصر و ہم صحبت و ہم مشاعرہ تھے - اپنے اوستاد کے ہمراہ مشاعروں میں شریک ہو کر غزلیں پڑھتے تھے - یہ سحور ہونے کے علاوہ سخن فہم اور سخن دوست بھی تھے اور جس طرح اُردو کے زبردست شاعر تھے، اُسی طرح فارسی کی انشا پردازی میں بھی اعلیٰ قابلیت رکھتے تھے - فارسی خطوط پُر مضمون اور نہایت اختصار کے ساتھ لکھتے تھے، جن کی عبارت رقعات عالمگیری سے ٹکر کھاتی تھی -

یہ پہلے ٹکیٹ رائے (دیوان ولی عہد بہادر) کے یہاں ملازم ہوئے، بعد اُس کے راجہ جیالال صاحب گلشن (دیوان قدیم و مہتمم دفتر سلطانی بہ عہد محمد علی شاہ بادشاہ لکھنؤ) کی بیحد قدر دانی سے - اُن کے یہاں عرصہ تک معلّم گری پر مامور رہے - بعد غدر اپنے وطن آگرہ رائے صاحب کے یہاں اسی عہدہ پر مقرر ہوئے - ایک روز رائے تیوراج بلی صاحب کی زبان سے نکل گیا کہ "مولوی صاحب لڑکے گستاخ ہوئے جاتے ہیں" یہ کلمہ سنتے ہی مولوی صاحب ناراض ہو کر اپنے گھر چلے آئے اور پھر تا عمر اُن کی ڈیوڑھی پر نہیں گئے، حالانکہ منشی مینڈی لال صاحب وغیرہ معزز مصاحبین کے علاوہ رائے تیوراج بلی صاحب خود انھیں بلانے کے لئے اِن کے مکان پر تشریف لائے - رائے صاحب کی ملازمت ترک کرنے کے ساتھ ہی انھوں نے دیوان روشن لال صاحب کے مکان پر اپنا ذاتی مکتب قائم کر دیا اور شرفا کے لڑکے تعلیم کے لئے آنے لگے اور اِس طرح ایک آزاد آنہ گذر اوقات کی معقول صورت نکل آئی - اِس درمیان میں راجہ صاحب سورجپور نے اپنے لڑکے کی تعلیم کے لئے شیخ کرم کریم صاحب عرف چھیدا میاں، جن سے قرب و جوار کے تمام رئیسوں سے دوستانہ مراسم تھے، کی معرفت اِن کے پاس پیغام بھیجا کہ "اگر آپ ہمارے یہاں ملازمت قبول کر لیں تو ہم پچاس روپیہ ماہوار تنخواہ دینے کو تیار ہیں" مگر مولوی صاحب نے جواب میں صاف صاف کہہ دیا کہ "ہم نے کائستھوں کی نوکری کی ہے اور وہی ہمارے قدر دان ہیں، جب ہم نے اُن کی نوکری چھوڑ دی تو، اب گنواروں کی نوکری کرنا شان کے خلاف ہے" چند روز کے بعد ہائی اسکول ودیا باد میں دوسری زبان کی تعلیم کے لئے نسفیلڈ صاحب بہادر ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم کی قدر دانی سے کمی تنخواہ پر باین شرط ملازمت اختیار کی کہ "میں اسکول نہ جاؤنگا، لڑکے خود میرے مکتب خانہ میں تعلیم کے لئے آیا کریں" چنانچہ جب تک اسکول قائم رہا، اسی طرح اپنے مکتب خانے میں طلبا کو تعلیم دیتے رہے - دورانِ ملازمت میں بارہا حکام نے ان سے کہا کہ "اگر آپ اسکول میں تعلیم دیں تو تنخواہ زیادہ کر دی جائے لیکن" انھوں نے اسے منظور نہیں کیا - ورنا کیر لرمڈل اسکول قائم ہونے پر

ے مشہور شاعر، لکھنؤ کے اُمرا میں سے تھے - چونکہ یہ بھی حضرت آتش کے شاگرد تھے اس لئے اِن میں اور ندیم صاحب میں باہمی برادرانہ رشتہ قائم ہو گیا تھا جسے طرفین نے نہایت خوبی کے ساتھ زندگی بھر نباہ دیا - افسوس ہے کہ ایک وہ زمانہ تھا کہ ہندو مسلمان آپس میں بھائی ہو جاتے تھے، ایک یہ زمانہ ہے کہ حقیقی بھائیوں میں بھی میل نہیں ۱۲ -

اعلیٰ درجہ کے طالب علمون کو اُردو زبان کی تعلیم دینے لگے اور تا زندگی اپنے قول کی پابندی کے ساتھ علمی خدمت مین مشغول رہے۔ اُس وقت لایق اُردو دان کمیاب تھے، اسی وجہ سے حکام اور گورنمنٹ مین ایسے اوستادون کی زیادہ قدر و منزلت کی جاتی تھی۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب بڑے آن بان والے اپنے عہد کے پکّے اور لاطمع تھے، ساتھ ہی اِس کے احسان فراموش بھی نہ تھے، کائستھون کی قدردانی کے حاضر و غائب مداح تھے، اِن کی علمی قابلیت کا شہرہ تھا، روسا، نامدار و حکام سررشتۂ تعلیم اِن کے بڑے قدردان تھے۔

مولانا ندیم صاحب نہایت نیک، خلیق، متوسط قد، گندم رنگ، لاغر اندام، باوضع بزرگ تھے غالباً ۸۰ سال کی عمر پائی، ۱۸۷۵ء مین انتقال ہوا۔ اولاد نرینہ کوئی نہ تھی، صرف ایک لڑکی تھی، جس کی اولاد مین مولوی علی حسینؒ صاحب ابتک بہ قید حیات، ایک مدت سے تارک الوطن ہو کر لکھنؤ مین سکونت پذیر شاگردون مین درسی تعلیم کے متعلق منشی ماتا پرشاد صاحب وکیل مرحوم اور شاعری مین ساغر و فرحت مشہور

مختصر حالات لالہ دیبی دین صاحب اور مولوی ثابت علی صاحب سے دریافت کرکے لکھے گئے ہین۔ (محرران)

نہایت افسوس ہے کہ مرحوم کے حالات نیز کلام کی نسبت مولوی علی حسینؒ صاحب کو کئی مرتبہ تکلیف دی گئی کہ آپ ندیم صاحب کے حالات سے واقف ہین اور سُنا جاتا ہے کہ اُن کا ذخیرۂ کلام بھی آپ کے پاس موجود ہے، مہربانی فرماکر مختصر حالات اور کلام عنایت فرمایئے۔ مگر، باوجود حتمی وعدہ کے اُنھون نے کچھ بھی توجہ نہ فرمائی اور آخر مین بہت تقاضے کے بعد صاف صاف کہدیا کہ "ایک سیاص شعرون کی تھی ضرور، لیکن، اب پتہ نہین ہے، اور حالات مجھے کچھ بھی نہین معلوم۔ اِن پُرانی اور فضول باتون سے کیا نتیجہ؟ دریاباد کی تاریخ لکھنے سے کیا فائدہ؟ ایک شعر جو مولوی ثابت علی صاحب کی زبانی سُننے مین آیا تھا وہ درج کیا جاتا ہے۔

میٹک یہ فیض حضرتِ آتش کا ہے ندیم جو شاعرون مین آج ہمارا شمار ہے

شائق

خدابخش نام، شائق تخلص، اِن کے حالات فارسی شاعرون کے بیان مین مفصل طور پر درج ہو چکے ہین کلام کا پتہ نہین ہے، گھر والون کی غفلت سے تلف ہوگیا۔

لائق

علی حسن نام، لائق تخلص، منشی خدابخش صاحب شائق کے فرزند چہارم، طبّاع اور قابل شاعر ولادت ۱۲۶۲ھ، مطابق ۱۸۴۳ء، وفات ۱۳۴۰ھ، مطابق ۱۹۲۱ء۔

اِنھون نے اپنے والد سے تعلیم پائی تھی، اور اُنھین کی شاگردی مین شاعری کا فن بھی حاصل کیا تھا اور

اس مین اچھی استعداد پیدا کی تھی - یہ قدیم طرز شاعری کے عاشق تھے اور عاشقانہ رنگ کی غزلیں خوب کہتے تھے - عربی مین معمولی لیاقت تھی مگر فارسی کے لائق ادیب تھے -

اکیس برس کی عمر مین اپنے والد کے ذریعہ سے سلیم پور (ضلع لکھنو) کی ریاست مین ضلعداری کے عہدہ پر مامور ہوئے ۴ برس تک یکسانحت ملازم رہنے کے بعد ۶۱ سال کی عمر مین پنشن لیکر خانہ نشین ہوگئے - ریاست مین سیدرہ روپیہ ماہوار تنخواہ پاتے تھے - دس برس کا زمانہ ہوا کہ انھون نے اپنا وطن دریاباد ترک کرکے اپنی سسرال میں رہنا اختیار کیا تھا - شیخ امتیاز علی صاحب زمیندار (ببرپہا) کی بیٹی سے ان کا عقد ہوا تھا ببرپہا سلیم پور سے تین کوس پر ہے - زمانۂ ملازمت مین کار متعلقہ کو نہایت ہوشیاری و نیک نیتی سے انجام دیا - پنشن پانچ روپیہ ماہوار تھی -

لائق صاحب روزہ نماز کے پابند خلیق، بڑے منکسر المزاج، حاجی وارث علی شاہ صاحب کے مرید تھے ۷۸ برس کی عمر مین وفات پائی - اولاد مین نظیر حسن، محمد حسن بقید حیات - کلام کا پتہ نہین ہے -

ساغر

ماتا پرشاد نام، ساغر تخلص، ترہی واستویہ دوسرے کائستھ، چھتری ورن، ارنسل محرران دریاباد، لالہ ہرپرشاد صاحب عرف سدھاری لال کے بیٹے، رنگین خیال شاعر -

فارسی مولوی بشارت علی صاحب ندیم (دریاباد) سے پڑھی تھی اور شاعری مین بھی انھین کے شاگرد تھے - علمی استعداد اچھی تھی، قدیم طرز سخن مین طبع آزمائی کرتے تھے - قدرت نے انھیں طبیعت کی روانی کے ساتھ ساتھ دل و دماغ بھی اچھا عنایت کیا تھا - ان کے اشعار فصیح اور دلچسپ ہوتے تھے - غزل گوئی کے علاوہ کبھی کبھی قصیدہ بھی کہتے تھے - چنانچہ سنا جاتا ہے کہ "ایک قصیدہ جو رائے نارائن بلی صاحب تعلقدار (دریاباد) کی شان میں کسی تقریب کے موقع پر انھون نے کہا تھا وہ بہت ہی دلکش اور نفیس تھا"

لالہ بدری پرشاد صاحب (راجہ بھوانی پرشاد صاحب مرحوم کے پوتے) بیان کرتے تھے کہ ساغر صاحب ایک مرتبہ بتلاش روزگار ریاست دھولپور پہونچے - وہان کئی روز تک سرگشتہ و پریشان رہنے کے بعد کسی سے پوچھا کہ مہاراجہ صاحب کے دربار مین رسائی کیونکر ہوسکتی ہے؟ جواب ملا کہ "حضور سے ملاقات ہونا بہت دشوار ہے - اتنا سنتے ہی ان کی زبان سے برجستہ نکل گیا - شعر "دستور خوب دیکھ چکے ہم حضور کے ؛ پورے غدر ہین "رنج" کے اور "دھول پور" کے - اس سے ساغر صاحب کی جولانی طبع اور دماغی قابلیت کا پورا پتہ چلتا ہے - رنج - ر ۲۰۰ ل ن ۵۰ + ج ۳ میزان ۲۵۳ - دھول پور $\frac{د}{۴}$ + $\frac{ھ}{۵}$ + $\frac{و}{۹}$ + $\frac{ل}{۳۰}$ + $\frac{پ}{۲}$ + $\frac{و}{۹}$ + $\frac{ر}{۳۰}$ میزان ۲۵۳ -

ساغر صاحب جوانی مین خوبصورت تھے، ساتھ ہی اس کے نفیس مزاج اور شوقین بھی تھے، پوشاک صاف

اور قیمتی پہنتے تھے، قدیم وضع کے پابند تھے، شراب کباب سے بھی اچھی طرح لذت آشنا تھے۔ انگرکھا، مڑے پائینچے والا پائجامہ، صافہ، نری کا جوتا، چکن کا ٹراز، مال تقریبوں کے موقع پر، روزمرہ دھوتی، کرتا، دوپلی ٹوپی استعمال کرتے تھے۔ گداز بدن، متوسط قد، گندم رنگ، ملیح چہرہ کشادہ پیشانی، خندہ رو، ماہری حجامت گھونگروالے بال، ہاتھ پاؤں سڈول۔

بیس برس ہوئے کہ منشی ماتا پرشاد صاحب ساعر نے مذہب اسلام قبول کرکے مشتاق رسول نام رکھا تھا اور فقیرانہ وضع اختیار کرلی تھی۔ موسم ۱۹۲۲ء میں انتقال ہوگیا۔ تخمیناً ستر بہتر برس کی عمر پائی۔ آبائی مکان و زمینداری حصہ۔ اولاد میں شیوراج بلی سہ قید حیات، نواب گنج بارہ بنکی مسکن۔ خاندانی حالات کے لئے باب ۳، فصل ۲، ذکر لالہ شیو نارائن ملاحظہ ہو۔ (محلہ محرران)

ساعر صاحب کے کلام کا پتہ نہیں ہے، چند شعر جو بڑی مشکل سے دستیاب ہوئے، ملاحظہ ہوں۔ زبان فصیح و سلیس، عاشقانہ رنگ قابل داد۔

بادۂ گلگوں پلا اب ساقیا دو چار دن
دورِ ساعر دیکھ لیں ہم بھی ترا دو چار دن

زلفِ شبگوں، روئے مہ وش پہ کرا تنا عرور
یہ شبِ مہتاب ہے اے مہ لقا! دو چار دن

چشم کا، لب کا، دہن کا، زلف کا، رخسار کا
ہے یہ سب ہر دم جدا گانہ تصور یار کا!

دور میں گیسوئے مشکین ناز کے بے قدر ہے
مشک تبت کا، ختن کا، چین کا، تاتار کا

کس کس کا بار اٹھائے دلبر نازک بدن؟
طوق کا، چمپا کلی کا، نورتن کا، ہار کا!!

کوچۂ یار تک ابھی جو رسائی ہوتی
خاک حسرت سے سر یوں سر پہ اڑائی ہوتی

فرحت

مرتضیٰ بیگ نام، فرحت تخلص، شاعر شیریں مقال، شاعری میں ندیم صاحب دریابادی کے شاگرد، عربی و فارسی ہر دو علوم کے زبردست ماہر تھے۔ ولادت ۱۸۴۴ء، وفات ۱۸۷۹ء

سنا جاتا ہے کہ انھوں نے فرنگی محل میں تعلیم پائی تھی اور بیس پچیس برس محنت کرکے اس قدر قابلیت بہم پہونچائی تھی کہ اگر ایک سال اور زندہ رہتے تو دستارِ فضیلت سے سرفراز ہوکر عالموں میں مشہور ہوجاتے۔

ان کے والد کا نام خواجہ مرزا تھا۔ مرزا ابلاق بیگ صاحب (رئیس دریاباد) کی دو لڑکیاں خواجہ صاحب کو بیاہی تھیں اور تیسری لڑکی مرزا نیاز بیگ صاحب کو، اس رشتہ سے خواجہ صاحب اور مرزا صاحب آپس میں ہم زلف تھے۔ خواجہ صاحب کے بزرگ مشہور و معروف ولی عبداللہ احرار عربی کی نسل سے تھے، جو ابوالمنصور خاں بہادر صفدر جنگ کے عہد میں ملک عرب سے ہندوستان آکر مرزا بخش اللہ بیگ صاحب ناظم (مرزا ابلاق بیگ صاحب کے والد کے چھوٹے بھائی کے ہمراہ پہلے دودھی میں آباد ہوئے۔ کچھ دنوں کے بعد جب ان کے بیٹے مرزا تقی بیگ صاحب

رُدولی چھوڑ کر دریاباد چلے آئے تو یہ عربی نژاد بزرگ بھی وہاں کی سکونت ترک کر کے غالباً اب سے سوا سو برس قبل یہیں آباد ہو گئے یہ لوگ خواجہ کہلاتے تھے۔ اِن کی نسل میں خواجہ مرزا کی اولاد مرزا بُلاقی بیگ صاحب سے رشتۂ قرابت پیدا ہو جانے پر مرزا کے لقب سے مشہور ہوئی۔

مرزا فرصت شعر کہتے کہتے اچھے خاصے شاعر ہو گئے تھے۔ عاشقانہ رنگ کے علاوہ حمد و نعت میں بھی خوب کہتے تھے۔ اصنافِ سخن میں کسی صنفِ خاص کے پابند نہ تھے۔ غزلیں، قطعے، رُباعیاں، خمسے وغیرہ جو جی میں آتا تھا نظم کرتے تھے۔ شاعری کا شوق فطری تھا۔ طبیعت بہایت موزون اور جولان تھی۔ اپنے دلی جذبات کو سیدھے سادے الفاظ میں صفائی کے ساتھ خوبی سے نظم کرنے پر قادر تھے۔ تحصیل علوم کی غرض سے جب تک لکھنؤ میں رہے، اچھے اچھے مشاعروں میں غزل پڑھتے اور آدابِ مشاعرہ سے آگاہی حاصل کرتے ہوئے دادِ سخن سے فیضیاب ہوتے رہے۔

مرزا صاحب محض اُردو ہی کے شاعر نہ تھے، فارسی میں بھی شعر گوئی کا شوق تھا۔ حکمت کے فن سے باقاعدہ آگاہ ہو کر حکیم بھی ہو گئے تھے۔ ورزش کے بھی بڑے شوقین تھے۔ مرزا یار بیگ صاحب (رئیس دریاباد)۔ اِنھیں اپنے بیٹے اصغر بیگ سے روز کشتی لڑواتے تھے۔ اِن کی شادی رونا حی (ضلع فیض آباد) کے رئیس شہبار خان کی بیٹی کے ساتھ ہوئی تھی۔ نہایت افسوس ہے کہ عین جوانی میں عمر کا پینتیسواں سال ختم ہوتے ہی بعارضۂ تپ دق اِن کا انتقال ہو گیا۔ اِن کی بی بی بھی صدمہ کے باعث دو ہی ایک برس کے اندر دنیا سے گذر گئی۔ خاندان میں اِن کے بھائیوں مرزا رضا بیگ، علی مرزا، امان بیگ کی اولاد بقید حیات اور آبائی زمینداری کے متعلق کچھ حصہ کی مالک، مکان بخلن ٹولہ میں موجود۔

مولانا کے کلام کی نسبت بہت کچھ کوشش کی گئی، مگر کچھ دستیاب نہ ہوا۔ صرف چند شعر جو مولوی ثابت علی صاحب نے تلاش کر کے عنایت فرمائے تھے، ناچار وہی غنیمت سمجھ کر ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں۔

جس یہ دل آئے وہی حسن و جمال اچھا ہے
جو حسین دل سے ملے اُس کا وصال اچھا ہے

دردِ فرقت سے نہیں چین مجھے کوئی گھڑی
یوں تو خاطر سے کہو کہدوں کہ حال اچھا ہے

ہم میں اے جان خوشامد کی صفت اچھی ہے
آپ میں ہمکو ستانے کا کمال اچھا ہے

عیش و راحت نہیں اچھی تیری مرضی کے خلاف
تو اگر خوش ہو تو، شادی سے ملال اچھا ہے

جس وقت کہ اُس شوخ کی صورت نظر آئی
فرحت! مجھے اللہ کی قدرت نظر آئی!!

اُدھر اُس شوخ کی نظر بدلی
چھا گئی دل پہ غم کی اِدھر جدلی

نجف

نجف علی بیگ نام، نجف تخلص، سُنی المذہب، محل، مرزا خیرات علی بیگ صاحب کے بیٹے، فصیح البیان

اور ظریف الطبع شاعر، مرزا خلیل لکھنوی کے شاگرد، حسب ضرورت فارسی سے آشنا - ولادت ۱۸۴۲ء، وفات ۱۸۹۲ء
عروض و قافیہ سے زیادہ ماہر نہ تھے، مگر مشق سخن اور موزونیٔ طبع کے باعث شاعروں میں شمار ہو گئے تھے -
عاشقانہ طرز شاعری کے دلدادہ تھے اور اس رنگ میں بہت اچھا کہتے تھے - حمد و نعت اور اخلاقی مضامین پر بھی طبع آزمائی کرتے تھے - غزلوں کے علاوہ، قطعے، رُباعیاں بھی نظم کرتے تھے - ان کی طبیعت بہت جولان واقع ہوئی تھی چنانچہ سُننے میں آیا ہے کہ جب کبھی کوئی اچھا شعر ان کے سامنے پڑھا جاتا تھا تو فوراً سننے کے ساتھ ہی برجستہ مصرعے کہہ کر خمسہ سُنا دیتے تھے کہ سامعین پھڑک جاتے تھے - کلام صاف، ستھرا، گھاک سے پاک -

بیان کیا جاتا ہے کہ مرزا صاحب کے بزرگ سردار مرزا احسن اللہ بیگ صاحب کے ہمراہ جو اُنھیں کے خاندانی عزیزداروں میں تھے اب سے ڈیڑھ سو برس قبل دریاباد آ کر آباد ہوئے تھے اور سردار صاحب کے توسل سے دربارِ اودھ میں کسی معزز عہدہ پر مامور ہو گئے تھے -

مرزا صاحب علاوہ شاعری کے موسیقی سے بھی واقف تھے ٹھمریاں، دادرے، اُدھے، ہولیاں خوب کہتے تھے ان کی تصنیف کردہ ٹھمریاں، اُدھے وغیرہ گوپال برہمن جو رگھبر شاہ کے یہاں ملازم تھے، کی زبانی اکثر سننے میں آئی ہیں، جن میں سے ایک اُدھے کا پیڑھا بند (مطلع) اور اس کے بعد کا استرہ یعنی دوسرا شعر اب تک یاد ہے، وہ یہ ہے: "**نجف** پیا آئے نہ سجیا مور - **استرہ**، برہا پتھا سون رین کٹت نہیں کیسے ہوئی بھور"
ستار بھی خوب بجاتے تھے اور اس کے از حد شوقین تھے - عیش پرست بھی تھے -

یہ مضمون نگار بھی تھے - ظریفانہ اور سنجیدہ دونوں قسم کے مضامین لکھتے تھے جو "اودھ پنچ" اور "اودھ اخبار" (لکھنؤ کے مشہور اخبار) میں واقعاتی طور پر وقتاً فوقتاً شائع ہوا کرتے تھے - سنجیدہ مضامین کی عبارت فسانۂ عجائب کے طرز پر مسجع اور مقفیٰ ہوتی تھی - غالباً ۳۰ برس کا زمانہ ہوا، مولوی مرزا عابد علی بیگ صاحب مرحوم (نجف صاحب کے خاص عزیز) منشی گوپال پرشاد صاحب کے مکتب خانہ میں نجف صاحب کے اشعار اور مضامین راقم کو سُنایا کرتے تھے، جبکہ اس مذاق کے متعلق دلچسپی کی غرض سے اُنکی خدمت میں حاضر ہونے کی نوبت آتی تھی - افسوس ہے کہ جو کچھ سُنا تھا اُس کے متعلق ایک مضمون کی صرف اس قدر عبارت یاد رہ گئی ہے "مسمی ... زرگر اُس چاہ جانکاہ میں رسّی کے سہارے سے اُترا کہ دفعتہً کنویں کا سارا پانی خشک ہو گیا - لیکن، زرگر مذکور پر کچھ ایسی دہشت طاری ہوئی کہ اُسے نہایت بیقراری ہوئی، اور وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا، جان سے ہاتھ دھو بیٹھا - یعنی اُس کا طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا، بظاہر بیٹھا تھا، مگر مر گیا"

حضرت نجف بڑے خوش پوشاک، خوش خلق، ملنسار، قول کے پابند، روزۂ دنمار کے عاشق، دوستوں کے ہمدرد، ہندو مسلمان سب کے طرفدار، ہم وطنوں کے بہی خواہ، سخن فہموں کے ولی دوست، با وضع، ریاست ریوان میں بہ عہدۂ وکالت ممتاز تھے - آخر جوانی میں بعارضۂ تپ دق بہ مقام "ستھا" (ریاست ریوان سے ۲۰ کوس کے فاصلہ پر) وفات پائی - تخمیناً پچاس سال کی عمر نصیب ہوئی - سیاہ فام، لیتہ قد، چیچک رو،

چھوٹی داڑھی، نہ بہت دُبلے نہ بہت موٹے، آمائی لباس پہنتے تھے۔ اولاد مین اشرف علی بیگ ریلوے مین ملازم۔ مکان ویران۔ (گھڑیالی)

افسوس ہے کہ مرزا اشرف علی بیگ صاحب سے کئی مرتبہ عرض کیا گیا کہ آپ اپنے والد ماجد کے حالات نیز مختصر کلام کا نمونہ عنایت فرمائیے، مگر افسوس! صاف مجبوری ظاہر کی۔ کئی پرچے غزلون کے میان محمد مقیم صاحب نے ۱۹۱۳ء مین عنایت فرمائے تھے جو طاعون کے زمانے مین ایک دوست کی غفلت سے کھو گئے، صرف چند شعر حافظہ کی بدولت محفوظ رہ گئے ہیں وہ ذیل مین درج کئے جاتے ہین۔

عشق کا شعلہ یون ہی دل مین بھڑکتا جائے گا
حشر تک داغِ جنون اپنا چمکتا جائے گا

آج ٹپکا ہے زمین پر روئے گلگون سے عرق
عطرِ مٹی کا قیامت تک مہکتا جائے گا

اُن اردون کا عکس ہے جامِ شراب مین
آتے ہیں دو ہلال نظر آفتاب مین

شہیدِ ناز و ادا اے نگار ہم بھی ہین
ہزار شکر اتیرے جان نثار ہم بھی ہین

لگا نہ تیغِ نگہ کا جگر پہ زخم کوئی
بس اپنے وقت کے اسعد یار ہم بھی ہین

ناظم

ناظم علی نام، ناظم تخلص ان کے حالات باب ہذا کی تیسری فصل مین درج ہو چکے ہین۔ افسوس کلام کا پتہ نہین ہے۔ شیخ بوشاد علی خان صاحب تعلقدار ان کے بڑے قدردان تھے۔ ایک قصیدے کے صلے مین علاوہ معقول رقم عنایت فرمانے کے ساٹھ روپیہ سالانہ وظیفہ بھی تاحیات (۱۹۱۰-۹۰ء) برابر دیتے رہے اپنی زندگی مین کئی مرتبہ اپنے یہان کی ملازمت کے لئے ناظم صاحب سے سخت اصرار کیا۔ لیکن انھون نے یہی کہہ کر ٹالدیا کہ جس ریاست سے کورٹ نے ہمکو بیکار سمجھ کے خارج کر دیا اب وہان رہنا شان کے خلاف ہے۔ اس سے ناظم صاحب کی آن بان اور قناعت پسندی بھی ثابت ہوتی ہے۔

خاطر

خاطر تخلص پنڈت بینی مادھو۔ ان کے حالات باب ہذا کی پہلی فصل مین بیان ہو چکے ہین۔ یہان پر صرف ایک شعر، جو راقم کو یاد آگیا ہے، درج کیا جاتا ہے۔ دیوان کا پتہ نہین ہے۔

مین وہ ہون "بلبل بستانِ نفاست" **خاطر!**
"جانبِ گل نہ اُٹھے آنکھ، جو ہو خار کے پاس"!!

پانچوین فصل ویدون، حکیمون اور ڈاکٹرون کے بیانمین

پنڈت ہیرالال وید

نامی وید، زمانہ حیات اب سے ڈھائی تین سو برس قبل۔ افسوس ہے کہ ویدجی کے حالات دریافت کرنے میں بے انتہا کوشش کی گئی، لیکن نتیجہ کچھ نہ ہوا۔

پنڈت شیو دت وید

سرزمین برہمن، لکھورا کے شوکل، گرگ گوتر، بہت بڑے عالی نسب، مشہور و معروف وید ہونے کے علاوہ سنسکرت کے ادیب اور جنتر[1]، منتر[2]، تنتر[3] وغیرہ شاستروں کے بھی اعلیٰ ماہر تھے۔

بارہ برس کی عمر میں تحصیل علم کا شوق پیدا ہوا۔ کسی وجہ سے مہاراشٹر (مرہٹوں کا ملک) پہونچے، وہاں سنسکرت کی تکمیل کے بعد ویدک (علم طب) پڑھی، پھر بنگال دیش میں تنتر ودیا حاصل کی۔ ۲۵ برس کے سن میں سنسکرت سیاہنسا اور تنتر ودیا کے علاوہ جین دھرم کے متعلق بھی اچھی طرح واقفیت حاصل کرکے دریاباد واپس آئے۔ چند روز کے بعد ان کی علمیت کا چاروں طرف شہرہ ہو گیا۔ بڑے بڑے ودوان وید، اچھے اچھے تانترک پنڈت، نامی نامی جین مہاتما ان کی تعظیم و تکریم کرنے لگے، اور لکھنؤ تک کے جیسی ان کے دلی معتقد ہو گئے۔

ویدجی صرف نہیں دیکھتے تھے، بلکہ بستر سے تشخیص مرض کرتے تھے۔ پردہ نشین عورتوں کی نبض صرف ڈورے کے ذریعہ سے معلوم کرتے تھے۔ مرض تجویز کرکے جو نسخہ لکھ دیتے تھے، بیمار کو اس سے شفا ہو جاتی تھی۔ نسخہ مختصر اور روداستر ہوتا تھا۔ یہ لالچی نہ تھے۔ سراؤں کی غیر معمولی قدردانی نے ان کا دل غنی بنا دیا تھا، اسی وجہ سے ان کے نزدیک مریضوں سے فیس لینا ایک گناہ عظیم تھا۔ علاوہ اس کے یہ فطری طور پر قناعت پسند بھی تھے باوجود اس صفت کے ان میں یہ عیب بھی تھا کہ انھیں ذرا سی بات پر بہت جلد غصہ آجاتا تھا۔ جہاں مریض نے کسی قسم کا شک کیا یا علاج کرنے میں ذرا بھی بھلو تہی کی، بس یہ جامے سے باہر ہو گئے، پھر ہزار منت سماجت کیجئے لیکن، ویدجی علاج نہیں کرتے تھے۔ اگر ان کے کہنے کے مطابق عمل کیا جاتا تھا تو دعوی کے ساتھ صحت پانا یقینی تھا۔ بہرحال ویدجی مہاراج اپنے وقت کے ایک غیر معمولی حکیم تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ نوابی زمانے میں ایک مرتبہ کسی شہزادی کی طبیعت ناساز ہوئی۔ بڑے بڑے حکیموں نے علاج کیا، مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ دریاباد کے چکلہ دار نے ان کی نسبت بادشاہ کو اطلاع دی۔ شاہی حکم سے ویدجی لکھنؤ روانہ کئے گئے۔ انھوں نے دربار شاہی میں حاضر ہو کر دوا پیش کی، جو چکلہ دار کی زبانی مریضہ کی حالت سن کر اپنے گھر میں تیار کی تھی۔ شیعہ مذہب میں ہندوؤں کے یہاں کی چیز کھانا شرعاً ممنوع ہے، مگر

[1] [2] [3] نام علوم، جن سے ہر قسم کی کامیابی حاصل کر سکتے ہیں ۱۲۔

مُردار کیا نہ کرتا، مصیبت کے وقت حرام بھی حلال ہو جاتا ہے، ناچار پنڈت جی کی بنائی ہوئی دوا شہزادی کو دی گئی جس کے استعمال سے صرف تین ہی دن مین عارضہ غائب ہو گیا اور شہزادی کی طبیعت بدستور اول بشاش ہو گئی۔ بادشاہ نے خوش ہو کر کئی ہزار روپے معہ خلعت کے مرحمت فرمائے، مگر انھون نے لینے سے صاف انکار کر دیا اور سبب یہ بیان کیا کہ "مین اپنے عہد کے مطابق عام طور پر کسی سے کچھ بعام اکرام یا جیس وغیرہ نہین لیتا ہون، یہ دوا رفاہ عام کی غرض سے حاصل کیا گیا ہے، نہ کہ روپیہ کمانے کیلئے کھانے بھر کو جیبنوں سے مل جاتا ہے، بس وہ کافی ہے، اس لئے معافی کا خواستگار ہون۔ لیکن سنا ہے کہ حضور کے یہان چڑیا خانہ مین کبوتر کا ایک بے مثل جوڑا ہے، اگر وہ عنایت ہو تو عین بندہ نوازی ہے"۔ بادشاہ نے پہلے تو پس و پیش کیا اور اُس کے عوض بہت سی دولت کی ترغیب دلائی، لیکن جب یہ کسی طرح راضی نہ ہوئے تو ناچار کبوتر کا جوڑا انھین عنایت ہوا اور پنڈت جی خوش ہو کر اپنے گھر واپس آئے اس سے ویدجی کی طبی قابلیت اور قناعت ایزدی کے علاوہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کبوتر کے بہت بڑے شوقینون مین تھے۔

شیو دت مہراج محض وید اور پنڈت ہی نہ تھے، بلکہ ایک قد آور، خوبصورت اور بہادر سپاہی بھی تھے اور اچھے خاصے سوار بھی۔ چھ مہینے دریا باد مین اور چھ مہینے بارہ بنکی مین رہتے تھے۔ بارہ بنکی مین کوئی لکھپتی سراؤک ان کی بڑی قدر و منزلت کرتا تھا، اُسی کے مکان پر قیام رہتا تھا۔ زمانۂ حیات اب سے ستر اسی برس قبل، اولاد مین شیو دیال محض جاہل۔ خاندانی حالات کے لئے باب ہذا کی پہلی فصل مین پنڈت کشن دت جی کا بیان، جو ویدجی کے حقیقی چچا تھے، ملاحظہ ہو۔ (دیکھپتانی ٹولہ)

حکیم حاجی امداد احمد صاحب

شیخ غلام حسین صاحب کے فرزند دوم، علم طب کے ماہر ہونے کے علاوہ منطق، صرف و نحو، تاریخ، فقہ، موسیقی، فن لغت، انشا سے بھی بہرہ ور، عربی و فارسی مین ذی استعداد، اُردو سے بھی آشنا، اور ہر سہ زبان کے مصنف و مولف، اعلیٰ ذہین، کثیر التصانیف، نامی حکیم، اپنے خاندان مین علمی مجلس کے مشہور رکن، حضرت مخدوم آبکش دریا بادی کی اولاد مین سے تھے۔

حکیم صاحب ۱۲۰۲ھ مین اپنے آبائی وطن دریا باد مین پیدا ہوئے۔ پہلے فارسی دریا باد مین پڑھی بعد ازان ۱۲۰۹ھ لغایت ۱۲۲۲ھ یک لخت چودہ برس لکھنو مین قیام کر کے فرنگی محل مین عربی اور مشہور طبیبون سے علم طب حاصل کیا۔ ۱۲۲۳ھ مین لکھنؤ سے بنارس پہونچکر دو مہینے تک تعلیم مطب مین منہمک رہنے کے بعد ناگپور مین بخشی محب الحق صاحب کے وسیلہ سے راجہ راگھوجی بھوسلہ سینا بہادر (مرہٹون کے سردار، سیندھیا اور برار کے راجہ تھے) کی ملازمت اختیار کی۔ تین برس تک اپنے فرائض

مصبی انجام دیکر اپنی والدہ کے حسب الطلب دریاباد واپس آئے۔ دو برس لکھنؤ وغیرہ مین بسر کرکے ۱۲۲۹ھ مین کلکتہ تشریف لے گئے، وہان انگریزون کی تعلیم دینے کے لیئے "ایسٹ انڈیا کمپنی" کے ملازم ہوگئے لیکن ایک ہی سال کے بعد اپنے گھر چلے آئے۔ کچھ دن گھر مین قیام کرکے نواب مولوی عبدالقادر خاں صاحب بہادر (والئ ٹونک) کی سرکار مین، جو اس وقت بنارس مین رونق افروز تھے، حاضر ہوکر ملازمت سے سرفراز ہوئے دو سال سات مہینے کے بعد نواب صاحب کے بیٹے مولوی خادم حسین خاں صاحب نے انھین سجل پولیسی کے عہدہ پر ممتاز فرمایا۔ انھون نے اپنے حسن خدمات سے ممدوحین کو کچھ ایسا گرویدہ بنایا کہ یہ خاص مصاحبین و رفقا مین شامل کرلئے گئے۔ نواب صاحب کی بیحد مہربانیون سے حکیم صاحب نے چالیس سال کی عمر مین ۱۲۴۲ھ تک لکھنؤ، کانپور، فرخ آباد، مکن پور، سیرٹھ پور، شاہجہان آباد، فیض آباد، ٹانڈہ، جونپور، بنارس، چریا، گورکھپور، بھٹول، الہ آباد، تمام بندیل کھنڈ، جھانسی، دتیا، اورچھا، کالپی، باندہ، ہمیرپور، ساگر و ندیا وغیرہ کی سیر و سیاحت فرماکر خوب معلومات حاصل کئے۔ (از حکایات احمدی مولفہ حکیم صاحب)۔

ان کی لکھی ہوئی مشکاۃ شریف حدیث (عربی، ۵۲ جزو) سے ثابت ہوتا ہے کہ حکیم صاحب ۱۲۴۷ھ مین بنارس مین مقیم تھے اور وہیں یہ کتاب نقل کی گئی تھی۔ شاید یہ قیام نواب صاحب ممدوح کی ملازمت کے سلسلے مین تھا۔

حکیم امداد احمد صاحب کے ایک خود نوشت جمع خرچ سے، جو محرم ۱۲۴۴ھ لغایت ربیع الاول ۱۲۴۴ھ کا ہے، پتہ چلتا ہے کہ انھون نے حضرت مخدوم آبکش دریابادی رح کی مسجد اور خانقاہ کی مرمت، سیر جانماز کی خریداری مین شالوے روپیہ نیدرہ آنہ (۱۵ ر ۱۵) صرف کئے تھے۔ پاس شاہ صاحب کے متعلق ان کی خاص عقیدتمندی کا اظہار ہوتا ہے۔

ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ضخیم کتابیں قرابادین قادری، تحفۃ المومنین، شرح وقایہ، بحرالجواہر، کشاف، تفسیر معانی والبیان در موزالقرآن، مشکاۃ شریف حدیث وغیرہ ظاہر کرتی ہین کہ حکیم صاحب عربی و فارسی لکھنے مین خاص مہارت رکھتے تھے۔ لیکن خوشنویس نہین تھے، معمولی لکھنے والون مین تھے۔

میزان طب قلمی محررہ ۵۔ رجب ۱۲۱۲ھ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دس برس کی عمر مین طب کی کتابین نقل کرنے لگے تھے اور علم طب سے فطرتاً خاص طور پر مانوس تھے۔ ان کی تصانیف و تالیفات سے یہ بھی آشکارا ہوتا ہے کہ حکیم صاحب آغاز شباب سے ضعیفی کے زمانے تک (۱۲۳۲ھ لغایت ۱۲۵۷ھ) جہان کہین رہے برابر علمی خدمت مین مشغول رہے، جس سے ان کو قدرتی دلچسپی تھی۔ اس خدمت کا زبردست حصہ غالباً نواب صاحب ممدوح کی قدردانی پر مبنی تھا۔ یہ خلیق، ملنسار، نیک مزاج، عالی ہمت بزرگ تھے۔

حکیم صاحب جہان علمی خدمت کے شیدائی تھے، وہان مذہبی فرائض کے ادا کرنے مین بھی قاصر نہ تھے چنانچہ "حکایات احمدی" سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان کے مشہور شہرون کی سیاحی کے بعد انھین مدینہ منورہ

اور مکہ معظمہ کی زیارت کا بھی شوق پیدا ہوا تھا، جسکی نسبت سُنا جاتا ہے کہ "انھون نے اِن پاک مقامون کی زیارت حاصل کرکے سعادت دارین حاصل کی تھی، اور عذر کے پانچ چھ برس قبل وفات پائی تھی" اولاد مین باسط احمد مکان پختہ موجود، جس پر جلیل احمد و جمیل احمد صاحب قابض - یادگار مین حسب تفصیل ذیل تصنیفات و تالیفات غیر مطبوعہ، جو افسوس! کہ غفلت کے ہاتھون غارت ہوکر بہت جلد فنا ہوجائین گی (محدوم رادگان)

(۱) رسالہ درسیہ فارسی، ۳ جزو موجود، سن تالیف ۱۲۴۱ھ (۲) لغات احمدی فارسی ۱۲۴۱ھ کے قبل تالیف ہوئی، صرف چند ورق موجود (۳) رسالہ احمدی فارسی (۴) انشاء احمدی فارسی، دو جزو موجود، سن تصنیف ۱۲۳۴ھ (۵) رسالہ موسیقی فارسی، چھ ورق موجود (۶) رسالہ منطق، سن تصنیف ۱۲۳۲ھ، آخر کے تین ورق موجود (۷) رسالہ صرف (۸) رسالہ نحو (۹) تاریخ قدوایان، شروع کے ۱۶ ورق موجود (۱۰) حدیقۃ الارض فارسی، جغرافیہ و تاریخ، دس ورق موجود (۱۱) بیان العوارض طب، سولہ ورق موجود (۱۲) حکایات احمدی فارسی، آٹھ جزو موجود، تالیف ۱۲۴۲ھ (۱۳) مجربات احمدی، طب، موجود (۱۴) رسالہ تذکرۃ المذاہب، تالیف ۱۲۵۳ھ، صرف چھ ورق باقی (۱۵) درود محی الدین وغیرہ، آٹھ ورق موجود (۱۶) رسالہ کلام، ایک جزو موجود، سن تصنیف ۱۲۴۱ھ (۱۷) رسالہ البص، طب (۱۸) فتاوی، دو ضخیم جلد، جس مین مدراس و کارنوال اور کلکتہ کے علماء کی مہرین ثبت ہیں (۱۹) رسالہ اوزان الادویہ، ڈھائی جزو موجود، تصنیف ۱۲۵۷ھ (۲۰) نسخۃ الشفاء، چھ اوراق موجود (۲۱) رسالہ دلائل احمدی، چوبیس ورق موجود (۲۲) قواعد احمدیہ، ۳۸ ورق موجود سن تصنیف ۱۲۵۴ھ (۲۳) رسالہ صلواۃ احمدی، دس ورق موجود ۱۲۵۲ھ مین تالیف ہوا (۲۴) رسالہ شہادت اردو، سن تصنیف ۱۲۴۶ھ، صرف دس ورق موجود (۲۵) خطبات عربی و اردو، صرف چند ورق موجود۔

حکیم مرزا برکت اللہ بیگ صاحب

مغل، طبابت اور قاضی مین قابل تعریف، اپنے وقت کے نامور حکما مین سے تھے۔ لکھنؤ مین عربی و فارسی کی تعلیم پائی تھی اور دہلی مین طب کا فن بھی کسی مشہور اوستاد سے حاصل کیا تھا۔

اِن کے نسخے مختصر اور زود اثر ہوتے تھے، غریب و امیر سب کا یکسان علاج کرتے تھے۔ بڑے بھلے مانس اور نیک بزرگ تھے۔

حکیم صاحب کے بزرگ سردار مرزا بخش اللہ بیگ صاحب ناظم (رئیس دریاباد) کے ہمراہ قندھار سے ہندوستان آکر صوبہ اودھ مین مختلف مقامات پر رہتے ہوئے دریاباد مین آباد ہوگئے تھے، جو سردار صاحب کے خاص عزیز اور رفیق بھی تھے۔

اِن کا زمانۂ حیات اب سے نصف صدی قبل دریافت ہوا ہے۔ اِن کے بعد اِن کے لڑکے مرزا

محمد رضا بیگ صاحب کی اولاد میں صرف ایک لڑکی بہ قید حیات، جو مرزا محمد بیگ صاحب (سررشتہ دار ریاست جہانگیر آباد، ضلع بارہ بنکی) کو منسوب ہے۔ اس طرح ڈیڑھ سو برس کے بعد حکیم صاحب کا خاندانی سلسلہ دریا باد سے ہمیشہ کے لئے منقطع ہوگیا۔ (مغلاں)

فخرِ وطن حکیم مولانا محمد نور کریم صاحب

ملقب بہ "طبیب گر"، شیخ، از نسل حضرت مخدوم آبکش دریا بادی، مولوی مخدوم بخش صاحب رئیس کے فرزند اکبر، ملک کے مایۂ ناز طبیب اور اپنے وقت کے حکیم اور رائی، عربی و فارسی کے بہترین ماہر، بہت بڑے علمی خادم، دریا باد میں اردو نثر نگاری کے موجد، صاحب تصنیف و تالیف و مترجم۔ ولادت ۱۲۱۳ھ، وفات ۶۔ رجب ۱۲۸۹ھ مطابق ۲۲ ستمبر ۱۸۷۲ء یوم جمعہ، بعد عصر۔

مقام دریا باد پیدا ہوئے۔ علوم عربیہ و فارسیہ کی تحصیل علمائے فرنگی محل سے کی۔ علم طب ہندوستان کے مشہور و کہنہ مشق اوستاد حکیم محمد علی صاحب عرف حکیم نبا (لکھنؤ) سے حاصل کیا اور وہ قابلیت پیدا کی کہ اُستاد کو شاگرد پر ناز ہوگیا۔

پہلے لکھنؤ میں مطب شروع کیا۔ لیکن چونکہ جو نازک ذمہ داریاں طبیب پر عملاً و ذہناً عائد ہوتی ہیں اُن سے مولانا بہ احسن الوجوہ سبکدوش نہیں ہوسکتے تھے، لہذا مطب کو خیرباد کہہ کر درس و تدریس میں بدل و جان مشغول ہوگئے اس غیر معمولی فیاضی سے ان کے اوستاد حکیم نبا صاحب ناراض ہوکر فرمانے لگے کہ "اگر میں جانتا کہ تم اس شریف فن کو اس طرح عام طور پر ظاہر کردو گے تو، میں ہرگز نہ سکھلاتا"۔ مولانا نے عرض کیا کہ "جس وقت میں نے اس علم کو شروع کیا تھا اور مجھے اس کے حاصل کرنے میں دقتیں اور زحمتیں پیش آئیں، تو میں نے خدا سے معاہدہ کیا کہ اگر مجھے یہ فن حاصل ہوجائے تو، میں کسی طالب فن سے بخل نہ کروں گا۔ اب کامیاب ہوجانے پر اُس کا ایفا کر رہا ہوں۔" یہ معقول جواب سُنکر حکیم نبا صاحب بہت خوش ہوئے، اور اجازت دیدی، کہ خوب پڑھاؤ، چنانچہ یہ آخر عمر تک علم طب پڑھاتے رہے۔ انتقال کے وقت سات سو شاگردوں کا شمار ہوا تھا۔ ان کے حلقۂ درس میں صرف ہندوستان ہی کے طلبا کی کثرت نہ تھی، بلکہ کابل، قندھار، کاشغر، شیراز، طہران تک کے طالب علم آتے اور فیض حاصل کرتے تھے۔ اُس وقت اقلیم ہند کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جہاں ان کا ایک آدھ شاگرد نہ ہو۔ بوجوہ علمی طبقہ میں حکیم صاحب "طبیب گر" کے خطاب سے مشہور ہوگئے تھے۔

ف میاں عبدالرشید صاحب کے پاس جو کاغذات موجود ہیں اُن کے دیکھنے، نیز تحقیقات سے پایا جاتا ہے کہ مولوی مخدوم بخش صاحب بہت بڑے منتظم اور عقلمند، دور اندیش، رمانہ شناس اور دلی حوصلہ بزرگ تھے۔ موروثی زمینداری کا جس قدر حصہ نکل گیا تھا، اُسے از سر نو حاصل کیا، دریا باد کے بہت سے ٹکڑے خرید کئے۔ اس طرح پھر دوبارہ ایک اچھی خاصی رئیسانہ حیثیت پیدا ہوگئی تھی۔ ۱۲۴۳ھ میں بہ قید حیات تھے ۱۲۔

حکیم صاحب علاوہ طب کے علم ادب وغیرہ کی بھی تعلیم دیتے تھے، اور اس تعلیمی سلسلہ مین اکثر انگریز بھی شامل تھے۔ زبردست عالمانہ استعداد حاصل تھی، ہر علم و فن مین کافی دخل تھا۔ فارسی و عربی کے ساتھ ساتھ اُردو زبان سے بھی دلچسپی تھی۔ اور اس کے بڑے حامی اور ترقی خواہ تھے۔ اُس زمانے مین عام طور پر اُردو نثر کا رواج نہ تھا، اس لئے مولانا دریاباد مین اُردو نثر کے بانی اور غالباً اپنے ضلع بارہ بنکی میں اول طبیب تھے جنھون نے طب کی کتابون کو عربی و فارسی سے اُردو ادب کے قالب مین جلوہ گر فرما کے ایسی شاندار خدمت کا علمی ثبوت پیش کیا، جس سے اُردو زبان کے سرمایۂ حیات مین ایک معقول اور قابل قدر اضافہ ہوگیا۔

خوشنویس بھی تھے اور ساتھ ہی زود نویس اور صحیح نویس بھی، حالانکہ خوشنویسی کے ساتھ زود نویسی و صحیح نویسی کی صفت شاذ و نادر ہی پائی جاتی ہے۔ قرآن پاک، تفسیر، حدیث، طب، ادب، تاریخ، تصوف، فلسفہ، ہیئت، منطق، کی کتابین اپنے ہاتھ سے نہایت خوشخط اور صحت کے ساتھ لکھین۔ ایک رات مین گلستان سعدی، کے چار یا پانچ باب لکھ ڈالے۔ مکمل نسخۂ قانون شیخ (طب) تین مرتبہ لکھا۔ پہلے اپنے اُستاد کی خدمت مین بطور ہدیہ نذر کیا، دوسرا غدر ۱۸۵۷ء مین تلف ہوگیا، جو کسی طرح "مدرسۂ طبیہ دہلی" کے کتب خانہ میں پہونچا، تیسرا کتب خانۂ حکیم عبدالحسیب دریاباد مین موجود ہے۔ انھون نے ۱۶ یا ۱۸ سال کی عمر مین شرح ملا جامی لکھی، جسے دیکھ کر شاہی عدالت میں سجل نویسی کا عہدہ عنایت ہوا تھا۔ صحیح سے صحیح کتابین دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک قلم ہے، جس پر کبھی قط نہین لگایا گیا ہے۔

تصنیف اور تالیف کے اعتبار سے بھی اِن کا درجہ بہت معزز اور بلند نظر آتا ہے۔ علم طب میں "شفاء الامراض" ایک ایسی نادر و مقبول کتاب تصنیف کی، جو اس وقت تک طبی دنیا مین ایک خاص شہرت رکھتی ہے اور "ویدک اینڈ طبی کالج دہلی" کے اُردو کورس مین داخل ہے، اور جسکی مدد و مطالعہ سے صدہا لوگ، طبیب ہوگئے۔ علاوہ اس کے "مخزن الادویہ" جو علم الادویہ مین مستند کتاب ہے، مطلع العلوم، کیمیائے عاصی شرح اسباب وغیرہ کتابون کے اُردو مین ترجمے کئے، جو بارہا چھپ کر شایع ہو چکے ہیں۔ شفاء الامراض کا اصل مسودہ مسف کے ہاتھ کا لکھا ہوا، اور مخزن الادویہ کا اصلی اُردو ترجمہ" کتب خانۂ حکیم عبدالحسیب" مین موجود۔

فہرست ٹک ڈپو نولکشور پریس لکھنؤ سنہ ۱۹۱۰ء، صفحہ ۱۳۰ میں لکھا ہے: "شفاء الامراض۔ یہ مجموعہ باباب دستور العمل اطبائے نباض و اُستاد معرفت انواع مزاج و اصول اقسام علاج مین بے مثل و نظیر ہے۔ اس مین کل مطالبہ طبیہ کو بطور سوال و جواب کے ابواب و فصول مین بیان کیا ہے اور تشریح کے بیان مین تصویر اعضاء بھی دکھا دی ہے۔ امراض سر سے تا قدم کا بیان ہے۔ معہ علاج اور ادویہ مفردہ و مرکبہ کا مذکور ہے اور حمیات و بحران و امراض جلدی و علاج زہرہائے معدنی و نباتاتی اور کاٹنے جانوران زہردار وغیرہ شرح و

بسط سے بیان کیا ہے، جو فہرست عنوان کتاب سے بخوبی واضح ہو سکتی ہے۔ از تصنیفات حکیم مولوی محمد نور کریم صاحب جنکی اور کتابین اور ترجمے بھی علم طب مین موجود ہین"

"از تصنیفات"، "اور کتابین"، "اور ترجمے بھی" کے معنی حیز الفاظ اچھی طرح ثابت کرتے ہین کہ حکیم محمد نور کریم صاحب کئی کتابوں کے مترجم ہونے کے علاوہ متعدد کتابون کے مصنف و مولف بھی تھے۔ لیکن، نہایت تعجب اور افسوس ہے کہ بجز تفاء الامراض کے دیگر تصنیفات و تالیفات کا کچھ بھی پتہ نہین چلتا۔

علمی خدمت کے سلسلے مین درس و تدریس، القول کتب، خوشنویسی، تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ انھین کتب خانہ کا بھی بیحد شوق تھا۔ بہ صرف کثیر اور کوشش و سعی بلیغ، اور محنت و مشقت سے اس قدر قلمی کتابین بہم پہونچائی تھین کہ عدد کے رسالے مین بہت سے نسخے غارت ہو جانے پر بھی کتابون کی معقول تعداد باقی رہ گئی ہے۔

پابندی کے ساتھ باقاعدہ یادداشت لکھنے کی بھی عادت تھی۔ روزمرہ کے حالات، واقعات، ضروری باتیں مختصراً قلمبند کرتے تھے مرنے کے دو روز پہلے تک یہ مشغلہ برابر جاری رہا۔ اس سے مولانا کی عقلمندی اور دوراندیشی پائی جاتی ہے۔

مولانا کے مشہور تلامذہ میں سے، جن کی تعداد بہت زیادہ ہے، بہت کچھ کوشش اور تحقیق کے بعد صرف چند نام دریافت ہوئے ہین، جو حسب ذیل ہین۔ انھین میں بعض انگریزون کے نام بھی شامل کر دیئے گئے ہیں جنکو اردو اور عربی کی تعلیم دی گئی تھی۔

خاص طب کے متعلق (۱) حکیم محمد ابراہیم صاحب بھوائی ٹولہ، لکھنؤ (۲) حکیم مظفر حسین خان صاحب لکھنوی (۳) حکیم سید محمد صاحب موہانی۔ طبیب اول شفاخانہ شاہی (۴) مولوی حکیم وکیل احمد صاحب سکندرپوری، مصنف نصرۃ المجتہدین (۵) حکیم نواب اعتماد الدین مرادآباد (۶) حکیم مشرف حسین صاحب حیدرآبادی (۷) حکیم مولوی عبدالعزیز صاحب دریابادی (۸) حکیم ابوالحسن صاحب وزیر دربار نواب مرشدآباد۔ **ادب وغیرہ کے متعلق** (۹) شمس العلماء مولوی سید علی صاحب بلگرامی (۱۰) سید حسن صاحب بلگرامی (۱۱) نواب سعادت الملک موتمن ملک سید حسین صاحب بلگرامی حیدرآباد مین ابتک بہ قید حیات (۱۲) شمس العلماء، مولوی امجد علی صاحب پروفیسر میور سنٹرل کالج الہ آباد (۱۳) مولوی عبدالقادر صاحب ڈپٹی کلکٹر، دریابادی (۱۴) مولوی اشرف علی صاحب ایم، اے، ہیڈ ماسٹر ویکوالہ آباد یونیورسٹی (۱۵)۔ مولوی محمد حسین صاحب دیوان ریاست کھیرا گڑھ (ممالک متوسط) (۱۶) منشی حامد حسین صاحب طالب برادر امیر مینائی لکھنوی (۱۷) منشی سعادت حسین صاحب برادر امیر مینائی لکھنوی صاحبان انگریز (۱۸) پادری اسٹوئر صاحب (۱۹) پادری جگ صاحب (۲۰) پادری واصاحب (۲۱) مسٹر ہیس اسسٹنٹ رزیڈنٹ دربار اودھ۔ دیوان تنی وغیرہ۔ ٹیر ھکر سنفیت ۱۲۷۴-۱۲۲۶ھ مطابق ۱۸۵۸-۱۸۰۷ء عدالت العالیہ شاہی مین سجل نویس (انجینیر و فیصلہ نویس) رہے ۴۸ سال دربار اودھ سے تعلق رہا۔ نواب سعادت علی خان بہادر کے زمانے سے واجد علی شاہ کے عہد حکومت تک برابر شاہی سرپرستی قائم رہی۔ انتزاع سلطنت کے بعد مسٹر ہیس اسسٹنٹ رزیڈنٹ اودھ کی سفارش سے ۱۰۔ اگست ۱۸۵۸ء کو بعہدہ پنشکاری صاحب جوڈیشل کمشنر بہادر سیتاپور و بہرائچ ماہوار کے مشاہرہ سے مامور ہوئے۔ مدت ۱۸۶۶ء مین محکمہ مذکور شکست ہو جانے سے علیحدگی ہو گئی۔ اگست ۱۸۵۸ء سے ۱۸۶۶ء تک ۸ برس ۵ مہینے بنارس، الہ آباد، غازی پور،

مغل سرائے، کلکتہ، بھاگل پور، پٹنہ، مرشد آباد، مونگیر، فیض آباد، جوپور، گورکھپور، کانپور، مرادآباد وغیرہ کے سفر مین گذرے۔ ۱۸۶۶ء مین جس وقت "کیننگ کالج" (لکھنؤ) کھولا گیا تو عربی کے پروفیسر ہوکر ۲۵ جنوری ۱۸۷۱ء تک اپنے عہدہ کا کام انجام دیا۔ ۲۶ جنوری ۱۸۷۱ء کو حسب الطلب مہاراجہ صاحب لکھنؤ سے بڑودھا کا سفر کیا۔ اپنی جگہ اپنے چھوٹے صاحبزادہ مولوی حکیم محمد عبدالعزیز صاحب کو دلادی۔ بڑودھا پہونچکر حکیم صاحب مہاراج کے دربار مین بہ صیغۂ طبابت سو روپیہ ماہوار پر نوکر ہوگئے لیکن افسوس ہے کہ وہان بوجہ تنفس دُنا موافقت آب و ہوا ان کی صحت قائم نہ رہ سکی، اور قریباً آٹھ مہینے ملازمت کرکے ۸۷ برس کی عمر مین وہین انتقال فرمایا بارہ بجے شب "تکیہ بجی ترسیدی" مین دفن کئے گئے۔ اولاد مین عبدالکریم، عبداللطیف، عبدالعزیز۔ وفات کی خبر سنکر حضرت طالب لکھنوی نے تاریخ نظم فرمائی:-

"جناب مولوی نور کریم آہا + کہ رحمت باد بر روح روانش + بہ ہر علم و فن بود کامل + کریم النفس عالی خاندانش + خوشا شیخ متائج عبدالرزاق + کہ بانسہ بود ملجا و مکانش + ز اجتہادش اجل بود این خوش انجام + گل تازہ ز باغ بے خزانش + دل او دفتر معقول و منقول + اصول فقہ حکمت بر زبانش + ز فکرش مشکلے ہر مطلب آسان + مفصل جملہ مجمل از بیانش + جہان آراؤ دریا باد مسکن + کہ خوش تدبیر الفت از درمیانش + شدہ از لکھنؤ سوئے بڑودھا + بعزت بر دور آسمانش + ملازم گشت در فن طبابت + ارسطو علم عالم قدر دانش + در آن بلدہ منتہم چو گذشت + حدا حامد در عصر جہانش + نوشتم مصرع تاریخ طالب + یا مرد جدا و ہم جہانش"۔ اس کے علاوہ دیگر شاعرون نے بھی وفات کی تاریخین ارشاد فرمائی تھین، جو بخوف طوالت طرا انداز کی گئین۔ اس سے مولانا کی اخلاقی وسعت کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔ قطعہ مذکور حافظ عبدالرشید صاحب، جو مولانا کے خاندان مین سے ہین، کی "نوٹ بک" مین اسی طرح غلطیون سے مملو درج ہے، جس پر لکھتے وقت کچھ توجہ نہین کی گئی۔ راقم الحروف بھی بجنسہ نقل کرنے پر مجبور ہوا۔

مرحوم پابند مذہب، وضعدار، خداترس، نہایت نیک سیدھے سادے، بڑے محبر اور فیاض تھے۔ اخلاقی دائرہ اس قدر وسیع تھا کہ تمام قرب و جوار کے عزیز و احباب اور بڑے بڑے رئیس و شریف یہان رہتے تھے کوئی دن ایسا نہ ہوتا تھا، جس روز دو چار مہمان تشریف نہ رکھتے ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ ہمیشہ عسرت سے بسر ہوئی۔ مگر مہمان نوازی مین کبھی کسی قسم کی پہلو تہی نہین کی، جیتے جی بڑی فراخدلی اور جوش مسرت کے ساتھ مہمانون کی خدمت گذار رہے اپنے ہم وطنون کا بہت خیال رکھتے اور دامے، درمے، قدمے سخنے ہر طرح اعانت کے لئے تیار رہتے تھے بہت سے لوگون کو سفارش کراکے نوکر رکھا دیا۔ ہندو مسلمان سب سے اتحاد قائم تھا۔ رنج کے نوگر محنت و مشقت کے عادی تھے۔ دل مین صبر و استقلال تھا۔ طبیعت قانع تھی۔

مسٹر ہیس اسسٹنٹ رزیڈنٹ سلطنت اودھ شاگرد ہونے کی وجہ سے بہت ادب اور تعظیم کے ساتھ پیش آتے، نواب علی نقی خان بہادر، نواب امین الدولہ بہادر وغیرہ (وزراء سلطنت اودھ) مولوی سبحان علی خان صاحب وکیل سرکار وغیرہ بھی لحاظ کرتے تھے۔ منشی نول کشور صاحب سی۔ آئی۔ ای رئیس و مالک مطبع اودھ اخبار لکھنؤ

بڑے قدردان تھے۔ کئی ضخیم نسخے عربی و فارسی کے ترجمے کرائے اور معقول معاوضہ دیا۔ مولانا محمد نعیم صاحب و مولوی فقیر اللہ صاحب وغیرہ علمائے فرنگی محل، افضل الدولہ دبیر الملک منشی مظفر علی خان صاحب تخلص اسیر لکھنوی منشی غلام حسین صاحب قدر بلگرامی پروفیسر کیننگ کالج لکھنؤ کے علاوہ معززین و روسا لکھنؤ سے بھی خاص دوستانہ مراسم تھے۔ لکھنؤ کی سلطنت آصفی دور سے واجد علی شاہی تک رزیڈنٹی کے ماتحت رہی۔ کوئی حکمران رزیڈنٹ بہادر کے خلاف کچھ نہ کر سکتا تھا، اور اسسٹنٹ رزیڈنٹ بہادر مولانا کی بہت تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ اس سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ مولانا کا دربار شاہی میں کیسا وقار رہا ہوگا؟

ایک شاہی پروانہ سے معلوم ہوتا ہے کہ راجہ مان سنگھ بہادر قائم جنگ بھی حکیم صاحب کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے، اور کچھ آراضی بطور معافی پہلے سے ان کے نام تھی۔ جب محمد علی شاہی دور ختم ہوا۔ امجد علی شاہ تخت نشین ہوئے تو ہارستوت حور مطلب کی دھن میں "ہر کہ آمد عمارتِ نو ساخت + رفت منزل بدیگرے پرداخت" کا راگ الاپتے ہوئے نئی سند کی پنج لگا کر کاغذی گھوڑے دوڑانے لگے لیکن راجہ صاحب کی مہربانی سے کسی کے کچھ سنائے نہ سنی سب اپنا سا منھ لیکے رہ گئے نقل پروانہ حسب ذیل ہے۔

"پروانہ بنام تحصیلدار سورجپور بمہر شیدا کر حسین چکلہ دار۔ برادر عزیز از جان گرامی منش سعادت و اقبال نشان میر ساحت حسین تحصیلدار سورجپور و کھٹیا حفظ آلہی باشند۔ بعد دعوت ترقی عمر و درجات مطالع باد بموجب پروانگی راجہ صاحب خداوند نعمت راجہ مان سنگھ بہادر دام اقبالہ قلمی میگردد ہر قدر آراضی معافی قدیم در موضع دولہدی پور علاقہ متعلقہ ضلع سورجپور بنام مولوی نور کریم صاحب از مخدوم زادگان دریاآباد اند مقرر است یافتہ آمدانند لہذا در سال حال نیز آراضی مذکورہ مراحم و متعرض نشوند و آئندہ ہم سند جدید طلب داشتہ مزاحمت سازند درین باب تاکید مزید و قدغن بلیغ دانستہ حسب مسطور بعمل آرند المرقوم بست و دویم ذیقعد سنہ ۱۲۶۱ ہجری"۔ یہ پروانہ شاہی زمانے کی اصابطہ نقل ہے جو حاوط عبدالرشید صاحب کے پاس موجود۔

فخر وطن مولانا محمد نور کریم صاحب کو دربار شاہی میں اچھا رسوخ حاصل تھا، رزیڈنٹ بہادر تک خاص طور پر ذاتی رسائی تھی، اراکین سلطنت اور معززین و مصاحبین سلطانی مہربان تھے۔ اس لئے اگر یہ ذرا بھی خواہش کرتے تو کسی بڑے عہدہ پر ممتاز ہو جاتے۔ لیکن، انھوں نے کبھی اسکی پروا نہ کی۔ کیوں؟ اس لئے کہ ان کی طبیعت قدرتاً درس و تدریس، تصنیف و تالیف وغیرہ علمی خدمت پر مائل تھی۔ سجل نویسی کے علاوہ اور کسی عہدہ کے فرائض کو اچھی طرح انجام نہ دے سکتے تھے۔ ایسی حالت میں عہدہ قبول کرنا مذہباً جائز نہ تھا اور مولانا آئین مذہب کے سخت پابند تھے۔

شاہی دفتر کے معمولی مقدمے بھی ہر سال ہزاروں روپیہ پیدا کر کے عیش و آرام سے زندگی بسر کرتے تھے اور مولانا عدالت العالیہ کے سجل نویس (جج منٹ رائٹر) تھے، جہاں بالائی آمدنی کی کوئی انتہا ہی نہ تھی۔ لیکن مولانا کو کوئی شان و شوکت نہ پیدا کر سکے۔ ان کے نزدیک اس قسم کی آمدنی حرام تھی اور احکام الٰہی کے خلاف۔ اس سے مولانا کی روشن خیالی اور فطری نیک نیتی کا اظہار ہوتا ہے۔ ان حالات کے لکھنے میں اکثر مولانا محمد نور کریم صاحب کی کتاب

یادداشت سے مدد کی گئی ہے۔ (مخدوم زادگان)۔

پروفیسر حکیم مولوی عبدالعزیز صاحب

فخرِ وطن حکیم مولانا محمد نور کریم صاحب کے فرزند سوم، بڑے نامی گرامی کامل طبیب، فارسی و عربی کے قابل ادیب، اُردو سے بھی خوب آگاہ اور اچھے علمی خادم، اپنے والد کے لائق تعریف طرزِ عمل کے خاص مقلد، صاحبِ تصنیف و تالیف و مترجم۔ ولادت ۱۔ ذیقعدہ ۱۲۶۱ھ مطابق ۸ نومبر ۱۸۴۵ء یوم چہارشنبہ، وفات ۲۱ جمادی الثانی ۱۳۱۴ھ مطابق ۲۷ نومبر ۱۸۹۶ء

فارسی و عربی کی تعلیم اپنے والد اور دیگر نامور علمائے فرنگی محل (لکھنؤ) سے پائی۔ کتب طبیہ خاص اپنے والد سے پڑھیں مطب کے معلومات حکیم مظفر حسین خاں صاحب لکھنوی و حکیم ابراہیم صاحب (جھوائی ٹولہ لکھنؤ) سے حاصل کئے۔ حکیم ابراہیم صاحب اُس زمانے میں ہز ہائینس نواب کلب علیخان بہادر بالقابہ والئی رامپور کے علاج کی غرض سے رامپور میں تشریف رکھتے تھے اس لئے حکیم صاحب کو وہاں جانا پڑا۔ کتابِ یادداشتِ مولانا محمد نور کریم صاحب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفر ۳۰ مارچ ۱۸۸۶ء کو ہوا تھا۔

جب حکیم محمد نور کریم صاحب نے ریاست بٹرودھا میں ملازمت اختیار کرلی، تو اُنکی جگہ پر عبدالعزیز صاحب (فروری ۱۸۷۱ء) کیننگ کالج لکھنؤ میں بہ عہدۂ پروفیسری (عربی و فارسی کے متعلق) مقرر ہوگئے، ساتھ ہی اس کے لکھنؤ میں مستقل طور پر مطب بھی جاری کردیا اور علم طب کی تعلیم بھی علماً و عملاً دینے لگے۔ تازندگی نہایت قابلیت سے ہر ایک کام انجام دیتے رہے۔

حکیم صاحب لکھنؤ میں حاذق طبیب اور قابل اوستاد سمجھے جاتے تھے۔ اُس وقت چند ہی اطبا اُنکی ہمسری کا دعویٰ کرسکتے تھے۔ حمیات کے علاج میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے اور خوب مشق بہم پہونچائی تھی۔ دق اور سل کے مریضوں کی نباضی میں خاص دخل تھا۔ ذیابیطس کا علاج بھی معمولی اور خاص طریقہ سے کرتے تھے جس میں اچھی کامیابی ہوئی تھی۔ نسخہ مختصر جید جزو کا ہوتا تھا طویل نسخے ناپسند تھے۔

اپنے والد کی طرح اِنھوں نے بھی طب وغیرہ علوم کے پڑھانے میں بہت فیاضی سے کام لیا۔ صدہا طالب علم حکیم بن گئے، سیکڑوں شاگرد ہندوستان کے مختلف حصوں میں کامیابی سے مطب کرنے لگے، پچاسوں طلبا فارسی و عربی کے لائق ادیب ہوگئے۔ خاص خاص شاگردوں میں سے چند صاحبوں کے نام حسبِ ذیل ہیں۔

طب کے متعلق (۱) حکیم محمد علی صاحب طبیب ہردوئی، ایڈیٹر مرقع عالم و مشہور نادِلسٹ (۲) حکیم مولانا محمد اطہر علی صاحب دہلوی (۳) حکیم ظہور الحسن صاحب سندیلہ (۴) حکیم سید خورشید علی صاحب لکھنوی (۵) حکیم صفدر علی صاحب ساکن گدیہ، بارہ بنکی، مطب بہرائچ (۶) حکیم محمد زبیر صاحب بدایوں (۷) حکیم سید حسین صاحب مرادآباد (۸) حکیم محمد حیات صاحب، بہار، مطب کانپور (۹) حکیم محمد عبدالحسیب صاحب دریابادی (۱۰) حکیم عبدالنبی

ؔ یہ کوائف "کتب خانہ عبدالحسیب" میں بمقام دریاباد موجود ہے ۱۲۔

صاحب غازی پوری (۱۱) حکیم امجد علی صاحب سترکھی، بارہ بنکی (۱۲) حکیم بسا وصاحب جائیسی، رائے بریلی علم ادب کے متعلق (۱۳) سید ظہور احمد صاحب وکیل ہائی کورٹ (۱۴) منشی امتیاز علی صاحب وکیل فیض آباد (۱۵) بابو بلدیو پرشاد صاحب وکیل فیض آباد (۱۶) بابو اجیت پرشاد صاحب گورنمنٹ پلیڈر (۱۷) شمس العلما مولوی محمد عبد المجید صاحب فرنگی محلی (لکھنؤ) (۱۸) مولوی محمد نسیم صاحب ایڈوکیٹ، لکھنؤ (۱۹) بابو پنّا لال صاحب لکھنوی وکیل بارہ بنکی (۲۰) حاجی قربان احمد صاحب وکیل بارہ بنکی (۲۱) منشی سجاد حسین صاحب وکیل بارہ بنکی (۲۲) مرزا محمد عسکری صاحب بی۔ اے سکریٹری انجمن اردو لکھنؤ (۲۳) منشی سجاد حسین صاحب کاکوروی، ایڈیٹر اودھ پنچ لکھنؤ (۲۴) بابو حوالا پرشاد صاحب برق جج خفیفہ لکھنؤ، مشہور نامہ نگار اودھ پنچ اور قابل ناولسٹ (۲۵) پنڈت تربھون ناتھ ہجر، خاص نامہ نگار اودھ پنچ (۲۶) ڈاکٹر ہری گوپال جیٹھ جی سول سرجن بنارس (۲۷) نواب محمد عظیم خان صاحب ڈپٹی کلکٹر (۲۸) پنڈت سورج نارائن سب جج (۲۹) سید شہنشاہ حسین صاحب رضوی وکیل لکھنؤ (۳۰) مرزا محمد سمیع صاحب ڈپٹی کلکٹر (۳۱) عبد الرافع صاحب ڈپٹی کلکٹر (۳۲) پنڈت سیتلا پرشاد جج وغیرہ۔

مولانا محمد نور کریم صاحب کی کتاب یادداشت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہنڈ فورڈ صاحب (ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم ممالک مغربی و شمالی اودھ) بھی مولوی عبد العزیز صاحب کے شاگرد تھے جنھوں نے ۲۸۔ اگست ۱۸۶۹ء کو لکھنؤ میں سبق شروع کیا تھا۔ غالباً عربی یا فارسی و اردو پڑھی ہوگی۔

عبد العزیز صاحب لکھنؤ کے علاوہ شاہجہان پور، سارس، الہ آباد، کھیری، باندہ وغیرہ دور دور مقامات پر علاج کرنے کے لیے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ راجہ گوکل داس گوپال داس صاحب کے علاج کے واسطے جبل پور بھی گئے تھے اور انھیں صحت ہوگئی تھی۔ سنا جاتا ہے کہ ایک دفعہ مہاراجہ بنارس کے یہاں بھی جانا ہوا تھا اور وہ بھی اچھے ہوگئے تھے۔

قاضی اکرام اللہ صاحب تعلقدار سترکھ، چودھری طالب علی صاحب تعلقدار کرسی، رائے مہراج بلی صاحب و رائے نارائن بلی صاحب تعلقدار دریاباد، راجہ پرتھی پال سنگھ صاحب تعلقدار سورجپور، چودھری محمد عظیم صاحب تعلقدار سندیلہ، مولوی غلام مجتبیٰ صاحب وکیل ہائی کورٹ الہ آباد، علمائے فرنگی محل لکھنؤ وغیرہ حکیم صاحب کے علاج کے خاص معتقد تھے، ہمیشہ انھیں کا علاج کرتے رہے۔

بلا ناغہ ہر اتوار کو اپنے وطن دریاباد جاتے اور غربا و شرفا وغیرہ کا علاج بڑی شفقت و دلسوزی سے کرتے تھے۔ اس وضعداری میں کسی نقصان کی پروا نہیں کی اور نہ کبھی فرق آنے پایا۔ بستی میں کبھی کسی سے نہ فیس لی نہ بعد صحت علاج کا معاوضہ لینا پسند فرمایا۔ اس سے حکیم صاحب کی حب الوطنی اور وطن پرستی کا خوب اظہار ہوتا ہے۔

پروفیسر اور طبیب ہونے کے ساتھ ساتھ مولوی صاحب مصنف و مولف بھی تھے اور مترجم بھی۔ علم طب کے متعلق میزان الادویہ بزبان اردو تصنیف کی، جو استخراج مزاج ادویہ میں بہترین کتاب ہے۔ میزان الطب اور تحفۂ اثنا عشریہ کا اردو میں ترجمہ کیا۔ ان کتابوں میں سے آخری کتاب ابتک غیر مطبوعہ ہے۔ رقعات بیدل، سہ سر ظہوری،

سکندر نامہ، رقعاتِ عالمگیری کے بعض حصص (کتابی صورت مین داخلۂ کورس ایف، اے، بی، اے، ایم، اے) کی شرح اُردو مین لکھی۔ جو کئی مرتبہ مطبع تیغ بہادر دنول کشور پریس مین چھپ کر شائع ہوئی۔ اکثر الہ آباد یونیورسٹی کے ممتحن بھی ہوئے اور عمدہ پرچے تیار کرکے نام پیدا کیا۔ اس سے حکیم صاحب کی ادبی خدمت اور اُردو قابلیت بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔

کتابون سے بھی دلچسپی تھی۔ اپنے آبائی کتب خانہ مین بہت سی کتابون کا اضافہ کیا اور کتب خانہ کو درست حالت مین رکھا۔ ہر سال کتابون کی جلد بندی وغیرہ مین روپیہ صرف کرتے رہے۔

لکھنؤ مین مرزا محمد عباس صاحب رئیس، دیپٹی خداداد بیگ صاحب، بابو بسدیولال صاحب ایڈوکیٹ، آر بیل بابو گنگا پرشاد صاحب ورما ممبر کونسل ممالک متحدہ و اودھ، ایڈیٹر اخبار ہندوستانی و ایڈوکیٹ، منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی سے خاص دوستانہ مراسم تھے۔

مولوی صاحب پابند مذہب، عام طور پر نہایت خلیق، مروت دار، نیک دل، نفیس مزاج، غیر متعصب، خوش وضع، خوش لہجہ، خوش رفتار، جناب حاجی حافظ شاہ غلام جیلانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانسوی کے مرید۔ لباس نہایت صاف ستھرا پسند تھا۔ پان نفاست آمیز طریقہ سے بنے ہوئے استعمال کرتے تھے۔ طبیعت عجز و انکسار اور قناعت کی جانب رجوع تھی۔ نخوت و طمع سے قطعی احتراز تھا۔ غریبون کی امداد مین حصہ لیتے، ضرورت کے وقت کوشش و پیروی اور سعی و سفارش سے کام نکال دیتے تھے۔ عزیز و اقارب اور خاندان والون سے نہایت اچھا برتاؤ تھا۔ اکثر اپنے اعزا کو ذاتی صرف سے تعلیم دلوائی، اور ہر طرح کی دستگیری کی۔ اپنے خاص خاندان مین اتحاد و اتفاق کے عملی طور سے حامی رہے، جیتے جی خاندانی شیرازہ کو منتشر نہ ہونے دیا۔

لانبا قد، گورا رنگ، کشادہ پیشانی، گول بدن، بڑی بڑی سیاہ آنکھین، خمیدہ ابرو، مانگ دار زلفین، سر کے بال گھنے، سرخ و نازک لب، گول چہرہ، خوبصورت، فراخ سینہ، ہاتھ پانون سڈول اور مضبوط، دراز گردن، جامہ زیب۔ اکثر جامدانی اور کبھی کبھی سمدہ نزیب، یا شربتی کا چوڑی گوٹ والا انگرکھا، نیچے جالی کا شلوکہ، چھالٹین یا مین سکھ کا بڑے پائینچے والا پائجامہ، جامدانی کی دوپلی ٹوپی، ولی دال یا امرتسری جوتا، کبھی کبھی مڑا کے کا کمبوئے دار سیاہ بوٹ بھی۔ جاڑون مین عمدہ چھینٹ یا اتوار (بندہ کا مشہور اور نفیس کپڑا) کا اُتو کیا ہوا دگلا، نیچے چھینٹ یا فلالین کا شلوکہ، جامہ دار کی چوگوشیہ ٹوپی، شالی رومال استعمال کرتے تھے۔

نہایت افسوس ہے کہ حکیم صاحب جن امراض کے علاج سے بخوبی واقف تھے، وہی موت کا باعث ثابت ہوئے یعنی بعارضۂ ذیابیطس و سل ۵۲ سال کی عمر مین وفات پائی، اپنے قبرستان مین دفن ہوئے۔ اولاد مین دو لڑکیان بڑی صاحبزادی کی شادی شیخ محمد نعیم الزمان صاحب رئیس سندیلہ کے ساتھ ہوئی اور چھوٹی حکیم مولوی عبد الحسیب صاحب (پروفیسر صاحب کے برادر زادہ بھتیجے) کو بیاہی گئی۔

ہ بابو صاحب مولوی عبد العزیز صاحب کے مامور شاگردون مین تھے غلطی سے ان کا نام بیان درج ہوگیا، ناظرین معاف فرمائین ۱۲

انتقال کی خبر پاکر مسٹر وائیٹ صاحب پرنسپل کیننگ کالج لکھنؤ کو بہت افسوس ہوا اور ایک دن کے لئے کالج بند کر دیا گیا۔ حضرت امیر مینائی مرحوم و مغفور نے تاریخ ارشاد فرمائی جو لوحِ مزار پر کندہ ہے۔

قطعہ تاریخ وفات "زِ دنیا سفر کرد عبدالعزیز + بشوقِ بقائے عزیز و حکیم + اُمید است از حق کہ او تنعم نماید بخلدِ نعیم + خدا غرق دریائے رحمت کند + طفیلِ محمدؐ رسولِ کریم + مسخر بُوے خلق از خُلقِ او + کہ بُد حاجتِ نیض و خُلقِ عمیم + وجیہ و فقیہ و حسین و متین + ولی پاک از عیب طبعش سلیم + طبیب و شفیق از جہانِ رفت شدہ جانتِ دوستانش نقیم + سرِ تربتش نقش کن اے امیر + خلیق و وحید و کریم و رحیم" + یہ تاریخ اسی طرح مشکوک اور غلط حافظ عبدالرشید صاحب دریابادی کی کتاب یادداشت مین درج ہے۔

مرحوم نے اپنی بڑی بیٹی کی شادی مین بڑی اُولعزمی اور بلند حوصلگی سے کام لیا تھا۔ اِس تقریب مین لکھنؤ و دریاباد کے قرب و جوار کے شرفا اور زمینداروں کے علاوہ تعلقدار صاحب ستر کھ، رائیصاحب تعلقدار دریاباد، راجہ صاحب ہڑہا، چودھری محمد عظیم صاحب و چودھری نصرت علی صاحب (تعلقداران سندیلہ) شیخ صمصام علی صاحب تعلقدار گنڈارا، چودھری صاحب تعلقدار بروولی، چودھری خلیل الرحمٰن صاحب تعلقدار رُدولی (بارہ بنکی) وغیرہ شریک ہوئے تھے۔ شمس العلماء مولانا محمد نعیم صاحب و مولوی عبدالوہاب صاحب (فرنگی محل لکھنؤ) بھی تشریف لائے تھے۔ کھانا بہت پُر تکلف، امیرانہ، اور انتظام نہایت معقول، بارگاہ خوب آراستہ تھا۔ (مخدوم زادگان)۔

ڈاکٹر خدا بخش صاحب

شیخ، سنی المذہب، انگریزی فوج مین رسالہ کے ڈاکٹر تھے، انگریزی پڑھے تھے، روزہ و نماز کے پابند، عقیدے کے مضبوط، مخیر بھی تھے۔ غریبون اور محتاجون کو اکثر کچھ نقد وغیرہ اپنی حیثیت کے مطابق دیا کرتے تھے، علاوہ اس کے ہر سال محرم کے زمانے مین دریاباد آکر عشرہ کے دن شربت کی سبیل کربلا والی سڑک پر جاری کرتے تھے۔ موجیون کی مسجد کا پختہ حلقہ بھی انھین کی مذہبی خدمت اور خوش اعتقادی کی قابل تعریف یادگار ہے۔

ان کے باپ دادے بُزقصاب تھے لیکن، انھون نے ذاتی طور پر پڑھ لکھ کر اپنا آبائی پیشہ ترک کر دیا اور اپنی فطری ذہانت اور علمیت کی بناء پر ڈاکٹری کا معزز عہدہ حاصل کیا، جو زندگی بھر برقرار رہا۔

یہ پہلے لکھنؤ مین تعینات تھے۔ بعد کو فیض آباد تبدیل ہو گئے تھے۔ ردناحی کے مقام پر گھوڑے سے گر کر ۱۹۰۰ء مین فوت ہوئے۔ تخمیناً ساٹھ ستر سال کی عمر پائی۔ نہایت خلیق، ملنسار، منکسر المزاج تھے، ڈاکٹری کا غرور ذرا بھی نہ تھا لوگون سے بہت اچھی طرح ملتے تھے۔ اپنی غریبی، اپنی اگلی حیثیت کو بھولے نہ تھے۔ اولاد مین مصاحب، امجد، بابو، واجد چار لڑکے اور دو لڑکیان۔ یہ چارون لڑکے آوارہ مزاج تھے، جو باپ کے مرنے کے دس بارہ برس بعد آبائی مکان وغیرہ

ے نقشہ ممالک متحدہ آگرہ و اودھ مرتبۂ نیڈٹ گردھر لال (بجولی، الہ آباد) سے ثابت ہوتا ہے کہ ضلع بستی مین رُدولی کے نام سے ایک دوسرا مشہور مقام بھی ہے۔ یہ نقشہ مدرسۂ جیول (بارہ بنکی) مین موجود ہے ۱۲۔

فروخت کرکے کلکتہ چلدئے۔ خدا بخش کی قبر بحتہ لب سڑک موچیون کی مسجد سے متصل شمال رویہ موجود۔

حاجی ڈاکٹر محمد سلیم صاحب

فرزند اصغر مولوی عبدالرحیم صاحب مرحوم، فن ڈاکٹری سے اچھی طرح واقف، حب الوطنی مین قابل ذکر، ولادت غالباً ۱۸۸۰ء، وفات ۱۸۔ اگست ۱۹۲۳ء۔

فارسی کی تعلیم مکان پر پائی۔ ہردوئی، لکھنؤ، گورکھپور، فیض آباد اور سیتاپور کے ہائی اسکول مین انگریزی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا، پھر آگرہ میڈیکل اسکول مین داخل ہوکر ڈاکٹری کا علم حاصل کیا۔ اضلاع علی گڈھ و بریلی وغیرہ مین سرکاری خدمات نیک نامی سے انجام دیئے۔ جنگ کے زمانے مین فوج کے ساتھ مختلف مقامات پر کام کیا۔ دو برس سے اپنے وطن دریاباد مین تعینات تھے۔ ایک سو ساٹھ روپیہ ماہوار تنخواہ تھی۔ خدا نے دست شفا عطا فرمایا تھا۔ مریض جلد صحت یاب ہوجاتے تھے۔ مریضون کا علاج بہت توجہ سے کرتے تھے۔ کچھ عرصے سے ان کی صحت خراب رہا کرتی تھی مگر اپنے فرایض میں اس قدر منہمک رہا کرتے تھے کہ علاج کی جانب مطلق خیال نہ ہوا۔ شروع جون ۲۳ء سے تپ کا لزوم ہوگیا۔ آخر جون مین علاج کی غرض سے لکھنؤ تشریف لیگئے، وہان اطبا اور ڈاکٹرون نے سل اور دق تجویز کیا۔ پیشتر حکیم عبدالحمید صاحب اور حکیم عبدالمجید صاحب (جھوائی ٹولہ) کا علاج رہا، بعد مین ڈاکٹر حفیظ اللہ اور ڈاکٹر ہگو کی جانب رجوع کیا گیا۔ مگر افسوس ہے کہ کوئی دنیاوی تدبیر و ترکیب بارآور نہ ہوئی۔ عین شباب مین ڈاکٹر صاحب نے بہ مقام گولہ گنج لاولد وفات پائی اور محلہ رکاب گنج، باغ ملا انوار مین سپرد خاک کئے گئے۔

مرحوم نہایت نیک، ظریف الطبع، خوش اخلاق، خندان پیشانی، ہردل عزیز، غیر متعصب، جامہ زیب، مروت دار، خوبصورت، خوش پوشاک اور مذہب کے معتقد تھے۔ ۱۹۱۲ء مین حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا تھا۔

ڈاکٹر صاحب اولوالعزم بھی تھے۔ جس وقت ان کے چچازاد بھائی مولوی عبدالمجید صاحب ڈپٹی کلکٹر پختہ کوٹھی بنوانے پر آمادہ ہوئے تو، انھون نے بھی اس کی تیاری مین کثیر رقم خرچ کی تھی اور اس طرح وہ ایک شاندار عمارت بہت جلد تعمیر ہوگئی۔ سگریٹ کے بہت بڑے شوقین تھے۔ دس بارہ بکس روز آنہ پیڈرو سگریٹ کے پی ڈالتے تھے۔ بعض بزرگون کا بیان ہے کہ اس شوق نے بھی ڈاکٹر صاحب کی صحت پر خراب اثر ڈالا تھا۔ (مخدوم زادگان)۔

چھٹی فصل وکیلون کے بیان مین

مولوی مظفر کریم صاحب

شیخ، حافظ مرتضیٰ کریم صاحب کے فرزند سوم، از اولاد حضرت مخدوم آبکش دریابادی، باندہ کے وکیلون مین نامی گرامی وکیل، ذی استعداد، فن پتنگ بازی مین اعلیٰ مشاق۔ کھینچ کر پتنگ خوب لڑاتے تھے۔ پندرہ بیس برس کے

سن تک انھین پتنگ کا شوق رہا۔ یہ شوق لکھنؤ مین پیدا ہوا تھا اور وہین پر ختم ہوگیا۔

شیخ صاحب لکھنؤ مین کیننگ کالج اور بیرونی طور پر عربی و فارسی علوم سے فیضیاب ہوکر بنارس کی کلکٹری مین نقل نویس ہوئے اور اسی سلسلہ مین قانونی قابلیت بہم پہونچا کر وکالت کے امتحان مین کامیاب ہونے کے بعد انھون نے باندہ مین وکالت شروع کی اور تھوڑے ہی دنون مین اپنی فطری دانائی کے زور سے شہرتِ عوام کی سند حاصل کی یہ اگرچہ اُردو دان وکیل تھے۔ مگر آمدنی چار سو روپیہ ماہوار سے کم نہ تھی۔ وکالت مین انھون نے دولت کثیر پیدا کی۔ خاص باندہ مین ایک بہت بڑا پختہ مکان محفتاہ مین حاصل کیا اور ایک موضع خرید کیا۔ لیکن، کچھ دنون کے بعد موضع سنہ ۱۹۲۱ء مین ۱۹ ہزار روپے کو فروخت کر ڈالا۔

مولوی صاحب ذی علم اور نامی وکیل ہونے کے علاوہ بزلہ سنج، خوش اخلاق اور فیاض بھی تھے۔ باندہ سے محتاجون کو اکثر دس بارہ مرزائیان اور احباب کے لئے تحفۃً چالیس پچاس گز اُمّوا کپڑا (تحفۂ باندہ) جب تک وہان تیار ہوتا رہا، ہر سال دریاباد بھیجتے رہے۔ ان کے وطنی احباب کا حلقہ کچھ کم وسیع نہ تھا۔ لالہ پرمیشر دیال صاحب، لالہ دیبی دین صاحب، لالہ شنکر لال صاحب کمّال، منشی مینڈی لال صاحب ہیڈ ماسٹر، منشی ماتا پرشاد صاحب وکیل، لالہ بدری پرشاد صاحب (راجہ بھوانی پرشاد صاحب کے پوتے) وغیرہ خاص دوستون مین تھے۔ عرصہ تیس برس سے بسلسلۂ وکالت باندہ مین سکونت پذیر تھے، مگر وطن سے قطع تعلق نہین ہوا۔ دو منزلہ پختہ مکان، آبائی زمینداری بدستور تاحال قائم و موجود، جس پر ان کے بیٹے قابض۔ جولائی سنہ ۱۹۲۰ء مین انھون نے انتقال فرمایا۔ ۷۰ سال کی عمر نصیب ہوئی۔ اولاد مین تفضل کریم انٹرنس پاس، سب جج باندہ مین الہد، چالیس روپیہ مشاہرہ، تجمل کریم بی اے، ایل۔ ایل۔ بی۔ باندہ مین وکالت پر مائل۔ (مخدوم زادگان)

منشی ماتا پرشاد صاحب

شری داستویہ دوسرے کائستھ، چھتری ورن، منشی مینڈی لال صاحب کے اکلوتے بیٹے، مشہور وکیل فارسی و انگریزی مین صاحب لیاقت۔ ولادت جون سنہ ۱۸۵۰ء، وفات ۲۹۔ جون سنہ ۱۹۱۱ء۔

ان کے بزرگ دیورائے اور اُدے راج سانڈی کے چودھری اور قصبۂ صدرپور محلۂ کھروال کے خوشباش تھے، جن کی نسل مین فتح چند صاحب نواب نجف خان بہادر صوبہ دار الہ آباد (بہ عہدِ نواب آصف الدولہ بہادر) کی سرکار مین دیوان پیشکار تھے اور دیبی داس صاحب بسوان و باڑی کی چکلہ داری پر ممتاز تھے، جنھون نے ملازمت کے سلسلے مین اپنا آبائی وطن ترک کرکے بسوان باڑی کی سکونت اختیار کرلی تھی۔ دیبی داس صاحب کی اولاد مین لالہ ہمت بہادر کی شادی محررانِ دریاباد کے خاندان مین لالہ بیچے لال صاحب کی بیٹی کے ساتھ ہوئی۔ بیچے لال صاحب کی وفات پر لالہ ہمت بہادر صاحب کے لڑکے لالہ رادھے کرشن صاحب نانہالی جائداد (زمینداری موضع سرولی و مکان وغیرہ) کے مالک ہوکر دریاباد مین سکونت پذیر ہوئے، جو منشی ماتا پرشاد کے دادا، اور منشی مینڈی لال صاحب کے والد ماجد

تھے۔ (از پشت نامہ بنت رائے نرر گوار منشی منڈی لال صاحب مرحوم۔ یہ پشت نامہ بابو کالکا پرشاد صاحب عرف دُلارے کے پاس موجود)۔

مولوی بشارت علی صاحب قدیم (دریا بادی) سے فارسی کی تعلیم پائی فیض آباد ہائی اسکول مین اسٹرنس پاس کیا، اور ایف۔ اے تک قابلیت پیدا کی۔ ۲۵ برس کی عمر مین ملازمت کرکے فیض آباد اکبر پور وغیرہ اسکولون مین (مشاہرہ پچاس روپیہ) تعلیم دیتے رہے۔ اسی سلسلہ مین ذاتی محنت و مشقت سے سند وکالت بھی حاصل کرلی۔ سند ملتے ہی ملازمت سے استعفا دیکر تحصیل سنہی گھاٹ کی منصفی مین وکالت شروع کردی۔ ۱۸۸۶ء مین منصفی سنہی گھاٹ مارہ بنکی منتقل ہوئی تو پیشۂ وکالت کو خیرباد کہہ کر خانہ نشینی اختیار کرلی۔ مارہ سے کی جانا اور وہان قیام کرنا انھین پسند نہ آیا۔

منشی صاحب قانون مین لکھنؤ کے نامی گرامی وکیل منشی کالی پرشاد صاحب مرحوم کُل بھاسکر (بانی کائستھ پاٹ شالہ الہ آباد) کے شاگرد تھے۔ وکالت مین اچھی خاصی قابلیت رکھتے تھے منصفی سنہی گھاٹ کے وکیلون مین ان کا مقابل کوئی نہ تھا۔ یہ کم سخن تھے، لمبے چوڑے بیان کو ایک دو جملون مین حاکم کو سمجھا دیتے تھے۔ تقریر کے علاوہ تحریر مین بھی اختصار پسند تھے۔ دغا، مکر، وغیرہ بُری عادتون سے قدرتی طور پر متنفر تھے۔ مؤکل کو بہت خوش رکھتے تھے اور بجائے لوٹنے کی فکر کے کم خرچ مین اُس کے تمام معاملات طے کرا دینے کی کوشش کرتے تھے۔ یہی وجوہات تھے جو ان کی شہرت ہوگئی تھی اور لوگ انھین کو حتی المقدور اپنا وکیل بناتے تھے۔

یہ مذہب کے پکے پابند تھے، دونون وقت پوجا پاٹ کرتے تھے۔ ایک پنڈت ہمیشہ ان کے پاس نوکر رہا، جسکے ذریعہ سے روزمرہ مذہبی فرائض انجام پاتے تھے۔ قومی کامون مین بھی انھین دلچسپی تھی۔ پہلے پہل ۱۸۸۵ء مین جب دریا باد مین رائے مہادیو بلی صاحب نے "کائستھ سبھا" قائم کی تھی اور اُس کے متعلق زبردست جلسہ منعقد ہوا تھا، تو اُس وقت انھون نے نہ صرف شریک جلسہ ہوکر اپنی پرزور اور مؤثر تقریرون سے حاضرین کو خوش کردیا تھا، بلکہ "سبھا" کے کامیاب بنانے مین بحیثیت سکریٹری کے عملی حصہ بھی لیا تھا۔

ان مین تعصب نام کو نہ تھا، ہندو مسلمان سب کو یکسان مانتے تھے۔ اپنے مذہب کے دلی خیرخواہ تھے، لیکن، دوسرے مذاہب کو بھی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ہر کس و ناکس سے اچھی طرح پیش آتے تھے، ادنیٰ آدمی کو بھی ذلیل نہین سمجھتے تھے انکسار بہت تھا۔ اپنے ہم وطنون کا یہان تک ادب کرتے تھے کہ بستی کے اندر تا زیست کبھی کسی سواری پر سوار نہین ہوئے۔ منصفی سنہی گھاٹ کی آمد و رفت مین ہمیشہ اپنے مکان سے کوہی کے کنوئین تک برابر پیدل آیا جایا کئے۔ ان کے خاص دوستون مین لالہ پرمیشر دیال صاحب، لالہ شنکر لال صاحب کمال، مولوی ظفر کریم صاحب وکیل مشہور تھے۔

کتب بینی کا بھی ان کو شوق تھا۔ مگر، زیادہ تر مذہبی کتابین پسند تھین۔ تلسی کرت رامائین، منو اسمرتی، اور جاگیہ ولک اسمرتی کے اردو ترجمے مرغوب الطبع تھے۔

بزرگون کے بقائے نام کا بھی انھین بڑا خیال تھا۔ چنانچہ انھون نے قدیم مکان کو از سر نو درست کرا کر ایک پختہ

خوبصورت مکان کی شکل مین منتقل کرکے آبا و اجداد کا نام زندہ کردیا جس سے ان کی کسی قدر اُولوالعزمی بھی پائی جاتی ہے تخمیناً ۶۰ سال کی عمر مین اِن کا انتقال ہوا۔ گندم رنگ، متوسط قد، دوہرہ بدن، موٹے تازے، ہاتھ پاؤن سڈول، عمدہ مونچھین، نفیس خشخشی داڑھی، سر پر چھوٹے چھوٹے سیاہ بال، بایری حجامت، آبائی وضع۔ اگر کھایا پُرانے چال کی اچکن (ایجاد نصیر الدین حیدر بادشاہ) کرتا، بڑے پائینچے والا پائجامہ، گول ٹوپی یا صافہ، دیسی سیاہ بوٹ (مکسوے دار) عدالت مین حاضری کے وقت یا تقریبون مین اور گھر پر روزمرہ مین سکھ کی دھوتی، دو پلڑی ٹوپی، کرتا پہنتے تھے۔ اکثر قیمتی پوشاک بھی موسم کے لحاظ سے استعمال کرتے تھے۔ اولاد نرینہ کوئی نہیں، صرف ایک لڑکی بیوہ اب تک زندہ۔

افسوس ہے کہ مرحوم نے وکالت کے ذریعہ جو کثیر دولت پیدا کی تھی وہ، نیز آبائی جائیداد (حصۂ زمینداری، زیورات قیمتی کپڑے وغیرہ) دو ثلث کے قریب ایک ناگفتہ بطریقہ سے تلف ہوکر غیرون کے قبضہ میں آگئی، ماتی کی نسبت مقدمہ بازی کی کوششین ہو رہی ہین، جو ملتی صاحب کی ناعاقبت اندیشی کا ایک شرمناک واقعہ ہے۔ اگر اپنی زندگی مین کل جائیداد کا ایک ثلث باضابطہ تحریر کے ذریعہ مستحقین (بیٹی اور چچا زاد بھائی) کو تقسیم کرکے مالقی ۲/۳ حصہ قوم متی کالی پرشاد صاحب مرحوم (گل بھاسکر) کی طرح کسی مفید اور نیک کام کے لئے وقف کر جاتے تو آج یہ تباہ کن اور ناخوشگوار نتیجہ کیون ظہور پذیر ہوتا؟ خاندان مین اِن کے چچا کے لڑکے گنج بہاری لال، کالکا پرشاد عرف دلارے سنیل پرشاد بقید حیات۔ (محلہ محرّران)۔

ساتوین فصل سادھوؤن اور فقیرون کے بیان مین

حضرت مخدوم آبکش دریاآبادی

عارف کامل وئی مشہور، اصل نام شیخ محمد، عرف مخدوم آبکش، قاضی قدوۃ الدین صاحب، عرف قاضی قدوہ۔ (جو کہ سلاطین روم کی نسل سے تھے) کی اولاد مین تھے۔ آپ کے مارہ مین آپ کے خاندانی اصحاب بیان فرماتے ہین حضرت قاضی عبدالکریم سرسنڈوی کے، جو ایک بڑے باخدا درویش اور حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ دہلوی کے خلیفہ تھے، آپ نواسے تھے۔ پہلے اپنے نانا سے تعلیم باطنی پائی، پھر اُن کے حکم سے جونپور مین حضرت شیخ ابوالفتح رحمۃ اللہ علیہ کے بوطنا یہ تیتیہ سلسلہ کے نامی بزرگ تھے، مرید ہوئے اور اُن سے خلافت حاصل کی۔ اُس کے بعد مرشد کے حکم سے قصبہ محمود آباد مین جو دریاباد سے آٹھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، قیام فرمایا۔ اُس زمانہ مین دریاخان، جو شاہان شرقی جونپور کی جانب سے اِس علاقہ کے حاکم تھے، وہ عقیدتمندانہ آپ کی خدمت مین حاضر ہوئے اور بڑے اصرار کے ساتھ آپ کو دریاباد لائے۔ دریاباد اُس وقت دیسرانہ تھا[1]۔ آپ نے یہان تشریف لاکر آبادی کی بنیاد ڈالی، اور اُس کا نام دریاخان کے نام پر دریاباد رکھا۔ یہ واقعہ ۸۴۵ھ کا ہے۔ آپ کی وفات ۸۸۵ھ مین ہوئی، "آفتاب کشت" سے سالِ وفات

[1] راقم کو اس رائے سے اتفاق نہین۔ ملاحظہ ہو باب اول، ذکر دریاباد ۱۲

نکلتا ہے۔ آپ کے کشف و کرامات کے صدہا واقعات زبان زد عوام ہین، جن سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ بہت بڑے عارفِ کامل و صوفیٔ باصفا تھے۔ آپ کے سلسلے مین پشتہا پشت تک مشائخ و علما پیدا ہوتے رہے، جن کے فیض کا سلسلہ نہ صرف نواح دریاباد، بلکہ سارے ہندوستان مین جاری رہا۔ نامور سلاطین دہلی مثلاً شہنشاہ اکبر، شہنشاہ جہانگیر، شاہجہان، شہنشاہ اورنگ زیب کے درباروں سے آپ کی اولاد کے نام جائیدادوں اور معافیون کے پروانے جاری ہوتے رہے۔ ان مین سے بعض فرامین جن پر شاہی مُہرین لگی ہوئی ہین محمد حفیظ الدین صاحب دریاباد ی اسٹیشن ماسٹر کے پاس، جو آپ ہی کی اولاد مین سے ہین، اب تک محفوظ ہین۔ فرامین کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) فرمان جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی بنام فضیلت مآب تقویٰ شعار تورع و تارفلاح آثار شیخ عبدالرحمن و شیخ عبدالباقی معہ فرزندان، موازی دو صد بیگھہ زمین، پرگنہ دریاباد، صفر ۹۸۴ھ (۲) فرمان مظفر الدین محمد سلیم عرف جہانگیر شاہ، بنام تقوی شعار صلاح آثار شیخ جہان و شیخ محمد و شیخ ناصر وغیرہ ماہ ۱۳ سنہ ۱۰۱۰ھ (۳) فرمان جہانگیر شاہ، آراضی معافی ماصہ ۱۱ بیگھہ پرگنہ دریاباد، بنام شیخ عبداللہ، ۱۰۲۵ھ (۴) اللہ اکبر، مہر شاہی، فرمان ابوالمظفر نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ غازی۔ درینوقت فرمان عالی شان سعادت نشان شرف اصدار یافت کہ موازی پنجاہ بیگہ زمین افتادہ لایق زراعت خارج جمع مکز آلہی از پرگنہ دریاباد من عمال سرکار اودھ از ابتدائے خریف لوی سُل برائی خرچ خادمان خانقاہ شیخت مآب شیخ جہان چشتی کوشہ نشین بموجب ضمن مقرر و مفوض باشد کہ حاصلات آن را فصل بہ فصل و سال بسال در وجہ معیشت خود خرچ و صرف نمودہ بدعا گوئی دوام دولت ابد قرین اشتغال می نمودہ باشد می آید کہ حکام و عمال و جاگیرداران دکر دریان حال و استقبال در استمرار و استقرار این حکم اقدس اعلیٰ کوشیدہ آراضی مذکورہ را بیمودہ و چک بستہ بہ تصرف مشار الیہ باز گذاشتہ اصلاً تغیر و تبدیل بدان راہ ندہند و بہ علت بالوجہات و اخراجات مثل شلغہ بیکش و جبر بیانہ و ضابطانہ و مہرانہ و محصلانہ و داروغگانہ و بیکار و شکار و دہ نیمی و مقدمی و صدودی قانونگوئی و ضبط ہر سالہ بعد از تشخیص چک و تکرار زراعت و کل تکالیف دیوانی و مطالبات سلطانی مزاحمت نرسانند درین باب ہر سالہ فرمان و پروانچہ مجدد نہ طلبند و اگر در محلہ یکہ زمین داشتہ باشد آن را اعتبار مکذار فرمودہ در مکذرند در عہدہ تسلیم تحریراً فی تاریخ پنج تہری در ماہ آلہی سنہ ۱۱ (۵) فرمان ابوالمظفر نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ غازی، معافی ۵ بیگھہ پرگنہ دریاباد، سام بی بی نورجہان وغیرہ ۱۰۲۵ھ (۶) فرمان شاہجہان بادشاہ، معافی سو بیگھہ، پرگنہ دریاباد، نام شیخ عبداللہ معہ فرزندان ۱۰۳۹ھ (۷) فرمان شاہجہان بادشاہ، معافی ماصہ گہ، پرگنہ انجونہ بنام شیخ قطب عالم و ورثہ شیخ منصور وغیرہ، ۱۰۴۷ھ (۸) فرمان عالمگیر بادشاہ، معافی ماہ ۱۳ بیگھہ نام ظہرہ وغیرہ، پرگنہ سبیحہ، ۱۰۷۴ھ (۹) فرمان اورنگ زیب شاہ، معافی سو بیگھہ بنام فاطمہ بانو، پرگنہ دریاباد ۱۱۰۰ھ" فرمان نمبر ۴ بہ طور یادگار پورا نقل کر دیا گیا ہے۔

تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے خاندانی بزرگون کے قبضہ مین علاوہ مندرجۂ بالا ایک ہزار آٹھ دن بیگھہ پختہ

آراضی کے چک[۱] جا رمئو، چکوکات کھیوراج پور[۲] وغیرہ، چک دُلہدے[۳] پور، دو موضعے ضلع بہرائچ مین، سرائے سنگی، شیخ پور[۴]، جٹہا، نصف خطیب پور عرف کھتری پور، پورۂ شاہ حوبان عرف کھوبا کا پور وغیرہ مواضعات بھی تھے، جو ذریعۂ ہیچ دُمانی حاصل ہوئے تھے۔ اِن مین سے اکثر مواضعات آپ کی نسل والون کے پاس ابتک موجود ہین۔

واسب العرض شیخ پور سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جنگل کٹوا کر یہ موضع آباد کیا تھا اور چونکہ آپ شیخ تھے اس مناسبت سے موضع کا نام شیخ پور مشہور ہوا جو بعد کو شیخوا پور ہو گیا۔ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ دریا خان صاحب عامل نے چند مواضعات بھی مسانی کے طریق پر آپ کی نذر کئے تھے۔

حضرت مخدوم صاحب کا خاص مجاہدہ یہ تھا کہ کنوئین سے پانی بھر بھر کر لوگون کو پلاتے اور نمازیون کو وضو کراتے تھے۔ اِس خدمت کی بناء پر اُن کا لقب "حضرت مخدوم آبکش" پڑ گیا تھا۔ آپ کا تذکرہ مشائخ کی متعدد کتابون مین موجود ہے مثلاً کتاب مرآۃ الاسرار (فارسی) کتاب خزینۃ الاصفیاء (فارسی) کتاب تذکرۂ اولیائے ہند (اُردو) کتاب حدیقۃ الاولیاء (فارسی) کتاب حکایات احمدی (فارسی) کتاب شیخ نامہ (فارسی) وغیرہ۔ آپ کے خاندان کی تین باتین خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہین۔ (۱) خاندان مین کبھی مقدمہ[۵] بازی نہین ہوئی (۲) علم کا ہمیشہ چرچا رہا اور ہے (۳) خاندان کے اکثر اصحاب وقتاً فوقتاً معزز عہدون پر مامور ہوتے رہے اور اب بھی ہین۔

آپ کے تین صاحبزادے، دو صغر سنی مین فوت ہو گئے، تیسرے صاحبزادے شیخ عبد الحمید قتال کی اولاد مین شاہ عبد الرسول، شیخ جہان چشتی، شاہ حاجی مصطفےٰ، شاہ ابو المظفر، شاہ خوبان رحمۃ اللہ علیہم مشاہیر فقراء مین سے ہوئے ہیں، جن کی نسل اِس وقت تک قائم و موجود۔

آپ کی یادگار مین پختہ مسجد ابتک موجود ہے، جو محلہ ارشاد نیساری کے مکان سے متصل پچھم طرف محلہ محرران مین واقع ہے۔ اِس مسجد کی مرمت وقتاً فوقتاً آپ کے خاندان والے کراتے رہتے ہین۔ آپ کے نام سے محلہ بھی مشہور ہے۔

آپ کا مزار مبارک ڈپٹی حاجی مولوی عبد القادر صاحب مرحوم کے مکان سے متصل موجود ہے۔ ہر جمعرات کو قوالی ہوتی ہے۔ دو برس سے آپ کا عرس (۱۲ ذی الحجہ) کو بڑی دھوم دھام سے ہونے لگا ہے۔ دو روز تک قرآن خوانی اور قوالی کی محفلیں گرم رہتی ہین۔ نامی نامی قوال اپنا کمال فن دکھاتے ہین۔ ۱۹۲۲ء کے عرس مین باہر سے متعدد نامور مشاہیر اصحاب نے شرکت فرمائی تھی۔ مثلاً حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی، حضرت شاہ ممتاز احمد صاحب سجادہ نشین بانسہ شریف، سید سلیمان صاحب ندوی ایڈیٹر رسالہ معارف (اعظم گڈھ) مولانا مسعود علی صاحب ندوی، مولانا ظفر الملک صاحب ایڈیٹر الناظر (لکھنؤ) پروفیسر عبد الباری صاحب ندوی، مولانا صبغۃ اللہ صاحب فرنگی محلی (لکھنؤ) ایڈیٹر صاحب

[۱] و [۲] ملاحظہ ہو حدیقۃ الاولیاء اور معاصر نوشتہ مساۃ زیبات بیرا ماندی صبیہ محمد جمیل ولد شیخ غلام الدین ابن شیخ محمد رفیع

دریا مادی حو کریمان رشید کے پاس موجود ۱۲ [۳] کرم کریم عرف جمید امیان اور مولانا نور کریم صاحب کے بیان مین پروانے ملاحظہ ہون

[۴] ایک مرتبہ اتفاقیہ ایک مقدمہ عدالت میں دائر ہو گیا تھا۔ لیکن صرف پہلی ہی پیشی مین بیان کے بعد فریقین باہم رضامند ہو گئے اور مقدمہ پنچون کے ذریعہ سے فیصل ہو گیا ۱۲

اخبار ہمدرد (لکھنؤ) وغیرہ۔ عرس کے حالات بڑی تعریف و توصیف کے ساتھ اخبار ہمدرد (لکھنؤ) اور رسالہ دین و دنیا (دہلی) مین شایع ہوئے۔ یہ عرس قدیم ہے جدید نہین۔

شاہ عبدالرسول صاحب

اصل نام ابوالفتح، عرف عبدالرسول، شیخ عبدالحمید صاحب قتال کے بڑے بیٹے، درویش کامل اور صاحب معرفت۔ اکبر شاہ کے ایک فرمان مین لکھا ہے کہ: "چون موازی دو صد بیگہ زمین از پرگنہ دریا باد سرکار اودھ بموجب فرمان عالی شان کہ بتاریخ شہر صفر ۹۸۴ھ ہجری باسم قاضی عبدالفتاح بطریق مجمل بہر اشرف ادرنگ رسیدہ در وجہ مدد معاش فضیلت مآب تقویٰ شعار تورع و ثار فلاح آثار شیخ عبدالرسول و شیخ عبدالباقی معہ فرزندان و شیخ ہمین مقرر بودہ" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب اب سے ۳۵۵ برس قبل پیدا ہو چکے تھے اور اکبر شاہ کے زمانے مین ان کے کمالات عام طور پر ظاہر ہو گئے تھے جس کی بنا پر "فضیلت مآب تقویٰ شعار تورع و ثار فلاح آثار" ایسے الفاظ ان کی شان مین شاہی حکم سے استعمال کئے گئے تھے، ساتھ ہی اس کے دو سو بیگھہ آراضی ذریعہ فرمان دربار دہلی سے انھین عطا ہوئی تھی۔ شیخ عبدالباقی صاحب ان کے حقیقی بھائی تھے۔

شاہ صاحب کے دو بیٹے تھے۔ شیخ جہان[1] چشتی اور شاہ قطب[2] عالم۔ شاہ صاحب کا پختہ مزار محلہ مخدوم زادگان مین موجود ہے۔ ہر سال عرس ہوتا ہے، جس کے بانی چھیدا میان تھے۔ آج کل عرس کے مہتمم میان عبدالرشید صاحب ہین جنھون نے مزار کی قدیم خام چار دیواری کو پختہ بنوا دیا ہے۔ (مخدوم زادگان)

حاجی محمد مصطفےٰ شاہ صاحب

شاہ ابوالخیر صاحب کے اکلوتے بیٹے، شاہ عبدالرسول صاحب کے حقیقی بھتیجے، بہت بڑے زاہد و مرتاض، مشہور آفاق ولی اللہ، کعبہ شریف کی زیارت سے مشرف اندوز۔

بیان کیا جاتا ہے کہ دو چلہ گاہ پختہ الماس گنج کی سرا کے باہر (ایک گوشہ جنوب و مغرب، دوسرا اس کے پورب طرف کچھ فاصلہ پر واقع ہے) جو اب تک موجود ہین، وہ انھین کے ہیں، جن مین بیٹھ کر حاجی صاحب دو دو مہینے تک چلہ کشی کرتے تھے۔ حاجی صاحب کے بارہ مین صاحب رسالہ حدیقۃ الارض ارشاد فرماتے ہین:۔

"حاجی محمد مصطفےٰ را باوصف منصب باطنی منصب ظاہری ہم بسیار بہ تونگری انجا میدہند چند حویلی محلسرا بعضے را نام شیش محل و بعضے رنگ محل و چند باغات مثل اللہ باڑی و محمد باڑی وغیرہ و تالاب رعایائی کثیر بود در حکم بادشاہ بود ہم کجا کہ آنجناب خواہند زمین بگیرند ملک ایشان است الحال بعضے از ان زمین بہ تصرف زبردستان بہ فریب و غصب دادہ است چنانچہ عرصہ سہ سال میشود کہ در اولاد دختری ایشان از فتح علی نام چند خانہ رعایا لالہ سورج بلی قانونگو گرفتہ خیوخیا

[1] و [2] ان بزرگون کی نسل مین سات چشتون کے معداب کوئی خاص اولاد باقی نہین ۱۲

آن پانزدہ بیگہ زمین دادہ بعد دو سال آن زمین از قبضۂ شان برآوردہ گرفت ہمچنان تمام زمین و تالاب و باغات را مفسدان بہ غضب بعمل خود ہا در آوردند۔"

ایک کرم خوردہ قلمی نسخہ جناب مولوی عبدالماجد صاحب ناظر بی۔ اے کے کتب خانہ سے دستیاب ہوا ہے، جس مین نہ کتاب کا نام لکھا ہے نہ مولف کی سکونت درج ہے۔ صرف مولف نے اپنا نام رفیع الدین محمدؒ ابن علاء الملک بالچی تحریر فرمایا ہے۔ لیکن، کتاب کے تیسرے صفحہ مین "ذکر حضرت حاجی شیخ مصطفےٰ دریاباد نوشتہ میشود" کی عبارت اس امر کا یقین دلاتی ہے کہ کتاب مذکور مین جو کچھ لکھا گیا ہے، اُس کا تعلق خاص حاجی صاحب ہی سے ہے۔ علاوہ اس کے کتاب کی بعض نظمون سے بھی، جن مین "شیخ دریاباد" نظم کیا گیا ہے، اس کی پوری تصدیق ہوتی ہے۔ یہ کتاب ۳۰ اوراق کی ناتمام ہے اور درمیان کے جابجا سے ۴۶۔ اوراق غائب ہین، جو مہدسون سے ثابت ہوتے ہیں۔ اس لئے حاجی صاحب کے تمام و کمال حالات زندگانی نہین معلوم ہو سکتے تاہم اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ۔

حاجی صاحب ایک زبردست پاکیزہ صوفی، صاحب زہد و تقویٰ، غیر معمولی مشائخ مین تھے، جو اپنے وقت کے بے مثل کامل اور ہر دل عزیز بزرگ ہونے کے علاوہ بہترین عالم و فاضل اور اعلیٰ فقہ دان، ساتھ ہی اس کے بہایت خوش طبع، شگفتہ خاطر اور قناعت پسند بھی تھے۔ ہر دم بدحواس، رنج و ملال سے آزاد، سختی کے ساتھ ہوا و ہوس سے متنفر، ہر حال مین صابر و شاکر رہتے تھے۔ جلال الدین محمدؒ اکبر بادشاہ دہلی کے زمانے مین بہ قید حیات، شیخ الاسلام کے خطاب سے مشہور ۹۰۰ھ مین حج سے مستفیض ہوئے تھے، اور اس سلسلے مین مالوہ، گجرات، احمد آباد، جنور، کابل، خراسان، عراق، ماوراء النہر، روم وغیرہ بھی تشریف لیگئے تھے۔ انھون نے مکہ معظمہ کے دوران سفر مین بدولکہ (احمد آباد کے آگے) سے ایک نفیس باغ کے کل میوے، جو نہایت لطیف و شیرین تھے، خرید کر کے غریبون کو تقسیم کرنے کے بعد دریاباد، رُدولی، سترکھ، لکھنؤ وغیرہ بھی بطور تحفہ روانہ کئے تھے۔ دریاباد کے نواح مین میوؤن کے باغات تیار کرا کے ہر کس و ناکس کے لئے وقف کر دئے تھے، ہر شخص بلا قید مذہب ان باغون سے حسب خواہش میوے حاصل کر سکتا تھا، کسی کو ممانعت نہ تھی۔ نواب وزیر خان بہادر حاکم جنور، قاضی طوالیس حاکم گجرات کے علاوہ کابل و خراسان، عراق و ماوراء النہر وغیرہ کے بزرگ بھی ان کے معتقد ہو گئے تھے ریاضت کے وقت نان خشک کھاتے، مٹی کے پیالے مین پانی پیتے تھے۔ حج کے قبل شاہ صاحب کے والد کا انتقال ہو چکا تھا لیکن ان کی والدہ زندہ تھین، جنھین یہ بے انتہا چاہتے اور انکے دلی فرمانبردار تھے۔ حج سے واپسی کے وقت گجرات مین یہ ایسا بیمار ہو گئے تھے کہ نزع کی نوبت پہونچ گئی تھی، مگر جلد صحت یاب ہو گئے تھے۔ ان کی تین شادیان ہوئی تھین۔ پہلی بی بی کی وفات پر دوسری شادی کرمان (واقع فارس) کے بادشاہ شاہ شجاع کی دختر کے ساتھ ہوئی، جو باوجود تہرۂ آفاق حسین ہونے کے فطری طور پر تقویٰ شعار، نہایت عقیلہ، صابرہ اور شاکرہ بھی تھی۔ تیسرا نکاح مولانا قاسم[۵] کاہی کی بیٹی کے ساتھ ہوا۔ شیخ شریف اور شیخ اسمٰعیل دو بیٹے تھے۔"

---

۵ مولانا قاسم کاہی۔ اوستاد رفیع الدین محمدؒ صاحب مولف سوانح عمری حاجی صاحب موصوف۔ دریاد دہلی مین کسی معزز عہدہ پر ممتاز تھے جس وقت خان زمان دُبہادر خان (حاکمان جونپور) باغی ہو گئے تو، اُن کی سرکوبی کو مولانا موصوف وہان روانہ کئے گئے۔ دہلی سے دریاباد پہونچکر انھین حاجی صاحب کے کشف و کمالات نے اپنا معتقد کر لیا اور اس طرح طرفین مین باہمی رشتۂ قرابت پیدا ہو گیا ۱۲ ماخوذ از ملفوظات حاجی مصطفےٰ۔

مذکورۂ بالا تحریر و اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حاجی صاحب ایک عجیب و غریب صفت کے قابل تعظیم بزرگ تھے
اُولوالعزم رئیس، اچھے دنیادار، بظاہر عرب کے مشہور عالم ولی شاہ عبداللہ احرار کی طرح شان و شوکت کے فریفتہ، بباطن
خدا و رسول کے سچے شیدائی، سخت ریاضت کے پابند، جمیع علوم سے بہرہ ور اور صفاتِ حمیدہ سے موصوف ہونے کے
ساتھ ہی اعلیٰ سیاح و بے مثل جفاکش بھی تھے۔ حیدرآباد سے دہلی اور ہندوستان سے باہر دور دراز ملکوں تک اِن کی کاملیت
کا ڈنکا بج گیا تھا اور جہاں پناہ (شہنشاہ اکبر) بھی اِن کے معتقد ہو گئے تھے۔ شیش محل و رنگ محل کی تعمیر، اللہ باڑی و
محمد باڑی وغیرہ میوؤں کے باغات کا تیار ہو کر خلق اللہ کے لئے وقف ہو جانا، تالابوں کا کھدنا، کثیر رعایا آباد ہونا،
توکل بہ خدا رہ کر ہر وقت طبیعت کو شاد رکھنا، اُس زمانے میں سیر و سیاحت کی غرض سے کابل وغیرہ کی طرف جانا اور
مذہبی فرائض ادا کرنے کے لئے اپنے ملک سے باہر عربستان کی دشوار گذار منزلیں بخوشی طے کرنا، جبکہ دس بیس کوس کا
سفر بھی مصیبت سے خالی نہ تھا، عبادتِ الٰہی کے ساتھ ساتھ انتظام خانہ داری میں مشغول رہنا، کابل و خراسان وغیرہ
کے باشندوں کا معتقد ہونا، بادشاہ ہند کا حکم دینا کہ جہاں مرضی ہو، زمین حاصل کیجئے، سب جناب ہی کی ملکیت ہے وغیرہ
وغیرہ" یہ سب اسی امر کی صاف دلیلیں ہیں کہ حاجی صاحب ایک عجیب و غریب صفت کے بزرگ تھے۔

شیش محل، رنگ محل، اللہ باڑی، محمد باڑی کے دلکش ناموں سے شانِ امارت اور خدا و رسول کی محبت کے علاوہ
شاہ صاحب کی عالی دماغی، ذہانت اور جدت طرازی و اختراع پردازی بھی ظاہر ہوتی ہے۔ مذکورۂ بالا نام اُس وقت کے
ہیں جبکہ خاص ہمارے صوبہ اودھ میں (بارہ اضلاع) اِن سے کسی کے بھی کان آشنا نہ تھے۔ فیض آباد میں گلاب باڑی
اور لکھنؤ میں "شیش محل" کا وجود پونے دو سو برس سے زائد نہیں ثابت ہوتا۔ کیونکہ گلاب باڑی نواب شجاع الدولہ
بہادر کی یادگار ہے جن کے آغاز حکومت کا زمانہ تاریخ کے مطابق ۱۱۷۰ھ ہے اور شیش محل کی تعمیر نواب آصف الدولہ
بہادر کی شاہانہ اُولوالعزمیوں کا نتیجہ ہے، جو ۱۱۸۸ھ میں تخت نشین ہوئے تھے۔ لیکن دریاباد میں یہ نام اب سے
تین سو برس یعنی ۹۰۰ھ کے قبل موجود تھے، جن میں سے آخر الذکر دو نام خاص حاجی صاحب کی ایجاد ہیں، جن
کی اختراع پردازی کا سہرا انھیں کے سر بندھتا ہے۔ باقی اول الذکر دو ناموں میں شیش محل نام کی عمارت قلعۂ آگرہ
میں بھی اکبر شاہ کے حکم سے تیار ہوئی تھی، جبکہ حاجی صاحب موجود تھے، اس لئے یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نام کا موجد کون
ہے؟ اور رنگ محل نامے عمارت اب سے بارہ صدی قبل تعمیر ہوئی تھی، جو قنوج کے قلعہ میں اس وقت تک موجود ہے۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حاجی صاحب نے ۹۷۱ھ میں حج کا سفر کیا تھا۔ اگر سفر کے وقت اِن کی عمر ۳۰ برس
فرض کر لی جائے تو، حاجی محمد مصطفےٰ شاہ صاحب کی پیدائش کا زمانہ ۹۴۱ھ / ۱۵۲۲ء ثابت ہوتا ہے، جسے آج تک چار سو
برس ہوئے۔ اولاد میں شیخ شریف، شیخ اسماعیل، شیخ فقیر اللہ۔ ایک رہن نامہ میں لکھا ہے "منکہ خدادی زوجۂ
رجب علی ولد بابو اللہ عرف میاں فتح علی نواسۂ فقیر اللہ فرزندانِ حاجی مصطفےٰ مرحوم ساکن قصبہ دریاباد ایم"۔ اور
بیعنامہ نوشتہ رعایت اللہ و بیعنامہ نوشتہ مراد علی میں گواہوں کے ذیل میں فتح علی نواسۂ شاہ فقیر اللہ مرقوم ہے
اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ فقیر اللہ حاجی صاحب کے لڑکوں میں سے تھے اور فتح علی انھیں کے نواسے تھے، حاجی

صاحب کے کوئی بیٹی نہ تھی جیسا کہ عام لوگون کا خیال ہے لیکن تعجب ہے کہ انھین فتح علی نے ایک ہبہ نامہ مین اپنے کو حاجی صاحب کا نواسہ قرار دیا ہے اور حدیقۃ الارض سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے۔ یہ دونون دستاویزین میان عبدالرشید کے پاس موجود۔

ان کا پختہ مزار انھین کی مسجد[1] سے متصل محلہ مخدوم راوگان کے مغربی سرے پر ایک پختہ بے چھت کی شکستہ کوٹھری مین واقع ہے۔ مریدون مین مشہور مرید شیخ احمد بن حضرت مخدوم محمد آبکش مولف شیخ نامہ[2] افسوس ہے کہ اب سے ایک صدی قبل حاجی صاحب کی بقیہ یادگارین (باغات و تالاب) خود دست برد زمانہ سے بچ گئین تھین، وہ مفسدون کے ظلم بدعت سے تباہ و برباد ہوکر بے نام و نشان ہوگئین۔ (مخدوم راوگان)

میر نتھا شاہ صاحب

عرف میران نتھا، سنی المذہب، سید، مشہور و معروف عابد، صاحب کرامات۔ ان کے نام سے ایک کچا تالاب اب تک مشہور ہے، جسے "میر نتھا" کہتے ہین۔ یہ تالاب آبادی کے باہر تھوڑی دور پر اتر طرف ٹکیٹ نگر والی سڑک کے قریب ہی واقع ہے، جسکے کنارے دکھن طرف نتھا شاہ کا پختہ مزار ہے۔ لوگون کا بیان ہے کہ قبر کے چارون طرف پختہ دیوار کی تعمیر تھی، جسکی نسبت نتھا شاہ نے مرتے وقت فرمایا تھا کہ "جو شخص چہار دیواری کی ایک اینٹ بھی اپنے کام مین لائے گا وہ تباہ و برباد ہوجائے گا"۔ چنانچہ ایک صاحب نے چہار دیواری کی اینٹین کھدوا کر اپنے مکان مین لگوائین اور وہ تباہ و برباد ہوگئے، نہ ان کے کوئی اولاد ہوئی نہ وہ مکان رہ گیا۔ شاہ صاحب کا زمانہ حیات اب سے تین سو برس پیشتر دریافت ہوا ہے۔

حضرت شیخ سلاح

اصل نام نہین معلوم عرف شیخ سلاح، بعض شیخ سلا بھی کہتے ہین، مشاہیر مین سے ایک خدا پرست بزرگ تھے۔ شیخ سلاح کے نام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ اسلحہ ساز تھے۔ شاہ صاحب کا زمانہ حیات اب سے تخمیناً ڈھائی تین سو برس قبل بیان کیا جاتا ہے۔ ان کی پختہ قبر ایک خام چہار دیواری کے اندر پختہ سڑک اور تلک رام کلوار کے مکان سے متصل دکھن طرف مغلن ٹولہ مین واقع ہے۔ دو برس سے سید اللہ بن قصا کے زیر اہتمام چندہ کے ذریعہ سے عرس بھی ہونے لگا ہے۔

شیخ جہان چشتی گوشہ نشین

شاہ عبدالرسول صاحب کے بڑے بیٹے، مشہور درویش، صاحب کشف و کمالات۔ جہانگیر شاہ کے ایک

---

[1] اس عالی شان مسجد مین غسل خانہ، مسافر خانہ کے علاوہ پختہ حوض اور پختہ کنوان بھی تھا موجودہ نشان سے پایا جاتا ہے کہ مسجد کی بنیاد ۵ فٹ ۳ انچ تھی آج کل اس کی زمین پر ایک دوسری شکستہ مسجد تعمیر ہوا جس کو نواب الصفا کی طرف سے بنوائی گئی تھی۔ [2] اس کتاب مین حاجی مصطفےٰ شاہ صاحب کے حالات زندگی لکھے گئے تھے اور صمد دریا باد کے قلعہ، مزار، سرا وغیرہ کا حال بھی درج کیا گیا تھا لیکن، اب یہ کتاب نایاب ہے

فرمان مین "پنجاہ بیگہ آراضی واقع پرگنہ دریاباد برائے خرچ خادمان خانقاہ مشیخت مآب شیخ جہان چشتی کوشہ نشین" دوسرے فرمان مین، تقویٰ شعار صلاح آثار شیخ جہان" تحریر ہے، جو اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ حضرت شیخ جہان کو دربار دہلی سے مشیخت مآب اور تقویٰ شعار صلاح آثار" کا خطاب حاصل تھا اور جہانگیر شاہ نے خانقاہ کے خادمون کی گذر اوقات کے لئے پچاس بیگہ آراضی بطور معافی عطا فرمائی تھی۔ دیگر شاہی فرمانون سے معلوم ہوتا ہے کہ چھیاسٹھ بیگہ پختہ آراضی دربار اکبری سے ۹۸۷ھ مین خاص طور پر انھین ایام طفولیت مین عنایت ہوئی تھی اور دو سو تراسی بیگہ پختہ آراضی جہانگیر شاہ و شاہجہان (بادشاہان دہلی) نے ۱۰۱۱ھ و ۱۰۴۷ھ کے درمیان ان کو اور ان کے بیٹے اور بھائی، نیز چچا زاد بھائیون کو مرحمت فرمائی تھی۔ انھین فرمانون سے شاہ صاحب کا ۹۸۷ھ کے قبل پیدا ہونا اور ۱۰۴۷ھ مین بقید حیات رہنا بھی ثابت ہوتا ہے۔ اولاد مین محمد دائم عرف محمد میان۔ ان کا مزار پختہ ان کے والد کے مزار سے قریب ہی واقع ہے۔ (مخدوم زادگان)

شاہ ابو المظفر صاحب

مخدوم شیخ زاہد صاحب عرف عبد الباقی کی دوسری پشت مین شیخ صدر الدین صاحب کے بیٹے، قابل تعظیم بزرگ ان کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ "یہ بغداد شریف سے حضرت شیخ عبد القادر صاحب جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا جبہ مبارک بطور تبرک لائے تھے، جو اب تک میان رشید صاحب کے پاس موجود ہے اور عقیدتمند لوگ اس کی زیارت سے مستفیض ہوتے ہین" شاہ صاحب کا اپنے وطن سے باہر صدہا کوس کی منزلین طے کرکے غیر ملک کو اس وقت تشریف لیجانا، جبکہ راستے نہایت مخوف اور سفر کے آسان ذرائع مفقود تھے، کوئی معمولی بات نہ تھی۔ اس سے ان کی عقیدتمندانہ علو ہمتی اور جفاکشی اچھی طرح ثابت ہوتی ہے۔ ان کا زمانہ حیات اورنگ زیب کا عہد حکومت پایا جاتا ہے۔ مزار پختہ مخدوم زادگان مین جھیدا میان کی مسجد سے متصل واقع ہے۔ مزار کی خام دیواری کو میان عبد الرشید صاحب نے پختہ تعمیر کرا دیا ہے اور ساتھ ہی اس کے گلاب، بیلا، چمبیلی، ہار سنگار وغیرہ پھولون کے درخت بھی نصب کرا دئے ہین۔ شاہ صاحب کا عرس ہر سال ۱۱۔ ذی الحجہ کو میان صاحب موصوف کے زیر اہتمام ہوتا ہے۔ اولاد مین شاہ محمد رفیع۔ (مخدوم زادگان)۔

شاہ ابو الخیر صاحب

عرف شاہ سدھاری و شاہ خوبان، شیخ ابو الفتح عرف شاہ عبد الرسول صاحب کی نسل مین شیخ مبارک محی الدین صاحب کے بیٹے، اولیائے کرام مین سے ایک بزرگ شخص تھے، جن کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ یہ حضرت قطب الاقطاب سید شاہ عبد الرزاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانسوی کے چوتھے خلیفہ تھے۔ زمانہ حیات اب سے دو سو برس قبل۔

مناقب رزاقیہ مسمہ ملفوظ رزاقی (مولفہ نواب محمد خان صاحب شاہجہان پوری، مطبوعہ مجتبائی لکھنؤ، ۱۳۰۳ھ صفحہ ۱۷۴) حضرت شاہ عبد الرزاق صاحب کے تذکرے مین ذیل کی عبارت مرقوم ہے:۔

ت اِنھوں نے ۱۰۰۰ھ مین سرائے سکھی خریدا تھا۔ ان کی بی بی مسماۃ زہرہ کو ماہ سیکھ اولیوتی فاطمہ مانو کو ایک سو بیگھہ آراضی اورنگ زیب بادشاہ کے دربار سے بذریعہ فرامین ۱۰۴۷ھ و ۱۰۶۰ھ مرحمت ہوئی تھی۔ ان کی نسل اب تک قائم ہے۔

"ذکر حضرت شاہ ابوالخیر عرف شاہ سدھاری قدس اللہ سرہٗ ساکن قصبہ دریاباد قوم قدوائی از فرزندان مخدوم قاضی عبدالکریم کہ یکی از اولیائے اللہ بود و در موضع سرسنڈا مدفون است چون بحضور حضرت قطب الاقطاب قدس سرہٗ حاضر شد و بشرف بیعت مشرف گردید و بہ تعلیم و تلقین اذکار و اشغال سرفرازی یافت و در اکتساب اشغال جد و جہد نمود پس بہ اندک توجہ پیر و مرشد رحق کامیاب مطالب شد و بدرجہ اعلیٰ و مراتب ولی رسید و صاحب کشف و کرامات و خوارق عادات شد و در قصبہ مذکور مدفون گردید قدس اللہ سرہ العزیز و سال و تاریخ وفات معلوم نگشتہ کہ بقلم آوردہ میشد۔"

اس سے پایا جاتا ہے کہ شاہ خوبان صاحب حضرت شاہ عبدالرزاق صاحبؒ مانسوی کے مرید تھے (تاریخ وفات شاہ عبدالرزاق صاحب شوال ۱۱۳۲ھ) اور اپنے مرشد کی تعلیم و تلقین کے بموجب ریاضت میں مشغول ہو کر مراتب اعلیٰ حاصل کر کے صاحب کشف و کرامات ہو گئے تھے۔

شاہ صاحب عارف کامل اور صاحب اہل و عیال ہونے کے ساتھ ساتھ پورہ شاہ خوبان جھٹا دو مواضعات کے زمیندار بھی تھے۔ اول الذکر موضع خود انھیں کا آباد کردہ ہے جو ان کے نام سے موسوم ہو کر "پورہ شاہ خوبان" مشہور ہوا اصل نام اس کا محمد پور تھا۔ حدیقۃ الارض میں تحریر ہے کہ جھٹا معافی و زمینداری شاہ ابوالخیر بود۔" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کو موضع جھٹا دربار شاہی سے بطور معافی عطا ہوا تھا جو ان کے صاحب کمال ہونے کی اعلیٰ دلیل ہے۔ پورہ شاہ خوبان عرصہ سے ریاست ہٹرا میں شامل "اور کھوبا کا پرُوا" کے نام سے مشہور ہے۔ موضع جھٹا کو شاہ صاحب کی نسل میں بی بی پیاری نے ذریعہ دستاویز ہبہ نامہ مرقومہ ۱۲ جون ۱۸۹۹ء شیخ کرم کریم عرف چھیدا میاں کے حوالہ کر دیا تھا، جو اُن کے خاندان میں اب تک موجود ہے۔

شاہ سدھاری صاحب کا مزار پختہ حلقہ کے اندر مخدوم زادگان میں مولوی مظفر کریم صاحب کے مکان کی پشت پر واقع ہے۔ اولاد میں غلام ذکریا اور غلام میر بخش۔ (مخدوم زادگان)۔

قاضی دانا شاہ صاحبؒ

شیخ انصاری، از نسل قاضیان دریاباد، صاحب تقویٰ، مشہور و معروف ولی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ دانا شاہ اور مشتاق شاہ (پنسارا متصل بلکھرہ) ملامت شاہ (بدوسرائے) بابا جگ جیون داس میں باہم اتحاد قلبی قائم تھا۔ ڈسٹرکٹ گزٹ بارہ بنکی سے پایا جاتا ہے کہ مہاتما جگ جیون داس سنہ ۱۶۶۱-۱۶۸۳ بکرمی میں بہ قید حیات تھے، اس سے دانا شاہ کا زمانہ حیات اب سے دو سو برس قبل ثابت ہوتا ہے۔

ان کا مزار ایک بلند اور مخروطی چبوترے پر بستی کے باہر بجانب گوشۂ شمال و شرق ایک تالاب میں واقع ہے، جو انھیں کے نام سے مشہور ہے۔ اس تالاب میں ہر سال قصبہ کے تعزیے دفن کئے جاتے ہیں اور محرم کی دسویں تاریخ کو یعنی عشرہ کے دن یہاں ایک میلہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ سالانہ عرس بھی ہوتا ہے۔ افضل التواریخ (مولفہ منشی رام سہائے صاحب تمنا لکھنوی) میں اس مزار کا ذکر ہے۔ مزار اور چبوترہ دونوں خام ہیں بعضوں کا بیان ہے

کہ دانا شاہ کا یہ مزار اصلی نہین ہے، نقلی ہے، کیونکہ وہ کسی دوسرے مقام پر فوت ہوئے تھے (قصیاء حال مخدوم رادگان)

شیخ افضل شاہ صاحب

نامی فقیر، یہ مجرد تھے۔ پورب پھاٹک کے باہر تھوڑے فاصلہ پر ان کا تکیہ ان کے نام سے مشہور ہے، جس مین ان کی پختہ قبر اور ایک پختہ چھوٹا سا کنوان اب تک موجود ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ "اس تکیہ مین ایک مسجد بھی تھی"، جس کا اب کوئی نشان بھی نہین۔ لیکن، جا بجا پڑی ہوئی اینٹین ضرور اس بات کا پتہ دیتی ہین کہ کسی وقت یہان کوئی پختہ عمارت تھی۔ تکیہ کے پاس ایک چھوٹا سا گہرا تالاب ہے، "جسے افضل شاہ کی گڑھئی" کہتے ہین۔ زمانۂ حیات اب سے تخمیناً دو سو برس قبل۔

فخر وطن قاسم شاہ صاحب

اصل نام محمد قاسم، اعلیٰ صوفی ہونے کے ساتھ ساتھ بھاشا زبان کے روشن خیال و معنی آفرین شاعر اور شاعری و فقیری دونون مین مشہور و معروف، ہنس جواہر کے مصنف۔

ہنس جواہر سے پتا چلتا ہے کہ قاسم شاہ کے باپ کا نام "امان اللہ" تھا، سُنی المذہب، شاہ محمد اشرف صاحب (ساکن سلون، ضلع رائے بریلی) کے مرید اور محمد شاہ اول سلطان دہلی کے زمانے مین بہ قید حیات تھے۔

بعضون کا بیان ہے کہ "قاسم شاہ بازارون کے محلے مین رہتے تھے اور خود شاہی مازدار تھے۔ انھون نے اپنا آبائی پیشہ ترک کر کے خدا پرستی کا اعلیٰ شیوہ اختیار کیا، جسکی وجہ سے یہ کامل ہو گئے"۔ بعض انھیں مسلمانون کے ادنیٰ طبقہ مین شمار کرتے اور دلیل مین ہنس جواہر کے یہ مصرعے پیش کرتے ہین "قاسم نانون جات کا ہینا" + "تہون بیچ بدھ کین کمینا"۔ بعض، خوش عقیدہ حضرات "جات کا ہینا" اور "کمینہ" سے عاجزی و انکسار مراد لیتے ہین اور عقل سلیم اسے تسلیم کرتی ہے۔ لیکن یہ نہین کہا جا سکتا کہ شاہ صاحب کا اسلام کے کس فرقہ سے تعلق تھا، شیخ سید تھے یا مغل، پٹھان۔

ہنس جواہر کا ایک قدیم مطبوعہ نسخہ فرنگی محل کے کتب خانہ سے دستیاب ہوا ہے، جس کے ٹائٹل پیج پر یہ عبارت درج ہے: "کلام بلاغت نظام مقبول انام مطبوع صاحبان ہنر اعنی رموز الفقرا معروف بہ ہنس جواہر تصنیف شریف درویش حق آگاہ سرمایہ نیک نہادی حضرت قاسم شاہ دریا آبادی مطبع ثمر ہند لکھنؤ مین چھپا"۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہنس جواہر کا اصلی نام "رموز الفقرا" تھا، جو اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ شاہ صاحب فارسی و عربی دان بھی تھے۔ لیکن، بھاشا زبان کی تصنیف کا نام فارسی یا عربی زبان مین ہونا بالکل بے جوڑ اور نامناسب، بلکہ غیر فصیح معلوم ہوتا ہے۔ غالباً یہ جدت ان کے بعد کسی خوش عقیدہ حضرت کی ہے۔

شاہ صاحب خدا پرستی اور سخن پرستی کے سلسلے مین اعلیٰ وطن پرست بھی ثابت ہوتے ہین۔ ہنس جواہر مین دریا باد کے متعلق جو غیر مبالغہ آمیز دلکش اشعار نظم کئے گئے ہین وہ اس بات کی بخوبی شہادت دیتے ہین۔ ان اشعار کا ترجمہ باب اول مین درج ہو چکا ہے، اس لئے اس مقام پر ان کے اظہار کی ضرورت نہین۔

ان کا نام فقیرانہ اور شاعرانہ دونون حیثیتون سے علیحدہ علیحدہ کتابون مین دیکھا گیا ہے۔ لیکن، کسی کتاب

کہ دانا شاہ کا یہ مزار اصلی نہین ہے، نقلی ہے، کیونکہ وہ کسی دوسرے مقام پر فوت ہوئے تھے (قصیاء حال مخدوم زادگان)

شیخ افضل شاہ صاحب

نامی فقیر، یہ مجرد تھے۔ پورب پھاٹک کے باہر تھوڑے فاصلہ پر ان کا تکیہ ان کے نام سے مشہور ہے، جس مین ان کی پختہ قبر اور ایک پختہ چھوٹا سا کنوان اب تک موجود ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ "اس تکیہ مین ایک مسجد بھی تھی"، جس کا اب کوئی نشان بھی نہین۔ لیکن، جا بجا پڑی ہوئی اینٹین ضرور اس بات کا پتہ دیتی ہین کہ کسی وقت یہان کوئی پختہ عمارت تھی۔ تکیہ کے پاس ایک چھوٹا سا گہرا تالاب ہے، "جسے افضل شاہ کی گڑھئی" کہتے ہین۔ زمانۂ حیات اب سے تخمیناً دو سو برس قبل۔

فخر وطن قاسم شاہ صاحب

اصل نام محمد قاسم، اعلیٰ صوفی ہونے کے ساتھ ساتھ بھاشا زبان کے روشن خیال و معنی آفرین شاعر اور شاعری و فقیری دونون مین مشہور و معروف، ہنس جواہر کے مصنف۔

ہنس جواہر سے پتا چلتا ہے کہ قاسم شاہ کے باپ کا نام "امان اللہ" تھا، سُنی المذہب، شاہ محمد اشرف صاحب (ساکن سلون، ضلع رائے بریلی) کے مُرید اور محمد شاہ اول سُلطانِ دہلی کے زمانے مین بہ قید حیات تھے۔

بعضون کا بیان ہے کہ "قاسم شاہ بازدارون کے محلّے مین رہتے تھے اور خود شاہی مازدار تھے۔ انھون نے اپنا آبائی پیشہ ترک کر کے خدا پرستی کا اعلیٰ شیوہ اختیار کیا، جسکی وجہ سے یہ کامل ہو گئے"۔ بعض انھیں مسلمانون کے ادنیٰ طبقہ مین شمار کرتے اور دلیل مین ہنس جواہر کے یہ مصرعے پیش کرتے ہین۔ "قاسم نانون جات کا ہینا" + "تہون بیچ بدھ کین کمینا"۔ بعض، خوش عقیدہ حضرات "جات کا ہینا" اور "کمینہ" سے عاجزی و انکسار مراد لیتے ہین اور عقل سلیم اسے تسلیم کرتی ہے۔ لیکن یہ نہین کہا جا سکتا کہ شاہ صاحب کا اسلام کے کس فرقہ سے تعلق تھا، شیخ سیّد تھے یا مغل، پٹھان۔

ہنس جواہر کا ایک قدیم مطبوعہ نسخہ فرنگی محل کے کتب خانہ سے دستیاب ہوا ہے، جس کے ٹائٹل پیج پر یہ عبارت درج ہے: "کلام بلاغت نظام مقبول انام مطبوع صاحبان ہنر اعنی رموز الفقرا معروف بہ ہنس جواہر تصنیف شریف درویش حق آگاہ سرمایہ نیک نہادی حضرت قاسم شاہ دریا آبادی مطبع ثمر ہند لکھنؤ مین چھپا"۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہنس جواہر کا اصلی نام "رموز الفقرا" تھا، جو اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ شاہ صاحب فارسی و عربی دان بھی تھے۔ لیکن، بھاشا زبان کی تصنیف کا نام فارسی یا عربی زبان مین ہونا بالکل بے جوڑ اور نامناسب، بلکہ غیر فصیح معلوم ہوتا ہے۔ غالباً یہ جدّت اُن کے بعد کسی خوش عقیدہ حضرت کی ہے۔

شاہ صاحب خدا پرستی اور سخن پرستی کے سلسلے مین اعلیٰ وطن پرست بھی ثابت ہوتے ہین۔ ہنس جواہر مین دریا باد کے متعلق جو غیر مبالغہ آمیز دلکش اشعار نظم کئے گئے ہین وہ اس بات کی بخوبی شہادت دیتے ہین۔ ان اشعار کا ترجمہ باب اول مین درج ہو چکا ہے، اس لئے اس مقام پر اُن کے اظہار کی ضرورت نہین۔

ان کا نام فقیرانہ اور شاعرانہ دونون حیثیتون سے علیحدہ علیحدہ کتابون مین دیکھا گیا ہے۔ لیکن، کسی کتاب

میر محمد غوث صاحب

عرف میران غوث، سنی المذہب، سادات رضویہ مین سے ایک صاحب کمال اور نامی بزرگ تھے۔ دو شاہی فرمانون سے پتا چلتا ہے کہ میران غوث کو ۵۰ بیگھہ اور ان کے بزرگ سید سلیمان شاہ کو ۴۳ بیگھہ ۴ بسوہ آراضی دریا دہلی سے عطا ہوئی تھی۔ بعض لوگون کا بیان ہے کہ "میران غوث کے پاس کثیر آراضی تھی جسکی بابت ان کے یہان شاہی فرامین تھے جو ان کی نسل والون کی غفلت سے تلف ہو گئے۔ علاوہ آراضی کے پچاس ساٹھ مکانون کا سکنہ بھی ان کے قبضہ مین تھا، جسکی آبادی "میران نگری" کے نام سے مشہور تھی۔ ان مکانون مین کئی ایک مکان پختہ دو منزلے سہ منزلے تھے۔ ذاتی مکان میران غوث کا سہ منزلہ تھا، مکان کا پھاٹک اُتر جانب تھا۔ یہ مکان راجہ صاحب ہڑا ہا کے ہاتھ بیچا گیا تھا۔ آج کل اس برباد شدہ سکنہ کے متعلق بیس بچیس مکانون مین سے صرف گیارہ مکان ان کی نسل والون کی ملکیت مین ہین۔ پختہ مکانات منہدم ہو کر فروخت ہو گئے، باقی مکانات پر ذریعہ بیعنامہ رائیصاحب بہادر قابض ہین۔ میران نگری کا نصف حصہ مردہی محلہ مین اور نصف جھیبی محلہ مین شامل ہو گیا ہے"۔ ایک کرایہ نامہ مین لکھا ہے:۔ منکہ شیخ حیدر سوار رسالہ محمد رضا بیگ رسالدار ایم چون کہ یک منزل حویلی تعمیر کلی ملوکہ میر رجب علی و زین علی رو سار قصبہ دریا آباد بکرایہ یک آنہ ماہواری برائی اقامت متعلقان خود از ابتدائی شہر محرم ۱۲۴۸ھ ہجری مقرر نمودہ گرفتم ..... غرہ محرم الحرام ۱۲۴۸ھ ہجری"۔ اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ میران غوث کے پاس بہت سی آراضی تھی جسکی بدولت ان کے بعد ان کے پوتے رجب علی و زین علی دریا باد کے رئیس کہلاتے رہے۔ یہ کرایہ نامہ شاہ صاحب کے خاندان والون کے پاس موجود، جس مین دریا باد کے خاص خاص چودھری و قانونگو رئیسون کی گواہیان تحریر ہین۔

میران غوث کے بیٹے میر علی کی اولاد مین زین علی و رجب علی ۱۲۴۸ھ مین موجود تھے۔ اس سے شاہ صاحب کا زمانہ حیات اب سے تخمیناً ڈیڑھ سو برس قبل پایا جاتا ہے۔ نسل مین میر شمشیر علی بقید حیات۔

پیرا شاہ صاحب

اصل نام پیر بخش، عرف پیرا شاہ، سنی المذہب، روشن ضمیر اور مجذوب درویش بہت بڑے نامی گرامی فیاض باکمالون مین سے تھے۔ روایت ہے کہ نواب آصف الدولہ بہادر ان کے بڑے معتقد تھے۔ چنانچہ جب نواب صاحب اپنی والدہ بہو بیگم صاحبہ کی خدمت مین قدمبوسی کے لئے لکھنؤ سے فیض آباد جاتے تھے[ص] تو اثنار راہ مین دریا باد کے مقام پر ہاتھی سے اُتر کر پیرا شاہ کی خدمت مین حاضر ہو کے ایک ہزار روپیہ نذر کرتے تھے۔ اور اسی طرح فیض آباد سے واپسی کے وقت۔ پیرا شاہ اس روپئے کو بازار مین لٹا دیتے تھے۔ علاوہ اس کے یہ بھی مشہور ہے کہ "دیوان روشن لال صاحب کی ترقی پیرا شاہ کی دعا کی برکت سے ہوئی تھی۔ انکا مزار پختہ ٹیڑھی بازار مین ہے اور ہر سال عرس ہوتا ہے

ص یہ سفر مہینے مین چار مرتبہ ہوتا تھا ۱۲۔

پیر اشاہ کا زمانۂ حیات اب سے سوا سو برس قبل ثابت ہونے کی سا، یر اِن کے پورے حالات نہ معلوم ہونا ایک افسوس ناک کمی ہے۔

بابا بابا شدیو داس جی

نامور سادھو، بڑے ذی علم اور یوگ کے ذریعہ صاحب کرامات۔ مہابیر جی کے مندر مین جسے اب پورندا س کی ٹکیہ کہتے ہین، رہتے تھے۔ انھین کی نسل مین لچھمن داس کے بیٹے بھگوانداس اور پوتے پورنداس تھے۔ باباجی کا زمانۂ حیات اب سے تخمیناً ڈھائی تین سو برس قبل دریافت ہوا ہے۔

بابا ہجے رام داس جی

اپنے وقت کے مشہور مہاتما، علم یوگ کے زبردست ماہر، دو ڈھائی سو برس کا زمانہ ہوا کہ یہ قید حیات تھے۔ افسوس ہے کہ باوجود کوشش اِن کے حالات کچھ بھی نہ معلوم ہوئے۔

تیسرا باب

رؤسا و شرفا اور معززین کا بیان

پہلی فصل رئیسون کے بیان مین

راجہ دینا ناتھ صاحب

اصلی نام دینا سنگھ عرف دینا ناتھ، گوڑ کائستھ، راجہ پربھو دیال صاحب کے فرزند چہارم، اقبال مند، خوش نصیب صاحب جاہ و حشمت، بہت بڑے شجاع، اولوالعزم، عالی ہمت، فیاض، نامی گرامی رئیسون مین تھے۔

سمبت ۱۹۰۱ کرمی مطابق ۱۸۴۴ء کی ایک یادداشت مین (جو اُجین کے ایک گوڑ صاحب کے یہان بہی مین لکھی ہوئی ابتک موجود ہے) تحریر ہے:۔ "راجہ پربھو دیال سنگھ نے جناب بادشاہ عالم پناہ تیمور شاہ بادشاہ غازی کی کچہری مین پایہ منشی گری کا پایا۔ تب سب پلوار (خاندان) قدیم اپنے اپنے گانون قدیم مین بسے۔ بعد تھوڑے روز کے گوڑ کل راج راجہ پربھو دیال اور راجہ دینا ناتھ دریابادی اور راجہ مہابل رائے نظام آبادی اور راجہ مدن سنگھ بڑہریا اور راجہ ہیرالال بھدوریہ ساتھ تیاری لشکر کے کاسن دیس مون (مین) گئے اور راجہ جیار سنگھ بعد تیاری لشکر اپنے سے میدان مون (مین) پیش آئے اور بارہ روز جنگ سرگرم رہا۔ راجہ پربھو دیال سنگھ فتح پایا۔ کل حال گوڑون کا گوڑ نبش کی پوتھی سے صاف ظاہر ہے"۔ اس یادداشت کی نقل "تذکرۂ شوچار و نشی" کے صفحہ ۹ تا لغایت ۱۸۱ کے درمیان ضمیمہ (ج) تحریرات اُجین کے ذیل مین درج ہے۔

"سنشے موچن" (راجہ دنیا ناتھ دریابادی کی خاندانی تاریخ) کا مصنف ہندی مین رقم طراز ہے :- پربھو دیال کے پانچ کمار ۔ پانچو پانچ دیس سردار ۔ کھیو سر جیٹھ سیدھ پرنگرا ۔ تاس تنے بہ سیل اجگرا ۔ گے اُجین اُدو سے گن آگر برہل ماہو آئے ساگو دریابادی دنیا سنگھ گئے ۔ ہرمن ترن کے سنگ بھئے (ذکر شادی و جنگ کاس) دریابادگو اک سوار باتی دیو دنیا بلوار ۔ چلیو تبنو اور قنات ۔ ساج دنیا چلے رات ۔ پرتھو تا دیا ہے اپار ۔ قلم کاغذ جات ہار ۔ (مصرعہ آتین سہسر گج اونٹ رتن پالکی سات سے (اشعار) پانچ سہس سنگ بیدل رہیو ۔ اُیر وہت سوں پونچھت بھیو ۔ دل دنیائے رن مین آیو ۔ گوڑ راج لکھ اَت سکھ پایو (دریابادمین سنگ) بلو تاب آچرج کینا ۔ دریا پر پڑ دنکا دینا ۔ پانچ سمرتا سو کیو دنیا ۔ ریت کہہ جیت بہر حش لینا (جنگ بلونڈا) دریا پر پہونچے کل راجا ۔ ہر کھونت تھے دریا راجا ۔ بیدھ بھانت سے بھئی نہنائی ۔ رجیو سن سون برن بنجائی (مصرعہ روزن آلھا) دریا پر کی فوج چلی ہے راجا گوڑ بھو آر (اشعار) چلی فوج سون برن بنجائی ۔ بلونڈا پر کین جو طعائی ۔ آئے ساج بلونت میدانا ۔ ہوت مہارن نہیں جات بکھانا ۔ تھا اناتھ بلونڈ پر جہین ۔ دیا دہائی بھر گئی تہین ۔ بیس دیوس تہنہ رہیو سما جا ۔ مین بدا بھئے سکل مہراجا"

تذکرہ شوچار دنستی (مطبوعہ گوڑ کائستھون کی تاریخ) مصنفہ پروفیسر رامداس صاحب گوڑ ایم۔ اے، بنارسی، صفحہ ۱۵-۱۶) مین لکھا ہے :- "انگ دیش گوڑ دیش کا ایک صوبہ تھا، وہان سے وبا پھیلنے کے باعث لوگ ہر چہار طرف بھاگے اور دور دور جاکر آباد ہوگئے۔ چنانچہ چودہ گھر گوڑون کے دکھن مین اُس مقام پر جاکر آباد ہوئے جو اب اورنگ آباد کے نام سے مشہور ہے۔ بارہ گھر بہ سرپرستی موہن لال کاسن مین جاکر آباد ہوئے یہ زمانہ غلام بادشاہان کے زوال اور خلجی کے عروج کا تھا جسے تیرھوین صدی کا اخیر اور چودھوین کا شروع سمجھنا چاہیے۔ موہن لال کی پانچوین پشت مین پربھو دیال اور سبحان سنگھ ہوئے جو کاسن مین مقیم تھے۔ کاسن کے فرمانروا کے دو دیوان منتی رنجیت سنگھ اور منتی اجیار سنگھ بھٹناگر کائستھ تھے۔ انھین کی اعانت اور رسوخ سے وہان کے فرمانروا نے دونون گوڑ بھائیون کو ملازمت اور جاگیر دی تھی۔ اجیار سنگھ نے اپنے لڑکے کی شادی پربھو دیال کی لڑکی سے کرنا چاہی۔ چونکہ پربھو دیال کو معلوم ہو چکا تھا کہ اجیار سنگھ کی اولاد سوریہ زادہ ہے، اس لئے پربھو دیال نے انکار کیا اس انکار سے اجیار سنگھ وغیرہ ناراض ہوگئے اور گوڑ اصحاب وہان سے بھاگ نکلے اور دھرم پنڈت بدایونی کے یہان جو دہلی مین مقیم تھے پناہ لی۔ اُس وقت انقلاب زمانہ سے خاندان لودی برباد ہوا اور بابر تخت نشین ہوا۔ پربھو دیال تیموری دربار مین مصاحبت سے فیضیاب ہوکر راجہ کے خطاب سے سرفراز ہوئے، اور رفتہ رفتہ دیگر صاحبان گوڑ بھی دربار شاہی

---

۱ اس مین راجہ دنیا ناتھ صاحب دریابادی کے خاندانی و واقعاتی حالات نظم کئے گئے ہیں جنھین راجہ صاحب ممدوح کے حقیقی بھائی لکھیو سر داس یادداشت کے طور پر لکھ کے فوت ہوگئے تھے، اُن کے بعد اُن کے پوتے سوامی داس نے اب سے دو سو برس قبل اس یادداشت کو بھاشا نظم کا لباس پہنا کر اپنے بزرگون کی قابل قدر یادگار قائم کردی۔ لیکن افسوس ہے کہ اس وقت تک یہ کتاب غیر مطبوعہ ہے جسکی ایک نقل بخط فارسی پروفیسر رامداس صاحب گوڑ ایم۔ اے۔ فارسی کے کتب خانہ مین موجود ۱۲ ۲ ۳ ۴ ۵ "دریا پر" مراد دریاباد سے اور دربار راجا سمراد راجہ دنیا ناتھ دریابادی سے ۱۲ ۶ بلونڈ پر مراد بلونڈا سے جو دراصل بلونت پور تھا ۱۲ ۷ دہلی سے پچھم طرف ۱۲ ۸ دہلی سے متصل پورب طرف ۱۲۔

بن مہدہ جلیلہ پر فائز ہوئے۔ یہ واقعہ ۱۵۲۶ء اور ۱۵۳۰ء کا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد پربھو دیال، راجہ دنیا ناتھ گوڑ دریا آبادی، راجہ مہابل رائے نظام آبادی، راجہ بدل سنگھ بڑہریا، راجہ ہیرا لال بندو ہے، فوج کشی کرکے کسی تقریب سے کاسن گئے اور وہان اُجیار سنگھ سے سخت خونریز جنگ ہوئی۔ گوڑ کائستھون کو فتح اور اُجیار سنگھ کو شکست ملی، اور وہ قید ہوا۔"

مختصر تاریخ اقوام الکائستھ حصہ اول صفحہ ۹۱ و ۹۲ (مولفہ بابو گوپی ناتھ سنگھ صاحب بی۔ اے دریا بریلوی) مین رقم ہے کہ۔ "راجہ دنیا ناتھ گوڑ دریا بادی و راجہ مہابل رائے نظام آبادی وغیرہ مشہور رؤسائے ہند تھے۔"

اقتباسات مذکورۂ بالا سے واضح ہوتا ہے کہ راجہ دنیا ناتھ صاحب کے بزرگ موہن لال صاحب نے چودھویں صدی عیسوی کے آغاز مین وبا پھیلنے کے باعث اپنے وطن گوڑ دیش سے بھاگ کر کاسن مین سکونت اختیار کرلی تھی اُن کی اولاد مین راجہ پربھو دیال صاحب بہ عہد بابر بادشاہ دہلی سلطانی مصاحب تھے اور راجگی کا خطاب مرحمت ہوا تھا۔ راجہ صاحب کے پانچ بیٹے کھیو سرداس (کھیو سرداس) اُدے سنگھ، بربل مادھو، دنیا سنگھ، ہرمن سنگھ (ہرمن سنگھ)۔ کھیو سرداس کاسن سے سید پور (بنارس) آکر آباد ہوئے، اُدے سنگھ اُنہین مین اور بربل مادھو ساگر (ملک متوسط) مین بسے۔ دنیا سنگھ صاحب نے مع اپنے بھائی ہرمن سنگھ کے دریا بار مین رہنا پسند فرمایا۔ یہ بڑے معزز اور اقبالمند تھے، سربرآوردہ رئیسون مین شمار تھا۔ اِن کی بہادری اور شان و شوکت کی دُور دُور تک شہرت تھی۔ راجہ کہلاتے تھے۔ لیکن محض نام ہی کے راجہ نہ تھے، ملکہ راجون کی حیثیت رکھتے تھے۔ زبردست ریاست بھی تھی خزانہ بھی تھا، فوج بھی تھی۔ اِن سے اچھے اچھے بہادر راجون سے دوستانہ تعلقات قایم تھے جو بدل و جان وقت پر اُنکی مدد کرتے تھے۔

"یہ بُھتا دنیا ہے اَپار، دکلم، کاگج، جات ہار" "تین سہسر گج، اونٹ، رتن پالکی سات سے" "پایخ سہس سنگ پیدل رہتو" مین اگرچہ شاعرانہ مبالغہ اور تصنع بہت ہے، تاہم اِن الفاظ سے راجہ صاحب کے اعزاز و مرتبہ، اُلوالعزمی، اور ایرانہ شان و شوکت پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ برات مین تین ہزار ہاتھی، اونٹ، گھوڑے، سات سو پالکیان اور پانچ ہزار پیدل آدمیون کا شریک ہونا، بہت بڑی اہمیت ظاہر کرتا ہے۔ راجہ دنیا ناتھ کی تعریف لکھتے وقت قلم کا مجبور ہو جانا، کاغذ نہ میسر آنا، پالکیون کا مرصع بیان کرنا، شاعرانہ تصنع سے خالی نہین۔

راجہ صاحب اپنی زندگی مین تین لڑائیان لڑے، اور تینون مرتبہ دشمنون سے سخت مقابلہ کرنا پڑا۔ لیکن کبھی شکست نہین کھائی، ہر مرتبہ فتحیابی حاصل کی۔ پہلی مرتبہ جنگ کاسن مین اپنے والد کی طرف سے شریک ہوئے تھے۔ دوسری لڑائی خاص دریا باد کے مقام پر ہوئی تھی، جس مین اِن پر دشمنون نے پانچ حملے کئے تھے۔ تیسرا معرکہ "لونڈا" سے تعلق رکھتا ہے۔ اِس مرتبہ راجہ صاحب نے خود بہت بڑی جرار فوج ہمراہ لیکر چڑھائی کی تھی۔ یہ مہم عظیم الشان مہم تھی۔ بیس دن تک برابر میدانِ کارزار مین قتل و خونریزی کا بازار گرم رہا اور کئی ایک راجے شریکِ جنگ تھے۔ اِس سے راجہ صاحب کی بے مثل دلیری و شجاعت اور جوانمردی و علو ہمتی اور دولتمندی ہی نہین ظاہر ہوتی، بلکہ یہ امر بھی صاف

نمایاں ہوجاتا ہے کہ دنیا ناتھ صاحب بڑے اقبال والے بھی تھے جسکی وجہ سے لونڈا کی لڑائی میں فتحیابی کے بعد ایک بہت بڑی ریاست ہاتھ آگئی تھی۔

تذکرۂ سوجار ولسی، اور "سنشئے موجن" وغیرہ سے یہ معما کسی طرح حل نہیں ہوتا کہ راجہ دنیا ناتھ صاحب کب کر دریاباد آئے؟ کیون یہان سکونت پذیر ہوئے؟ اور کس طرح ترقی کرکے اتنا بڑا نام پیدا کیا کہ قومی مورخون نے اپنی اپنی تاریخون مین ان کا ذکرِ خیر درج کرنے کی تکلیف گوارا فرمائی؟ لیکن واقعات کو بہ غور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت دریاباد میں گوڑ کائستھ آباد تھے، جن کا زمانہ بہت موافق تھا، اچھی خاصی زمینداری کی ملکیت بھی حاصل تھی اور قانونگوئی کی عزت بھی۔ دنیا ناتھ صاحب کی ان گوڑون کے یہاں شادی ہوئی ہوگی اور اس طرح سلسلۂ رشتہ داری وطن کو خیرباد کہکر یہین رہنا مناسب سمجھا ہوگا کچھ دنون کے بعد ہاتھ یا نوکر نکالے ہوگئے۔ بخت رسا اور خداداد شجاعت کی بدولت دربار شاہی مین پہنچکر اعزازی خلعت سے سرفراز ہوکے قابل رشک حیثیت پیدا کی ہوگی، پھر بزور شمشیر بلونڈا کے حکمران ہوکر راجون مین شامل ہوگئے ہونگے، اور دنیا سنگھ کے سائے راجہ دنیا ناتھ نام مشہور ہوگیا ہوگا۔

اکثر بزرگون کی ربانی راجہ پٹی، راجہ لولا، راجہ مدی، راجہ بھون، راجہ مندر، راجہ تالاب، راجہ پھلواری وغیرہ کا ذکر سننے مین آیا ہے، اور راجہ پٹی اس وقت تک موجود اور مشہور ہے چونکہ آج تک دریاباد مین بجز بھوانی پرشاد صاحب کے اور کسی دوسرے بزرگ کو راجہ کا لقب نہین حاصل ہوا، لیکن راجہ بھوانی پرشاد صاحب نواب سعادت علی خان بہادر اور غازی الدین حیدر بادشاہ (فرمانروایان لکھنؤ) کے زمانے میں تھے اور راجہ دنیا ناتھ صاحب کا زمانہ حیات شاہان مغلیہ کا ابتدائی دور حکومت ثابت ہوتا ہے، اس لئے بلاخوف تردید کہہ سکتے ہین کہ مذکورۂ بالا یادگارین راجہ دنیا ناتھ صاحب کی اُولوالعزمی اور فیاضی کا نتیجہ تھین جو امتداد زمانہ اور جانشینون کی تباہی سے بہت جلد بے نام و نشان ہوگئین۔ راجہ پٹی آج کل کھیتون کی صورت مین راجہ صاحب ہڑہا کے قبضہ مین ہے۔

کتاب "سنشئے موجن" سے ثابت ہوتا ہے کہ راجہ دنیا ناتھ صاحب بہادر اور جری ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے دھرماتما اور سخی و فیاض بھی تھے، دان پُن سے خاص دلچسپی تھی۔

منشی کامتا پرشاد صاحب کھرے مصنف ہندو سوتیا لوجی (بنارس) اپنے ایک نوازشنامہ مین بجواب خط راقم الحروف تحریر فرماتے ہین: "میرا خیال ہے کہ راجہ دنیا ناتھ صاحب نام کے دو بزرگ گذرے ہین۔ ایک دریابادی (گوڑ) دوسرے فیض آبادی (شری واستویہ) یہ دونون صاحب مختلف وقتون مین ہوئے ہین۔ شری واستویہ صاحب کا زمانہ نوابی دور حکومت ہے اور گوڑ صاحب تیموری خاندان کے بادشاہون کے عہد مین تھے۔" اس سے بھی راجہ دنیا ناتھ صاحب کا دریابادی ہونا اور راجہ کا خطاب پانا اچھی طرح ثابت ہوتا ہے۔

راجہ صاحب کا خاندانی شجرہ اس امر کا پتا دیتا ہے کہ ان کے بھائیون مین صرف کھیو سرداس کی نسل مختلف

ے باب اول مین گوڑ کائستھون کا ذکر ملاحظہ ہو ۱۲۔

مقامات پر اب تک موجود ہے، دیگر بھائی لاولد فوت ہوگئے تھے۔ ان کے چچا زاد بھتیجے راجہ مہیپال رائے صاحب لطام آبادی (اعظم گڈھ) کی بھی نسل منقطع ہوگئی۔ اسی طرح راجہ صاحب کے بھی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی، صرف ایک بیٹی تھی جسکی وجہ سے ان کے رحلت فرماتے ہی بہت جلد ان کا نام ونشان دریاباد سے ہمیشہ کے لئے مٹ گیا۔ غالباً اکبر ہی کے زمانے مین انکا انتقال ہوگیا ہوگا۔

لالہ بھگوان پرشاد صاحب چکلہ دار

عرف بھگوانداس، چھتری، دورن، کھرے کائستھ، بڑے خوش نصیب اور ذی حوصلہ رئیس و تعلقدار، شاہی زمانے مین چکلہ داری کے معزز عہدہ پر ممتاز تھے۔ انھون نے اپنے نام سے ایک موضع بھگوان پور آباد کیا تھا۔ ان کے دو لڑکے مرار سنگھ و ہیرالال تھے جو چودھرائی کے لقب اور قانونگوئی کے عہدہ پر مامور تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے مورث اعلیٰ سے جنہون نے بتنداس جن کی قدیم زمینداری دریاباد کے گرد و نواح مین تھی، دریاخان صاحب عامل کے ہمراہ محمود آباد سے آئے اور جنگل کٹوا کر دریاباد مین آباد ہوئے۔ مزروعہ آراضی کا نام پٹی بتنداس پور اور آباد شدہ رقبہ کا نام محلہ کھرے کا ٹھان یا کھرن ٹولہ مشہور ہوا جو اب تک شہرت کے ساتھ بدستور قائم ہے۔ واجب العرض دریاباد سے بھی اُن کی قدامت اور زمینداری وغیرہ بخوبی ثابت ہوتی ہے۔ لیکن جنگل کٹوا کر آباد ہونا بالکل خلاف واقعہ ہے (ملاحظہ ہو باب ۱، ذکر دریاباد)۔ لالہ بتنداس صاحب نے دریاباد مین آباد ہوکر محلہ قائم کیا ہوگا اور آرہی مول لیکر بتنداس پور کی بنیاد ڈالی ہوگی۔

کھرے کائستھ معمولی رئیس نہ تھے، بلکہ معزز تعلقدارون مین شمار کئے جاتے تھے۔ انھون نے اپنی فطری قابلیت کے زور سے دربار شاہی مین رسوخ پیدا کرکے قانونگوئی کا عہدہ حاصل کیا، جو مسلسلاً بعد نسلاً آخر زمانہ نوابی تک بحال رہا۔ ساتھ ہی اس کے قدیم زمینداری کو اتنی وسعت دی کہ دلورہ، تحسین پور، جرطوا، جارسوا، سینا، نگانوان، کاشی پور، امرپور، بتنداس پور وغیرہ مواضعات کا ایک اچھا تعلقہ بتنداس پور کے نام سے قائم ہوگیا۔ تخمیناً تین سو برس تک اس خاندان والون نے اپنی خوش انتظامی سے دریاباد میں اپنی ناموری کا ڈنکا بجایا۔ بعد ان غفلت و اوباشی کا دخل ہوا، آمدنی سے اخراجات بڑھ گئے، زیر ماری کی نوبت آئی۔ بھگوانداس صاحب کی وفات کے بعد ان کے بیٹے اور پوتے مرار سنگھ اور منی داس چودھری و قانونگو نے پہلے حصہ بتنداس پور سے حویلی و پٹی دریاباد ۱۱۳۵ھ مین رہن کیا۔ پھر کل موضع بتنداس پور ۱۱۴۳ھ مین مکفول ہوا اکیس برس کے بعد بدھی لال صاحب قانونگو کی بدولت سارا تعلقہ بتنداس پور ۱۱۶۶ھ فصلی (۱۱۶۶ھ) مین ذریعہ بیعنامہ مرزا بخت اللہ بیگ صاحب ناظم (ساکن دریاباد) کے قبضہ مین آگیا جو واجب العرض بتنداس پور سے ثابت ہوتا ہے لیکن حال کی تحقیقات اس امر کا پتہ دیتی ہے کہ بھگوان پور نامے موضع اب بھی کھرے کائستھون کی ملکیت مین ہے جس پر لالہ

ف شری دیوی کے معتقد شری واستویہ کائستھون میں سے جو پرگنہ کھر (واقع کشمیر) مین آباد ہوئے اُن کی اولاد "کھرے" کہلائی اور جنھوں نے پرگنہ دیوسر (کشمیر) میں سکونت اختیار کی وہ پہلے دیوسرے، بعد کو دوسرے مشہور ہوئے۔ ان مین سے جن کی نسل اُناؤ (اودھ) مین قائم ہوئی وہ "اُناؤ" یا "دنیائے" کہے گئے ۱۲۔

سمت بخش کی بیوہ عورت قابض ہے۔ تعلقہ کے بعض مواضعات دیگر لوگون کے ہاتھ فروخت کئے گئے تھے۔ کھرے کائستھون کے یہان کی بھی شادی مشہور ہے۔ دیوان دوستن لال صاحب کے بعد یہ دوسری شادی تھی، جو بڑی دھوم دھام سے ہوئی تھی۔ برات سندیلہ سے آئی تھی، بڑے بڑے شاہی معززین ناظم وچکلہ دار وغیرہ برات مین شریک تھے۔ منشی منگلی پرشاد صاحب کی پھوپھی کا بیاہ راجہ فتح چند صاحب (تعلقدار سندیلہ) کے ساتھ ہوا تھا۔ خدا کی قدرت دیکھئے جن بزرگون کی نسبت اب تک یہ بات مشہور ہے کہ "کھرے کائستھون کا بڑا زمانہ تھا" اُن کے نام کا محلہ بھی جو دریاباد کی واجب العرض مین کھرن ٹولہ کے نام سے درج ہے، باقی نہ رہا۔ کھرے کائستھون کی یادگار مین دو پختہ کنوئین (ایک مکان کے پچھم طرف، جسے مہیش پرشاد نے بنوایا، دوسرا دروازہ پر) اور شکستہ دو منزلہ مکان ابتک موجود ہے۔ اولاد مین برج راج بہادر ایل ایل بی، ایم ایس سی پروفیسر سائنس، جالپا پرشاد ایم۔ ایس۔ سی پروفیسر سیالوجی، رام سرنداس بی۔ اے، ایل ایل بی وکیل شیام لال بی۔ اے، ایل ایل بی وکیل، گرراج بہادر و برج لال بی اے بقید حیات اور برائے نام یعنی صرف ہوس ٹیکس ادا کرنے کے لئے دریاباد سے تعلق۔

لالہ اچل سنگھ صاحب

ماتھر کائستھ، چھتری ورن، از خاندان رائیصاحب، خاندانی رئیس و تعلقدار، اپنے بزرگون کی طرح انتظام ریاست مین منہمک، دوراندیش، زمانہ شناس اور تجربہ کار۔ ان کے والد لالہ ٹکیت رائے صاحب چودھری دُقانو گو بڑے دانشمند اور منتظم تھے، جن کی یادگار مین "ٹکیتی تال" اب تک موجود اور مشہور ہے۔ ان کے مورث دُرگا داس عرف درگدس (از نسل نیما راؤ) رائیصاحب کے یہان سے علیحدہ ہو کر دریاباد مین انھین کے مکان سے قریب دوسری جگہ سکونت پذیر ہوئے۔ دُرگا داس کی اولاد مین کُشل سنگھ صاحب کی نسل والون نے جب ترقی کی تو کثرت اولاد کے باعث بہت سے پختہ مکانات یکجائی مسلسل ایک حلقہ کی صورت مین تیار ہو کر آباد ہو گئے اور اس حلقہ کے متعلق شمال رویہ ایک پختہ پھاٹک بھی تعمیر کیا گیا، جسکی وجہ سے کچھ عرصہ کے بعد یہ لوگ "پھاٹک اندر والے صاحبان ماتھر" یا "صاحبان پھاٹک اندر" کے نام سے مشہور ہو گئے اور اس آباد شدہ حلقہ کو محلہ "پھاٹک اندر" کہنے لگے۔ ان بزرگوں کی یادگار مین دو شیوالے اور ایک چاہ پختہ معہ یوشالہ اس وقت تک موجود ہے۔ ان شیوالون مین ایک شیوالہ پھاٹک اندر منشی تھمبھو دیال صاحب کی پھلواری مین واقع ہے، جو بہت ہی مختصر ہے، دوسرا شیوالہ مرگھٹا (مرگھٹ) مین "انند تھاتال" کے قریب کس مپرسی کی حالت مین ویران ہے، یعنی اس مین مورت نہین ہے۔ چاہ پختہ مرگھٹا کے قریب، رائیصاحب کی پھلواری سے متصل واقع ہے۔ اس مین دو پختہ پوشالے بنے ہوئے تھے، جس کے اب صرف نشانات باقی ہین۔ یہ لمبا چوڑا اور بلند کنوان بہت ہیبتناک ہے، جسے "ہتیاری کنوان" کے نام سے شہرت ہے، جسکی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس کنوئین مین بہت سی جانین ضائع ہو چکی ہین اور جس وقت کوئی آدمی یا جانور گرتا ہے تو اس زور سے پانی اُبلتا ہے کہ وہ بجز ڈوب جانے کے کسی طرح جانبر نہین ہو سکتا۔ اس خاندان مین مہابل سنگھ، گلال چند، دھونکل سنگھ، ہمت سنگھ،

دیبی سنگھ، شیو بنس رائے، وغیرہ مشہور و معروف بزرگ گذرے ہین، جو سب کے سب چودھرائی کے لقب اور قانونگوئی کے عہدے سے سرفراز تھے۔ اِن مین بعض اصحاب ایسے بھی تھے، جن پر وقتاً فوقتاً خاص طور سے شاہی رعایتین مبذول ہوتی رہین۔ ملاحظہ ہو باب ہذا کی فصل ۲ مین لالہ سرجو پرشاد صاحب و منشی دیبی چند صاحب کا بیان۔

ایک شاہی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ لالہ اچل سنگھ صاحب نے نواب ابو المنصور خان بہادر صفدر جنگ کے عہد حکومت مین چودھرائی کا لقب اور قانونگوئی کا عہدہ معہ خلعت حاصل کیا تھا۔ تحریر شاہی کی نقل حسب ذیل ہے:۔

نواب ابو المنصور خان بہادر صفدر جنگ ذکر بیست در بیان آنکہ چون درمیان بن سنگھ و اچل سنگھ ولد ٹکیت رائے چودھری و قانونگو پرگنہ دریاباد در باب دستخط چودھرای و قانونگوئی خرخشہ و مناقشہ بود رفعت و امانت پناہ شیخ محمد روشن امین فوجدار پرگنہ مذکور فریقین را گفت کہ شما مان برای چہ درمیان خود ہا قضیہ و فساد میکنید من شما ہر دو کس را پیش مہاراجہ صاحب کہ ناظم صوبہ است استادہ خواہم کرد ہر کرا صاحب صوبہ از روی احقاق حق امر خواہد کرد ہمونکس خدمت چودھرای و قانونگوی سربراہ خواہد نمود چون بتاریخ پانزدہم شہر ربیع الاول سنہ ۲۹ جلوس والا بن سکہ و اچل سنگھ مذکورین را پیش مہاراجہ صاحب در قلعہ فیض آباد اودھ رجوع نمودہ ملازمت کنانید چنانچہ مہاراجہ صاحب راجہ نولرای نائب نواب مستطاب معلی القاب۔ ناظم صوبہ اودھ آوردہ بعد از اسماع تقاریر و جواب سوال فریقین از روی عدالت العالیہ انفصال فرمود کہ دستخط چودھرای و قانونگوئی حق بجانب اچل سنگھ است بہ بن سنگھ مذکور نمیرسد دعوی بن سنگھ مسطور دروغی و کذب بے قوعہ آمدہ در پایہ اعراضی شد و اچل سنگھ بعطای خلعت سرفراز گردیدہ و حکم صادر شد کہ دستخط چودھرای و قانونگوئی بدستور سابق ارث پدری از اچل سنگھ کنانید و بن سنگھ کہ از راہ خلافنمای بعد واقعہ ٹکیت رای چودھری و قانونگو بسبب خوردسالی اچل سنگھ کاروبار چودھرای و قانونگوئی میکرد آن را بید خل ساختہ حالا از بن سنگھ مذکور ہیچ واسطہ و علاقہ دستخط چودھرای و قانونگوی نیست و نماندہ بار اگر بر تقدیر نامبردہ از اچل سنگھ مذکور بہ نہجی دعوی و خرخشہ نماند باطل و ناسموعہ گردد اشت صورتحال و بس۔ مہر محمد روشن انصاری۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جب اچل سنگھ صاحب کے بعد ریاست کے متعلق باہمی بٹوارہ ہوا تھا تو، اُس وقت چھوٹے بڑے معہ حصص کے ۳۹ مواضعات کی ایک فہرست تیار کی گئی تھی، جو خاندان والون مین تقسیم ہو گئے تھے۔ لالہ انوکھے لال صاحب کے یہان (جو اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہین) جو کاغذات دیکھے گئے ہین وہ بھی اس بات کو ظاہر کرتے ہین کہ اچل سنگھ صاحب کے پاس بہت سے مواضعات کا ایک اچھا تعلقہ تھا، جس مین کھرگ پور، ہولنے پور، گوجر پور، پٹی چکیبان پور، لکھی پور، کانٹی، روح اللہ نگر، سکری، جیول، بھگوتی پور عرف کیونلا پور، گوبند پور، کھان پور، ٹیکا راگھو پور، شیام نگر حصص موضع کسفر حصص موضع تلما وغیرہ دیہات شامل تھے۔ اِس سے اِن کی اچھی خاصی تعلقدارانہ حیثیت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ کاغذات مذکور حسب ذیل ہین۔

(۱) مہر حسام الحق ولد نور الحق قاضی انصاری، مطابق باصلہ حضور پرنور دام اقبالہ سکہ خاص کرامت اختصاص

بہر مرشد زادہ آفاق بہادر دام اقبالہ۔ باقر علی تحصیلدار دریا آباد وغیرہ بدانند دیبی سنگھ قانونگوی دریا آباد استعانہ نمود کہ موضع سرای حواجگی محلہ پرگنہ دریا آباد از آباد و اجداد زمینداری متعلقہ است و از صد ہا سال متعلقہ "علاقہ سکری وغیرہ" بقبولیت سوبنس رای برادر زادہ اش مانده در سنہ ۱۲۲۶ فصلی مسمی اکبر کہ بوجہ من الوجوہ از موضع مذکور علاقہ ہذا را بہ اظہار خلاف و باطل موضع مذکور بہ قبضہ خود در آوردہ چنانچہ مستغیث مذکور برای تصدیق دعوی خود نقل بیعنامہ و رہنامہ بنظر او در گذارنید لہذا حسب الحکم نگارش میرود کہ درینصورت موجب بیعنامہ و رہنامہ موضع مذکور از قبضہ غاصب بر آوردہ بدستور در قبولیت سوبنس رای مذکور دارد کہ حق تلفی احدے منظور خاطر مبارک بندگان نیست مرقوم سیزدہم شہر ذی قعدہ سنہ ۱۲۳۴ ہجری (۳) واجب العرض خان پور عرف کھان پور آباد کردہ بن سکھ رائے ولد کشل سکھ برادر حقیقی مکیت رائے موصوف (۳) واجب العرض روح اللہ نگر کانتی (۴) واجب العرض موضع ٹیٹما (۵) واجب العرض موضع راگھو پور سندر داس ولد درگا داس مورث اچل سنگھ صاحب سے راگھو جی (شری رامچندر جی کے نامون مین سے ایک نام) کے نام پر از روئے عقیدت آباد کیا (۶) واجب العرض گوبند پور (۷) مسکہ بدن سنگھ ولد ابدھوت رای بن سنتو کہ رای چودھری و قانونگوی پرگنہ دریا باد آم۔ چون موضع بلہری و مرار پور وغیرہ منجملہ قطعہ دیہات زمینداری خود کہ از حضور معاف کنانیدہ چنانچہ اچل سنگھ فریق ثانی بحضور خان صاحب قبلہ محمد نور بیگ خان جیو نالش نمودہ کہ در وجہ معافی قصبہ حق بمن میرسد چرا کہ آباد و اجداد بندہ دیہات موضع سکری و کنولے و کوبید پور کہ بذاتی پیدا کردہ چہاردہم ربیع الثانی سنہ ۱۱۸۰ ہجری (۸) بیعنامہ نوشتہ بھاگونت و کشن داس وغیرہ ساکنان کسنگر مرقومہ ۲۲۔ رجب سنہ ۱۱۹۵ ہجری بنام درگا داس موصوف۔ (۹) بیعنامہ نوشتہ پرتھی بن لکھمی سین وغیرہ بنام مکیت رائے موصوف بابت دو حصہ در دبست موضع تلیا مرقومہ ۱۱ جمادی الاول سنہ ۱۱۲۶ ہجری (۱۰) بیعنامہ نوشتہ بھاگونت وغیرہ بنام درگا داس موصوف تعدادی دو سو بیگھہ پختہ مرقوم ۲۵۔ ربیع الاول سنہ ۱۱۸۳ ہجری (۱۱) منکہ سر جیمل ولد درجن سنگھ دوبدی لعل چودھری و قانونگو پرگنہ دریا آباد چون مبلغ چہل و یک روپیہ سکہ رائج الوقت بابتہ گرونامہ موضع سیام نگر از دست دیبی سنگھ ولد جیت رائی بن مکیت رائے چودھری و قانونگو پرگنہ دریا آباد تمام و کمال وصول یافتم دامی درمی باقی نماندہ بنابران این چند کلمہ بطریق قبض الوصول در سید از تمسک گرونامہ نوشتہ دادیم کہ ثانی۔ الحال سند شد تحریرنی التاریخ سیوم شہر ذی حجہ سنہ ۱۱۹۳ ہجری مطابق سنہ ۱۱۸۶ فصلی گواہ شد بھولا ناتھ قانونگو العبد دھرم جیمل گواہ شد سردار سنگھ گواہ شد گنگا پرشاد دوبے گواہ شد بینی سنگھ قانونگو (۱۲) رہن نامہ نوشتہ شنکر دیال بابت کھرگ پور ہونے پر گوجر پور پٹی چکنیان پور لکھی پور بنام رائے سورج بلی صاحب مرقومہ ۱۹۔ صفر سنہ ۱۲۴۵ ہجری"۔ کاغذ نمبر اول مین "علاقہ سکری وغیرہ" ایک زبردست وسیع اور معنی خیز جملہ ہے۔ مذکورہ بالا کل کاغذات ہرکرشن بلی صاحب کے پاس موجود۔

رہن نامہ نوشتہ بینی داس ولد مرار سنگھ چودھری و قانونگو (کھرے کا ٹھیکہ) بنام سنتو کھ رائے (از خاندان رئیس صاحب) سے ثابت ہوتا ہے کہ اچل سنگھ صاحب دریا باد مین بھی ایک پٹی کے مشترکہ مالک تھے جس کا نصف حصہ ان کے قبضہ مین تھا اور نصف ابدھوت رائے کی ملکیت مین۔

ہرکرشن بلی صاحب کے پاس موجود ۱۲۔

بیعنامہ نوشتہ مسماۃ تویرنا زوجہ گنگا پرشاد بچھت اسی پنڈت رامیشر مشرر قومہ ۲۲ - ربیع الاول ۱۱۸۷ھ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اجل سنگھ صاحب لڑکے مدعا اور معمولی کتابت میں بھی عاری تھے - دیگر تحریروں سے یہ چودھری بشارت علی صاحب، ابدھوت رائے صاحب، اندھی لال صاحب، ہیرا لال صاحب وغیرہ چودھری و قانونگو کے ہم عصر و ہم رتبہ معلوم ہوتے ہیں جو اب سے سوا سو برس قبل یہ قید حیات تھے - ایک کرم خوردہ اقرار نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اجل سنگھ صاحب ۱۱۸۷ھ میں زندہ موجود تھے -

ان کی وفات کے بعد ان کے پوتے شیو نبس رائے کی زندگی تک علاقہ بدستور قائم رہا۔ شیو نبس رائے کے مرتے ہی یعنی اب سے ایک صدی قبل باہمی نفاق کا بازار گرم ہوگیا اور سکھ لال صاحب کی ناعاقبت اندیشی سے تعلقہ پانچ سات حصوں میں تقسیم ہوکر رفتہ رفتہ معمولی زمینداری کی حیثیت میں باقی رہ گیا جو اس وقت تک قائم -

شیو نبس رائے کے بیٹے شنکر دیال چودھری و قانونگو بڑے عیش پرست تھے۔ تقسیم ریاست کے بعد جس قدر زمینداری ان کے حصہ میں آئی وہ بیجا مصارف کے باعث بہت جلد زیر بار ہوگئی - ان کے لکھے ہوئے ایک رہن نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مواضعات کھرگ پور، ہوشنگ پور، گوجر پور، بٹی پکھیان پور، لکھی پور رائے سورج بلی صاحب رئیس دریاباد کے یہاں ۹ صفر ۱۲۳۵ھ مطابق ۱۲۳۷ فصلی کو صرف سولہ سو روپیہ کے عیوض رہن ہوگئے تھے -

شنکر دیال صاحب کی اولاد میں بشن دیال صاحب بھی ناعاقبت اندیشی میں اپنے دادا سے کچھ کم نہ تھے جس کے مرتے ہی یہ آزادانہ طور پر بے خوف و ہراس خوب ہی کھل کھیلے۔ لزوم نشاط آراستہ ہوگئی۔ ناچ رنگ، شراب و کباب کا ادھا دھند مشغلہ شروع ہوگیا، آنکھ بند کرکے دولت خرچ ہونے لگی - انجام کار زیر داری کی نوبت آئی - کل مواضعات ذریعہ بیعنامہ معمولی رقم کے عیوض غیروں کے قبضہ میں آگئے، دو منزلہ پختہ مکان فروخت ہوکر منہدم ہوگیا۔ سنا جاتا ہے کہ جب سب طرح سب دلخواہ صفائی ہوچکی تو لالہ بشن دیال صاحب ناقابل برداشت مصیبتوں سے تنگ آکر نہ معلوم کہاں چلے گئے۔ ان کے ایک دستخطی بیعنامہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ۲۸ - اگست ۱۸۰۷ء تک بقید حیات دریاباد میں موجود تھے - ان کے نہ کوئی اولاد نرینہ تھی نہ بھائی بھتیجے تھے، صرف دو لڑکیاں تھیں جن میں سے ایک لڑکی کی شادی میں بہت بڑی الوالعزمی سے کام لیا گیا تھا - شادی کے مصارف کے لئے انھوں نے مسلم موضع کیولا پور میڈا الا تھا - اس لڑکی کا بیاہ دریاباد ہی میں لالہ ٹھاکر پرشاد صاحب ماتھر کے بیٹے اودھ بہاری کے ساتھ ہوا تھا - (چھاتک اندر)

دیوان روشن لال صاحب

کائستھ، شری واستو یہ دوسرے چھتری ورن، لالہ گنیش پرشاد صاحب کے بیٹے، نامی گرامی الوالعزم رئیس و تعلقدار،

---

۱ یہ موضع لال گنج کے قریب اب تک موجود ہے ۱۲ - ۲ ان کا دو منزلہ پختہ مکان لالہ گوپال پرشاد صاحب ماتھر اور مادھو جی کے مکانوں کے مابین واقع تھا، جو عرصہ سے بے نام و نشان ہوگیا۔ گوپرشاد کے خاندان میں اب کوئی باقی نہ رہا تو یہ ناچار مکان بیچکر اپنے بھتیجے کے پاس حیدرآباد چلے گئے اور وہیں فوت ہوئے ۱۲

رکن الدولہ میان الماس علی خان صاحب بہادر کے دیوان اوّل[۵] وطن پرست، فیاض، مخیّر، بیکس نواز ہونے کے ساتھ ساتھ شریف پرور اور قوم پرور بھی تھے۔

بعضوں کا بیان ہے کہ دیوان جی صاحب دریا باد کے قدیم باشندون مین تھے اور بعض کہتے ہین کہ ان کے بزرگ کسی وقت مین سیتاپور سے آکر یہان آباد ہوگئے تھے۔ لیکن "پشت نامہ بسنت رائے" (منشی ماتا پرشاد صاحب وکیل کے بزرگوار) سے پایا جاتا ہے کہ بسنت رائے کے خاندان والے دریا بادی محررون اور راجہ بھوانی پرشاد صاحب و دیوان روشن لال صاحب کے رشتہ دار تھے۔ پشت نامہ مین راجہ صاحب کے بزرگون کو "خوشباش دریا باد" لکھا ہے محررون اور دیوان جی کی نسبت کچھ بھی تحریر نہین۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دیوان جی صاحب دریا باد کے قدیم باشندے تھے، ان کے بزرگ خوشباش نہین تھے۔ کیونکہ اگر ان کا اصلی وطن سیتاپور ہوتا تو پشت نامہ مین لالہ بسنت رائے صاحب حسب دستور قدیم انھین بھی بے دریغ خوشباش تحریر فرماتے اور اس بارہ مین دراہی رعایت کو دخل نہ دیتے۔ اسی سلسلہ مین یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ دیوان روشن لال صاحب عالی خاندان تھے اور ان مین اور راجہ بھوانی پرشاد صاحب مرحوم اور محررون مین باہمی قرابت داری قائم ہوگئی تھی۔ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ دیوان جی کی بہن کا بیاہ تنگدستی کی حالت مین ایک بہت بڑے معزز رئیس کے یہان ہوا تھا، اس سے بھی ان کی عالی نسبی پائی جاتی ہے۔

سنا جاتا ہے کہ دیوان روشن لال صاحب بہت غریب تھے۔ ایک دن ان کی بی بی نے مصیبت سے تنگ آکر ان سے کہا کہ "سنتی ہون یہان (یعنی دریا باد مین) پیر اشاہ بہت بڑے کامل فقیر رہتے ہین، تم ان کے پاس جاؤ اور اپنا حال بیان کرو شاید ان کی دعا سے کہین روٹی کا سہارا ہو جائے"۔ روشن لال صاحب یہ درد انگیز کلمے سن کر اپنی عورت کے کہنے کے مطابق فوراً ننگے سر، ننگے پاؤن پیر اشاہ کی خدمت مین حاضر ہوئے۔ شاہ صاحب اس وقت جذبہ کی حالت مین ٹہل ٹہل کر کچھ بڑبڑا رہے تھے، کہ دفعتہً ان پر نگاہ پڑ گئی۔ ابھی یہ کچھ منھ سے بولنے بھی نہ پائے تھے کہ روتنفسیر میر اشاہ کی زبان سے نکل گیا "جا، اسی وقت لکھنؤ چلا جا، تو خدا کے حکم سے بڑا بھاری امیر ہو جائے گا"۔ روشن لال نے دست بستہ عرض کیا کہ پیر و مرشد! میرے بدن پر لتّا تا ست نہین، کیون کر لکھنؤ جاؤن؟ حکم ہوا، کچھ پروا نہین، یون ہی اللہ مہربانی کریگا"۔ یہ پھر بیٹھ کر کچھ کہنا چاہتے تھے کہ شاہ صاحب نے غصہ سے فرمایا: "ابے! جاتا نہین ہے، وہان ماہی مراتب تیار ہے"۔ یہ آخری کلمے سننے کے ساتھ ہی روشن لال اپنے گھر آئے اور اپنی عورت سے شرح کیفیت بیان کی۔ سعادت مند بی بی نے فوراً گھین سے مانگ جانچ کر زاد راہ کا انتظام کر کے انھین پرمیشر کے بھروسے پر رخصت کیا۔ روشن لال بغل مین ایک پرانا ٹوٹا قلمدان دبائے، ہاتھ مین کھانے کی پوٹلی لئے لکھنؤ کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ خدا کی شان! جس وقت یہ لکھنؤ مین گومتی کے پل پر پہونچے، اس وقت میان الماس علی خان کی

---

[۵] دوسرے دیوان لالہ دیوتی رام صاحب رائے بریلی کے تھے جن کی یادگار مین پختہ تالاب، پھلواری، گنج، چاہ پختہ اب تک موجود اور دور دور تک مشہور و معروف ۱۲۔

سواری اُدھر سے آرہی تھی، جسے دیکھ کر انھین گمان ہوا کہ شاید بادشاہ سلامت کی سواری آتی ہے، باین خیال یہ جلد اُس پار پہونچکر راستہ سے الگ ایک جگہ چپ چاپ مؤدب کھڑے ہوگئے، اتنے مین سواری قریب آگئی اور میان الماس علی خان نے ان کی طرف دیکھا، یہ جھٹ فرشی سلام کرکے آگے بڑھے اور نذر مین شکستہ قلمدان پیش کردیا، دریائے رحمت جوش مین آیا۔ حکم ہوا کہ ہاتھی بٹھا دیا جائے۔ ہاتھی کا بیٹھنا تھا کہ الماس علی خان نے خود بیتابانہ ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس زرین ہودج پر بٹھا لیا، اور اُسی وقت دورا مکان واپس آکر قلمدان معہ خلعت عنایت فرماکے عہدۂ دیوانگیری سے سرفراز فرمایا۔ مصاحبین ورفقا، جو ہمراہ تھے، اس عجیب واقعہ سے متحیر ہوکر انگشت بدندان رہ گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دیوان جی اگرچہ افلاس کے باعث تنگ تھے، لیکن دل ودماغ قابو مین رکھتے تھے، جس سے بجائے گھبرانے کے وہ اُس کی دفعیہ کے لئے حسب التحریک کوشش پر آمادہ ہوگئے تھے، ساتھ ہی اس کے بڑے عقلمند، ذہین، ذی علم اور اُس وقت کے آداب معاشرت اور شاہی تہذیب سے بھی اچھی طرح آگاہ ہونے کے علاوہ دلیر بھی تھے، اپنے سے بڑے آدمی کی شان وشوکت دیکھ کر مرعوب نہین ہوتے تھے۔

روشن لال صاحب کا طالع حفتہ بیدار ہوتے ہی دریاباد کے نصیب کا ستارہ بھی آفتاب کی طرح چمکنے لگا۔ انھون نے اپنے فرائض منصبی انجام دینے کے ساتھ ساتھ اپنے وطن کی قابل قدر خدمت کرنے مین بھی نہایت فیاضی سے کام لیا۔ عالی شان پھاٹک، مکان، کنوئین، شیوآلے، ٹھاکردوارہ، تالاب، دھرم شالے، گئو شالہ، حمام، سراؤن، کوٹھیون وغیرہ کی تعمیر وسیع پیمانہ پر شروع کردی۔ گنج وبازار قائم کئے گئے، باغون اور پھلواریون کی بنیاد ڈالی گئی۔ حکیم، طبیب، مولوی، مُہرمد، کاریگر، پیشہ ور لوگون کو جو اپنے علم وفن مین اوستاد تھے، لکھنؤ سے اپنے ہمراہ لاکر دریاباد مین آباد کیا، جن کے رہنے کے لئے ذاتی صرفہ سے مکان بنوانے کے علاوہ دیگر ضروری رعایتون کا بھی حسب مناسب لحاظ کیا گیا۔ اس طرح دیوان جی نے لاکھون روپیہ خرچ کرکے دنیا کے سامنے اپنی عالی ہمتی مذہبی عقیدتمندی، بے تعصبی، عام فیاضی کا عملی ثبوت پیش کردیا۔ روشن لال صاحب کی دیکھا دیکھی ان کے بیٹے دربار ری لال، مہی لال، سیوک رام بھی، جو نظامت اور چکلہ داری کے عہدہ پر مامور تھے، رفاہ عام پر آمادہ ہوگئے، اور انھون نے بھی گنج اور بازار بنوانے کے علاوہ عالی شان پھاٹک اور سرائین بھی تعمیر کرائین، جن سے نہ صرف دریاباد کی آبادی دوگنی مین دوچند اضافہ ہوا، بلکہ ہزارہا غریب غربا بھی نہال ہوگئے۔

ہر یہ شاد اوستھی کہتے تھے کہ "ہمارے چچا اکثر بیان کیا کرتے تھے کہ، ہمارے ان داتا (دلی نعمت) روشن لال بڑے دھرماتما تھے۔ ایک مرتبہ قحط سالی کے زمانے مین جبکہ لوگ دین سے بے دین ہونے لگے تھے، بیشمار روپیہ خرچ کرکے ہزارون غریبون اور سفید پوشون کی جان بچائی تھی۔ یہ تالاب، شیوالے، گنج، سرا، مسجد وغیرہ کی بنیاد اُسی وقت ڈالی گئی تھی، جس مین سیکڑون مزدور روزآنہ کام کرتے تھے اور سیسیون بھلے مانس دیکھ بھال کے لئے نوکر تھے۔ جو لوگ دن مین محنت ومزدوری کرنے سے مجبور اور خیرات لینا شان کے خلاف سمجھتے تھے، اُنکی گذراوقات کے لئے رات کو کام جاری رہتا تھا اور برائے نام محنت لیجاتی تھی، مگر اُجرت معقول اور حیثیت

دیجاتی تھی۔ اِن سفید پوشون مین پردہ دار عورتین بھی شامل تھین، جو مردون سے علیحدہ کام کرتین اور عورتون کے ذریعہ سے اُجرت باتی تھین۔ علاوہ اِس کے ایک بہت بڑا خیرات خانہ بھی قایم کیا گیا تھا، جس کے ذریعہ سے پردہ نشین غریب بیواؤن اور لاوارث مستورات کی بلا قید مذہب خفیہ طور پر پرورش کیجاتی تھی، اور اُن محتاجون کو دونون وقت کھانا کھلایا جاتا تھا، جو کام کرنے کے قابل نہین تھے۔" اِس سے روشن لال صاحب کی روشن خیالی، دریا دلی، بیکس نوازی اور دانشمندانہ شرفا پروری پر زبردست روشنی پڑتی ہے۔

لالہ سرجو پرشاد صاحب ایک مرتبہ بسبیل تذکرہ بیان فرماتے تھے کہ "ہمنے اپنے والد سے اکثر سُنا ہے کہ دریاباد مین دیوان روشن لال بڑے فیاض اور قوم پرور گذرے ہین۔ اِن کی بدولت بہت سے کائستھ اور برہمن آرام کی زندگی بسر کرتے تھے، سیکڑون غریب ہندو مسلمان لکھنؤ اور دریاباد مین اِنھین صبح و شام دعائین دیتے تھے۔ اِنھون نے لکھنؤ کے اطراف مین اکثر سڑکون پر دورویہ آمون کے سایہ دار درخت لگوائے اور جابجا پختہ کنوئین اور دھرم شالے تعمیر کرائے تھے۔ دریاباد کے باہر لکھنؤ والی سڑک پر دودھ دہی کی چوکی والا پختہ کنوان اِنھین کا بنوایا ہے۔ دریاباد مین اُس وقت خیرات کے متعلق اِن کا نام خاص طور پر مشہور تھا۔ جو سادھو یا فقیر باہر سے آتا تھا، لوگ اُسے اِنھین کی ڈیوڑھی کا پتہ بتا دیتے تھے۔ یہ بہت بڑے مسافر نواز بھی تھے۔ اپنے آباد کردہ گنج کی سراؤن مین خود جانچ پڑتال کیا کرتے تھے کہ مسافرون کو کسی قسم کی تکلیف تو نہین ہوتی ہے۔ اگر کسی قسم کی شکایت سُن پاتے تو، فوراً اُس کا تدارک کرتے تھے۔ بھٹیارون کو خاص حکم تھا کہ غریب مسافرون سے کرایہ ہرگز نہ لینا اور جس مسافر کے پاس کھانے کو نہ ہو، اُس کی فوراً اطلاع کرکے ہمارے بھنڈارخانہ (بوتات) سے غلہ دلوا دینا، فاقہ نہ ہوتے پائے۔ میان الماس علی خان اِن پر بہت مہربان تھے۔ ایک دفعہ جس وقت دریاباد مین گنج، تالاب، مسجد، سراؤن، شیوالون وغیرہ کے متعلق تعمیر کا کام شروع ہوا تھا، کسی نے اُن سے چغلی کھائی تھی کہ "روشن لال جناب کی ساری دولت اپنے ذاتی عیش و آرام مین صرف کر رہے ہین، اور آپ کو اِس کی خبر نہین ہے۔ الماس علی خان نے جب اس بات کی تحقیقات کی تو اِنھین بجائے عیش پرستی کے رفاہ عام کے کامون مین مشغول پایا۔ چونکہ وہ خود بھی فیاض اور مخیر تھے، اِس لئے روشن لال کی یہ جبلی فیاضیان دیکھ کر نہ صرف خاموش ہوگئے، بلکہ بہت خوش ہوئے۔"

بعض بزرگون کی زبانی سُنا گیا ہے کہ میان الماس علی خان کو دریاباد بہت پسند تھا، اس وجہ سے اُن کی آمد و رفت یہان زیادہ رہتی تھی اور جمعِ غفیر لشکر ہمراہ ہونے کے سبب وہ دریاباد کے باہر پچھم طرف باغون مین ٹھہرتے تھے، جس سے اکثر برسات کے موسم مین اُنھین سخت تکلیف ہوتی تھی۔ اِس تکلیف کے دور کرنے کے لئے اُنھون نے ایک عالی شان بارہ دری[1] تیار کرائی اور ساتھ ہی اِس کے ایک گنج بھی[2] آباد کیا، بعد ازان ہمراہیون اور گھوڑے ہاتھیون وغیرہ کے رہنے کے لئے مکانات بنوانے کا ارادہ کرکے بدین خیال کہ اِن مکانات کے متعلق ضروری اخراجات مثل مرمت و تنخواہ ملازمین وغیرہ کا معقول بندوبست ہونا چاہئے، نعمت پور، بھلونہ، لال پور، اندر پور وغیرہ کئی

[1] و [2] اِس بارہ دری و گنج کا مفصل ذکر باب ہشتم کی دوسری فصل مین درج کیا گیا ہے ۱۲۔

ایک مواضعات، جو دریاباد کے قریب ہی واقع تھے، نواب آصف الدولہ بہادر سے حاصل کر لئے، جنھیں آخر مین گنج سمیت روشن لال کو اُن کی دیانت داری اور اطاعت پر خوش ہو کر بخشدئے تھے۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دیوان جی اپنے ولی نعمت کے دلی بہی خواہ اور ایماندار تھے، جسکی وجہ سے الماس علی خان اِن پر اتنا مہربان ہوئے کہ ایک دم پانچ سات گانوں بخشدئے۔ واہ ری نیک نیتی! اور واہ ری قدر دانی!!

کہا جاتا ہے کہ جس روز دیوان جی صاحب لکھنؤ سے دریاباد آتے تھے، اُس شب کو بستی بھر کے کائستھون کی دعوت ہوتی تھی، اور جتنے دن قیام رہتا تھا، روزآنہ رات کو محلہ کے اہل برادری اُن کے ساتھ کھانے مین شریک ہوتے تھے۔ دعوت کی طرح یہ کھانا بھی پُرلطف اور پختہ ہوتا تھا۔ تا زندگی اِس معمول مین کسی قسم کا تغیر و تبدل نہین ہوا۔ روشن لال صاحب کا یہ معمول قومی خدمت یا قوم پرستی کا پورا پتا دیتا ہے۔

روائیت ہے کہ اُنھون نے اپنے بیٹے کی شادی مین نہایت اُولوالعزمی اور جدّت سے کام لیا تھا۔ ایک مہینے تک بلاناغہ ہر روز دریاباد بھر کے غریبون اور محتاجون کو جنس مفت اور مسافرون کو بلاقیمت ہر قسم کی اشیاء ضروری عالم طور پر حسب دلخواہ برابر تقسیم ہوا کین۔ برات دیرہ مگل پور (ضلع کانپور) گئی تھی، جس مین میاں الماس علی خان بہ نفس نفیس شریک ہوئے تھے۔ سو ضرب توپ، ایک لاکھ فوج اُن کے ہمراہ تھی۔ برات دن بھر آرام کرنے کے بعد رات کے وقت ایک حیرت انگیز اہتمام سے دُو رویہ آتشبازی کی روشنی مین شاہانہ جلوس کے ہمراہ غیر معمولی تزک و احتشام کے ساتھ ساتھ مسرّت خیز صدائین بلند کرتی ہوئی روزآنہ نصف منزل طے کر کے ایک ہفتہ مین مقام مقصود پر پہونچی تھی، اور اسی شان سے دریاباد واپس آئی تھی۔ لڑکی والے نے برات کے لئے ایسا معقول انتظام کیا تھا کہ کسی قسم کی شکایت نہین ہوئی۔ جنواس کے وسیع میدان مین ضرورت کی ہر شے ڈھیر لگوا دی گئی تھی، اور گلاب، کیوڑہ، عطر، خوشبودار تیل سے پختہ حوض بھروا دئے گئے تھے۔ نقد اور دیگر قیمتی سامان کے علاوہ بہت بڑے دو گانون بھی جہیز مین روشن لال کو ملے تھے۔ الماس علی خان نے دروازے کے چار مین اشرفیان لٹائی تھین، اِس شادی مین کئی لاکھ روپیہ صرف ہوا تھا۔ اُس وقت اودھ مین صرف ڈھائی شادیان بہت مشہور تھین، دو لکھنؤ کے شاہی خاندان سے متعلق تھین اور آدھی یہ دریاباد مین ہوئی تھی۔

اسی سلسلہ مین یہ بھی مشہور ہے کہ ایام تقریب مین ایک کائستھ صاحب سرا مین آکے مقیم ہوئے اور بازار مین جنس مول لینے گئے۔ بیٹے نے جنس دیر قیمت لیے سے انکار کیا۔ سبب دریافت کرنے پر بیٹے نے کہا کہ "آج کل شادی کے دنون مین ہم لوگون کو مسافرون سے قیمت لینے کا حکم نہین ہے، سرکار سے (یعنی روشن لال سے) حساب کا روپیہ بعد فراغت شادی مل جائے گا۔" لالہ صاحب نے یہ سُنتے ہی جنس واپس کر دی اور کہا کہ ہم رشتہ دار کا احسان لینا پسند نہین کرتے۔ روشن لال کو اِس واقعہ کی اطلاع دی گئی، جب لالہ صاحب سامنے بُلائے گئے تو حال دریافت کرنے پر اُنھون نے کہا کہ آپ ہمین بھول گئے! سمپت اور سپت دو بہنین، سمپت (عیش) آپ کے ساتھ منسوب ہوئی اور سپت (مصیبت) ہمارے حصہ مین آئی، اِس لئے ہم اور آپ قریبی رشتہ دار یعنی ہم زلف ہوئے۔ یہ سُنتے ہی روشن لال اُٹھ کر لالہ صاحب سے

بغلگیر ہوئے اور حکم دیا کہ آپ کو ہمیشہ کے لئے رہائش کا مکان دیا جائے اور کُل مصارف آپ کے میرے حساب مین لکھے جائین۔ لالہ صاحب جب تک زندہ رہے عیش و آرام سے زندگی بسر کرتے رہے[۵]

بعض حضرات یہ بھی کہتے ہین کہ ایک سرا کے مسافر نے کہا کہ ہم جنس مُفت نہ لین گے، کیونکہ ہمارا یونوتہ نہین ہے۔ روشن لال کو اس امر کی اطلاع ہونے پر تشویش ہوئی اور خود جاکر پانچ اشرفیان نذر دیکے اُنھون نے اُس مسافر کو دعوت مین شریک کیا اور تا اختتام شادی مہمان نوازی کی۔

روایات مذکورہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ دیوان جی کے حال پر میان الماس علی خان صاحب کی خاص طور پر نظر عنایت تھی اور وہ اِن کو نوکر نہین، بلکہ اپنا خاص عزیز سمجھتے تھے یا دوستِ قلبی، جن کی خوشی اور عزت افزائی کے لئے وہ خود شاہانہ تزک و احتشام کے ساتھ برات مین شریک ہوئے تھے۔ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ برادر پرور ہونے کے علاوہ مسافر نواز بھی تھے اور ایسے مسافر نواز کہ موقع و محل پر اُس کو اپنے رشتہ دار سے کم نہین سمجھتے تھے۔

مولوی حافظ مشرف کریم صاحب گرداور قانونگو (پنشنر) بیان فرماتے ہین کہ ہمنے سُنا ہے کہ جب روشن لال کٹرہ بنوا رہے تھے اور اُس مین دوکانیں، سرائین تیار ہو رہی تھین اور پھاٹک تعمیر ہو چکے تھے، اُسی وقت نواب نے اپنے عظیم الشان مکان کی بھی تعمیر شروع کر دی تھی۔ لوگون نے میان الماس علی خان کو اس امر کی اطلاع دی کہ "روشن لال اپنا مکان بہت بھاری بنوا رہے ہین"۔ الماس علی خان نے حکم دیا کہ "مین خود دریا باد چل کر دیکھونگا"۔ قبل آمد میان الماس علی خان روشن لال کو اس واقعہ کی اطلاع ہو گئی، اُنھون نے رات بھر مین کٹرہ کے اندر مسجد تیار کرا دی اور اپنے مکان کا صرف ایک کمرہ رہنے دیا، باقی کُل عمارت مسمار کرا کر بے نام و نشان کرا دیا۔ دوسرے دن صبح کو الماس علی خان لکھنؤ سے میان گنج اپنے آباد کردہ گانؤن کے قریب آکر مقیم ہوئے اور روشن لال کو بلوا کر دریافت کیا کہ "تم کیا بنوا رہے ہو؟" جواب مین انھون نے عرض کیا کہ "مین جناب کے نام سے کٹرہ اور سرا بنوا رہا ہون"۔ جب الماس علی خان نے آکر خود ملاحظہ فرمایا تو، سرا مین مسجد بھی تیار پائی، جسے دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے۔ تھوڑی دیر کے بعد اُنھون نے روشن لال سے دریافت کیا کہ "تمنے اپنے رہنے کے لئے بھی کوئی مکان بنوایا ہے؟" انھون نے عرض کیا کہ "جی ہان! اپنے بیٹھنے کے لئے ایک کمرہ بنوایا ہے"۔ الماس علی خان نے اُسے دیکھ کر فرمایا کہ "یہ کمرہ تمھارے لئے موزون نہین ہے، بڑا مکان بنواؤ، اور خود مکان کا نقشہ تجویز کر دیا کہ اتنے رقبہ مین تمھارا مکان ہونا چاہیئے، ساتھ ہی اِس کے میان گنج مین بارہ دری کی تعمیر کے لئے بھی انھین حکم دیا اور کُل مصارفِ تعمیرات اپنے ذمہ لیئے"۔

پنڈت نیتا نند مہاراجہ ٹکیت رائے کے گرو (مُرشد) نے ایک طولانی چٹھی بھاشا زبان مین بھوانی شنکر دیکھت کو لکھی تھی (یہ بھی پنڈت جی کے مُرید تھے) جو مہابیر دیکھیت کے یہان کا عذات دیکھنے کے وقت دستیاب ہوئی ہے۔ یہ چٹھی اِس قدر بوسیدہ اور کرم خوردہ ہے اور اِس مین سنسکرت کے ایسے سخت الفاظ ہین کہ جلد مطلب ذہن نشین ہونا ایک مشکل امر ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ نہایت خوشخط اور صاف لکھی ہوئی ہے، جس سے لغت کے ذریعہ مفہوم بآسانی سمجھ مین آجاتا

[۵] یہی روایت مہاراجہ ٹکیت رائے کے نام سے بھی منسوب ہے، لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ دونون طرف اسی قسم کے واقعات ظاہر ہوئے ہون ۱۲

چونکہ یہ چٹھی روشن لال صاحب کے بارہ مین لکھی گئی ہی، لہذا اُس کا ترجمہ ذیل مین درج کیا جاتا ہے:-

پیارے بھوانی شنکر! ہزارون آشیرباد۔ جب سے تم بیمار ہوکر لکھنؤ سے گئے کچھ حال نہ معلوم ہوا، تردد ہی، بہت جلد اپنی خیریت سے اطلاع دو کہ اطمینان ہو۔ مہاراجہ صاحب تمکو سلام کہتے ہین۔

ہمکو معلوم ہوا ہے کہ دیوان روشن لال جی نے تم سے بالمیکی رامائن پڑھنے کے لئے مانگی تھی، اُن کی رامائن مہاراجہ صاحب کے پاس تھی جو کسی دوست نے گاٹھ لی تھے دینے مین عذر و حیلہ کیا، دیوان جی کو اس بات کا بڑا ملال ہوا اور اُنھون نے ہمسے اور مہاراجہ صاحب سے اس امر کی شکایت کی۔ مہاراجہ صاحب کو یہ سُن کر بڑا رنج ہوا اور ہمکو بھی افسوس ہوا۔ ہمارے خیال مین تمھارا یہ فعل اخلاق و مروت کے بالکل خلاف ہوا، جو مُفت میں باہمی رنجش کا باعث ٹھہرا۔ اگر وہ اُن کے پاس جیسے دو جیسے رہتی تو تمھارا کیا نقصان ہوتا؟ دیوان جی روز مرّہ رامائن کا پاٹ (مطالعہ) کرتے ہین۔ اُنھین بغیر اُس کے چین نہین، اس لئے تمسے مانگی تھی، تمنے نہین دی۔ ہمسے یہ بھی سنا ہی کہ وہ ڈیڑھ سو روپیہ قیمت بھی دیتے تھے کہ اگر مستعار نہ دو تو یہ قیمت حاضر ہی، تمنے کوئی بات نہ مانی۔ اب اس مین تمھارا ہی قصور ہے، اُنکا کچھ بھی نہین۔ وہ اس وقت میان الماس علی خان بہادر کے مطور نظر ہین، جو چاہین کرین، ایک رامائن کیا، پچاس رامائن مول لے سکتے ہین چنانچہ بنارس سے پانچ سو روپیہ خرچ کرکے ایک بہت عمدہ رامائن، جو بانسی کاغذ پر خوشخط لکھی ہوئی، خوبصورت رنگین تصویرون سے مزین ہونے کے علاوہ بہت پرانی بھی ہی، بڑی کوشش سے منگوائی ہے اور اب وہ روز آنہ اُس کا پاٹ کرکے خوش ہوتے ہین۔ آج کل آدمی علی العموم سوائے فارسی، عربی کے سنسکرت کا نام بھی نہین لیتے۔ شکر کا مقام ہے کہ مہاراجہ صاحب اور دیوان جی کو اس دریا سے بڑی محبت ہے ہمنے تو دونون صاحبون کو خاص کرکے سنسکرت پڑھائی ہی اور اب بھی باز نہین۔ اگلے زمانے کے برہمن کائستھون کو دھرم شاستر پڑھا کر اُن کو ہندو دھرم سے آگاہ کرتے تھے جسکی وجہ سے وہ اُن کی عزت و تعظیم کرتے تھے اور تم ایسے برہمن ہو کہ یونہی بھی مانگے نہین دیتے۔ خیر جو کچھ ہوا وہ ہوا، اب بہتر یہ ہے کہ تم دیوان جی سے معافی مانگو اور ہم سفارش کردین، ورنہ دیوان جی کا ملال اچھا نہین، حالانکہ وہ بڑے دھرماتما مُدرگ ہین، کسی کے ساتھ بدی نہین کرتے۔ لوگون نے میان الماس علی خان سے اِن کی نسبت بہت سی چغلیان کھائین تحقیقات ہونے پر سب کی قلعی کھل گئی، سب مورد عتاب ہوئے۔ لیکن، دیوان جی نے سفارش کرکے پھر سب کو اپنی اپنی جگہ پر بحال کرا دیا۔ ایسے نیک اور بھلے مانس آدمی کہین پیدا ہوتے ہین؟ اچھے کے دوست سب ہوتے ہین، بُرون کا کوئی نہین ہوتا، مگر دیوان جی صاحب بُرون کے بھی دوست ہین۔ اُن کا قول ہی کہ "نیکی نیک راہ، بدی مدراہ"۔ علاوہ اس کے تم جس کا نمک کھاتے ہو اور جسکی بدولت ہزارون روپیہ ہر سال نواب صاحب آصف الدولہ بہادر کے یہان سے پیدا کرتے ہو، اُس کے بھی تو وہ بھی خواہ ہین۔ کیا تمکو یاد نہین ہی؟ کہ جب مہاراجہ صاحب پر اُن کے ایک عزیز کی نالائقی سے عتاب شاہی نازل ہوا تھا تو، دیوان جی نے الماس علی خان سے کہہ سُن کر تقصیر معاف کرائی تھی؟ اور یہ بھی تو مشہور ہی کہ جب نواب صاحب نے دیوان جی کی ایمانداری اور علمی و انتظامی قابلیت کی تعریف سُنی تو، الماس علی خان سے کہا کہ دیوان جی کو ہمین دیدو، ہمکو ایک اور دیوان کی ضرورت ہے۔ الماس علی خان نے کہا کہ غلام اور دیوان جی دونون نمکخوار سلطنت ہین، کسی کو تعمیل ارشاد مین عذر نہین۔ جب روشن لال صاحب طلب ہوئے تو، شاہی حکم سے مطلع ہوتے ہی انھون نے دست بستہ عرض کیا کہ "خان پناہ! ارشاد والا بسر و چشم منظور، مگر خادم کے ماتھے پر یہ کلنک کا ٹیکہ قیامت تک رہے گا کہ روشن بڑا مطاع اور عبر شریف النسل تھا، جس نے پیادے سے فیل نشین کیا، اُس سے بلا وجہ خود کنارہ کش ہو کر بادشاہ کا دیوان بن بیٹھا، قدیم حق نمک اور مہربانیون کا ذرا بھی خیال

کیا۔" نواب صاحب انصاف پسند تھے، معقول جواب سُن کر نہایت خوش ہوئے اور دیوان جی کو خلعت و انعام مرحمت ہوا۔ بھلا ایسے بزرگ سے رنجش پیدا کرنا کہاں تک درست ہے؟ ہم تم اور دیوان جی سب ایک ہی بستی (یعنی دریاباد) کے رہنے والے ہیں، ہمیں لئے باہمی میل جول چاہیئے نہ کہ نفاق۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ تم اس طول طویل تحریر کو بغور پڑھ کر اس پر عمل کر کے ہمیں خوش کر دو گے۔ باقی خیریت۔ فقط۔ تمھارا خیر اندیش بیتاب از لکھنو ساون سُدی دُوج سمت ۱۹۴۳ الکرمی۔"

مذکورۂ بالا تحریر کے الفاظ اس امر پر روشنی ڈالتے ہیں کہ روشن لال صاحب فارسی کے علاوہ اپنی قومی زبان سنسکرت سے بھی خوب واقف تھے اور اس علم کی تکمیل میں پنڈت نتیا نند کے شاگرد تھے، بالمیکی رامائن کے عاشق زار تھے، بڑے اقبالمند نیک چلن اور نیک طینت تھے، دوست دشمن سب کے یکساں خیر خواہ تھے، مہاراجہ ٹکیت رائے کے ہم جلیس تھے، حق نمک کا خیال رکھتے تھے، احسان فراموش نہ تھے، طمع سے متنفر قناعت میں ممتاز تھے، اپنے مالک کو بادشاہ سے بھی زیادہ سمجھتے تھے، فطری دانائی، خوش تقریری حاضر جوابی میں لاجواب تھے، ایمانداری، سیاست دانی علمی استعداد میں دربار سلطانی تک مشہور تھے، بدین وجہ نہ صرف الماس علی خان بیجدان پر مہربان تھے، بلکہ نواب آصف الدولہ بہادر بھی ان کے دلی قدردان تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ روشن لال صاحب محض دیوان ہی نہ تھے، بلکہ ایک زبردست امیر کبیر بھی تھے اور راجوں کی سی شان و شوکت رکھتے تھے۔ ان کا مکان نہایت نفیس اور عالی شان بنا ہوا تھا۔ ان کے یہاں مصاحب، دیوان، متصدی، وکیل، منشی، معلّم، حکیم، وید، پنڈت، کُبیتر، پوجاری، شاعر، چوبدار، سپاہی، سوار، خدمت گار وغیرہ ہر قسم کے لوگ بکثرت ملازم تھے۔ پھاٹک پر نقارہ بجتا تھا، زنانی ڈیوڑھی پر روزمرہ نوبت بجتی تھی۔ ہاتھی۔ گھوڑے، اونٹ، وغیرہ جانور پلے ہوئے تھے۔ میانہ، فینس، پالکی، نالکی، ہوادار، بوچا، رتھ، بہل وغیرہ سواریاں ہر وقت موجود رہتی تھیں۔ مشہور ہے کہ شاہی زمانے میں بجز بادشاہ کے دوسرے کے یہاں نوبت بجنے کا حکم نہیں تھا، جب روشن لال صاحب کا زمانہ موافق ہوا تو ان کے یہاں نوبت بجنے لگی، شاہی دربار میں اس امر کی اطلاع کی گئی، لیکن، الماس علی خان کی مہربانی سے کچھ باز پرس نہ ہوئی، بلکہ خاص طور پر اجازت ہو گئی۔

دیوان جی صاحب دولتمند امیر ہونے کے علاوہ شان تعلقداری بھی رکھتے تھے۔ چند دیہات ذاتی، دو زبردست گانوں جہیر والے اور اندرپور، نعمت پور، بھلونہ، لال پور، میاں گنج وغیرہ عطا کردۂ الماس علی خان جملہ پندرہ سولہ مواضعات کے مالک تھے، تعلقہ لال پور کے نام سے مشہور تھا۔ دستاویز نوشتہ مہی لال صاحب (جس کا ذکر آگے آئے گا) سے پتہ چلتا ہے کہ صرف پرگنہ دریاباد کے متعلق مواضعات یعنی تعلقہ لال پور کی خاص رعایتی اور برائے نام مالگذاری (اس لئے کہ دیوان روشن لال صاحب میان الماس علی خان کے منظور نظر تھے اور ان کے بیٹے چکلہ دار و ناظم تھے) سنہ ۱۲۵۱ھ یعنی اب سے ۸۸ برس قبل ایک ہزار روپیہ سے کچھ زائد تھی، جس کے بموجب اُس وقت ان مواضعات کی نکاسی خام دس بارہ ہزار سے کم نہ رہی ہوگی، جسے آج کل چالیس پچاس ہزار روپیہ کی آمدنی والا ایک اچھا تعلقہ کہہ سکتے ہیں۔

لالہ دیبی دین صاحب فرماتے ہین کہ دیوان جی نے اپنے یہان ہر قسم کے ظروف مسی دیر بجی وغیرہ خرید کر کے جمع کر رکھے تھے، جو شادی بیاہ یا دیگر تقریبون کے موقعون پر ضرورت کے وقت امیر غریب سب کو دیے جاتے تھے برتن گم ہو جانے پر نہ قیمت لی جاتی تھی نہ عیوض لیا جاتا تھا اور نہ اُس پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ اس مفید اور معقول انتظام سے ہندو مسلمان دونون قومین یکسان مستفیض ہوتی تھین۔ اس سے دیوان جی کی شانِ امارت پر مائیگی اور مروت سبھی کچھ ظاہر ہوتی ہے۔

دیوان جی صاحب کا زمانہ قابلِ رشک زمانہ تھا۔ ان کے اقبال اور شان و شوکت کی دُور دُور تک چار دانگ طرف دھوم تھی۔ خود میان الماس علی خان صاحب کے دیوان اور رئیسانہ حیثیت رکھتے تھے، بڑے بیٹے چکلہ دار تھے، چھوٹے دو بیٹے سلطنت اودھ مین ناظم تھے۔ طرفین کے مہاراجہ ٹکیت رائے اور مہاراجہ جھاؤ لال ایسے معززین شاہی سے خاص مراسم تھے، بدین وجوہات انھین سب طرح کی حکومت حاصل تھی۔ قرب و جوار کے رئیس، زمیندار، نمبردار، مہاجن وغیرہ سب اِن کی خوشامد کیا کرتے تھے۔ الغرض دیوان جی اُن خوش قسمت بزرگون مین سے تھے، جنھین پرمیشر کے فضل سے ہر طرح کا سامانِ عیش و آرام میسر ہونے کے ساتھ ساتھ تین لائق فائق سپوتون[1] کا دیدار بھی نصیب تھا۔

روشن لال صاحب کی یادگارین برائے نام پختہ مکان، دو پختہ کنوئین (مکان کے متصل) شکستہ تالاب، دو شیوالے، بادلی کنوان، ویران گنج، شکستہ سرا و مسجد، پورہ روشن لال۔ ان کی قبر پختہ تالاب کے اُتر جانب کچھ فاصلہ پر شیوالہ سے متصل ایک پختہ حلقہ مین واقع۔ (محرران)

لالہ درباری لال صاحب چکلہ دار

دیوان روشن لال صاحب کے فرزندِ اوّل، فیاض اور منتظم رئیس و تعلقدار، بہ عہدِ نواب آصف الدولہ بہادر باڑی و سیوان کے چکلہ دار تھے۔ دل مین حب الوطنی کا جوش تھا، طبیعت رفاہِ عام پر مائل تھی، اس لئے انھون نے اپنی کل کمائی ایک عالی شان کٹرے کی تیاری مین صرف کر ڈالی اور بالکل سادی اور معمولی حیثیت سے زندگی بسر کی۔ کٹرہ کا نام اپنے ولی نعمت کے آبائی لقب پر نواب گنج رکھا تھا جس مین ایک شاندار سرا بھی تھی اور قابلِ دید بازار بھی قائم تھا۔ والد کی وفات کے چند روز بعد انتقال کیا۔ اولاد مین صرف ایک لڑکی۔

لالہ مہی لال صاحب ناظم

دیوان روشن لال صاحب کے فرزندِ دوم، رئیس و تعلقدار، دورِ آصفی مین نظامت کے اعلیٰ عہدہ سے

---

[1] بعض لوگون کا بیان ہے کہ دیوان روشن لال کے کوئی اولاد نہ تھی، انھون نے اپنے بھائیون درباری لال، مہی لال، سیوک رام کو متبنیٰ کیا تھا لیکن "دیست نامہ سلطنت رائے" کے صفحہ ۱۰ مین یہ عبارت تحریر ہے: "لالہ مہی لال درباری لال خلف دیوان روشن لال دریا آباد" اس سے بیان مذکور خلافِ واقعہ اور غلط معلوم ہوتا ہے۔ اگر درباری لال وغیرہ اولاد غیر ہوتے تو قدیم اصول کے مطابق بجائے "خلف" کے متبنی کا لفظ لکھا جاتا۔ اگلے زمانے کے لوگ اس قسم کی باتون کو ظاہر کر دیتے تھے ۱۲۔

سرفراز، وطن پرست ہونے کے علاوہ بڑے فیاض اور محبّ بھی تھے۔ انھوں نے ایک کٹرہ آباد کرکے اُس مین عمدہ بازار بھی قایم کیا تھا، اور پختہ سرا بھی سوائی تھی۔ تا زندگی غریبون اور محتاجون کی امداد کرتے رہے۔

اِن کی لکھی ہوئی ایک دستاویز مین یہ عبارت رقم ہے:۔ آنکہ مبلغ دو صد و پنجاہ و سہ روپیہ سکہ جلین کہ نصف آں یک صد و بست و شش روپیہ ہشت آنہ میتنو از بیتی پانڈے تیوارام دکانی ناتھ مہاجن ساکن دریاآباد بانصافتی لالہ مصری لال قرض گرفتہ بابت قسط چہار آنی تعلقہ لال پور وغیرہ داخل سرکار نمودہ شد اقرار آنکہ مبلغ مرقوم معہ سود حساب سوائیر دو روپیہ ماہانہ بمیعاد پا سردہ روپیہ ادا کردہ خواہد شد ہیچ عذر حیلہ نخواہد آورد بنابر آن ہذا کلمہ بطریق تمسک نوشتہ دادہ شد کہ تا فی الحال سند باشد۔ فقط (مہر مہی لال) تحریر فی التاریخ چہاردہم شہر رجب المرجب مطابق اگہن بدی یکم روز جمعہ ۱۲۵۱ ہجری مطابق ۱۲۴۳ فصلی"۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ناظم صاحب اب سے ۸۸ برس قبل موجود تھے اور وہ باوجود تعلقہ لال پور کے مالک ہونے کے اپنی نامنتظمی و فضول خرچی کے باعث اِس قدر تہیدست رہتے تھے کہ جب ایک دفعہ دو سو ترپن روپیہ دستاویز لکھ کر مہاجن کے یہان سے قرض لیا گیا تب سرکاری مالگذاری ادا ہوئی۔

تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ لالہ درباری لال صاحب کے مرتے ہی ناظم صاحب کی غفلت و ناعاقبت اندیشی سے قریب قریب کل علاقہ انھین کی زندگی مین زیر بار ہو کر غیرون کے قبضہ مین آچکا تھا۔ جہنیر والے دو گاؤن فروخت ہونے کے بعد پرگنہ دریاباد کے متعلق لال پور، بھلونہ، اندر پور، لمت پور، راجہ بھوانی پرشاد صاحب کے یہان رہن کئے گئے تھے، جو واپس نہین ہوئے اور میان گیج رائے صاحب کے یہان بیچڑا لا گیا تھا، باقی مواضعات پر دیگر اشخاص ذریعۂ بیعنامہ قابض ہو گئے تھے۔ جو لالی صاحب کے مرنے پر ان کے بیٹے بھیا ہر پرشاد نے جو کچھ مستیت باقی رہ گئی تھی (یعنی کٹرہ مہی لال و درباری لال و بازار سیوک رام کے متعلق پھاٹک، پختہ دوکانون، سراؤن کی اسٹیٹین اور کڑیان، قیمتی پارچے شال و دشالے دریان، قالین طلائی زیورات، ظروف نقرہ و مسی، ہاتھی، گھوڑے وغیرہ) اُس پر ہاتھ صاف کرکے کٹرہ روشن لال کی دوکانون کے کرایہ پر گذر اوقات کی ٹھہرائی۔ ہر پرشاد کے لڑکے لالا تاپرشاد و شنکر لال کے وقت مین کٹرہ کی نصف شہر پناہ معہ سرا تلک رام کلوار نے ذریعۂ نیلام کھدوا کے اپنا قرضہ وصول کیا، نصف کٹرہ یون تباہ و برباد ہوا، اور نصف کٹرہ بیع و قرض کے ذریعہ سے راجہ صاحب ہڑاہا کے قبضہ مین آگیا۔ موجودہ مکان جو برائے نام باقی رہ گیا ہے، اُس کا کچھ حصّہ ذریعۂ رہن راجہ صاحب ہڑاہا کے قبضہ مین ہے اور کچھ حصّہ محفوظ، جس پر شنکر لال کی اولاد مین شمبھر دیال اور اُن کے رشتہ دار لالہ رامدت تاحال قابض، مگر بیع کی فکر مین مستغرق۔ شمبھر دیال آر یم یس مین سارٹو ساٹھ روپیہ ماہوار بنارس سکونت۔ لالہ رامدت پنشن یافتہ، بہرائچ سکونت۔ (مہران)

شیخ فضل علی صاحب چکلہ دار

از خاندان شایق دریاباد، بڑے خوش نصیب، شجاع، اولوالعزم رئیس ہونے کے علاوہ شاہی الطاف سے سرفراز چکلہ داری کے عہدہ پر فائز۔ اچھی خاصی زمینداری تھی، کئی ایک مواضعات قبضہ مین تھے، سربرآوردہ

رئیسون میں شمار تھا۔ شیخ مدت علی صاحب کے نامی بیٹے تھے۔ نواب آصف الدولہ بہادر کے زمانے سے غازی الدین حیدر بادشاہِ اودھ کے عہدِ حکومت تک چکلہ داری پر ممتاز رہے۔ غالباً اب سے پون صدی قبل یہ قیدِ حیات تھے۔ اِن کا مکان اُس مقام پر تھا، جسے آج کل رام کا جبوترہ کہتے ہیں۔ یہ مکان ایک عالی شان عمارت تھی، جس میں دیوانخانہ، بارہ دری وغیرہ نامون کی کئی ایک عمدہ عمارتیں شامل تھیں۔ اِس مکان کے بیرونی حصّہ کا شکستہ پھاٹک راقم الحروف نے خود دیکھا ہے، جو اب سے ۳۰ برس قبل موجود تھا۔ جگاتی املی کے پاس ہی، جہان آج کل ٹھوٹھرجی کا مکان ہے۔ شیخ صاحب کی ایک نفیس مسجد تعمیر تھی، اور پختہ امام باڑہ بھی بنا ہوا تھا۔

چکلہ دار صاحب کی وفات کے بعد اگلی حیثیت ایک افسانہ ہوگئی۔ اِن کے بیٹے شیخ نعیم اللہ نے کُل موضعات بیچ ڈالے۔ مکان کس مپرسی کی حالت میں منہدم ہوکر بے نام و نشان ہوگیا۔ نعیم اللہ نے لاولد وفات پائی۔ (ٹھیکانی ٹولہ)

راجہ بھوانی پرشاد صاحب

سری واستو یہ دوسرے کائستھ چھتری ورن، معروف بہ پانڈیہ الموڑھا، ال بردھان تلوکچندی، از نسل مہاراجہ تلوکچند سریر آرائے سلطنتِ دہلی، لالہ مُرار سنگھ صاحب کے بڑے بیٹے، نامی گرامی رئیس، سلطنتِ اودھ کے وزیر مال، راجگی کے خطاب سے سرفراز۔

راجہ صاحب کے بزرگ الموڑھا کے رہنے والے راج کمایون کے وزیر تھے۔ جس وقت وہان کے راجہ سُکھونت (مہاراجہ بکرم کے کئی صدی قبل) راجہ جے پال کے وقت میں دہلی پر حملہ آور ہوئے تو وہ بھی اُن کے ہمراہ دادِ شجاعت میں مصروف تھے۔ جنگ میں راجہ جے پال عرف راج پال کو شکست ہوئی اور راجہ صاحب ممدوح سلطنت دہلی کے مالک ہوگئے۔ اِس خوشی میں بصلۂ خیرخواہی راجہ سُکھونت کے دربار سے اُنھیں بہرائچ کی راج جاگیر میں عطا ہوئی اور اِس سلسلہ میں اُنھوں نے الموڑھا قدیم وطن ترک کرکے بہرائچ میں رہنا اختیار کیا۔ چونکہ یہ بزرگ شراب و گوشت سے قطعی محترز تھے اِس لئے پانڈیہ الموڑھا کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اس خاندان میں کئی پشتوں کے بعد راجہ تلوک چند بہت بڑے نامی گرامی اور اقبالمند راجہ ہوئے، جنھوں نے ۴۳۳ء بکرمی مطابق ۵۸۶ء میں راجہ بکرم پال والئی دہلی کو شکست دیکر ہندوستان کی حکمرانی حاصل کی، جس نے تمام قلمرو میں ایک مدت تک فتح و ظفر کا ڈنکا بجانے کے بعد بہت بڑی خونریز فوج لیکر بہرائچ پر چڑھائی کی تھی۔ مہاراجہ بہادر نے آخر زمانہ میں مذہب بودھ قبول کرلیا تھا۔ دو برس سلطنت کرکے ۹۸ سال کی عمر میں عالم جاودانی کی راہ لی۔ اُن کے بعد بکرم چند، کوچ چند، کان چند، رامچند، ادھر چند، کلیان چند، ہیم چند، گوبند چند آٹھ راجے یکے بعد دیگرے دہلی کے تخت پر بیٹھے۔ آخری راجہ گوبند چند کی وفات پر چونکہ اُن کے بیٹے کنور بھان چند صرف چھ مہینے کے تھے، اِس لئے اُن کی زوجہ محترمہ مہارانی یم دیوی مسند نشین ہوئیں۔ لیکن، وزیروں کی

ف حس کائستھوں نے مذہب بودھ اختیار کرلیا تھا وہ شراب و گوشت سے پرہیز کرنے کے باعث پانڈیہ ہردھان، اودھا ٹھی کے لقب سے مشہور ہوگئے تھے، جس کا سلسلہ اس وقت تک قائم ہے۔

نمک حرامیون سے تنگ آکر ایک ہی سال کے بعد ۷۳۲ء مین دہلی کا تخت چھوڑ دیا اور قدیم و موروثی راج بہرائچ مین قیام فرمایا۔ اس طرح قریباً ڈیڑھ سو برس کے بعد مہاراجہ تلوک چند کا خاندان تختِ دہلی سے محروم ہوگیا۔ کو دھان چند کی آٹھوین پشت مین راجہ بھگونت سین بڑے بہادر راجہ ہوئے۔ اُن کے وقت مین سید سالار مسعود غازی نے بہرائچ پر حملہ کیا لیکن مسلمانون کو شکست اور راجہ صاحب کو فتح نصیب ہوئی اور سید سالار مارے گئے۔ راجہ بھگونت سین بھی اس جنگ مین کام آئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مسلمان لوگ ہندوستان پر حملہ آور ہو رہے تھے اور ہندوؤن کو جبراً مسلمان کر ڈالتے تھے۔ اس خوف سے اُن کے بیٹے رائے بھوپ سین صاحب بہرائچ کا راج پاٹ چھوڑ کر اجودھیا مین سکونت پذیر ہوگئے اُن کی اولاد مین رائے کھرگ سین سمبت ۱۶۰۰ بکرمی مطابق ۱۶۳۸ء مین ریاست تلوئی (ضلع رائے بریلی) کے نائب ہوئے۔ اُن کے پوتے راجہ رام بشنداس، بسی دھر، ہردے رام۔ اول الذکر دونون صاحب ۱۷۱۶ء کے بعد قصبہ اِنھوہ (رائے بریلی) مین آباد ہوگئے، بسی دھر لاولد فوت ہوئے، ہردے رام کے بیٹے چھتر پتی نے لکھنؤ چھوڑ کر دریاباد مین سکونت اختیار کی جو مرار سنگھ صاحب کے دادا اور راجہ بھوانی پرشاد صاحب کے پردادا تھے۔ اس سے صرف یہی نہین ثابت ہوتا ہے کہ راجہ صاحب بہت بڑے معزز خاندان مین سے تھے اور اِن کے بزرگ بے مثل شجاع اور سلطنتِ دہلی کے فرمانروا تھے، بلکہ اِس امر پر بھی گہری روشنی پڑتی ہے کہ کائستھون کے اقبال کا آفتاب بھی کسی وقت نصف النہار پر تھا، جبکہ اِن مین اصلی شان موجود تھی۔ یعنی کائستھ لوگ چھتری ورن ہونے کی وجہ سے اب سے ہزار بارہ سو برس قبل راجپوتی آن بان، راجپوتی جوش، راجپوتی دلیری و شجاعت کے ساتھ ساتھ شاہانہ جاہ و جلال رکھتے ہوئے کشورکشائی و ملکی فرمانروائی مین باعدل و انصاف مصروف ہوکر چار دانگِ عالم مین مشہور تھے۔

تفصیل

پشت نامہ خاندان بسنت رائے (منشی ماتا پرشاد صاحب مرحوم وکیل کے بزرگوار) کی یہ عبارت "بنس سماندہان کہ مشار الیہ در قصبہ دریاآباد بخانۂ لالہ ہلاس رائے تربیت رائے خوشباش لال پردھان تلوکچندی منسوب شدند" ظاہر کرتی ہے کہ راجہ صاحب کے خاندان سے منشی ماتا پرشاد صاحب مرحوم کے بزرگون سے رشتہ داری قائم تھی۔ لیکن "تاریخ پانڈیہ الموڑھا" مین راجہ صاحب کے خاندانی سلسلہ کی فہرست اِن نامون سے خالی نظر آتی ہے تاریخی شجرہ مین ہردے رام کے بیٹے کا نام چھتر پتی اور پوتے کا نام بھاگ مل درج ہے۔ بھاگ مل کے مرار سنگھ اور ایک بیٹی اور مرار سنگھ کے چار بیٹے، ایک بیٹی تھی۔ اِن لڑکیون کی شادیان دوسری جگہون مین ہوئی تھین۔ چونکہ یہ بزرگ تلوک چندی کائستھ اور دریاباد کے نئے باشندے (خوشباش) تھے، جہان آج تک کوئی دوسرا پانڈیہ یا پردھان تلوکچندی کائستھ نہیں سُنا گیا، اس لئے یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ پلاس رائے و تربیت رائے انھین بزرگون کے مشہور نام ہونگے، جن کی تشریح شجرہ مین سہواً نہین درج ہوسکی اور اسی طرح دیگر لڑکیون کے نام بھی لکھنے سے رہ گئے پشت نامہ مذکور بابو کالکا پرشاد صاحب عرف دُلارے کے پاس موجود ہے۔

راجہ بھوانی پرشاد صاحب پہلے شاہی مقدیون مین ملازم ہوئے چند روز کے بعد منصفی گری پر مامور ہوکر

ماخوذ از ناسخ چھتری کانپور، سیر المتاخرین، اودھ کا بیان، خلاصہ تواریخ، تاریخ پانڈیہ الموڑھا ۱۲۔

ایسے فرائض منصبی نہایت ایمانداری و دیانت داری کے ساتھ انجام دینے لگے۔ ایک ہی سال کے اندر نواب سعادت علی خان بہادر نے اِن کی علمی قابلیت و فطری دانائی اور حسنِ کارگذاری پر خوش ہوکر انھین دیوانگری کے معزز عہدہ پر سرفراز فرماکے خلعت فاخرہ سے ممتاز فرمایا اور ساتھ ہی اِس کے خطاب راجگی بھی مرحمت ہوا۔ بعد وفاتِ نواب صاحب بہادر ممدوح غازی الدین حیدر بادشاہ اودھ کے عہد حکومت مین بھی یہ اُسی عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے "خلاصہ تواریخ پانڈے الموڑھا" (مولفہ منشی سگت پرشاد صاحب طالع لکھنوی مطبوعہ مطبع مظہر العجائب لکھنؤ ۱۸۹۲ء صفحہ ۱۳۲، خانۂ کیفیت) سے ثابت ہوتا ہے کہ راجہ صاحب کو راجگی کا خطاب معہ عہدۂ دیوانی غازی الدین حیدر شاہِ اودھ (۱۲۳۳-۱۲۲۹ھ) نے عطا فرمایا تھا۔ لیکن، بوستانِ اودھ (مولفہ راجہ درگا پرشاد صاحب مہر تعلقدار سندیلہ صفحہ ۶۴) مین لکھا ہے کہ "نواب سعادت علی خان بہادر نے اِن کی دیانت داری پر خوب اعتماد کرکے انھین عہدۂ نظامت سے سرفراز فرمایا تھا۔ بعض بزرگون کی زبانی یہ بھی سُنا گیا ہے کہ راجہ بھوانی پرشاد صاحب دورِ آصفی مین بخشی نواب سعادت علی خان بہادر کے زمانے مین ناظم اور غازی الدین حیدر بادشاہ کے وقت مین دیوان عام رہے۔ راجگی کا خطاب بھی اسی عہد مین عنایت ہوا تھا۔

دریاباد مین اِن کا نام نکٹے راجہ کے لقب سے مشہور ہے، جس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ اِن کے کسی دشمن نے اِن پر حملہ کیا تھا، مگر یہ صاف بچ گئے، صرف ناک ذراسی زخمی ہوگئی تھی جس کا نشان زندگی بھر قائم رہا۔ یہی وجہ تھی کہ لوگ انھین نکٹے راجہ کہتے تھے۔ بعض بزرگ یہ بھی کہتے ہین کہ جب تک یہ بخشی رہے، تب تک نکٹا بخشی اور راجگی کا لقب حاصل ہونے پر نکٹے راجہ مشہور ہوئے۔ لکھنؤ مین اُس وقت یہ الفاظ زبان زد عوام تھے۔ نکٹا بخشی، سڑی نواب۔ نکٹا بخشی بھوانی پرشاد، اور سڑی نواب سعادت علی خان بہادر تھے۔" لیکن، اِس افواہ کی کچھ اصلیت نہین پائی جاتی، جو بالکل خلافِ واقعہ ہے۔ کیونکہ تاریخون مین نواب سعادت علی خان بہادر کو بہت بڑا منتظم اور نہایت عقلمند لکھا ہے اور راجہ بھوانی پرشاد کا دربار شاہی مین باریاب ہوکر ارکین سلطنت مین شامل ہونا اِس بات کی کافی دلیل ہے کہ یہ نکٹے نہ تھے۔ ظاہر ایہ کہ روائی اُن مدعاشون، خودغرضون اور حرام خوارون کی معلوم ہوتی ہے جو راجہ ٹکیت رائے اور نواب آصف الدولہ بہادر کی فیاضی اور سیر چشمی سے مالامال ہوکر ہر شب شب برات اور ہر روز عید کا لطف اُٹھاتے تھے۔ مگر نواب سعادت علی خان بہادر اور راجہ بھوانی پرشاد صاحب کے وقت مین دودھ کی مکھی کی طرح دربار سے نکال دئے گئے تھے۔ راجہ صاحب زبردست اہل و عیال والے تھے، راجہ ٹکیت رائے صاحب کی طرح جن کے آگے پیچھے کوئی نہ تھا، کیونکر زرنجشی پر آمادہ ہوتے؟ اور نواب صاحب بہادر کو اِس بات کا قلق تھا کہ "ہائے آدھا ملک نگل گیا"۔ وہ دن رات اِس فکر مین مستغرق رہتے تھے کہ کسی طرح روپیہ جمع کرکے ملک سرکار انگریز سے واپس لیجئے۔ چنانچہ بہت جلد، اکرور روپیہ اُنھون نے جمع کرلیا تھا۔ ایسی حالت مین نواب صاحب ممدوح نواب آصف الدولہ بہادر کے مانند گھرباشی اور ریاشی مین کس طرح مشغول ہوتے؟ جن کی ہمت عالی اسی مشغلہ کو نظام سلطنت کا ایک جزوِ اعظم اور زندگی کا خاص مقصد قرار دے چکی تھی۔ اگر راجہ صاحب نکٹے اور نواب صاحب سڑی ہوتے تو راجہ درگا پرشاد صاحب مہر اپنی تاریخ "بوستانِ اودھ" مین ضرور تحریر فرماتے جنھون نے نواب آصف الدولہ، بہو بیگم، الماس علی خان

ٹکیت رائے وغیرہ مشہور رئیسون کی بابت ایک اسحاق آمیز قطعہ لکھنے سے دریغ نہ فرمایا، جو اُس وقت لکھنؤ مین بہت مشہور اور زبان زد عوام تھا اور جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بہی خواہان سلطنت ان بزرگون کی ریاضی سے خوش نہ تھے۔ مہر صاحب نے راجہ بھوانی پرشاد صاحب کو متدین کارندہ تحریر فرمایا ہے، برخلاف اس کے راجہ ٹکیت رائے کے بدن کی خوب قلعی کھولی ہے۔ العرض راجہ صاحب مکٹے نہ تھے۔ ناک پر تلوار یا چاقو کے زخم کا نشان پڑ جانے کے باعث دریاباد کے مسخرون اور بیہودہ لوگون نے فضول انھین مکٹے راجہ کہہ کر بدنام کر دیا تھا۔

راجہ صاحب آغاز جوانی مین بیجا عیش و عشرت پر مائل ہو گئے تھے۔ مگر چند ہی روز کے بعد طبیعت راہ راست پر آکر سنبھل گئی تھی۔ حلیق، ملنسار، دلیر، حوصلہ مند، با مروت، ذی علم، باوضع بزرگ تھے۔

ان کی دو شادیان ہوئی تھین۔ تین بیٹے تھے۔ کنور راجو دھیا پرشاد، مصری لال، ہمت بہادر، جن کی اولادین خیر آباد، رائے بریلی، کانپور، ملرام پور مین تا حال موجود۔

بیان کیا جاتا ہے کہ راجہ صاحب شاہی دیوان ہونے کے ساتھ ساتھ اچھی خاصی رئیسانہ حیثیت بھی رکھتے تھے۔ نعمت پور، بھلونہ، لال پور، میر مگر وغیرہ سات آٹھ مواضعات کے مالک تھے۔ ان کے یہان دولت کثیر تھی۔ ایکے مرنے کے بعد ان کے بیٹون نے اشرفیان ترازو مین تول تول کر باہم تقسیم کی تھین۔ علاوہ نقد روپیہ کے مرصع زیورات قیمتی شال دوشالے بھی بہت تھے۔ لیکھراج کے لڑکے بینی پرشاد نے ایک طلائی مرصع کنگن ایک مہاجن کے پاس گیارہ سو روپیہ پر رہن کیا تھا۔ رانی صاحبہ (راجہ صاحب کی بی بی) نے ایک تسیرو ہان کڑے کی جوڑی راجہ صاحب ہرٹرا کے ہاتھ ایک ہزار روپیہ کو فروخت کی تھی۔ راجہ صاحب کے بیٹے خوش پوشاک ہونے اور قیمتی کپڑے پہننے مین دور دور تک مشہور تھے۔ روزمرہ پانچ روپیہ قیمت کا کامدار جوتا پہنتے تھے، مگر تقریبون یا دیگر موقعون پر پیدہ روپیہ قیمت والا زرین پاپوش استعمال کرتے تھے۔ ہمت بہادر نے ایک شادی کی تقریب مین خدمت گارون کو ایک شال دوشالے تقسیم کئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ راجہ صاحب نے لاکھون روپیہ پیدا کیا تھا۔ مگر افسوس کہ انھون نے کوئی ایسی یادگار نہ قائم کی کہ آج ان کا نام بھی دیوان روشن لال صاحب کی طرح فخر کے ساتھ لیا جاتا اور وطن والے ان کے مشکور ہوتے۔

جب تک راجہ صاحب زندہ رہے، امیرانہ شان و شوکت بدستور قائم رہی۔ ان کی وفات کے بعد ان کی جائیداد باہمی نفاق کی وجہ سے ان کے لڑکون مین غارت ہو ہو کر تقسیم ہوئی۔ زمین نابی گئی، شال دوشالے مساوی حصہ کی غرض سے پھاڑے گئے، دریان قالین بستر سامان وغیرہ ٹکڑے ٹکڑے کر کے بانٹی گئین، زیورات توڑ توڑ کر ایک دوسرے کے حصے مین آئے، الغرض اسی طرح ترکہ کی ہر چیز بیتا ناس کی گئی۔ اس حماقت آمیز باہمی تقسیم کے بعد اشرفیان خفیہ طور پر رہن ہونے لگین۔ ایک اشرفی دو تین روپیہ کے عیوض رہن ہوئی، وہ مہاجن ہی کے پاس رہی، کہ دوسری اشرفی رہن کی گئی۔ اس طرح چند روز مین بلا حساب کتاب کل زر نقد مہاجنون

ے ان کے لڑکے مہاراج بہادر کی شادی لکھنؤ کے مشہور رہبر و شاعر منشی جگناتھ پرشاد خوشتر کے یہاں ہوئی تھی ۱۲۔

کے قبضہ مین آگیا اور اکثر معمولی آدمی دولت مند ہوگئے۔ جب خزانہ خالی ہوچکا تو، زمینداری کی نوبت آئی اور تھوڑے ہی دنون مین ذریعۂ بیع تصرف مین آگئی۔ اب رہی جائیداد غیر منقولہ (عالی شان حویلی، باغات) اُسے راجہ صاحب کے پوتون نے تلف کرڈالی۔ مکان کی ہر چیز (مثلاً اینٹین اور کڑیان وغیرہ) مٹی کے مول فروخت کی گئی اور باغات ذریعۂ بیعنامہ دوسرے کے قبضہ مین آگئے۔ خلاصہ یہ کہ بہت جلد کثیر دولت (یعنی نقد، خاص اشرفیاں) وزیورات اور تمام جائیداد فروخت و تباہ ہوگئی اور اِس طرح راجہ صاحب اور اِن کے بزرگون کا نام و نسان دریاباد سے ہمیشہ کے لئے مٹا دیا گیا۔

مرحوم بہت بڑے خوش نصیب تھے۔ ہر طرح اِن کا زمانہ موافق تھا، کسی بات کی کمی نہ تھی۔ دھن، دولت، شان وشوکت، اعزاز و مرتبہ، اولاد وغیرہ سبھی کچھ میسر تھا۔ یہ چار بھائی تھے اور چارون صاحب اولاد و متفق الرائے۔ تین بھائی الطافِ شاہانہ سے سرفراز، ایک بھائی گھر کے کاروبار مین مصروف۔ تاریخ پانڈے الموڑھا (راجہ صاحب کی خاندانی تاریخ) مین جو شجرہ چھپا ہے، اُس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ راجہ صاحب اور اِن کے تین بھائیون کی اولاد مین چودہ بیٹے، سترہ پوتے چار بیٹیان، چھ پوتیان تھین، جن کی مجموعی تعداد اہم ہوتی ہے۔ اِس سے پایا جاتا ہے کہ راجہ صاحب کے وقت مین اِن کا خاندان بہت عروج پر تھا اور اِن کے گھر مین غیر معمولی رونق رہا کرتی تھی۔ (محرران)

مرزا بُلاق بیگ صاحب

مرزا چغتائی، اصل نام حسن علی بیگ، سردار مرزا بخش اللہ بیگ صاحب ناظم کے بیٹے، رعب دار، خوبصورت بڑے کلّے ٹھلّے کے اور نوک پلک والے رئیس تھے۔

حالاتِ خاندانی مرزا محمد یوسف بیگ (مطبوعہ اخبار دبدبۂ سکندری پریس، ریاست رامپور ۱۹۰۸ء) مین لکھا ہی کہ "سردار مرزا بخش اللہ بیگ بہ عملداری نواب آصف الدولہ بہادر ملک قندھار سے آئے تھے اور بہ عہدۂ نظامت ممتاز ہوئے۔ چونکہ علاقۂ نظامت قریب قصبۂ دریاباد تھا لہذا معہ اپنے قبائل کے دریاباد مین قیام کیا اور علاقۂ بسدا س پور وغیرہ معہ دریاباد[1] خرید کیا۔" واجب العرض بشنداس پور سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا بخش اللہ بیگ صاحب نے ۱۱۷۰ھ فصلی مین بشنداس پور معہ دیگر دیہات کے کھرے کائستھون سے خرید کیا تھا۔ یہ زمانہ نواب شجاع الدولہ بہادر کے عہد حکومت کا ابتدائی زمانہ تھا۔ اِس سے قیاساً معلوم ہوتا ہے کہ سردار صاحب نواب ابو المنصور خان صفدر جنگ کے زمانے مین آئے ہونگے اور اُنھین کی بیحد مہربانیون سے نظامت کے اعلیٰ عہدہ پر ممتاز ہوکر شجاع الدولہ بہادر کے شروع زمانہ مین علاقہ حاصل کیا ہوگا۔ سُنا جاتا ہے کہ سردار صاحب نے ایک بہت بڑا موضع جو نظامتِ بہرائچ کی تعیناتی کے وقت قبضہ مین تھا، اور جس مین کئی ایک دیہات شامل تھے، سید سالار مسعود غازی کی درگاہ مین وقف کردیا تھا۔ اِسکی تصدیق درگاہِ شریف کے اندرونی دروازہ کے ایک کتبہ[2] سے ہوسکتی ہی۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہی کہ سردار صاحب

---

[1] صرف کھرے کائستھون کے مقبوضہ سکنے ۱۲ مولف [2] کتبہ مین فارسی کا یہ قطعہ کندہ ہی۔ **قطعہ** باعتقاد سیادت نام بخش اللہ گرفت
از سر توفیر موضع درگاہ بود مدد جناب سعید پاک شہید: ہمہ دجوہ رد بیہات آن معافی جاہ: اگر کسے متعرض شود اران دیہات، علیہ تا بقیامت مدار لعن اللہ ۱۲

اُس مکان مین رہتے تھے جو آج کل مرزا محمد یوسف بیگ صاحب کے قصہ مین ہے۔ اِس مکان کا مشرقی حصہ (زنانخانہ) لالہ نندھی لال صاحب کھرے کائیتھ کا ذاتی مکان تھا جسے سردار صاحب نے اُن سے خرید کر کے ضروری ترمیم کے بعد بارہ دری وغیرہ بنوا کر اُسے ایک وسیع اور شاندار امیرانہ عمارت کی صورت مین تبدیل کر دیا تھا۔ نواب آصف الدولہ بہادر نے ایک مرتبہ اِس بارہ دری مین دعوت کھائی تھی، جو مرزا بخش اللہ بیگ صاحب کی استدعا پر قبول کی گئی تھی۔ نواب صاحب ممدوح مرزا صاحب پر خاص مہربان تھے۔ اُس وقت کے چند برتن مرزا صاحب کے خاندان مین مرزا بنّے صاحب کے پاس اب تک موجود ہین۔ یہ ظروف چینی کے ہین، جو نہایت نفیس اور خوبصورت پھولدار دیکھنے کے قابل ہین۔ سردار صاحب کے بعد اُن کے بیٹے مرزا بلاق بیگ صاحب نے اپنے داماد مرزا نیاز بیگ صاحب کو یہ مکان بخشدیا تھا۔

ایک دستاویز سے پتا چلتا ہے کہ مرزا بلاق بیگ صاحب ۱۲۱۷ھ کے قبل تعلقہ کے مالک ہو چکے تھے اور ۱۲۱۷ھ سے علاقہ زیر بار ہونے لگا تھا۔ واجب العرض بشنداس پورے ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے ۱۲۴۹ فصلی مین اپنا کُل تعلقہ رائے سورج بلی صاحب تعلقدار امیور کے پاس صرف گیارہ ہزار پچاس روپیہ کے عوض رہن کر دیا تھا۔ اِس سے اِن کی فضول خرچی اور ناعاقبت اندیشی ثابت ہوتی ہے۔

ان کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی، مگر لڑکیان چار تھین۔ ایک مرزا نیاز بیگ صاحب کو، دوسری مرزا تقی بیگ صاحب کو، جو سردار مرزا بخش اللہ بیگ صاحب کے چچازاد پوتے تھے، تیسری اور چوتھی خواجہ مرزا کو۔ اِنھون نے اپنی کل جائداد معہ مکفول شدہ زمینداری کے اِنھین لڑکیون مین بحصۂ مساوی تقسیم کر دی تھی۔

افسوس ہے کہ مرزا صاحب کے حالات اِس سے زیادہ باوجود کوشش کچھ بھی نہ معلوم ہوئے۔ ناچار مندرجہ بالا چند سطرون پر قناعت کی گئی۔ آج کل اِن کے خاندان مین مرزا غفار بیگ صاحب عرف بنّن بقید حیات (مغلوب الحال)

رائے ابھرام بلی صاحب

ماتھر کائیتھ، چھتری ورن، دریاباد کے مشہور و معروف خاندان کے اعلیٰ رُکن، بڑے زمانہ شناس، اقبال مند، خوش نصیب، دانشمند، اور اُولوالعزم رئیس و تعلقدار تھے، جنھون نے اپنے قابلِ تعریف طرزِ عمل سے نہ صرف اپنے باپ دادے کا نام روشن کیا، بلکہ خاندان کی شہرت مین بھی چار چاند لگا دیے۔ ولادت تخمیناً ۱۲۰۷ فصلی مطابق ۱۷۹۹ء، وفات جیٹھ سدی پورنماشی ۱۲۸۷ فصلی مطابق جون ۱۸۷۹ء۔

اِن کے والد رائے سورج بلی صاحب بڑے عقلمند تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ "وہ ایسے ہوشمند اور زیرک تھے کہ اُس وقت اُن کے برابر کوئی نہ تھا۔ دریاباد میں آدھی عقل اُن کے پاس تھی اور آدھی عقل مین تمام دریاباد کے باشندے شریک تھے۔" لیکن، منشی رام[۵] اوتار لال صاحب کے بیان سے، جسے اُنھون نے اپنے دادا کی زبانی سُنا تھا، ظاہر ہوتا ہے کہ سورجبلی صاحب صرف دریاباد ہی مین عقلمند نہین مشہور تھے، بلکہ دریاباد، اُردولی، سورجیور

۵ ساکن بھلسر، سابق مدرس مدرسۂ حیول، حال دیوانِ ٹھاکر رام پال سنگھ صاحب رئیس سکرور ۱۲۔

تین پرگنون کے وسیع رقبہ مین بجز دو آدمیون کے تیسرا کوئی شخص اُن کا مدِّمقابل نہ تھا۔ اِن دو آدمیون مین سے ایک صاحب رُدولی کے تھے، دوسرے صاحب سورہیور کے۔ مذکورہ پرگنون کے متعلق ہر اہم معاملہ کا فیصلہ انھین تینون بزرگون کی باہمی صلاح و مشورہ پر منحصر تھا۔ یہ جو رائے تجویز کر دیتے تھے وہ نہایت معقول اور قابلِ عمل ہوتی تھی۔ سورج بلی صاحب نے اپنی فطری دانائی سے قدیم تعلقہ کو خوب وسعت دی۔ وہ دوراندیش بھی تھے۔ اُن کے وقت مین ریاست کمیار، رانی مئو، سکرورھا، نیورا، بَردلی، شاہ پور، دھنانوان، آٹا، پرسیور وغیرہ کے بہادر سردارون سے از سرِ نو دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے تھے، جو شاہی زمانے مین وقتاً فوقتاً اُن کی مدد کے لئے تیار رہتے تھے۔ عمال شاہی بھی اُن کی اطاعت سے اُن کا دم بھرتے تھے۔ چیت سدی تیرس ۱۲۵۹ فصلی کو وفات پائی۔ یادگار مین گویال مندر اور پھلواری والا اٹھا کر دوارہ (متصل ٹکیتی تال) جسے اب رائے راجیشر بلی صاحب نے سر سے سنوار رہے ہین۔

واجب العرض تعلقہ رامپور و تاریخ تعلقداران اودھ سے پایا جاتا ہے کہ رائے صاحب کے مورث اعلیٰ رائے پرتھی راؤ بہ عہدِ محمد جلال الدین فیروز شاہ بادشاہ دہلی ۷۰۸ھ مین صوبہ دار اودھ کے ہمراہ محمود آباد آکر، جو اُس وقت حکام شاہی کا صدر مقام تھا، سکونت پذیر ہوئے اور ساتھ ہی اس کے صیغہ داری و قانونگوئی سے بھی سرفراز ہوئے۔ چونکہ اُس زمانے مین بھڑ قوم کا اِس طرف بڑا زور و شور تھا، اِس لئے صوبہ دار صاحب نے رائے پرتھی راؤ کی مدد سے اِس قوم کا خاتمہ کر کے امن و امان کی بنیاد قائم کی۔ اِس خیر خواہی کے صلہ مین صوبہ دار ممدوح کی سفارش سے ۳۶ مواضعات پرتھی راؤ کو دربارِ دہلی سے عطا ہوئے۔ لیکن چند روز کے بعد بدنظمیٔ سلطنت کے باعث بھڑ قوم نے پھر سر اُٹھایا، جس نے پرتھی راؤ کے کل خاندان کو تہ تیغ کر کے تمام مواضعات پر قبضہ کر لیا۔ اُس خاندان سے صرف ایک حاملہ عورت بچ گئی تھی، جو رفقاء قدیم کی حمایت سے دہلی اپنے ماں باپ کے گھر پہونچی اور وہان نیما راؤ[1] پیدا ہوئے۔ بالغ ہونے پر اُنھون نے اپنی دانائی و حسنِ قابلیت سے دربارِ شاہی مین حاضر ہو کر اپنا آبائی منصب حاصل کر کے بہ عہدِ سلطان محمد مرزا بادشاہ ۸۴۵ھ مین دریا خان صاحب صوبہ دار کے ہمراہ آکر اپنے قدیم وطن محمود آباد کی سکونت اختیار کی۔ صوبہ دار موصوف نے بھڑ قوم کو خارج کر کے پھر نئے سر سے جملہ دیہات بر نیما راؤ کا قبضہ کرا دیا۔ اُس وقت دریا باد ایک جنگل[2] تھا۔ نیما راؤ کے مشورہ سے صوبہ دار صاحب نے جنگل کٹوا کے اپنے نام سے "دریا باد" آباد کیا اور بجائے محمود آباد کے اِسے حکام شاہی کا صدر مقام قرار دیا۔ جنگل مذکور کا ایک بہت بڑا ٹکڑا نیما راؤ کو عنایت ہوا، جسے اُنھون نے آباد کر کے اپنی سکونت اختیار کی اور آباد شدہ حصہ "پٹی دریا باد" کے نام سے موسوم ہو کر تعلقہ کا ایک جزو تسلیم کیا گیا۔ بعد اُس کے نیما راؤ کی نسل والون نے رہن و بیع کے ذریعہ سے ۳۰ مواضعات اور پٹیات حاصل کر کے ۵۷ مواضعات کا تعلقہ قائم کر دیا، جو اِس وقت تک برقرار و بحال ہے۔ ایک شاہی فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ نیما راؤ کی اولاد مین روپ چند و سندر داس کو چار سو بیگھہ پختہ آراضی بطور زنانکار

[1] اِن کی ماں نے بیم کے ایک درخت کے جوف مین پناہ لی تھی اِس وجہ سے نیما راؤ نام رکھا گیا۔ سنا جاتا ہے کہ یہ درخت کیونلا پور مین تھا۔ یہ حضرت کے خاندان والے اب تک اُس مقام کو بہت متبرک خیال کرتے ہیں ۱۲ [2] راقم کو اس رائے سے اتفاق نہیں۔ ملاحظہ ہو باب اول، ذکر دریا باد ۱۲۔

۱۰۲۵ھ مین شہنشاہِ جہانگیر کے دربار سے مرحمت ہوئی تھی نقلِ فرمان حسبِ ذیل ہی:۔

فرمان عالی شان چون بموجب اسناد حکام مواری چہار صد بیگہ زمین مزروع از یرگنہ دریاباد سرکار اودہ در وجہ نانکار روب چند قانونگوئی پرگنہ مذکور مقرر بود در سیو لا سندر داس ولد مشار الیہ بدرگاہ خلایق پناہ حاضر آمدہ منظر اشرف اقدس گذشتہ حکم جہانمطاع آفتاب شعاع صادر شد کہ آراضی مذکورہ را بمواضع مقدمی او بشرط قبض و تصرف وجہ نانکار او مفوض و مقرر باشد کہ حاصلات آنرا فصل بر فصل و سال بسال در وجہ معیشت خود خرج و تصرف نمودہ دعای دوام دولت بندگان حضرت استقبال میمودہ باشد می باید کہ حکام و عمال و جاگیرداران و کروڑیان حال و استقبال و استمرار و استقرار ایحاکم اقدس اعلیٰ کو شیدہ آراضی مذکورہ را مقرر داشتہ اصلا تغیر و تبدیل بران راہ ندہند و ہر سالہ فرمان دیگر مجدد طلب ندارد تحریرا فی التاریخ فروردی الہی سنہ ۱۱

یہ فرمان لالہ انوکھے لال صاحب کے یہان موجود، الٰہی سنہ شہنشاہ اکبر کی یادگار ہے۔

گزیٹیر بارہ بنکی (۱۹۰۴ء) مین لکھا ہے۔ ریاست رامپور کے تعلقدارون کا خاندان وہ خاندان ہے، جس نے گورنمنٹ اودھ کی کئی پشتون سے وفادارانہ خدمتین کی ہین۔ وہ اس بات کا اظہار کرتے ہین کہ رائے پرتھی رائے ۷۰۸ھ مین جبکہ جلال الدین فیروز شاہ کے زمانۂ سلطنت مین قانونگو مقرر کئے گئے تھے (لیکن تاریخی لحاظ سے یہ بات غیر ممکن ہی کیونکہ علاء الدین اُس زمانے مین بہت دنون تخت پر رہا) اودہ کے صوبہ دار کو اپنے ساتھ محمود آباد لیگئے، اور وہان اُنھون نے بھارون کو شکست دینے مین بہت بڑی مدد دی، جس کے صلے مین اُن کو بطور انعام کے جاگیر ملی، جسے اُن کے بعد کے لوگون نے مختلف طریقہ سے بڑھایا۔ آٹھ یا نو پشت کے بعد رائے سوبھا رائے ہوئے، جو کہ رام نگر کے چکلہ دار تھے اور جن کو ریکوارون سے لڑنا پڑا، جنھون نے ادائیگی لگان سے انکار کیا تھا۔ سوبھا رائے اودھ کی تاریخ مین ایک بہت بڑے مشہور شخص گذرے ہین، نیز اُن کے پوتے سیتل پرشاد ناظم بھی۔ رائے ابدھوت سنگھ پسر سوبھا رائے بھی چکلہ دار تھے اور وہ نوگانون کی لڑائی مین مارے گئے، جس کے صلہ مین اُنکے بعد والے لوگون کو تین مواضعات بطور جاگیر اور ایک شاہی سند ملی۔ رائے سیتل پرشاد ریکوارون کی لڑائی مین سنہی کے قریب زخمی ہوئے تھے، یہان کہ اُنھون نے ریکوارون کو شکست دی تھی اور شاہ پور کا موضع بلا لگانی اُنھین ملا تھا۔ اُن کے بعد رائے ابھرام بلی ہوئے اور اُن کے بعد رائے نارائن بلی جنھون نے ۱۹۰۰ء مین رحلت فرمائی۔ رائے کا خطاب ۱۸۷۷ء مین موروثی تسلیم کیا گیا۔"

مختصر تاریخ اقوام الکائستھ دیپ بھو وٹھاکر (مؤلفہ بابو گوپی ناتھ سنگھ صاحب وربابی۔ اے بریلوی مطبوعہ اناتھ آلیہ پریس بریلی ۱۹۲۱ء، حصہ دوم، صفحہ ۱۵۲) مین تحریر ہے۔ رائے ابھرام بلی تعلقدار رامپور کے یہان ۳۱ موضع اور ۱۱ پٹی ہین۔ گورنمنٹ سے رائے خطاب موروثی ہی۔ اس خطاب کو شاہ اکبر نے دیا تھا۔ رائے نرائن بلی، رائے سوبھا رائے و رائے سیتل پرشاد اسی دودمان کے رتن تھے اور رائے بہادر چندر بلی اور رائے راجیشور بلی او۔ بی۔ ای اسی خاندان کے رتن ہین، ماخوذ از گولڈن بک آف انڈیا صفحہ ۴۵۷"

عرصہ سے یہ خاندان تین شاخون مین منقسم ہوگیا ہی۔ اول شاخ مین رائیصاحب (از نسل سوبھا رام

عرف سوبھا رائے) دوسری مین پھاٹک اندر کے اصحاب (از اولاد درگا داس عرف درگداس) تیسری مین صاحبانِ متھرا نگر (از نسل مرار داس)۔ رائیصاحب کا خاندان اخلاق و تہذیب، خوش انتظامی، دور اندیشی، علمیت، دانشمندی، معاملہ فہمی، حکمتِ عملی، اتفاق باہمی، امیرانہ شان و شوکت، حکام رسی، عالی ہمتی وغیرہ صفات مین دور دور تک مشہور ہے۔ رائیصاحب کے یہان کی دھوم دھامی محفلیں اور پُر تکلف دعوتین شرادھ اور مکتب کی تقریبین بھی ایک خاص خصوصیت رکھتی ہین۔ اس قسم کی دعوتین صرف تعلقدار صاحب کی ولادت اور رسم قشقہ یعنی ٹیکے کے موقع پر یا تعلقدار صاحب کی بڑی بیٹی کی شادی کے وقت غیر معمولی اہتمام اور نہایت وسیع پیمانے پر کی جاتی ہین۔ اسی طرح رسم مکتب اور شرادھ کو بھی سمجھ لینا چاہئے کہ اُن کا تعلق بھی تعلقدار ہی سے ہوتا ہے۔

رائے ابھرام بلی صاحب شاہی زمانے سے شروع انگریزی عملداری تک قانونگوئی کے عہدہ پر مامور رہے۔ انتظام جدید کے وقت، جبکہ بہ صلہ خیر خواہی رائے کا لقب موروثی قرار پایا خلعت[1] عطا ہوئی، سند تعلقداری ملی، آنریری اسسٹنٹ کمشنری کے اعلیٰ عہدہ سے سرفراز ہوئے۔ اُس زمانے میں یہ عہدہ ہندوستانیوں کے حق میں ہفت اقلیم کی سلطنت سے کم نہ تھا اور غالباً اُس وقت تک ضلع مین کوئی بھی اس عہدہ سے فیضیاب نہ ہوا ہوگا۔ انھون نے بھی اپنی دانشمندانہ حکمت سے علاقہ مین بہت کچھ اضافہ کیا۔ سند و بست کے زمانے مین ابھرام بلی صاحب کے نام تعلقہ کا اندراج ہوا اور یہ ایکٹ (۱) کے اعلیٰ تعلقداروں مین نامزد کئے گئے۔ اُس وقت سے آج تک اِن کے خاندان والے رائے کے لقب اور بالفاظ تعلقدار کے نام سے مشہور و معروف ہیں، جو بلحاظ اپنی غیر معمولی امیرانہ شان و شوکت کے ضلع بارہ بنکی کے علاوہ دیگر اضلاع کے نامی گرامی تعلقداروں سے کسی طرح کم نہین، جن کی قابل رشک ترقی، خاندان پروری، اور حیرت انگیز انتظامی قابلیت ایک خاص شہرت رکھتی ہے۔

انھین اپنے مذہب سے گہری عقیدت تھی، روزمرہ پوجا پاٹ کرتے تھے۔ آئین وضع کے پابند، نہایت نیک، بڑے متحمل مزاج، رعایا پرور، خوش اخلاق اور ملنسار تھے۔ دوست و احباب، عزیز و اقارب سے دلی محبت رکھتے اور عالمون، پنڈتون کی اچھی طرح تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ دل مین تعصب کو دخل نہ تھا، ہندو مسلمان سب سے یکسان ملتے تھے اور دونون قومون کے لوگ ملازم تھے۔ ہندوؤن کی طرح مسلمان بھی معزز عہدون پر مامور تھے۔ جو عزت لالہ گوری شنکر صاحب دیوان ریاست کی تھی وہی اعزاز شیخ وارث علی صاحب (ساکن اٹھی ضلع لکھنؤ) مختار عام کا تھا۔ یہ دونوں کارندے بھی ریاست کے اعلیٰ خیر خواہ اور اپنے مالک کے دل سے فرمان بردار تھے۔

اپنے والد کی طرح یہ بھی حکام رس تھے۔ شاہی زمانے مین تحصیلدار اور ناظم کو ضرورت کے وقت پورے طور پر مدد دیتے رہے۔ رشک حکومت مین حکام انگریز کو اپنی خیر خواہانہ خدمتون سے ہمیشہ خوش رکھا۔

اپنے فرائض منصبی کا بھی انھین بہت خیال تھا۔ پہلے قانون گوئی کا کام کرتے تھے۔ بعد اُس کے انگریزی عملداری مین

---

[1] اس خلعت میں دلایتی تلوار (کامدار میان، مینا کار نقرئی قبضہ سلختہ ولایت) قیمتی دوشالہ، کلغی کا کلس (اکثر امراض کے دور کرنے کا آلہ) خود دمین، یہ چار چیزیں شامل تھیں۔ کلغی کا کلس اور خود مین اُس وقت ایک عجیب و غریب چیز تھی۔ دوشالہ اور تلوار اس وقت تک موجود ہے۔

آنریری اسسٹنٹ کمشنری" کا اہم کام سپرد ہوا جسے انھوں نے تا زندگی نہایت مستعدی اور ہوشیاری کے ساتھ انجام دیا۔ ریاست کا انتظام ان کے بیچارائے برتاب بلی صاحب کرتے تھے۔

انھوں نے اپنے والد کے قائم کئے ہوئے دوستانہ تعلقات کو جو ریاست کیمار و رانی، داور بورا وغیرہ سے وابستہ تھے اپنی دانتمندی و خلوص سے ایسا مستحکم کر دیا کہ ٹھاکر اوتار سنگھ و شیر بہادر سنگھ وغیرہ ان کا دم بھرنے لگے۔ چنانچہ بب رائیصاحب اور سورجپور کے تعلقدار سے موضع دلونا کی بابت ماہی جنگ ہوئی تو ریاست کیمار کے مشہور اور بہادر تعلقدار شیر بہادر سنگھ اور ٹھاکر اوتار سنگھ (تعلقدار رانی مئو) و ٹھاکر پرتاب سنگھ رئیس سکرور ھانے معہ اپنے دوست احباب ٹھاکر مرسیج بخش سنگھ تعلقدار شاہ پور، ٹھاکر گنبھیر سنگھ تعلقدار دھنا توان اور سرداران آٹا و پیر سپور وغیرہ کے اعانت پر آمادہ ہو کر وہ داد شجاعت دی کہ سورج پور والوں کے چھکے چھوٹ گئے اور وہ شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس لڑائی کے متعلق یہ بات بہت مشہور ہے کہ جنگ میں جس وقت بندوقوں کی گولیاں ختم ہو گئیں اور سیسہ نہ میسر آیا تو رائیصاحب نے کشادہ پیشانی فوراً چھوٹی گولی کے روپئے، جو اس وقت رائج تھے، خزانہ سے منگوا کر حکم دیا کہ انھیں گولیوں کے عوض استعمال کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک یہ روایت ضرب المثل ہے کہ "رائیصاحب نے دلونا کی لڑائی میں سیسہ کی گولیوں کے بجائے چاندی کی گولیاں چلائیں"۔ بھیا شیو رتن سنگھ صاحب اس امر کی تصدیق کرتے ہوئے بیان کرتے تھے کہ اس واقعہ کے بعد ہمارے اطراف میں دور دور تک شہرت ہو گئی کہ "رائیصاحب کے یہاں دولت کی انتہا نہیں ہے، انھوں نے گولیوں کے بدلے چاندی کا مینھ برسا دیا"۔ پانچ چھ ہزار آدمیوں سے زائد مریک جنگ تھا، اور آٹھ دس روز تک سخت معرکہ رہا، ہزارہا روپیہ صرف ہوا۔ اس سے لئے اجرام بلی صاحب کی اولوالعزمی اور دلیرانہ آن بان کے ساتھ ساتھ ان کی دولتمندی پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ "رائے اجرام بلی صاحب کے زمانے میں دو ہزار آدمیوں کے لئے غلہ، ایندھن، مٹی کے برتن، پیتل، دونے، وغیرہ ضروری سامان ہر وقت جمع رہتا تھا کہ ضرورت پر وقت نہ ہو۔ اہل برادری کے ساتھ ان کا برتاؤ نہایت اعلیٰ تھا، اکسار سے پیش آتے، مصیبت کے وقت خفیہ طور پر کافی امداد دیتے، دعوتوں میں خود ہر ایک بھائی کے سامنے جا جا کر خوشامدانہ لہجے میں فرماتے کہ "بھائی صاحب! یہ چیز نہایت عمدہ ہے، اسے میری خاطر سے نوش فرما کر مجھے شکر گزار بنائیے"۔ اسی طرح خاندان والوں پر بھی خاص نظر عنایت تھی۔ گھر میں بچے سے لیکر بوڑھے تک کے لئے ایسا عیش کا سامان مہیا رہتا تھا، کسی کو کسی بات کی تکلیف نہ تھی، اُن کی پرورش اور اُن کی خوشی سب سے مقدم سمجھتے تھے"۔ اس سے ان کی خاندان پروری، قومی ہمدردی، قومی محبت صاف طور سے آشکارا ہوتی ہے۔

رائیصاحب گورنمنٹ برطانیہ کے بھی خواہوں میں تھے۔ زمانہ غدر میں انھوں نے بہت سے انگریزوں کو اپنے مکان میں خفیہ طور پر پناہ دیکر اُن کی جان بچائی، غدر کے بعد ضلع کی کچہری اور پولیس وغیرہ کے لئے مکان سکونت کا ایک حصہ دیدیا یہ کارروائی صرف چند روزہ تھی، دوامی نہیں۔

ف اگر رائے صاحب دب جاتے تو لڑائی نہ ہوتی۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ ان کے یہاں بھی اچھے اچھے پاٹھک وغیرہ نامی سپاہی نوکر تھے جو ذات خاص بیس بیس آدمیوں پر غالب آسکتے تھے ۱۲۔

رائیصاحب کے کتب خانہ مین نظم و نثر کے متعلق اُردو، بھاشا زبان کی جید قلمی کتابین دیکھنے مین آئی ہین جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ رائے ابھرام بلی صاحب نے کوشش سے حاصل کی تھین۔ ان مین بعض کتابون سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خاص انھین کے لئے لکھی گئی تھین۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رائیصاحب کو فارسی کے زمانۂ عروج مین بھی اُردو، بھاشا ادب سے خاص دلچسپی تھی جن کے قبل رائیصاحب کے خاندان مین کوئی بھی اُردو سے آشنا نہ تھا۔

بعض بزرگون کی زبانی سا گیا ہے کہ ان کو عیش پرستی کا بھی شوق تھا۔ تخمیناً ۸۰ سال کی عمر پائی۔ اولاد مین چھ بیٹے، مہراج بلی، بھگونت بلی، شنکر بلی، مہادیو بلی، سیتا ناتھ بلی، کدار بلی، سب لائق اور صاحب اولاد، جن مین مہراج بلی کے بیٹے نارائن بلی انھین کے سامنے پیدا ہو کر دس برس کے ہو چکے تھے۔ اس سے مرحوم کی قابل رشک خوش نصیبی ظاہر ہوتی ہے۔

رائے پرتاب بلی صاحب

رائے سیتل پرشاد صاحب تعلقدار کے فرزند سوم (بڑے بھائی سورجبلی صاحب تھے، منجھلے آنند بلی صاحب)، رائے ابھرام بلی صاحب کے حقیقی چچا، اپنے خاندان کے سر آوردہ ذی اخفیا رکن، سیاہ و سفید کے مالک، بڑے بیدار مغز عالی حوصلہ، منتظم۔ ولادت تخمیناً سنہ ۱۲۰۰ فصلی مطابق سنہ ۱۷۹۲ء، وفات ساون سدی دوج سنہ ۱۲۷۰ فصلی مطابق آخر جولائی سنہ ۱۸۶۲ء۔

یہ تعمیرات کے بڑے شوقین، امیرانہ شان و شوکت کے دلدادہ اور فیاض بھی تھے۔ انھون نے بارہ دری، کمر عالی شان صدر دروازہ، دیوانخانہ، فیلخانہ، اصطبل، خوبی و نمائی پھاٹک وغیرہ عمارتین تعمیر کرا کے قدیم مکان کو ایک عظیم الشان رئیسانہ عمارت کی صورت مین منتقل کر دیا۔ اودھیاجی مین عین سرجو کے کنارے دو منزلے دو پختہ مکان اور پختہ گھاٹ برج سمیت تعمیر کرائے، جن مین ایک[1] بدھی جی کو تسکلپ کر دیا تھا۔ یہ دونون مکان سرکردہ گھاٹ پر اب تک موجود ہین۔ لیکن، افسوس! کہ ریاست والا مکان ایک خاص[2] وجہ سے شکستہ اور ناگفتہ بہ حالت مین ہے۔ علاوہ اس کے دلمئو (ضلع رائے بریلی) مین گنگا کے گھاٹ کے متعلق چند سیڑھیون کی پختہ تعمیر جو آج کل شکستہ اور کس مپرسی کی وجہ سے بہت کچھ مخدوش ہو گئی ہے، اور پرتاب گنج، پائین باغ اور اُنکی بارہ دری بھی انھین کی یادگار ہے۔

پرتاب بلی صاحب مخیر بھی تھے۔ انھون نے غربا کی پرورش کے لئے خیرات کا ایک خاص صیغہ قائم کیا تھا جس کا معمول یہ تھا کہ روزانہ صبح سے شام تک جس قدر پردیسی سادھو ڈیوڑھی پر آتے تھے اُن کو فی کس آدھ سیر پختہ آٹا، دال، معہ پیسہ بھر گھی، لکڑی، طرف گلی کے دیا جاتا تھا۔ اگر کوئی سادھو مکمل یا رضائی وغیرہ یا تیرتھ جاترا کی غرض سے کچھ عرصہ

[1] بھون کا بیان ہے کہ بدھی جی والا مکان معہ پختہ گھاٹ کے پرتاب بلی صاحب کے بڑے بھائی آنند بلی صاحب نے بنوا کر بدھی جی کو تسکلپ کر دیا تھا۔ لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ آنند بلی صاحب ان تعمیرون کی میاد ڈالنے کے تھوڑے ہی دن بعد قضا کر گئے تھے جنھین پرتاب بلی صاحب نے تیار کرا کے تسکلپ کر دیا تھا۔

[2] اس مکان مین عرصہ سے ایک پیپل کا درخت اُگ آیا ہے جس سے مکان بہت مخدوش ہو گیا ہے اور پیپل کے درخت کو بعض ہندو شرک سمجھ کر کوٹنے سے عذر ہیں۔ علاوہ اس کے چند ہندو پختہ قبر بھی ہین جو قبل تعمیر مکان یہان موجود تھین۔ لیکن اُسوقت کچھ خیال نہین کیا گیا۔ اب طرح طرح کے شکوک پیدا ہو رہے ہین

کا سوال کرتا تھا تو، وہ بھی پورا کیا جاتا تھا۔ قصبہ کے ہندو مسلمان محتاجون کو ہر روز شام کے وقت ایک من معینی جو میں سیر پختہ جنس (چنے، جوار) تقسیم کی جاتی تھی۔

انھین جنس کی سواری بہت پسند تھی۔ گندم رنگ، متوسط قد، دبلے پتلے، آبائی وضع کے پابند تھے۔ روز مرّہ دھوتی، انگرکھا، پیچے تلوکہ، جو کوستیہ ٹوپی، نری کا جوتا، خاص موقعون پر انگرکھے کے اوپر قیمتی ریشمی چکن، بڑے پائینچے والا مشروع کا پاجامہ، تنملہ، زردوزی کفش پہنتے تھے۔ تخمیناً ۷۰ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ اولاد مین شیوراج بلی، رگھناتھ بلی۔

رائے شیوراج بلی صاحب

عرف چھوٹے راجہ، رائے پرتاب بلی صاحب کے بڑے بیٹے، ممیز، رعب دار، خوبصورتی مین مشہور، امیر دل، ذی حوصلہ بزرگ تھے۔ برادری سے بہت خلوص سے ملتے، عام طور پر بھی ملنسار اور خلیق تھے۔ ولادت تخمیناً ۱۲۳۵ فصلی مطابق ۱۸۲۷ء، وفات اگہن بدی دسمی ۱۲۷۵ فصلی مطابق صفر نومبر ۱۸۶۷ء۔

رائے پرتاب بلی صاحب کی وفات پر رائے ابھرام بلی صاحب کے زمانے میں جو ان کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے ریاست کے کاروبار مین مشغول ہوئے، جسے انھون نے نہایت جانفشانی اور حسن انتظام کے ساتھ تا زندگی انجام دیا۔ اپنے والد کی طرح انھین بھی ریاست کے متعلق کسی کام کے بارہ مین صلاح و مشورہ کی ضرورت نہ تھی۔

رائے شیوراج بلی صاحب ریاست کے بڑے خیر خواہ تھے، انھین کی بدولت تعلقہ قایم رہا، ورنہ تقسیم ہو جاتا۔ بزرگ لوگ شیوراج بلی صاحب کی تعریف کرتے ہوئے بیان کرتے ہین کہ "جس وقت دریاباد مین پختہ بندوبست کی کارروائی شروع ہوئی تو انھون نے بیان کر دیا تھا کہ "ہمارے یہان اولاد اکبر تعلقدار ہوتی ہے لہذا تعلقہ کا اندراج ابھرام بلی صاحب کے نام ہو، ہم سے کوئی واسطہ نہین ہے اور نہ آیندہ کوئی حق حاصل ہوگا"۔ منشی کریم احمد صاحب صدر منصرم (منظور نظر کرنیل تیمر صاحب بہادر مہتمم بندوبست) نے شیوراج بلی صاحب کو بہت کچھ سمجھایا کہ "آپ کیا غضب کرتے ہین؟ آپ کی اس کارروائی کا اثر تمام خاندان والون پر خراب پڑیگا، مہربانی کر کے آپ اس بیان سے باز آئیے اور اپنے ساتھ خاندان والون کو تباہ نہ کیجیے"۔ لیکن شیوراج بلی صاحب اپنے بیان پر ثابت قدم رہے۔ انھون نے کہا کہ ہمکو کچھ بھی اختیار نہین، اگر رائیصاحب مکان سے نکال دین تو ہم سوا اس کے کہ علیحدہ ہو کر بھیک مانگین اور کوئی چارہ نہین"۔ حاکم نے مجبور ہو کر ابھرام بلی صاحب کے نام تعلقہ کا اندراج کر دیا۔ یہی وجہ تھی جو رائے ابھرام بلی صاحب ان کا بہت بڑا لحاظ کرتے تھے۔ یہ جو چاہتے کرتے، مگر، وہ کچھ خبر نہین ہوتے تھے۔ پختہ بندوبست ۱۲۷۲ فصلی مطابق ۱۸۶۴ء مین شروع ہوا تھا"۔

مولوی ثابت علی صاحب بیان کرتے تھے کہ مولوی ندیم صاحب رائیصاحب کے یہان معلمی گری پر مامور تھے۔ ایک مرتبہ ذرا سی بات پر ناراض ہو کر گھر چلے آئے، اُن کے بلانے کے لئے شیوراج بلی صاحب خود مکان پر تشریف لائے اور بہت کچھ معذرت کی، مگر، ندیم صاحب (دریاباد ی) نہین گئے"۔ اس سے شیوراج بلی صاحب کی علمی قدردانی بخوبی ظاہر

ہوتی ہے۔

شیوراج بلی صاحب شانِ امارت کے شیدائی تھے۔ چنانچہ انھوں نے مردانے کمروں اور بارہ دریوں کے لئے قیمتی فرش، شیشہ آلات وغیرہ خرید کئے۔ شاہدار جلوسی سامان فراہم کیا۔ قلمی آموں[1] اور میوؤں کے باغات کی تیاری ڈالی۔ سیر و تفریح کے لئے عمدہ پھلواری تیار کرائی جس سے نہ صرف ان کی یادگار قائم ہوئی، بلکہ ریاست کی شان دوبالا ہوگئی۔ شیشہ آلات میں چند بیضاوی ہانڈیاں ایسی بھی ہیں، جو خاص جرمن کی ایجاد اور بجلی کھینچ والی کھینچ کی ہانڈیاں کہلاتی ہیں۔ اس قسم کی ہانڈیاں اُس زمانے میں ایک عجیب و غریب اور بیش قیمت چیز خیال کیجاتی تھیں اور غالباً ہمارے اطراف میں اس سے پیشتر ایسی ہانڈیوں کو کسی نے بھی نہ دیکھا ہوگا۔ شیوراج بلی صاحب اول بزرگ ہیں جنھوں نے اب سے نصف صدی قبل اپنے ہم وطنوں کو حرمی صنعت کی روشنی سے آگاہ کردیا تھا۔ اسی طرح پانی نکالنے کی ولایتی مشین بھی انھیں کے دم سے اُس وقت دریا آباد میں استعمال کی گئی تھی، جبکہ عام طور پر ہندوستان میں لوگ اس کے نام سے بھی واقف نہ تھے۔ مشین اور اس کے متعلق نل، جرمنی ہانڈیاں رائیصاحب موصوف کلکتہ سے خرید کر لائے تھے۔ غدر کے بعد امن و امان قائم ہونے پر جس وقت کلکتہ میں بہت بڑے اہتمام کے ساتھ شاہی دربار منعقد ہوا تھا، رائے ابھرام بلی صاحب کے ہمراہ یہ بھی شریکِ دربار ہوئے تھے اور اسی سلسلہ میں یہ دلچسپ مغربی اشیاء انھوں نے خرید فرمائی تھیں۔

انھیں زیادہ تر گھوڑے اور بگھی کی سواری کا شوق تھا، فٹن پر بہت کم سوار ہوتے تھے۔ تفریحی متعلقہ کے متعلق پتنگ بازی سے خاص دلچسپی تھی۔ رنگ برنگ کے خوبصورت پتنگ جاڑے کے موسم میں روز سہ پہر کے بعد اڑایا کرتے تھے۔ لیکن ان کو صرف پتنگ اُڑانے میں ملکہ تھا، لڑانے میں نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ یہ میاں حاجی عبداللطیف صاحب سے پتنگ بازی میں کبھی پیش نہیں پاتے تھے، جو پتنگ بازی کے فن سے عدم واقفیت کی دلیل ہے۔

رائیصاحب آموں کے بھی بڑے شوقین تھے۔ لیکن، یہ شوق ایک خاص لطف رکھتا تھا۔ برسات کے موسم میں اُمڈی ہوئی گھٹا دیکھ کر اکثر میاں گنج جاتے اور اپنے دوست احباب کو بھی ہمراہ لیجاتے۔ دن بھر وہاں قیام رہتا، کھانے کا معقول انتظام ہوتا، انواع و اقسام کے آم باغوں سے منگواتے، دوستوں کو کھلاتے اور خود بھی کھاتے تھے۔ بستی میں شرفا کے گھروں پر عمدہ اور مزیدار آم فصل میں دو ایک مرتبہ بطور تحفہ ضرور بھیجتے تھے۔ غریب بھی محروم نہیں رہتے تھے انھیں بھی آم تقسیم کئے جاتے تھے۔ اسی طرح فصلی میوے نارنگی، امرود، شریفہ، کیلے وغیرہ بھی ان کے حکم سے ہر سال برابر تقسیم ہوا کرتے تھے۔ دوستوں کی خاطرداری اور سال میں کئی مرتبہ انھیں پُرتکلف دعوتوں سے خوش کرنا بھی ان کا ایک خاص وصف تھا۔ اس سے شیوراج بلی صاحب کی فیاض طبیعت کا حال اچھی طرح ظاہر ہوتا ہے۔

دعوتوں میں عین صدر دروازہ پر شیوراج بلی صاحب خود شراب کی بوتل اور پیالہ لیکر کھڑے ہوتے تھے قریب ہی خدمت گار میوؤں کی کشتی (گزک) لئے حاضر رہتا تھا۔ برادری کے جو صاحب تشریف لاتے، انھیں یہ

---

[1] کمیار والی بجنہ سڑک سے متصل واقع۔ اس باغ کے قریب ایک عمدہ پھوس کا بنگلہ بھی تھا، جس کی دیواریں پختہ تھیں ۱۲ [2] یہ دو باغ تھے، دونوں میں قلمی آم اور میوؤں کے کثرت درخت تھے ایک بلہری میں تھا، دوسرا میاں گنج میں بلہری والا باغ ویران حالت میں موجود، مگر میاں گنج والا عرصہ سے نام و نشان ۱۲

ایک خاص خدمت کا میوے کی کشتی پیش کرتا، پھر فرماتے "اب محفل میں چل کر ناچ دیکھئے" جب تک راجہ کے محل اصل میں محفل میں رہ لیتے تھے، تیوراج بلی صاحب صدر دروازہ پر کھڑے رہتے تھے۔ بیٹھتے نہ تھے۔ ایک تھی موت کا سہارا لئے ہر وقت یہ کہا کرتا تھا کہ "فلاں صاحب آئے، فلاں صاحب ابھی نہیں آئے" کھانا کھانے کے وقت ہر شخص کے سامنے جاتے اور جھک جھک کر نہایت انکسار کے ساتھ بڑی سیر چشمی سے کھانا کھانے کی ترغیب دیتے تھے۔

پچاس برس کے سن میں لاولد وفات پائی۔ طرز لباس، وضع میں اپنے والد کے خاص مقلد۔ گورا رنگ، بڑی بڑی سیاہ آنکھیں، ہاتھ پاؤں سڈول، گول چہرہ، درست نقشہ، خوبصورت، پیچدار زلفیں، قد اور جوان، نفاست پسند، خوش مزاج، جامہ زیب، خوش فہم، خوش خلق۔

رائے مہراج بلی صاحب

اصل نام مہاراج بلی، عرف مہراج بلی، رائے ابھرام بلی صاحب کے فرزند اول، نہایت نیک، صاحب اخلاق، مروت، کم سخن اور اولاد میں سے تھے۔ ولادت تخمیناً ۱۸۴۴ء، وفات آخر ۱۸۹۳ء۔

والد کی وفات پر علقہ کے مالک ہوئے۔ لیکن افسوس ہے کہ چار ہی پانچ برس کے بعد زندگانی نے جواب دیدیا۔ شان ریاست ہاتھ سے نکل گئی۔ ان کا دل میونسپلٹی پر زیادہ مائل تھا، اغنا برائے نام تھی، ہر وقت نشے میں مخمور رہتے تھے، بوجوہ صحت خراب ہوگئی، قبل از وقت انتقال ہوگیا۔

مرحوم کی طبیعت نہایت صلح پسند واقع ہوئی تھی۔ ہندو مسلمان دونوں کے بہی خواہ تھے۔ ایک مرتبہ جبکہ دسہرہ و محرم کے موقع پر مذہبی جوش کے باعث ہندو مسلمانوں میں باہمی کشیدگی پیدا ہوگئی اور جس سے بلوہ کے آثار نمایاں ہونے لگے، اُسے انھوں نے بڑی جانفشانی اور دانائی کے ساتھ بات کی بات میں رفع کرا دیا۔ اگر رائے صاحب اس معاملہ میں شرکت نہ کرتے تو کھیت نگلا اور دریا بادمیں خون کی ندیاں بہ جاتیں۔

ان سے نہ صرف قرب و جوار کے رئیسوں سے دوستانہ مراسم تھے، بلکہ ذاتی طور پر نواب کلب علیخان صاحب بہادر والی رامپور سے بھی اچھے تعلقات قائم ہوگئے تھے، جو ان کی فطری دانائی و زمانہ شناسی کی ایک عمدہ دلیل ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جس وقت ان کے حقیقی بھائی بیجنا تھ بلی صاحب کی شادی رامپور میں ہوئی تھی تو انھوں نے نواب صاحب سے ملاقات کی تھی۔ ملاقات کا کمرہ نہایت پُرتکلف اور آراستہ تھا۔ چاروں طرف طلائی و نقرئی کرسیاں بچھی ہوئی تھیں جن میں بھولدار مخملی گدے منڈھے تھے۔ رائے صاحب کو چاندی کی کرسی پر بیٹھنے کا حکم ہوا تھا۔ انھوں نے ایک سو ایک اشرفیاں، لکھنوی چکن کے ایک سو ایک قیمتی تھان، ایک کٹار، ایک بندوق، یہ کل سامان نذر کے طور پر نواب صاحب کے حضور میں پیش کیا تھا۔ نواب صاحب نے صرف ایک اشرفی اور ایک تھان چکن کا قبول فرما کر باقی چیزیں یہ ارشاد فرما کے واپس کر دی تھیں کہ "ہمارے شہر کی لڑکی آپ کے بھائی کو منسوب ہوئی ہے، اس لئے ہمیں آپ کی نذر

یہ امر مناسب نہیں، لیکن اس خیال سے کہ آپ کی دلشکنی ہو، ایک اشرفی اور ایک عالی شان لے لی گئی۔ رات کی رخصتی کے وقت نواب صاحب نے ایک ہاتھی مع اشرفی ہودج اور ایک عربی گھوڑا زرین سامان سے آراستہ رائے صاحب کو مرحمت فرمایا تھا۔ رات سنٹر باغ میں ٹھہری تھی۔ برات میں جلوسی سرا نواب صاحب کے بیان کا تھا۔ نواب صاحب اپنے ہمراہ کسی قسم کا جلوس نہیں لے گئے تھے۔ نواب صاحب نے رائے صاحب سے رشتۂ اتحاد قائم کیا تھا۔ جب تک نواب صاحب زندہ رہے، خط و کتابت کے ذریعہ تعلقات بدستور قائم رہے۔

رائے شنکر بلی صاحب

رائے احترام بلی صاحب کے فرزند سوم، اپنے بڑے بھائی رائے مہاراج بلی صاحب کے زمانے میں ذی اختیار نائب ریاست، عالی ہمت، خوش اخلاق، نفیس و امیر مزاج، منتظم اور عقلمند بزرگ تھے۔ ولادت ۱۲۵۳ھ فصلی مطابق ۱۸۴۶ء وفات ۱۲۸۹ھ فصلی مطابق آغاز ۱۸۸۲ء۔

رائے شیو راج بلی صاحب کے انتقال کے بعد رائے مہاراج بلی صاحب نے انھیں نیابت کے عہدہ پر سرفراز فرمایا۔ انھوں نے اپنے فرائض منصبی نہایت دیانت داری و مستعدی اور ہوشیاری کے ساتھ انجام دئے۔ نظام ریاست میں کبھی کسی قسم کی بے ترتیبی یا خلل نہیں ہونے پائی۔ ہمیشہ اپنے حسن کارگزاری اور قابلیت سے سب کو خوش رکھا جس سے رعایا و ملازم، اعلیٰ و ادنیٰ سبھی حاضر و غائب راضی رہے۔

رائے پرتاب بلی صاحب کی طرح تعمیر سے انھیں بھی خاص دلچسپی تھی۔ چنانچہ ایک عالی شان کوٹھی اسٹیشن دریاباد سے متصل ایک وسیع اور نفیس باغ میں اب تک ان کی یادگار سے موجود ہے۔ جو ان کے مرنے کے بعد مہادیو بلی صاحب کی کوشش اور انھیں کے خاص اہتمام میں تیار ہوئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اگر شنکر بلی صاحب کچھ دن اور زندہ رہتے تو یہی کوٹھی معہ اپنے باغ کے آج ایک عجیب و غریب چیز نظر آتی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ شنکر بلی صاحب ذی علم بھی تھے۔ ان کی فارسی تحریر بہت دلچسپ اور پرمضمون ہوتی تھی۔ اکثر نواب مکلب علیخان بہادر (والئی رامپور) کے بیان سے جو خطوط رائے مہاراج بلی صاحب کے نام آتے تھے، ان کے جوابات یہی لکھتے تھے۔ یہ اپنے وطن اور پبلک کے سچے بہی خواہ بھی تھے۔ کوٹھی اور باغ کی بنیاد ڈالنے کے ساتھ ہی رائے مہاراج بلی صاحب کے نام سے "مہاراج گنج" کا سنگ بنیاد رکھ کر انھوں نے ارادہ کیا تھا کہ اسٹیشن سے دریاباد تک دورویہ آبادی قائم کر کے پختہ دوکانیں تعمیر کی جائیں، جس کے متعلق دور دور کے مہاجنوں، سوداگروں، کاریگروں اور دیگر پیشہ وروں سے مشورہ لینے پر حسب دلخواہ کامیابی کی امید ظاہر ہو چکی تھی۔ لیکن افسوس کہ یہ تمنا پوری نہ ہوئی۔ ساتھ ہی اس کے گنج بھی تیار نہ ہو سکا۔ عین جوانی میں قبل از وقت انتقال ہو گیا۔ تخمیناً ۳۰ سال کی عمر پائی۔ گورا رنگ، میانہ قد، دوہرہ بدن، خوبصورت نیک چلن، آبائی وضع، اولاد میں چند سہ بلی بر قید حیات صاحب اولاد۔

رائے بہادر رائے نارائین بلی صاحب

رائے مہراج بلی صاحب تعلقدار کے اکلوتے بیٹے نہایت نیک، زیرک و دانا، معاملہ فہم، غریب پرور، عالی ہمت اور نیاض، منتظم رئیس و تعلقدار جن کا نام نامی دور دور تک خاص و عام مین یکسان طور پر بڑی عزت اور تعریف کے ساتھ اب تک لیا جاتا ہے۔ ولادت ۱۸۶۹ء، وفات ۳۱۔ اگست ۱۹۰۰ء۔

رائے نارائین بلی صاحب ہر شخص سے بہ خندان پیشانی ملتے اور نرمی سے بات چیت کرتے تھے۔ ذی علم اور ہنرمند کے قدردان تھے۔ بزرگون کے ادب کا بہت بڑا خیال رکھتے تھے۔ نوکرون، چاکرون سے اچھی طرح پیش آتے تھے اگر کسی ملازم سے کچھ قصور ہو جاتا تھا، تو اُسے طرح دیجاتے تھے، نہ غصہ کرتے نہ جرمانہ۔ شریف و رذیل کا فرق سمجھتے تھے۔ خاندان والون سے نہایت عمدہ برتاؤ رکھتے اور اہل برادری پر خاص مہربان رہتے تھے۔ کم سخن اور صاف گو تھے رعایا کی ضرورتون کو کان لگا کے سُنتے اور اُنکی خوشحالی سے خوش ہوتے تھے۔ قومی یا مذہبی تعصب سے بری تھے۔ اپنے دھرم کرم کے سچے پابند، روزمرہ پوجا پاٹ کرتے تھے۔ طبیعت صلح پسند تھی، مزاج نہایت نفیس اور امیرانہ واقع ہوا تھا۔ رشک و حسد بغض و کدورت وغیرہ بُری عادتون سے سخت متنفر تھے۔

سات برس کی عمر سے چودہ سال کے سن تک اپنے مکتب خانہ مین فارسی کی تعلیم پائی۔ بعد اُس کے سات سال تک لغت انگریزی علم حاصل کرنے مین صرف کئے (انگریزی تعلیم کے لئے علاوہ خوراک کے تیس روپیہ ماہوار پر ایک لایق ماسٹر نوکر تھا) اور انٹرنس تک قابلیت ہم پہونچائی ۲۱ سال کی عمر مین شادی ہوئی۔ بائیسوین برس سے ریاست کا کاروبار دیکھنا شروع کیا اور صرف دو برس حکومت کرکے ۳۱ سال کی عمر مین دار فانی سے کوچ فرمایا۔

رائے صاحب تعلقدار ہونے کے ساتھ ساتھ آنریری مجسٹریٹ بھی تھے اور انجمن ہند (تعلقداران اودھ کی مجلس شوریٰ، واقع قیصر باغ، لکھنؤ) کے ایک معزز رکن بھی، جس کے فرائض انجام دینے مین کسی قسم کی پہلو تہی نہین کرتے تھے۔ یہ بقول اودھ پنچ مرحوم "اناڑی مجسٹریٹ" اور بقول حضرت اکبر الہ آبادی "بھولے بھالے" ممبر نہ تھے، بلکہ ایک قانون دان، ہوشیار اور قابل و منصف مجسٹریٹ اور ذی عقل و صاحب علم بیخاکش اور کام کرنے والے ممبر تھے۔ اِن کی کرسی ڈھائی تین سو تعلقدارون کے درمیان گورنمنٹ دربار مین ۱۸ نمبر پر تھی۔

رائے صاحب کے زمانہ مین چند کارہائے نمایان ایسے بھی انجام دئے گئے ہین، جو بلحاظ اپنی اہمیت کے بہت کچھ لایق تعریف اور قابل قدر ہین جن سے اِن کی اُلوالعزمی، عام فیاضی، غربا پروری، قومی خدمت، مذہبی عقیدت مندی اچھی طرح ظاہر ہوتی ہے۔ کارہائے نمایان حسب ذیل ہین۔

(۱) مجسٹریٹی کچہری کے متعلق باغین باغ مین ایک عمدہ ہوادار کمرہ تیار کیا گیا (۲) بنارس والا معمولی۔ عام مکان، جو بالکل گر گیا تھا، از سر نو پختہ دو منزلی سنگی عمارت بنوا کر بنارس مین دریاباد کا نام روشن کیا گیا (۳) ۱۸۸۵ء مین سوشل رفارم کے متعلق ایک بہت بڑا عموم دھامی جلسہ منعقد ہوا، جو اپنی نوعیت اور بعض خصوصیات کے لحاظ سے

غالباً اودھ مین "پہلی کانفرنس" تھی جس مین تمام ضلع بارہ بنکی کے کائستھ نیز دُور دُور کے مشہور اصحاب قوم (اسپیکر اور لیکچرار وغیرہ) شریک ہوئے تھے، جن کے آرام و آسایش کے لیے معقول انتظام کیا گیا تھا۔ پنڈال بہت کشادہ خوشنما، اور سجاوٹ مین شانِ امارت کا عمدہ نمونہ تھا۔ نشست کرسیون پر تھی۔ صدر نشین رائے مہادیو بلی صاحب (رائے صاحب کے حقیقی چچا اور نائب ریاست) سکرٹری منشی ماتا پرشاد صاحب مرحوم وکیل، اسسٹنٹ سکرٹری لالہ الفت رائے صاحب (از فنسل محرران) تھے۔ بعدِ اختتام جلسہ رات کو نہایت وسیع پیمانے پر پُر تکلف اور نفیس دعوت دی گئی۔ جلسہ مین جو تجاویز منظور ہوئین، اُنھین عملی صورت مین لانے کی کوشش کی گئی۔ اکثر مقامات پر سبھائین قایم ہوئین (۴) نواب گنج بارہ بنکی مین کلب گھر، زنانہ اسپتال، اور اُس کے متعلق مس کے رہنے کی کوٹھی یہ تینون عمارتیں تعمیر ہوکر گورنمنٹ کے حوالہ کردی گئین۔ آخرالذکر دو عمارتون کی زمین خود رائے صاحب نے خرید کی تھی۔ اسپتال کا سنگِ بنیاد لاٹ صاحب نے رکھا تھا، جسکے متعلق ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کیا گیا تھا۔ چاندی کی کنجی بسولی اور آفتابہ، سلفچی، یہ کل سامان لکھنؤ مین تیار کرا کے منگوایا گیا تھا، جسے بعدِ استعمال گورنمنٹ کی نذر کردیا گیا تھا (۵) سنہ ۹۶ و ۱۸۹۵ء کے قحط مین عربا کی پرورش کے لئے دریاباد کے چند گڈھے جو برسات کے موسم مین سخت تکلیف کا باعث ہوجاتے تھے، پٹوا دئے گئے اور لال پور والی خام سڑک، جو بالکل زمین دوز اور نہایت تنگ تھی، از سرِ نو درست کرائی گئی جس سے وہ وسیع اور کشادہ و بلند ہوکر ایک عمدہ اور آرام دہ سڑک بن گئی۔ اس کار خیر مین نہایت دور اندیشی سے کام لیا گیا تھا۔ دن کے علاوہ رات کو بھی مشعلون کی روشنی مین مدد جاری رہتی تھی، تاکہ سعید پوش غریب بھی ملا احسان روزی سے محروم نہ رہین (۶) سعداللہ پور (دریاباد سے چار کوس کے فاصلہ پر) بہ قضیۂ رائے صاحب، مین ایک پختہ شیو آلہ کی تعمیر ہوئی۔ استھانیا کے موقع پر ایک زبردست جشن منایا گیا، جس مین بارہ سکی کے مشہور اور نیک دل ڈپٹی کلکٹر مسٹر "ہوپ" صاحب بہادر بھی شریک ہوئے تھے۔ برہمن بھوجن کے بعد عام برادری کی بھی دعوت کی گئی تھی۔ انتظام معقول اور کھانا پُر تکلف اور مزیدار تھا۔ پبلک کامون کے صلہ مین گورنمنٹ نے خوش ہوکر از راہِ قدردانی نارائین بلی صاحب کو "رائے بہادری" کے خطاب سے سرفراز فرمایا تھا۔

حال کے ایک مطبوعہ ایڈریس مین، جو رائے صاحب کے بڑے صاحبزادہ آنریبل رائے راجیشور بلی صاحب منسٹر کی خدمت مین "ممبران" کائستھ صدر سبھا جونپور" نے ۲۱۔ اپریل ۱۹۲۴ء کو پیش کیا تھا، لکھا ہے کہ: "جب سے کائستھ کانفرنس کی بنیاد قایم ہوئی ہے (۱۸۸۷ء مین کائستھ کانفرنس کا سنگ بنیاد رکھا گیا) آپ کے خاندان کے بزرگون (رائے نارائین بلی صاحب و مہادیو بلی صاحب۔ مولف) کی جانب سے کائستھ سبھا دریاباد، کائستھ پراونشل سبھا اودھ لکھنؤ، کائستھ صدر سبھا ہند، اور جلسہ ہائے کائستھ کانفرنس لکھنؤ و فیض آباد وغیرہ کی جو مستحق بہا قومی امداد و اعانت ہوئی ہے، وہ قومی تاریخ مین آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔" اس سے معلوم کرسکتے ہیں کہ رائے صاحب قومی خدمت کے سلسلے میں مالی امداد دینے کے وقت کس قدر فیاضی سے کام لیتے تھے!

اِن کو بڑے تعلقات کے قایم رکھنے کا بھی بہت بڑا خیال رہتا تھا۔ چنانچہ سننے مین آیا ہے کہ جب سکرد رہا

کے مشہور سردار ٹھاکر مہاسیر بخش سنگھ صاحب مہادیو بلی صاحب کے پاس اِس غرض سے تشریف لائے کہ راجہ صاحب ہڑہا اور ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر (بارہ بنکی) کے درمیان عورنجش ہو گئی ہے، آپ مہربانی کر کے اُسے رفع کرا دیں، تو، مہادیو بلی صاحب نے ایسا دلشکن اور یاس انگیز جواب دیا کہ ٹھاکر صاحب جھلّا اُٹھے۔ لیکن، رائیصاحب کو اس بات کی خبر ہوتے ہی اُنھوں نے فوراً اُس سے معافی مانگی اور بارہ بنکی جا کر راجہ صاحب اور صاحب بہادر مین باہمی صفائی کرا دی۔ اس سے یہ بھی اندازہ کر سکتے ہین کہ رائے صاحب کیسے حکام رس تھے اور حکام کے دل مین اِن کا کتنا وقار تھا!

رپورٹ کارروائی انجمن ہند (مطبوعہ اودھ پریس یحییٰ گنج لکھنؤ ۱۸۹۳ء) مین اِن کی ایک اسپیچ شایع ہوئی ہے، جسکے دیکھنے سے اِس بات کا یقین ہوتا ہے، کہ رائیصاحب اُردو مین اچھی تقریر کرنے کی قابلیت رکھتے تھے، ساتھ ہی اس کے اِن کی بیدار مغزی، بے خوف صاف گوئی، اور اپنے گروہ کے ساتھ سچی ہمدردی بھی آشکارا ہوتی ہے۔

تعلیمی معاملات مین بھی یہ حصّہ لیتے تھے۔ جب کبھی اپنے علاقہ کا دورہ کرتے تو، جہان جہان سرکاری اسکول ہوتے تھے، وہان وہان ضرور جاتے اور طلبا کا امتحان لیکر حوصلہ افزائی کی غرض سے اُنھین شیرینی تقسیم کرتے تھے، جن کی تصدیق کیلئے مدرسہ جیول وغیرہ کے "رجسٹر معائنۂ اصحاب دیگر" کافی ہین۔

رائے بہادر صاحب کے زمانے کی پُرتکلف اور دھوم دھامی دعوتین بھی بیان کے قابل ہین، جو غیر معمولی اہتمام کے ساتھ اکثر تقریبون کے موقعے پر ہوئی تھیں۔ ناظرین کی دلچسپی کے لئے صرف ایک دعوت کا ذکر ذیل مین درج کیا جاتا ہے۔ یہ دعوت غالباً رائیصاحب کی بہن کی شادی مین ہوئی تھی، جس مین راقم الحروف بھی شریک تھا۔

اِس موقع پر بارہ دری دُلھن کی طرح سجی گئی تھی۔ بارہ دری مین، دری کے فرش پر سفید چاندنی بچھی ہوئی تھی۔ سفید چھت گیری لگی ہوئی چھت مین سفید و رنگین بھاری بھاری بیش قیمت جھاڑ، کمرخی ہانڈیان جھالے آویزان تھے، جن کی آہنی سلاخین سُرخ، شالات سے مڑھی تھین۔ چھت کے سفید قمقمے دُودھ کے عکس سے آسمان کے جگمگاتے تارے معلوم ہوتے تھے۔ اکثر بڑے بڑے پھولدار سفید جھالون مین چھوٹی چھوٹی رنگین اور خوشنما مچھلیان بند پانی کے اندر تیرتی تھین، جن کا مصطربانہ گھڑی گھڑی ڈوبنا، اُبھرنا، تیرنا ایک ایسا عجیب و غریب نظارہ تھا جو قدرت کی حیرت انگیز نیرنگیون کا نقشہ آنکھون کے سامنے پیش کر کے دلون مین ایک روحانی کیفیت پیدا کرتا تھا۔ اِن جھالون کے پیندے سوراخ دار نہ تھے، اِس لئے اِن کے زیرین حصّے بآسانی پانی سے لبریز کر کے بالائی حصّون مین ایک خاص ترکیب سے گلاس روشن کئے گئے تھے۔ دیوارون پر انواع و اقسام کے کنول روشن تھے۔ محرابین سفید قمقمون اور رنگین ہانڈیون سے مزیّن تھیں۔ دروں مین زرد حاشیہ والے سُرخ بانات کے پردے پڑے ہوئے تھے، جن کا نصف سے زائد حصّہ دُوریوں کے ذریعہ لپٹا ہوا خوبصورتی کے ساتھ لٹک رہا تھا۔ بارہ دری کے اندرونی کمرون مین بالائی کمرے شیشہ آلات سے آراستہ اور روشن تھے، اکثر لوگ دروازون کے قریب بیٹھے ہوئے محفل کا رنگ اور ناچ دیکھ رہے تھے۔ اِن دروں کی رنگین چقین اور پردے بالکل اُوپر کو لپٹے ہوئے تھے، صرف تھوڑا سا حصّہ خوبصورتی کے لئے لٹکتا تھا۔ زیرین کمرے بالکل تبدیل تھے اور ہر ایک دروازہ چق اور پردے سے سجا ہوا تھا۔ بارہ دری کے بیرونی حصّے مین دیوار پر اِدھر اُدھر بائین دہنے سنہرے چوکھٹے والے قدِ آدم دو آئینے لگے تھے، جن کے زیرین حصّے دو بڑے طاقون پر قائم تھے، اِن کی کالسون پر رنگین پھولون کے گلدستے عجب بہار دکھاتے تھے۔ بارہ دری کے آگے تخمیناً ڈیڑھ فٹ بلند چبوترے پر

شامیانہ موسوم بہ جہیز (جو خاص اسی بارہ دری کی زینت کے لئے تیار ہوا تھا) جس کا شمالی حصہ چوبوں پر قایم تھا اور جنوبی حصہ بارہ دری کی دیوار پر آہنی کڑیوں کے ذریعہ رکا ہوا تھا) استادہ تھا، جس میں گیندے کے سرخ و زرد پھولوں کی خوبصورت جھالریں لٹکتی تھیں۔ اس کی چھت میں حریر کی بنی ہوئی بیضاوی زنجیر والی کھنچ کی رنگین ہانڈیاں اور مچھلی والے سفید جھابے اور لمپ روشن تھے۔ ان کی سلاخیں بھی سرخ شالباف سے منڈھی ہوئی تھیں۔ یہ لیمپ رائے نارائن بلی صاحب خود لکھنؤ سے خرید کر لائے تھے جنھیں ہم ہندوستانی اپنی زبان میں پھٹ کا لمپ کہتے ہیں۔ شامیانہ کی چوبوں پر بھی کنول روشن تھے۔ شامیانہ کے تلے سفید فرش پر دکھن، اُتر طرف بڑے بڑے سیاہ بیل بوٹوں والے سفید قالین بچھے ہوئے تھے۔ مغرب طرف ایک چھوٹے سے رنگا رنگ (کارچوبی) سنہرے مخملی شامیانہ کے تلے جسکی چوبوں پر چاندی کا منقش خول چڑھا ہوا تھا، زرین سنہرے مخملی مسند تکیہ آراستہ تھا۔ مسند کے آگے تخمیناً ۹ فٹ کی لمبی دو قطار دھنیں رنگ برنگ کے فرشی کنول، فرشی جھاڑ، مرد گلین، فانوس وغیرہ روشن تھے۔ بیچ میں مسند کے قریب ہی دہنی طرف نقرئی بیجوان نوشاہ کے سامنے لگا تھا، بائیں جانب کتنی میں پاندان، عطردان وغیرہ قرینے سے رکھے تھے۔ چبوترہ کے دو طرف شمال و مشرق روشنی کی چوبی ٹٹیاں روشن تھیں، جن کے سفید گلاس اس وجہ سے زیادہ بھلے معلوم ہوتے تھے کہ ان میں پانی کی جگہ سرخ رنگ گھول کر بھرا گیا تھا۔ ان ٹٹیوں کے درمیان پورب طرف محفل کی آمد و رفت کے لئے ایک محراب دار منقش چوبی پھاٹک کھڑا کیا گیا تھا جسکی سوروئیت اور دلکشی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کے محراب میں ایک چھوٹا سا چارشی کا خوشنما جھاڑ روشن تھا۔ کارچوبی شامیانہ کے قریب ہی مغرب طرف بھی سنہرے چھکڑے والے قد آدم دو آئینے اِدھر اُدھر لگے ہوئے تھے اور دیوار پر سلیقہ کنولوں کی زیبائش تھی۔ علاوہ اس کے حسن مکان میں یہ بارہ دری واقع ہے، اس کے تمام در و دیوار طرح طرح کے رنگین و سفید کنولوں کی روشنی سے سور تھے اور اس طرح سارا مکان روشنی کی جگمگاہٹ سے بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ اسی سلسلہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ تمام جھاڑوں اور کنولوں وغیرہ میں موم بتیوں کے بجائے سفید گلاس روشن کئے گئے تھے جس میں پانی کی جگہ سرخ رنگ بھرنے کی وجہ سے کنولوں، جھابوں، اور سادی ہانڈیوں کی زینت دوبالا ہو گئی تھی۔ محفل کا انتظام بھی نہایت معقول تھا۔ چوبی پھاٹک پر دہنے بائیں دو سپاہی عمدہ وردی پہنے ہوئے کاندھے پر بندوق دھرے کھڑے تھے، جو عوام کو محفل میں آنے سے روک دیتے تھے۔ اُتر طرف بھی کئی ایک سپاہی تعینات تھے، جن کے خوف سے تماشائی شور و غل مچانے اور دنگا فساد کرنے سے مجبور تھے۔ بارہ دری کے اندر غیر برادری کے لوگ سفید پوش، نیز برہمن وغیرہ بیٹھے تھے۔ شامیانہ کے تلے صاحبان برادری اور قصبہ کے معززین کی نشست تھی۔ کارچوبی شامیانہ کے بیچ نوشاہ سلامت جلوہ فرما تھے۔ دہنے بائیں پہلو میں ریاست بنورا کے تعلقدار محمد حسین صاحب اور اعلیٰ ہندوستانی حکام رونق افروز تھے۔ پشت پر ادھر اُدھر آٹھ سپاہی سرخ ماتات کا کوٹ، خاکی زین کا پائجامہ، سیاہ بوٹ، بنارسی صافہ ڈانٹے ہوئے، کاندھے پر بندوق دھرے اور بیچ میں خدمت کار قیمتی پوشاک پہنے مؤدب کھڑے تھے۔ پھاٹک کے قریب شمال رویہ سادے فرش پر رائے صاحب خود اور چند خاندانی اصحاب۔ رائے صاحب کے اس جگہ بیٹھنے کا مطلب یہ تھا کہ ہم حاضرین محفل کے خاک پا ہیں، اس لئے ہمارا سب کے برابر دو زانو بیٹھنا تہذیب کے خلاف ہے۔ رائے صاحب کے یہاں یہ قدیم سے دستور ہے کہ ریاست کا مالک محفل کے اندر نہ صدر میں کسی جانب بیٹھتا ہے نہ برادری کے درمیان، بلکہ آمد و رفت کے راستہ کے قریب علیحدہ ایک گوشہ میں۔ رائے صاحب کی یہ آبائی تقلید اخلاقی نقطۂ خیال سے ایک نہایت ممتاز اور قابل قدر تصور کیا جا سکتی ہے۔

۹ بجے رات کو پان، الائچی، عطر وغیرہ تقسیم ہونے کے بعد ارباب نشاط کی طلبی ہوئی۔ پہلے کاشی کی مشہور اور حسین طوائف الٰہی جان زرق

برق پوشاک پہنے ہوئے دلکش نارواداکے ساتھ مجرے کے لئے کھڑی ہوئین، جو مشہور آفاق استاد نبدادین (لکھنوی) کی اعلیٰ شاگرد تھین۔ ایک گھنٹے مین الٰہی جان نے اپنے کمال سے تمام مجمع کے لوگون کو مست کردیا۔ دس بجے پر فصل حسین کشمیری (لکھنو کے مشہور و معروف بھانڈ) بلائے گئے، اُن کے آتے ہی ساری محفل یا تو چپ چاپ سکوت کے عالم مین تھی یا ایک سیک آن واحد مین قہقہہ دیوار بن گئی، ہنستے ہنستے ہر شخص کا پیٹ بھول گیا۔ بارہ بجے ہی ناچ گانا موقوف ہوا، اور بیس آتشبازی چھٹنے لگی، آدھ گھنٹے مین یہ دلچسپ تماشا بھی ختم ہوگیا۔ اب کھانے کا وقت آیا۔ غیر برادری والے حضرات اور تماشائی اپنے اپنے گھر روانہ ہوگئے، صرف محفل مین برادری کے اصحاب باقی رہ گئے، جن کی نشست مارہ دری سے تہ میانہ تک کئی صفون مین تقسیم ہوئی تھی۔ پہلے آفتابہ و سلفچی آیا، ہاتھ منھ دھولائے گئے۔ اُس کے بعد گرگ کی تیلین آئین، اور مٹی کے چھوٹے چھوٹے پیالے ولایتی شراب سے بھرے گئے۔ دور مستی کا آغاز ہوا، بوتلین خالی ہونے لگین، جام پر جام چلنے لگے۔ شراب کے ساتھ گرگ کی چاٹ عجیب لطف پیدا کرتی تھی۔ گرگ مین چنے اور مونگ کی دال موٹ، موٹے مہین میٹھی سیو، کوے (میٹھی سبو سے) گلگلا، کباب اچار، چٹنی، نمکین ہوے بستہ، اوام وغیرہ شامل تھے۔ ابھی آدھ گھنٹہ بھی نہ گذرا تھا کہ گرما گرم کھانا آنے لگا۔ ہر شخص کے سامنے تبل میں پوریان، کچوریان (سادی و حستہ ہر دو قسم کی) اور اُس کے گرد پانی پینے کے لئے صراحی و گلاس، گوشت اور ترکاری کے پیالے، خشک ترکاریون کے چھوٹے چھوٹے دونے، ہر دو قسم یعنی سادی و رنگین مٹھائی اور میوون (انگور، سیب وغیرہ) کی تشتریان، اچار، چٹنی، مربّہ کی چھوٹی چھوٹی رکابیان قرینے سے چنی ہوئی تھیں، جن سے تخمیناً چار مربع فٹ کا ایک حلقہ پیدا ہوگیا تھا۔ یہ کل ظروف گلی تھے۔ کھانا نہایت لذیذ اور پُر تکلف تھا۔ پستہ کی بریان، بالائی کے لڈو، بھنے ہوئے کھوئے کے پیڑے، نورتن چٹنی، نورتن اچار۔ خاص طور پر قابل ذکر۔ قریب صبح کھانے پینے سے فراغت ہوئی اور پان، الائچی لیکر سب لوگ ہنسی خوشی جھومتے جھامتے اپنے اپنے گھر گئے اور محفل برخاست ہوگئی۔

نہایت افسوس ہے کہ شباب کا زمانہ شروع ہوتے ہی رائے نارائن بلی صاحب کا انتقال ہوگیا۔ گورا رنگ، میانہ قد، خندان رو، خندان پیشانی، دہرہ بدن، خوبصورت گول چہرہ، خوش پوشاک، آبائی وضع۔ اولاد مین راجیشر بلی و بستیشر بلی بر قید حیات۔

رائے بہادر رائے مہادیو بلی صاحب

رائے ابھرام بلی صاحب کے فرزند چہارم، نائب ریاست، ذی حوصلہ، حکام رس، ذہین، منتظم اور فیاض، اپنے خاندان مین اول شاعر، فارسی کے ادیب، صاحب تصنیف۔ ولادت ۱۹ دسمبر ۱۸۵۵ء، وفات ۳ جنوری ۱۹۰۹ء

اپنے مکتب خانہ مین فارسی کی تعلیم پائی۔ شنکر بلی صاحب کے مرنے کے بعد رائے مہاراج بلی صاحب نے انھین ریاست کا نائب قرار دیا۔ اُن کے بعد رائے نارائن بلی صاحب اور رائے راجیشر بلی صاحب کے زمانے مین بھی تا زندگی اسی عہدہ پر مامور رہے جسے انھون نے نہایت قابلیت اور خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا۔

یہ اپنے دھرم کرم کے پکے پابند تھے۔ روزمرہ پوجا پاٹ کرتے، شیوجی کے خاص طور پر معتقد تھے۔ ہر روز شام کو درشن کی غرض سے اسنے شیوالہ تک پیدل جاتے تھے۔ تا زندگی یہ وظیفہ بدستور جاری رہا۔

سر مہاراجہ پرتاب نارائن سنگھ بہادر کے.سی.ایس.آئی. اودھ رئیس، والی اجودھیا (پریسیڈنٹ انجمن ہند لکھنؤ) خاص طور سے اِن پر مہربان تھے۔ یہ اکثر اُنکی خدمت مین حاضر ہوا کرتے تھے۔ وہ بھی دو ایک مرتبہ (بہ سلسلۂ آمد و رفت لکھنؤ) اِن کی خاطر سے اِن کے مہمان ہوکر اسٹیشن دریاباد والی کوٹھی مین قیام پذیر ہوئے تھے۔

ہوا خوری کا خاص شوق تھا۔ بلاناغہ ہر روز (شیوجی کے درشن کے قبل یا حسب موقع) شام کے وقت مکان سے بستی کے باہر میل ڈیڑھ میل پیدل چل کر فلٹن پر واپس آتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ مرتے دم تک انھین معدہ کے متعلق کوئی شکایت نہین ہوئی اور صحت تازندگی اچھی رہی۔ پتنگ کے بھی شوقین تھے لیکن یہ شوق اِن کا رائے مہاراج ملی صاحب کے زمانہ تک محدود رہا، اُن کے بعد ریاست کے انتظام مین منہمک ہوجانے کے باعث عدیم الفرصتی نے مجبور کردیا تھا۔

تعلیمی معاملات سے بھی انھیں دلچسپی تھی۔ اسکول دریاباد کے علاوہ اکثر اپنے علاقہ کا دورہ کرتے ہوئے سرکاری مدرسون کا معائنہ کرکے طلبا کا امتحان لیتے اور اُنھین شیرینی تقسیم کرتے تھے۔

تنکر بلی صاحب اور رائے نارائن بلی صاحب کی طرح مہادیو بلی صاحب بھی بڑے خوش وضع اور خوش پوشاک تھے لباس قیمتی اور نفیس استعمال کرتے تھے۔ روزمرہ گرمیون میں دردامن گوٹ والا مہین تسریب کا انگرکھا، نیچے چکن کا شلوکہ، سرتی کی چوگوشیہ ٹوپی، نیں سُکھ کی اِک لنگی دھوتی، دیسی بکسوے دار سیاہ بوٹ؛ نقرسیون مین اکثر اصلی حامدانی کا انگرکھا، سرخ دوغ کا یا ریشمی چوڑیدار پائجامہ، سفید یا ریشمی شلوکہ، کامدار چوگوشیہ ٹوپی، سلمہ ستارے کے کام کا سبز مخملی بوٹ؛ جاڑون مین اکثر اُتو کی ہوئی نیلی گرٹ کی گوٹ والا جامے دار کا انگرکھا، جس مین بنارسی تیل ٹکی ہوئی، نیچے فلالین کا شلوکہ، جامے دار کی چوگوشیہ ٹوپی؛ حکام سے ملنے کے وقت دیگر قسم کے کپڑے اور تعلقداری (کارچوبی) ٹوپی استعمال کرتے تھے۔ مکان پر زیادہ سردی کے وقت صبح و شام سفید انگرکھے پر قیمتی چھینٹ کی روئی دار مرزائی پہن لیتے تھے اور چھ انگل کی چوڑی نیلی گرٹ کی گوٹ والی بادامی رنگ مین رنگی ہوئی تنزیب کی دولائی، جس مین تین چھٹانک یا پاؤ بھر بچہ سے زیادہ روئی نہین پڑتی تھی، اوڑھتے تھے۔

انھون نے اپنی حیات مین خاص اپنے رہنے کے لئے بالاخانہ اور کمیاردالی سڑک پر ایک پختہ پل[1] بنوایا۔ رام لیلا کے میدان مین پتھر کا شیوآلہ معہ ایک چاہ پختہ بنوانے کے ساتھ ہی قدیم باغ کو از سر نو درست کرا کر کوٹھی نما خوبصورت دو منزلہ پھاٹک بھی تعمیر کرایا جس سے باغ کی زینت مین دوچند اضافہ ہوگیا۔ لیکن، افسوس ہے کہ ممدوح کی قبل از وفات سے شیوآلہ اور پھاٹک کے متعلق ضروری تجاویز کا انتظام موقوف ہوجانے کے باعث دونون عمارتیں غیر مکمل رہ گئین اور باغ کی پختہ چہار دیواری بھی نہ تیار ہوسکی۔

بملک کامون مین بھی مہادیو بلی صاحب بہت مستعد تھے۔ ۱۹۰۶ء کے ہولناک قحط کے موقع پر جس وقت دریاباد مین غربا کی پرورش کے لئے سرکاری محتاج خانہ قائم کیا گیا تو، انھون نے اُس کی نگرانی کا بارخوشی منظور فرماکر اپنے فرض منصبی کو بحسن و خوبی انجام دیا، جس کے صلے مین گورنمنٹ سے "رائے بہادری" کا خطاب مرحمت ہوا۔

رائے بہادر صاحب نائب ریاست ہونے کے علاوہ فارسی کے اچھے شاعر اور انشاپرداز بھی تھے۔ گرونڈہ کے مشہور حکیم

[1] یہ پل اجوڑا پل سنگین شیوالہ کے متصل پورب طرف واقع تھا۔ جدید انتظام کے وقت سڑک پختہ ہونے پر مسمار ہوکر جدید پل کا پایہ تیار کیا گیا، جو ابھی تک موجود ہے

جناب میان سید غلام رسول صاحب مرحوم کے یہان جو خطوط ان کے لکھے ہوئے موجود ہین اُن سے ان کی ادبی قابلیت ظاہر ہوتی ہے۔ جناب میان سید خادم رسول صاحب (حضرت میان سید غلام رسول صاحب کے بیٹے) ان خطوط کی انشاپردازی کی بہت تعریف کرتے ہین۔ شاعری کے متعلق غالباً اپنے خاندان بھر مین یہ پہلے شاعر تھے، جنھون نے مذاقِ شاعری پیدا کرکے غزل کی زمین مین رامائن تصنیف فرماکر علمی خدمت و شاعرانہ استعداد کا عملی ثبوت پیش کیا۔ یہ مختصر سی مذہبی نظم تعلقدار پریس فیض آباد مین چھپ کر شایع ہوچکی ہے۔ ان کا تخلص اقبال تھا۔ ذوقِ شاعری بہت اعلیٰ، عاشقانہ رنگ سے پاک ہے۔

انھین شاعری و نیابت کے مناصب کے ساتھ ساتھ آنریری مجسٹریٹی و منصفی کا بھی اعزاز حاصل تھا جب تک زندہ رہے، ہر ایک عہدہ کا کام بخوشی خاطر عمدہ طریقہ سے انجام دیتے رہے۔

رائے نارائن بلی صاحب کی وفات کے بعد ریاست کی تمام ذمہ داریون کے علاوہ دیگر ضروری مشاغل مین مصروفیت کی وجہ سے ان کے عیش و آرام مین خلل آگیا تھا جس کا اثر تندرستی پر ایسا خراب پڑا کہ قبل از وقت ۵۲ سال کی عمر مین دفعتہً فالج گرنے سے انتقال ہوگیا۔ اولاد مین اُماتا تھ بلی و سومناتھ بلی بہ قید حیات۔

مرحوم نہایت خوش اخلاق، نیک طینت، امارت پسند، نفیس مزاج، جفاکش، ملنسار، غیر متعصب، آغازِ جوانی مین کسی قدر عیش پرست بھی تھے۔ خوبصورت، دوہرہ جسم، گورا رنگ، شگفتہ اور گول چہرہ، کشادہ پیشانی، کتری ہوئی عمدہ مونچھین داڑھی ندارد، خمیدہ ابرو، بڑی بڑی سیاہ آنکھین، خمدار زلفین، بابری حجامت، سر کے بال گھنے، دراز گردن، چوڑا چکلا سینہ، میانہ قد، ہاتھ پانون سڈول۔

چودھری عباس علی صاحب

سنی المذہب، چودھری حسین علی صاحب قانونگو کے بڑے بیٹے، مشہور و منتظم باوضع رئیس و تعلقدار، چودھرائی کے لقب سے سرفراز، قانونگوئی کے عہدہ پر مامور تھے، جن کی تعریف آج بھی دریاباد کے علاوہ دور دور تک عزت کے ساتھ عام طور پر ہو رہی ہے۔ چودھری صاحب کے خاندانی حالات جو اُن کے خاندانی رُکن چودھری امتیاز علی صاحب نے عنایت فرمائے ہین، اُن کا خلاصہ شکریہ کے ساتھ حسب ذیل ہے:۔

چودھری صاحب کے مورث اعلیٰ سمرقند کے رہنے والے حضرت ابوبکر صدیق خلیفہ اول کی اولاد مین سے تھے، جو شہاب الدین غوری کے ہمراہ ہندوستان آکر سلطان قطب الدین ایبک کے زمانے سے دہلی مین سکونت پذیر ہونے کے ساتھ ہی معزز عہدہ پر ممتاز ہوئے، جنھین ہمیشہ قرب شاہی حاصل رہا۔ اُن کی نسل مین شیخ محمد سلیمان بحکم بادشاہ دہلی محمود آباد کے افسر مقرر ہوکر وہین آباد ہوگئے اور محمود آباد کے قرب و جوار کا علاقہ بھی اُنھین دربارِ دہلی سے عنایت ہوا (وجہ نہ معلوم ہوئی۔ مولف) اُن کے بعد خاندان والون نے وقتاً فوقتاً وہان کے قدیم زمینداروں سے ذریعۂ بیعنامہ اُن کی آراضی خرید کرکے اپنی آبائی زمینداری کو خوب وسعت دی۔ کئی پشتون کے بعد شیخ سکندر و شیخ عبدالحمید کے زمانے مین جب دریاباد کی آبادی بادشاہ دہلی کے حکم سے قائم ہوئی[1] تو یہ دونون حقیقی بھائی دریاباد آکر آباد ہوئے اور چودھرائی و قانونگوئی

[1] راقم کو اس رائے سے اختلاف ہے۔ ملاحظہ ہو باب اول، ذکر دریاباد ۱۲۔

عطا ہونے کے ساتھ ہی بہت سی آراضی دریاباد کی دربار شاہی سے مرحمت ہوئی۔ شیخ عبدالحمید صاحب نے اپنے نام سے حمیدنگر آباد کیا۔ شیخ سکندر بڑے رحمدل اور شجاع تھے۔ ایک موقع پر کارِ خیر[1] مین جان دیکر شہید کے لقب سے ملقب ہوئے تھے۔ اُن کے بعد عبدالجلیل صاحب مالک ریاست ہوکر چودھرائی و قانونگویی مامور ہوئے۔ وہ بڑے امیر کبیر اور اچھے منتظم تھے۔ ایک بہت بڑا وسیع جنگل کا ٹکڑا (عطیۂ شاہی) صاف کرا کر چھ موضعے آباد کئے، جن میں سے ایک موضع کا نام اپنے نام پر "جلیل آباد" رکھا، جو آخر مین کثرتِ استعمال سے جلال آباد مشہور ہوگیا۔ عبدالجلیل صاحب کی اولاد مین چودھری فتح علی صاحب بڑے عیش پرست مگر عالی حوصلہ بزرگ گذرے ہین جنھوں نے ایک بہادر قوم جانزادہ کو دریاباد مین آباد کرکے ایک زبردست محلہ کی بنیاد قائم[2] کی تھی۔ وہ سلطنت کے خیرخواہ بھی تھے۔ ایک مرتبہ شاہِ دہلی کے حکم سے کسی راجہ کے مقابلے کو بھیجے گئے، وہان فوج کو تنخواہ نہ مل سکی، سپاہیوں نے تقاضا کیا، ناچار اُنھون نے اپنا علاقہ جنگل اساون پور رہن کرکے فوج کو تنخواہ تقسیم کردی اور واپسی پر کل قرض ادا کردیا۔ کچھ دنون کے بعد قرضہ کا مطالبہ جرانہ شاہی سے حاصل ہوگیا۔ اُن کے بعد چودھری بشارت علی، پھر چودھری سبحان علی آخر مین چودھری حسین علی صاحب (چودھری عباس علی صاحب کے والد) مالکِ ریاست وصیغہ دار ہوئے، جس کے وقت مین شمسون کی افترا پردازی سے عتاب شاہی نازل ہوکر علاقہ ضبط ہوگیا اور چودھری صاحب لکھنؤ کے جیل مین قید ہوئے۔ لیکن، فقیر محمد خان صاحب رسالدار کی کوشش سے علاقہ معہ عہدہ پھر واپس مل گیا اور چودھری صاحب رہا کردئے گئے[3]۔ اس سے چودھری صاحب کی عالی نسبی[4]، رئیسانہ حیثیت اور بعض ذاندانی بزرگون کے قابلِ تقلید کارنامے ظاہر ہوتے ہین اور ریاست کی بابت ازعام طور پر مشہور ہے کہ چودھری صاحب اور اُن کے بزرگ تعلقدارانہ حیثیت سے بڑے رئیسون مین شمار تھے۔ لیکن، مذکورۂ بالا تحریر سے چودھری صاحب دریاباد کے قدیم باشندے نہین کہے جاسکتے، کیونکہ چودھری عبدالجلیل صاحب شیخ سکندر کے بعد ۱۰۸۲ھ مطابق ۱۶۷۱ء یعنی اورنگ زیب شہنشاہِ دہلی کے زمانے مین قانونگو مقرر ہوئے تھے۔ اس سے شیخ سکندر کا دریاباد مین آباد ہونا شاہجہان بادشاہ کے عہدِ حکومت کے قبل نہین ثابت ہوتا۔ پس مجبوراً ماننا پڑتا ہے کہ چودھری صاحب کے مورث شیخ سکندر اب سے دو ڈھائی سو برس قبل یعنی ۱۶۲۸ء اور ۱۶۵۷ء کے درمیان دریاباد مین آباد ہوئے ہونگے، حالانکہ ذیل کی روایت اور ایک شاہی تحریر سے نہ صرف اس امر کی تردید ہوتی ہے، بلکہ چودھری صاحب کی قدامت پر بھی گہری روشنی پڑتی ہے۔

روایت۔ مشہور ہے کہ "ایک مرتبہ چودھریون کے خاندان مین کسی قانونگو صاحب کی جو اُس وقت مالکِ ریاست اور صیغہ دار تھے، دربارِ دہلی مین طلبی ہوئی۔ اُنھون نے اپنی طرف سے اپنے دیوان لالہ بھکھاری لال عرف بھکھاری داس کو

---

[1] ایک مرتبہ حمیدنگر کے قریب سیف پور کے زمیندار معہ اپنے سپاہیون کے ایک عورت کو جو ڈولی مین تھی، لوٹتے ہوئے نظر آئے۔ شیخ سکندر برسرِ مقابلہ ہوئے۔ تھوڑی دیر کے بعد دونون صاحب زخمی ہوکر جان بحق تسلیم ہوئے۔ [2] بعضون کے نزدیک مانزادے دریاباد کے قدیم باشندون مین سے تھے۔ [3] چودھری صاحب اور پیرزادون مین باہمی رشتہ داری قائم ہے اور پیرزادون کا خاندان نامی خاندان ہے، اس سے بھی چودھری صاحب عالی خاندان ثابت ہوتے ہین۔ [4] ایک شاہی فرمان محررۂ ۱۰۸۲ھ مین تحریر ہے "بخدمت چودھرائی و قانونگوئی نصف پرگنہ دریاباد صاف صوبہ اودھ بہ عبدالجلیل و مرار سنگھ مطابق تفصیل مسطور در ضمن مقرر باشند" اس فرمان کی نقل محررون کے خاندان مین منشی بالا پرشاد صاحب کے پاس موجود

جو محرروں کی نسل سے تھے، بھیجدیا۔ مگر، ہندو ہونے کی وجہ سے اُن کی وکالت نامنظور ہوئی۔ ناچار بھکھاری داس نے مذہب اسلام اختیار کرکے اپنا فرض منصبی ادا کیا۔ مسلمان ہونے پر اُنھیں خطاب خواجگی مرحمت ہوا اور وہ خواجہ بھکھاری کے نام سے مشہور ہوگئے، جن کی یادگار میں ایک خام تالاب ابتک موجود ہے۔ خواجہ بھکھاری مسلمان ہونے کے بعد اپنے گھر سے علیحدہ ہوگئے تھے اور اُنھوں نے دوسری جگہ مکان بنواکر ایک مسلم عورت سے نکاح کرلیا تھا، جس کی اولاد میں محمود احمد تھے اور پہلی بی بی کی نسل بدستور سابق آبائی جائیداد و موروثی ملکیت پر قابض و دخیل اور ہندو دھرم کی پابند رہی، جو اس وقت تک قائم ہے۔ خواجہ بھکھاری کا زمانہ حیات اب سے ۳۹۰ برس قبل ثابت ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو باب ۳، فصل ۲، ذکر لالہ شیو نارائن صاحب مصرم۔

نقل تحریر شاہی "سلار بخش مرد ہہ بوکالت مدعا علیہ آمدہ ظاہر کرد کہ ٹپی مذکورہ (واقع دریاباد) موروثی ابو اسد بودہ است و نام موروثان ابو اسد باد میست دا ابو اسد را عرصہ یک صد و پنجاہ سال گذشت کہ مرد گذاشت یک پسر مسمی سکندر و اولاد مرد گذاشت برادر زادہ خود مسمی فتح علی را و نام پدر فتح علی مرا یاد نیست و فتح علی مرد گذاشت سہ پسر بشارت علی و سعادت علی و سبحان علی اولاً سعادت علی مرد گذاشت یک پسر حسین علی مدعا علیہ پس بشارت علی لاولد مرد بعدہ سبحان علی مرد گذاشت دو پسر امام علی و محمد علی را و ٹپی مذکورہ از عرصہ پانصد سال مملوک موروثان موکلم است و سلاطین ماضیہ بموروثان موکلم معاف فرمودند۔ ماخوذ از سجل شاہی بمقدمۂ خیراتی سپرساز نام چودھری حسین علی از اجلاس وزارت العالیہ شاہ اودھ بمورخہ ۲۳ ربیع الاول ۱۲۵۴ھ۔ یہ شاہی تحریر میان رشید صاحب کے پاس موجود۔

عباس علی صاحب اپنے والد کی زندگی ہی میں، جبکہ وہ بوجہ ضعیفی کاروبار ریاست اور عہدۂ قانونگوئی سے علیحدہ ہوگئے تھے، کام کاج کرنے لگے تھے۔ اِنھوں نے معقول طریقہ سے علاقہ کا انتظام بھی کیا اور اپنے عہدہ کے فرائض منصبی کو بھی نہایت دانشمندی اور جفاکشی سے انجام دیا جسکی وجہ سے رعایا مطیع و فرمان بردار رہی اور حکام ہمیشہ خوش رہے۔

چودھری صاحب بڑے آن بان والے محض ظاہری رئیس نہ تھے، بلکہ دل بھی رئیس رکھتے تھے اور ساتھ ہی اس کے ذی حوصلہ، شریف نواز اور غریب پرور بھی تھے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ ہر روز بلاناغہ اِن کے دسترخوان پر دونوں وقت پچیس تیس آدمی غیر خاندانِ والے شریف اور غریب بلا تکلف کھانا کھایا کرتے تھے۔ تا زندگی یہ چشمۂ فیض برابر جاری رہا۔

کہا جاتا ہے کہ "اِن کے والد چودھری حسین علی صاحب کُل پرگنہ دریاباد کے قانونگو تھے، بلکہ ایک جزو کے قانونگو تھے اور نصف سے زائد علاقہ اُن کے قبل فروخت ہوچکا تھا، صرف حمید نگر، اصالت نگر، مشکی پور، دنا پور، بگھورا، جلال آباد، ٹپی محمود آباد، حصہ مشک آباد، ٹپی دریاباد یعنی چھ موضے اور تین ٹپیاں باقی رہ گئیں تھیں۔ لیکن چودھری عباس علی صاحب نصف پرگنہ کے قانونگو ہوگئے تھے، ساتھ ہی اس کے انتظامی قابلیت کے زور سے جنگل ابسا دن پور کا علاقہ خرید کرکے پھر دوبارہ تعلقدارانہ حیثیت بھی پیدا کرلی تھی تعلقہ حمید نگر کے نام سے مشہور تھا۔

اِن کو عیش پرستی کا بھی شوق تھا، مگر نہ تباہ ہوئے نہ مقروض۔ آبائی ریاست اور جدید زمینداری سب بدستور اُن کے قبضہ میں رہی۔ اس سے چودھری صاحب کی بیدار مغزی اور دانشمندانہ دور اندیشی بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔

چودھری صاحب نے آخر عمر مین نہایت دور اندیشی سے کام لیا تھا۔ اپنے بھائیون اور مستحقین کو عدالتی ریزہ ماری بیجا مصارف اور باہمی نفاق میں آئے دن کی مصیبتون سے بچانے کے لئے بندوبست پختہ (۱۸۶۴ء) لغایت ۱۸۶۸ء مین اپنی ریاست ذریعۂ تقسیم حسب مناسب باقاعدہ علیحدہ علیحدہ ہر ایک کے نام کھیوٹ مین اندراج کرادی تھی۔ لیکن بعضون کا بیان ہے کہ "چودھری صاحب کے بھائیون نے خود عدالت میں دعویٰ دائر کرکے ارروئے ڈگری اپنے اپنے حصہ کا داخل خارج کرالیا تھا"

چودھری صاحب کے خاندان والون کا بیان ہے کہ "چودھری عباس علی صاحب کے پاس چند پروانے اور چٹھیان اس قسم کی تھین، جو انھین انگریزون کی طرف سے عنایت ہوئی تھین" نہایت تعجب اور افسوس کا مقام ہے کہ ایسے ضروری اور کارآمد کاغذات ابھی حال ہی مین چودھری ساجد علی صاحب (چودھری عباس علی صاحب کے خاندانی رکن) کے یہان نذر غفلت ہوکر ضائع ہوگئے، صرف ایک پروانہ چودھری صاحب موصوف کے پاس اس وقت تک موجود۔ اس پروانہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ چودھری عباس علی صاحب کے حسن خدمات سے یورپین حکام ان پر بہت مہربان رہتے تھے۔ پروانہ مذکور کی نقل حسب ذیل ہے:-

"بحکم صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر ضلع دریاآباد۔ نمبر ۴۹۔ مہر انگریزی چودھری عباس علی بعایت باشد۔ تمکو ۲۵ لٹھ بینار ہر وقت اپنے ہمراہ رکھنے کی اجازت دیجاتی ہے۔ کسی سے لڑنا بھڑنا نہیں۔ تاکید مزید جانو۔ المرقوم ۱۸ ستمبر ۱۸۵۸ء۔ بقلم علی واجد پروانہ نویس دستخط انگریزی صاحب ڈپٹی کمشنر"

عباس علی صاحب کی طبیعت سپاہانہ واقع ہوئی تھی۔ ہندو مسلمان سب کے بہی خواہ، عام طور پر نہایت خلیق اور ملنسار تھے۔ ورزش کا خاص شوق تھا۔ بلاناغہ ہر روز ڈنڑ کرکے مگدر ہلاتے تھے اس مفید مشغلہ سے کبھی غافل نہین ہوئے اسی وجہ سے ان کی تندرستی ہمیشہ اچھی رہی۔ انھون نے اپنی زندگی بڑے اطمینان اور بے فکری کے ساتھ بسر کی، باوجود تقسیم علاقہ شان و شوکت اور عیش و آرام مین کسی قسم کا فرق نہین آیا۔ تخمیناً ۸۵ برس کے سن مین اب سے نصف صدی قبل لاولد انتقال ہوا۔ گندم رنگ، لانبا قد، موٹے نازک، گیلا بدن، طاقت ور، لمبے چوڑے بھاری بھاری ڈنڑ چکلا سینہ، سیدھی داڑھی، سر پر گھنے بال، چیدہ لٹیں، کتری ہوئی خفیف مونچھیں، رعب دار گول چہرہ، بڑی بڑی آنکھین لمبی گردن، آبائی وضع۔ یادگار مین ایک پھلواری موجود۔

افسوس ہے کہ مرحوم کے بعد ان کے بھائیون وغیرہ میں باہمی نفاق و مقدمہ بازی شروع ہوجانے سے بہت جلد خاندان پر تباہی آگئی، علاقہ غارت ہوگیا، اب صرف چند دیہات باقی، جن پر قرض کے بار کی کوئی انتہا نہین۔ آج کل چودھری صاحب کے خاندان مین مصطفےٰ علی، اختیار علی نائب ریاست دیوسی، نواب علی وکیل گوالیار، عاشق علی انسپکٹر فرزند علی تحصیلدار ریاست جہانگیر آباد، ساجد علی انسپکٹر ٹنک بھوپال، وغیرہ بقید حیات ہیں۔ (چودھریاں)

ے سنا جاتا ہے کہ چودھری عباس علی صاحب کے بعد غلام عباس اُن کی جائیداد و زمینداری کے مالک ہوئے تھے اور قانونگوئی کا عہدہ بھی حاصل کیا تھا۔ غلام عباس صاحب بڑے خوش پوشاک، سلیقہ شعار، خوش فہم، خوش اخلاق اور مردم شناس تھے۔ ان میں ایسی لوک

بقیہ بیان کے لئے حاشیہ صفحہ ۱۵۴ ملاحظہ ہو۔

مرزا محمد اصغر بیگ صاحب

عرف اصغر بیگ، مرزا اختائی، مرزا نیاز بیگ صاحب صوبہ دار کے اکلوتے بیٹے، مشہور و متنظم اور فیاض و مخیر رئیس تھے ولادت ۱۸۴۹ء، وفات ۱۸۸۷ء۔

یہ نہایت خلیق اور ملنسار، دوست و احباب سے بہت اچھی طرح ملنے، عزیز و اقارب پر خاص مہربان تھے۔ ہر شخص کے اعزاز و مرتبہ کا خیال رکھتے، رعایا کے ساتھ مصفانہ برتاؤ کرتے، اُن کے دکھ درد کو خوب جی لگا کے سنتے اور حتی المقدور امداد دیتے تھے۔ روزہ و نماز کے سخت پابند، غیر متعصب، ہندو مسلمان سب سے مراسم تھے۔ ناچ گانے سے قطعی احتراز تھا۔ طبیعت دررس پسند تھی۔ دس بجے دن سے بارہ بجے تک روزانہ ڈسٹرکٹ کے مگدر رہا کرتے تھے۔ دوران ورزش مین مگدر رہاتے ہوئے ایک منزل قرآن شریف ختم کرجاتے تھے۔ سوڈیڑھ سو ڈسٹر کا روزانہ معمول تھا۔

مرزا صاحب کے مورث اعلیٰ سردار مرزا اتکا اللہ بیگ صاحب سرداران ایران کی نسل سے تھے، مومئہ اپنے چند اہل خاندان کے شہنشاہ اورنگ زیب کے زمانے مین دہلی آئے اور اپنی عالی نسبی و قابلیت کے باعث نائب وزیر مقرر ہوئے۔ بعد وفات اُن کے لڑکے مرزا ہدایت اللہ بیگ فوج کے سپہ سالار ہوکر جنگ دکن مین کام آئے۔ اس میر خواہانہ خدمت کے صلہ مین شاہ دہلی نے خاندان کی پرورش کے لئے جاگیر عطا فرمائی۔ اُن کی اولاد مین مرزا قربان بیگ کے بیٹے مرزا اتاد بیگ بدنظمی سلطنت کی وجہ سے دہلی چھوڑ کر معہ اپنے خاندان کے لکھنؤ آئے، اور دربار اودھ سے گونڈہ و بہرائچ کی نظامت پر ممتاز ہوکر بہرائچ مین سکونت پذیر ہوئے۔ اُن کے بعد اُن کے پوتے مرزا نیاز بیگ صاحب فوج شاہی کے صوبہ دار مقرر ہوئے اور کرنیل بارلو صاحب بہادر کی ماتحتی مین اپنے فرائض منصبی انجام دیتے ہوئے ضلع گونڈہ مین "بروٹ پور" کے نام سے ایک علاقہ حاصل کیا۔ اُن کی شادی مرزا ابلاق بیگ صاحب رئیس دریاباد کی بیٹی کے ساتھ ہوئی۔ اسی سلسلہ مین مرزا نیاز بیگ صاحب نے دریاباد مین سکونت اختیار کی۔ سُنا جاتا ہے کہ انھون نے ایک گدا جسے دو آدمی نہین اُٹھا سکتے، سید سالار مسعود غازی کی درگاہ مین بطور نذر پیش کیا تھا، جو آج تک موجود اور وہان کے دفتر مین درج ہے۔ ماخوذ از حالات خاندانی مرزا محمد یوسف بیگ، مطبوعہ اخبار و بدیہ سکندری پریس، ریاست رامپور ۱۹۰۷ء۔

مرزا صاحب کی شادی غضنفر الدولہ معز الملک مستقل جنگ مرزا میڈو خان صاحب بہادر کے چھوٹے بیٹے قدرت اللہ بیگ خان ناظم کی دختر مسماۃ رابعہ بیگم کے ساتھ ہوئی تھی۔ میڈو خان صاحب کے پردادا سردار عباد اللہ خان بہادر محل ملاس پلک تھی کہ کسی رئیس سے دب کر نہیں رہے۔ اکثر معزز اصحاب ان سے خود ملنے آتے تھے۔ جو دھری عباس علی صاحب کی طرح یہ بھی عیش پسند تھے، جو ان کے مصاحبوں کی خود غرضی کا ایک خاص باعث تھا لیکن، ان کی خوش انتظامی سے کاروبار زمینداری مین کسی قسم کی بے عنوانی نہین ہوئے پائی۔ خوبصورتی مین یہ آپ ہی اپنی نظیر تھے جسکی شہرت کا فسانہ اس وقت بھی دور و دور تک زبان زد عوام ہے۔ عین جوانی مین اُن سے ۴ برس قبل لاولد وفات پائی۔ یہ کون تھے اور کیونکر جو دھری صاحب کی جائیداد پر قابض ہوئے؟ اس کے اظہار کے لئے حکومت وقت کا قانون مانع ہے ۱۲۔

پیچی فرخ سیر بادشاہِ دہلی کے وزیر تھے اور دادا نواب قطب الدین خان بہادر محمد شاہ سلطانِ دہلی کے زمانہ مین فوج کے سپہ سالار تھے۔ میڈو خان صاحب قبل مین انگریزی فوج کے رسالدار (اٹھارہ سو سوارون کے حرل) بعدہٗ عازی الدین حیدر شاہ اودھ کے عہد مین فوج کے کمانڈر ان چیف (سپہ سالار) تھے اور ۷۰ لاکھ روپیے کا علاقہ اِن کے زیر نظامت تھا۔ لکھنؤ مین میڈو خان کی سلر مشہور رہی۔ مرزا قدرت اللہ بیگ خان شاہی مین ناظم اور "رضی الدولہ فخر الملک سہراب جنگ" کے خطاب سے سرفراز، ۱۸۵۷ء کے بعد گورنمنٹ کی طرف سے تحصیلداری کے عہدہ پر مامور تھے۔

اُنھیں فضول خرچی سے سخت نفرت تھی، مگر معقول فیاضی سے خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ باغ کے میوے موسم کے لحاظ سے تمام لازمین اور غریب غربا کو ایک مرتبہ اور مکتب خانہ کے لڑکون کو علمی حوصلہ افزائی کی غرض سے چوتھے یا پانچوین دن خود اپنے ہاتھ سے تقسیم کیا کرتے تھے۔ لاوارث بیوہ عورتوں کو بلا قید مذہب حصہ طور پر حسب حیثیت ماہوار تنخواہ دیتے تھے۔ تاحیات یہ سلسلہ برابر جاری رہا جو قابلِ تقلید دانشمندانہ اصول کے لحاظ سے بہت کچھ تعریف کے لائق ہے۔ مرزا صاحب کی یہ حصہ فیاضی اُنکے مرنے کے بعد لوگون کو معلوم ہوئی تھی۔

سُنا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ جاڑے کے موسم مین ایک عالم صاحب، جن کے پاس اوڑھنے کو کچھ نہ تھا، شام کے وقت آکر اِن کی مسجد میں چپکے سے پڑ رہے۔ جب مرزا صاحب نماز پڑھنے کے لئے وہان گئے تو دیکھا کہ وہ سردی کے باعث کانپ رہے ہین۔ اِنھیں یہ حال دیکھکر ترس آگیا، فوراً اپنی قیمتی دُلائی اُنھین اوڑھا دی۔ اس سے اِن کی رحمدلی اور شریف پروری بھی ظاہر ہوتی ہے۔

اصغر بیگ صاحب اپنی حیثیت کے موافق علم و ہنر کے قدر دان بھی تھے۔ مبلغ پانچ روپیہ ماہوار ایک بہت بڑے ذی علم کو ہمیشہ دیتے رہے۔ مکتب خانہ کے نیکدل مُعلّم مولوی رونق علی صاحب کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے، جو عربی و فارسی کے ماہر ہونے کے علاوہ اعلیٰ خوشنویس اور خط نسخ لکھنے مین اوستاد تھے۔ اِن کے مکتب خانہ مین عام لڑکون کے پڑھنے کی اجازت تھی، قومی تفریق اور اعلیٰ و ادنیٰ کی قید نہ تھی نشست کا انتظام بھی معقول تھا۔ اِن کے بیٹے اور خاندانی و غیر خاندانی جملہ لڑکے مساوی حیثیت سے تحت پر بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ اِس سے مرزا صاحب کی وسیع النظری و روشن خیالی پائی جاتی ہے۔

اِنھون نے آبائی زمینداری کو بہت کچھ ترقی دی۔ مرزا آغا حسن خان صاحب سے چند گانوں خرید کر کے اپنے علاقہ مین شامل کئے۔ رعایا کی سرسبزی کی غرض سے ڈیہوا مائے (دریا باد سے متصل) مقام پر ایک بہت بڑا پختہ کنوان، جس مین چار پُر متواتر چلنے سے بھی پانی کم نہین ہوتا، بنوا کر آبپاشی کے ذرائع کو وسیع کر دیا۔ پُرانی پھلواری کی ضروری ترمیم و مرمت کے ساتھ ساتھ ایک پختہ بلند کرسی پر عمدہ مسجد بھی تعمیر کرائی، جو اب تک موجود اور مکان سے ملی ہوئی بجانب گوشۂ شمال و مغرب واقع۔

اِن کی وضع سادی، مگر نفاست آمیز تھی۔ گرمیون مین تنزیب کا لمبا گوٹ اگرکھا، دو پلڑی سفید ٹوپی، نین سُکھ کا بڑے پائینچے والا پائجامہ، نری کا جوتا۔ جاڑون مین سرگرنٹ کی گوٹ لگی ہوئی سفید بانات کا انگرکھا، پیچھے اُنی کا شلوکہ

استعمال کرتے تھے۔ جاڑے کے جاڑے (پوس، ماگھ) شروع ہوتے پر صبح و شام بھیس چھینٹ کی رُوئی دار مرزائی انگرکھے کے اوپر پہن لیتے تھے۔ اور اودی گرنٹ کی چوڑی گوٹ والی بادامی رنگ کی دُلائی، پاؤ بھر پختہ روئی پڑی ہوئی، اوڑھتے تھے۔ ۳۸ برس کی عمر مین دفعتہً بعارضۂ ہیضہ انتقال ہوا۔ فربہ اندام، دراز قد، گورا رنگ، خوشرو، رعب دار گول چہرہ، کتری ہوئی خفیف مونچھین، ترشی داڑھی، سُڈول ہوا سر، بڑی بڑی سیاہ آنکھین، چوڑا سینہ، کشادہ پیشانی، لمبے چوڑے ڈیل ڈول، زبردست رانین۔ اولاد مین محمد یوسف بیگ و محمد یونس بیگ در اثنا قابضِ علاقہ اور صاحبِ اولاد۔ (مغلان)۔

دوسری فصل شرفاؤ معززین کے بیان مین

نبھئو اوستھی

کانکبج برہمن، اُپ منیج گوتر، دریاباد کے اول اوستھی، عالی نسب، دھرماتما، خوش نصیب، دولت مند، اولوالعزم بزرگ۔ ان کے دادا بھوپا نیڈت مشہور اور بہت بڑے اقبالمند، تیاک پور کے راجہ دھرم پال کے گرو (مرشد) تھے۔ جھجھوت پور مین یگیہ کرا کے وہین آباد ہو گئے تھے اور دیکھت کہلاتے تھے۔ بھوپا پنڈت کے بیٹے یعنی نبھئو کے باپ جانی بڑے وِدوان، وید کے ماہر، حاناں پور مین بسے اور پاٹھک مشہور ہوئے۔ نبھئو نے دریاباد مین سکرت اختیار کی، اور "اوستھی یگیہ" کرنے کے بعد اوستھی کے لقب سے ملقب ہو کر "دریابادی اوستھی" کہلائے۔

کانکبج ونشاولیون (قنوجیا برہمنون کی تاریخین) سے معلوم ہوتا ہے کہ نبھئو مہراج اس سے آٹھ سو برس قبل دریاباد مین آباد ہوئے تھے۔ اسکی تشریح وضاحت کے ساتھ بابِ اوّل مین دریاباد کی قدامت پر بحث کرتے ہوئے کر دی گئی ہے۔ ونشاولیون مین اوستھی جی کے تین بیٹے لکھے ہین۔ کمل، مل، بھٹ۔ کمل یگیہ کرنے کے بعد دوسرا اوستھی، مل تین دیدون کے ماہر اکڈلا کے ترسیدی، بھٹ چندن پور کے باجپئی مشہور ہو گئے تھے، اور دریاباد چھوڑ کر دوسرا اکڈلا چندن پور مین رہنے لگے تھے۔ لیکن، اکثر مقامون پر اس قسم کے اوستھی پائے جاتے ہین، جو اپنے کو "نبھئو والے دریابادی اوستھی" کہتے ہیں، جسکی تصدیق کانکبج چھتامن سے بھی ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبھئو مہراج کے کوئی اور لڑکا بھی تھا جسکی نسل دریاباد مین قائم ہو گئی تھی۔ لیکن، اس اولاد نے ذاتی طور پر کچھ اعزاز حاصل کرنے کی کوشش نہین کی۔ ایک زمانے کے بعد کسی وجہ سے خاندانی لوگ دوسری جگہون مین آباد ہو کر نبھئو والے دریابادی اوستھی کہلانے لگے اور دریاباد مین اُن کا نام لیوا باقی رہا۔ (دیکھتا رہ)

سِدھ ناتھ اوستھی

نبھئو کی تیسری نسل مین دھرمائی اوستھی کے بیٹے، عالی نسب، بڑے دھرماتما، فیاض، بلند حوصلہ، دریاباد مین اعلیٰ اور معزز اوستھیون کے بانی، اپنے وقت کے نامی اور قابلِ تعظیم بزرگ تھے۔ ان کا اصلی وطن موراپان تھا غالباً رشتہ داری کی وجہ سے دریاباد مین بذاتِ خاص آباد تھے۔

قنوجیا برہمنوں کی تاریخوں میں اِن کے باپ دادے کی مرجاد (عزت) صرف ۵ سو ۵ لکھی ہے اور اِن کے نام کے آگے ۱۰ بسوہ تحریر ہیں۔ ساتھ ہی اِس کے اِنھیں "دریابادی اوستھی" بھی لکھا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سدھ ناتھ مہراج نے دُھوم دھامی یگیہ کرکے اپنے آباواجداد سے دوچند مرتبہ حاصل کیا تھا اور "دریابادی اوستھی" کے لقب سے شہرت پائی تھی۔ اگر یگیہ کا مُقدّس فرض ادا کیا جاتا تو سدھ ناتھ جی اور اِن کے خاندان والے مورایان کے اوستھی کہلاتے دریابادی اوستھی نہ کہے جاتے اور نہ یہ اعزاز و افتخار نصیب ہوتا، نہ اوستھی جی دنشادلیوں کے صفحوں میں جگہ پاتے۔ کیونکہ تاریخ میں اُنھیں بزرگوں کے حالات لکھے ہیں، جن کے کارناموں سے خاندان کو ناموری حاصل ہوئی ہے۔ سدھ ناتھ کا زمانہ حیات اب سے ۷۰۰ برس قبل۔

"کانکبج جنتا من" اور تحقیق سے پایا جاتا ہے کہ اِن کی نسل والے جہاں آباد میں اتنک سدھ ناتھ دریابادی اوستھی کے نام سے مشہور رہیں، اور رُتبے میں صرف تیوراسی کے اوستھیوں سے کم، دوسروں، جیسے گاؤں مَت پور، گورا، سندھ پور، اِکڈلا کے اوستھیوں کے برابر اور باقی جملہ کانکبج اوستھیوں سے بڑھ کر خیال کیے جاتے ہیں، یعنی ایک سَو گوتر کے علاوہ پندرہ گوتروں میں (کاتیائن، بھردواج گوتر میں کوئی اوستھی نہیں ہوا) کسی گوتر کا کوئی اوستھی بھی اِن کا مقابل نہیں۔

اوستھی جی گیارہ بھائی تھے جن میں سے برمھدت کی اولاد تیوراسی کے اوستھی اور جگدت کی نسل لکھنؤ کے اوستھی مشہور ہوئی، جن کا خاندان بہت بڑا معزز خاندان تسلیم کیا گیا ہے، باقی لوبھالی دیودت وغیرہ دوسرے مقاموں میں آباد ہو گئے تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ دریاباد کے اوستھیوں کا قابل تعریف زمانہ تھا۔ یہ لوگ بڑے دولت مند، دھرم کرم کے پابند، اور سخی تھے۔ اِن کا خاندان بہت بڑا اور مشہور خاندانوں میں سے تھا۔"

دریاباد خاص میں گمان اوستھی کے نام سے "یگیہ شالہ" اور رشی کے ماہر دُور دُور تک اوستھیوں کے نام سے یگیہ اِس وقت بھی مشہور ہے۔ گمان اوستھی کی بابت یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ بھوکی نسل سے تھے یا خاندان سدھ ناتھ سے۔ یہ یگیہ شالہ ایک مدت تک معمولی پختہ ٹیلے کی صورت میں نمودار رہا، راقم کی دیکھا دیکھی بالکل بیست و نابود ہو گیا۔ آج کل اِس مقام پر پنڈت رام ادھین کا خام احاطہ بنا ہوا ہے۔ اوستھیوں کی اولاد میں رام سُکھ اوستھی موجود اور شکستہ مگر پختہ مکان تا حال قائم۔ (دیچھتا نہ)

کُندر اگن ہوتری

بنجھو اوستھی کی چوتھی پُشت میں بڑے وِدوان اور دو ویدوں کے ماہر دیودت دُوبے کے چھوٹے بیٹے، سدھ ناتھ اوستھی کے حقیقی بھتیجے، بڑے اقبال مند اور نامی گرامی بزرگوں میں سے تھے۔ اصلی وطن مورایان سے آکر دریاباد میں "اگن ہوتر یگیہ" کرنے کے بعد اگن ہوتری کے لقب سے مشہور ہوئے۔ بعضوں کا بیان ہے کہ "دریاباد کے باٹھکوں میں سے کسی نے یگیہ کیا تھا جسکی اولاد اگن ہوتری کہلائی"۔ لیکن کسی دنشادلی (تاریخ) سے اِس بات کی تصدیق نہیں ہوتی۔ دنشادلیوں میں "کُندر دریابادی اگن ہوتری" صاف طور پر لکھا ہے۔ اِن سے پہلے دریاباد میں کوئی اگن ہوتری

برہمن آباد نہ تھا۔ یہ اوّل بزرگ ہیں جو پہلے دوبے تھے، یگیہ کرنے کے بعد دریا بادی اگن ہوتری کہلائے۔

کانکج دنشاولیون مین کندر مہراج کا مرتبہ سولہو گوتروں کے اگن ہوتری برہمون مین جیون، مت کر، اور ہرسکھ کے علاوہ سب سے افضل نظر آتا ہے، جس کے برابر کانکج دیش مین کسی مقام پر آج تک کوئی دوسرا اگن ہوتری برہمن پیدا نہین ہوا۔ جیون مت کر، ہرسکھ اگن ہوتری صرف کندر کے ہم رتبہ تھے، ان سے بڑھ کر نہیں۔ ریواڑی کے جیون اور بدرکا کے ہرسکھ کندر کے حقیقی بھائی تھے اور اُدگو کے مت کر خاص انھین کے خاندان والون مین سے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگن ہوتری جی نے اپنے دھرم کرم، دولت اور اُلوالعزمی کے زور سے دریا باد مین اعلیٰ اعزاز حاصل کر کے بہت بڑا نام پیدا کیا تھا۔ دنشاولی مین ان کی مرجاد ۱۱ سوہ اور ان کے باپ کی عزت صرف ۵ سوہ درج ہے۔

چار بھائی تھے۔ جیون ریواڑی مین، جگنی جونپور مین، ہرسکھ بدرکا مین، بہاری گنگانون مین رہتے تھے اوّل الذکر تینون بھائی اگن ہوتری اور آخر الذکر بزرگ دوبے کہلاتے تھے۔ اولاد مین بابو رام وغیرہ۔ (ٹھیکا کی ٹولہ)

بابو رام اگن ہوتری

کندر مہراج کے بیٹے، سخاوت و فیاضی، اُلوالعزمی اور دھارمک کامون مین اپنے باپ کے مقلد اور انھین اوصاف کے باعث واجب التکریم۔ یگیہ کے ذریعہ ذاتی طور پر اعزاز حاصل کر کے قومی خطاب سے بھی سرفراز ہوئے تھے جسکی تصدیق کے لئے اتنا ہی کہدینا کافی ہے کہ قنوجیا برہمنون کی تاریخ مین بہ سلسلۂ مشاہیر ان کا بھی کندر مہراج سے علیحدہ ذکر ہے، اور انھین بھی "دریا بادی اگن ہوتری" لکھا ہے، لیکن، عزت مین یہ اپنے باپ سے کسی قدر کم تھے، ان کی مرجاد ۹ سوہ لکھی ہے اور کندر جی کی ۱۱ سوہ، جو اس بات کی دلیل ہے کہ انھون نے فیاضی مین کچھ کفایت شعاری کو دخل دیا ہوگا۔

تحقیق سے پتا چلتا ہے کہ دریا باد مین اگن ہوتریون کے دو خاندان قایم تھے۔ ایک کندر کے نام سے، دوسرا بابو رام کے نام سے موسوم تھا۔ چنانچہ اضلاع مارہ بنکی، لکھنؤ، ہردوئی، بہرائچ، شاہجہان پور، مین پوری، متھرا، آگرہ، اٹاوہ وغیرہ مین جو اگن ہوتری آباد ہیں، اُن مین بعض اپنے کو کندر والے دریا بادی اگن ہوتری کہتے ہین، اور بعض بابو رام والے دریا بادی اگن ہوتری کہلاتے ہین۔

اوستھیون کی طرح اگن ہوتریون کے یگیہ کو بھی ابتک شہرت ہے۔ ان کا خاندان بھی بہت بڑا خاندان تھا۔ ان کے دم سے بھی بیسیون پختہ عمارتین تعمیر ہو گئی تھیں۔ ان کے دھرم کرم اور طرز عمل کی جا بجا تعریف تھی۔ یہ لوگ جوانمرد اور بہادر بھی تھے۔

دریا باد مین گیا پرشاد، رام بہاری، شمبھو دت اگن ہوتریون کے نام لیوا بہ قید حیات اور دو قدیم پختہ مکان موجود، یگیہ شالہ کا صرف نشان باقی۔ یگیہ شالے کی زمین پر ایک خام مکان بنا ہے جس مین ستیو پرسن کی مان رہتی ہین۔ لیکن، یگیہ شالے کی یادگار مین تھوڑی سی زمین مکان سے علیحدہ چھوڑ دی گئی ہے جس پر اس مقدس عمارت کے جنوبی حصہ کی زمین دوز نو

اتبک قائم ہی۔ (اٹھکانی ٹولہ)۔

شانتِ دِیکھت

بنھنوا دستھی کی نوین پُشت میں والمیک دیکھت کے بڑے بیٹے بھیر ٹے ستوتس تھے جو بیس کے دیکھت کہلائے بڑے معزز اور قابلِ ذکر بزرگ تھے۔ کھیورا میں پیدا ہوئے، دریاباد میں بذاتِ خاص شہرت حاصل کی۔ یہ اپنے باپ سے زیادہ فیاض اور ملنسار حوصلہ تھے۔ چنانچہ غیر معمولی اہتمام سے یگیہ کرا کر دریابادی دیکھت کہلانے کے ساتھ ساتھ اعزاز و مرتبہ میں بھی اُن سے سبقت لیگئے۔ آبائی عزت ۸ بسوہ تھی، لیکن انھیں اپنی زندگی میں ۱۰ بسوہ کی عزت عطا ہوگئی تھی۔ یہ اعزاز کل گوتروں (کاتیائن، بھردواج، شانڈلیہ گوتر میں کوئی دیکھت نہیں) کے دیکھتوں میں سٹھل پور، اُدگو، ایٹر، بوگاؤں، سٹیور، کیوایور کے دیکھتوں کو چھوڑ کر کسی دیکھت کو میسر نہیں ہوا۔ (ماخوذ از تاریخہائے برہمنان قنوج)۔

اِن کی نسل والے سدھور، اٹورا، اریامئو، تاراپور (ضلع بارہ بنکی) سکرور، مہرج پور، پہاڑاپور (ضلع گونڈہ) اُدگو، مرادآباد وغیرہ میں اب تک موجود ہیں، جو دریابادی دیکھت کہلاتے اور اعلیٰ معززین میں شمار کیے جاتے ہیں۔ دریاباد سے اُتر ۶ میل کے فاصلہ پر اُستولی کے قریب "پورہ دیکھت" آباد ہے جسکی بابت کہا جاتا ہے کہ یہ دریابادی دیکھتوں کا آباد کردہ ہے۔ لیکن جو بزرگ یہاں آئے تھے، اُن کی اولاد اب کوئی باقی نہیں ہے۔ یہ پورہ عرصہ سے ریاست رائے مئو میں شامل ہے۔

اگن ہوتریوں اور اوستھیوں کی طرح دریابادی دیکھتوں کے نام سے بھی یگیہ دور دور تک مشہور و معروف ہے۔ سُنا جاتا ہے کہ یگیہ بڑی دھوم دھام سے کیا گیا تھا، جسکے متعلق ایک خاص پختہ عمارت یگیہ شالہ کے نام سے تعمیر ہوئی تھی جس میں ایک مندر بھی بنوایا گیا تھا۔ اس مقدس رسم کی ادائیگی کے لئے ضلع بستی سے ایک بہت بڑے نامی گرامی ویدک پنڈت بلائے گئے تھے۔ یگیہ شالہ کی عمارت دیکھتوں کے قدیم مکان (جس میں مہابیر دیکھت رہتے تھے) سے متصل پچھم طرف واقع تھی۔ مکان کے اُتر طرف مختصر مگر عمدہ پھلواری تھی۔ آج کل اِن زمینوں پر کاشتکاری ہوتی ہے۔

مہابیر دیکھت کہتے تھے کہ ہمارے اول بزرگ، جے کرشن، ہرکرشن، مدھو رام، کھمبھن جانا پوری مورایان کے پاٹھک کہلاتے تھے، جو دریا خان کے وقت میں مورایان (ضلع اُناؤ) سے دریاباد آئے اور جنگل کٹوا کر یہاں آباد ہوئے تھے، جن کی نسل والے یگیہ کرنے کے بعد دیکھت مشہور ہوئے۔" لیکن تاریخی نقطۂ خیال سے یہ بیان صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ دراصل دیکھتوں کے مورث اعلیٰ شانت مہاراج تھے، جو پہلے کھیورا کے دیکھت کہلاتے اور دریا خان صاحب سے بہت پیشتر دریاباد کے باشندوں میں شامل ہوگئے تھے (کیونکہ اِن کا زمانۂ حیات کا نتیجہ دستاویز سے اب سے ساڑھے پانچ سو برس قبل ثابت ہوتا ہے اور دریا خان صاحب گزیٹیر بارہ بنکی کے مطابق سنہ ۱۴۴۰ء میں موجود تھے، جسے آج تک صرف ۴۰۹ برس ہوتے ہیں) جب اُنھوں نے یہاں خود بھی یگیہ کیا تو وہ برہمنی اصول کے موافق دریابادی دیکھت مشہور ہونے کے علاوہ اعلیٰ معززین میں بھی شمار ہوگئے۔

سن رسیدہ بزرگوں کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ دیکھتوں کے خاندان والوں نے یہاں تک ترقی کی تھی کہ سجاسون پختہ مکانات تیار ہوکر آباد ہو گئے تھے اور اس سلسلۂ آبادی کا نام "دیکھتانی ٹولہ" مشہور ہوگیا تھا، جو اس وقت تک قائم۔ دیکھت لوگ اقبالمندی، اُلوالعزمی و دولتمندی میں اگن ہوتریوں، اوستھیوں سے کم نہ تھے۔ قرب و جوار میں اِن کی دھوم تھی۔ اِن دیکھتوں

کی یادگار مین محلّہ کے علاوہ مولیحد کے نام سے ایک خام تالاب بھی ابتک موجود ہے، جسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ جب مولیحد نے اپنے مکانات بنوائے، تو جس جگہ کی مٹی گارے اور اینٹون کے کام مین آئی تھی، وہان ایک لمبا چوڑا گڈھا ہوجانے کے باعث اُسے لوگ مولیحد کا تال کہنے لگے جو آخر مین کثرتِ استعمال سے "ٹھیا تال" مشہور ہوگیا۔ مدت دراز تک ان دیکھیتون کا زمانہ موافق رہا۔ بعد اُس کے اِس خاندان پر دفعتہً ایسی تباہی آگئی کہ دھن دولت، شان و شوکت سب خاک مین مل گئی لیکن مکان کا قدیم پختہ پھاٹک، مابلند دروازہ اب بھی بگڑی ہوئی صورت مین موجود ہے، جس سے دیکھیتون کی اگلی شوکت کا کچھ کچھ پتا چلتا ہے۔ یہ مکان مُوا اور رام سوحیت دیکھیت کے قصبہ مین ہے۔ (دیکھیتانی ٹولہ)

جمراج مِشر

مہشو کی سولھویں پُشت مین گوپال دوبے کے بیٹے بیسیا سے دریاباد آئے اور یہان رہ کر مِشر کے لقب سے مشہور ہوگئے تھے۔ اِن کے تین بھائی اور بھی تھے جگونس اومی پور مین اور رگھوبنس دیرور بلورا مین آباد تھے اور سب اوستھی کہلاتے تھے مِشر جی کے تین بیٹے نامی تھے۔ بڑے لنکا دہن گوردوان کے مشر کہلائے، دیودت اکڈلا کے اگن ہوتری اور الیتری میٹھاپور کے اُپادھیا مشہور ہوئے۔

بعض بزرگ بیان کرتے ہیں کہ "دریاباد مین مِشروں کا زمانہ بھی اچھا تھا اور انھون نے بھی یگیہ کرکے نام پیدا کیا تھا۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ جمراج مِشر کی اولاد مین سے مذکورۂ بالا تین بیٹون کے علاوہ کوئی اور لڑکا بھی تھا، جس کی نسل دریاباد میں قایم ہوکر مِشرون کے نام سے مشہور ہوگئی تھی"۔ لیکن مِشرون کا خاندان کب قایم ہوا؟ اور کب تک رہا؟ اور ان کا مکان کس محلہ مین تھا؟ اِس کا کچھ بھی پتا نہیں چلتا۔ اِس سے جمراج مِشر کا زمانۂ حیات یقیناً اب سے تین چار سو برس قبل معلوم ہوتا ہے۔ اور مِشرون کے نام سے جو یگیہ بیان کیا جاتا ہے وہ غلط ہے۔ کیونکہ برہمنی اصول کے موافق یگیہ کرنے یا کرانے سے اوستھی یا باجپئی، اگن ہوتری اور دیکھت کا خطاب دیا جاتا ہے اور کانیکبُج دنشاولیوں مین جمراج کو مِشر کے لقب سے ملقب کیا گیا ہے، جو اِن کے اوصاف حمیدہ اور دانائی کی صاف دلیل ہے۔ مگر مِشرون کے یگیہ کی شہرت اِس بات کا ضرور پتا دیتی ہے کہ انھون نے کوئی زبردست مذہبی جشن منایا ہوگا اور اُس مین دل کھول کر دولت خرچ کی ہوگی، مدت دراز کے بعد لوگون نے اُس جشن کو یگیہ کہنا شروع کردیا ہوگا۔

نوٹ سبھو اوستھی، سیدنا تھ اوستھی، کندروبابو رام اگن ہوتری، شانتِ دیکھت، جمراج مِشر کو قنوجیا برہمنون کی تاریخ مین دریاباد کی لکھا گیا ہے اور انھین بزرگون کی وجہ سے کانیکبُج دیش مین دریاباد کی شہرت ہونے کے ساتھ ہی دریاباد کی قدامت بھی ثابت ہوئی ہے، اِس لئے بزرگانِ موصوف کو تاریخ ہذا مین جگہ نہ دینا غیر مناسب نہین معلوم ہوتا۔

قاضی محمد نورالحق صاحب

قاضی صبغتہ اللہ صاحب کے بیٹے، رئیس مراج، نیک، عہدۂ قضا پر ممتاز تھے۔ واجب العرض دریاباد سے معلوم ہوتا ہے

کہ اِن کے مورث جو محمود آباد کے قدیم معززین مین تھے، دریا خان صاحب کے ہمراہ دریا آباد آکر جنگل کٹوا کے آباد ہوئے تھے، لیکن، قاضی حاجی حسن صاحب فرماتے ہین کہ "قاضیون کے مورث اعلیٰ قاضی داؤد جبکہ پرگنہ محمود آباد کے نام سے نامزد تھا، عہدۂ قضا پر مامور تھے۔ اُن کی اولاد مین حضرت خواجہ عبداللہ انصاری بزمانۂ ہمایون شاہ بادشاہِ دہلی عہدۂ قضا سے سرفراز ہوکر دریا باد مین سکونت پذیر ہوئے تھے، اور چند مواضعات تحلد دئے خدمتِ قضا اُنھین دربارِ شاہی سے مرحمت ہوئے تھے" قاضیون کے نام سے محلہ اور بورۂ قاضی اب تک مشہور رہے اِس خاندان مین جو اصحاب عہدۂ قضا پر مامور رہے وہ حسبِ ذیل ہیں۔

قاضی صبغتہ اللہ بن قاضی محمدؐ ناصر بن قاضی صبا اللہ بن قاضی محمدؐ حاتم عرف حبیب اللہ بن قاضی فیض اللہ ابن قاضی عبدالفتاح ابن قاضی محمدؐ ابن قاضی مُلّا راجہ ابن قاضی نصیر الدین ابن اعزاز الدین ابن قاضی خواجہ اسحاق انصاری فرزند حضرت خواجہ عبداللہ انصاری مورث اعلیٰ قاضیانِ دریا باد۔

واجب العرض کھتری پور سے ثابت ہوتا ہے کہ قاضی صاحب خطیب بھی تھے اور اِس لقب خاص سے مشہور تھے۔ انھون نے ایک موضع اسی لقب کی رعایت سے "خطیب پور" نامے آباد کیا تھا، جسے آج کل "کھتری پور" کے نام سے شہرت ہے۔

قاضی صاحب ۱۱۸۲ھ مین ذریعۂ فرمان شاہی عہدۂ قضا پر مامور ہوئے اور ۱۱۹۳ھ تک اپنے فرائض جام دیتے رہے۔ ۱۱۹۴ھ مین حسبِ فرمان بادشاہ دہلی عہدۂ قضا قاضی محمدؐ مشرف صاحب کو مرحمت ہوا اور وہ ۱۲۰۷ھ تک اسی عہدہ پر مامور رہے۔ ۱۲۰۸ھ مین پھر قاضی صاحب ذریعۂ فرمانِ شاہی اپنے آبائی عہدہ سے مستفیض ہوگئے اور جب تک زندہ رہے، الطافِ شاہانہ سے سرفراز رہے۔

یہ اچھے زمیندار بھی تھے۔ اِن کے قبضہ مین میرنگر، قاضی پورہ، رحمان پور، خطیب پور، جگینان پور، مرکا پور وغیرہ کئی مواضعات تھے۔ فرامین شاہی اور رسالہ حدیقۃ الارض سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ "قاضی صاحب کے بزرگ شیخ انصاری تھے۔ لیکن اِنھون نے بذات خود نواب شجاع الدولہ بہادر کے حکم سے یا اعزاز و مرتبہ کے لالچ مین خوشامدانہ طور پر شیعہ مذہب قبول کر لیا تھا، جس سے انھین دلی عقیدت نہ تھی، در اصل باطنی طور پر یہ سُنّی ہی رہے"۔ اِس سے اگرچہ قاضی صاحب کی اخلاقی کمزوری پائی جاتی ہے، تاہم اگر غور و انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو چندان قابلِ اعتراض نہین۔ کیونکہ اِن کا یہ فعل مجبوری سے تھا حوصلے سے نہ تھا۔ موقع و محل دیکھ کر سبھی ایسا کرتے ہین۔

محمدؐ نور الحق صاحب عاشقِ رسول بھی تھے اور فدائے حسین بھی چنانچہ میلاد کے ساتھ ساتھ عزاداری بھی کرتے تھے۔ محرم وغیرہ کے مصارف کے لئے مین سوا دو بیس روپیہ سالانہ نقد بطور نانکار دربار اودھ سے مقرر تھا۔ انھون نے اپنی زندگی مین پختہ امام باڑہ بنوانے کے بعد ایک مسجد بھی تعمیر کرائی تھی۔ مسجد کا سنگِ بنیاد ۱۲۱۱ھ مین رکھا گیا تھا، جو اب تک شکستہ حالت مین قاضیون کے نام سے موجود۔ لیکن امام باڑہ کی مارہ دری کا صرف اگلا حصہ برائے نام باقی رہ گیا ہے

جو چند روز کا مہمان ہو۔ اس امام باڑہ کی تعمیر مکان ہی سے تعلق رکھتی ہو۔ ناظرین کی آگاہی کے لئے ناکار کی بابت چند فرامین شاہی کا خلاصہ حسب ذیل ہو:۔

(۱) پروانہ ہریر شاد چکلہ دار پرگنہ دریاباد باسم گوبند پرشاد تحصیلدار محال پرگنہ دریاباد سہ صد و نوزدہم روپیہ بابت بازار امام باڑہ وغیرہ ارقدیم باسم قاضی حسام الحق مقرر و معاف لہذا کارش میرود کہ الحال در ۱۲۳۳ھ فصلی مبلغ مرقوم بہ مختار اللہ پہند کہ مصارف تعزیہ داری جناب سید الشہدا نمودہ مدعای ترقیات حشمت و اجلال بندگان پرداختہ باشند محرم ۵ عید و بقرعید ۱۱ لوسے (قیمت دو شالہ ۵، رسوم ۱۱ لوسے) (۲) پروانہ مہر راجہ ہرگوپال چکلہ دار پرگنہ دریاباد نام پنڈت ڈلارام نائب چکلہ بابت بازار امام باڑہ وغیرہ، ۱۲۴۹ھ، بنام قاضی فدا حسین (۳) پروانہ مہری راجہ رام ادہین ناظم محالات دریاباد وغیرہ بنام رائے سوہن لال بابت نذر امام باڑہ وغیرہ، ۲۵ صفر ۱۲۵۲ھ، باسم قاضی فدا حسین (۴) پروانہ مہری میر خلیل احمد چکلہ دار پرگنہ دریاباد بنام شیخ شرف الدین نائب چکلہ بابت نذر امام باڑہ۔ ۲۔ ربیع الثانی ۱۲۵۳ھ، بنام قاضی فدا حسین۔ مذکورہ بالا فرامین شاہی اور پروانے قاضی حاجی حسن صاحب کے پاس موجود۔

قاضی صاحب کے بعد ان کے بیٹے قاضی حسام الحق اور پوتے قاضی فدا حسین صاحب آبائی زمینداری پر قابض اور مراحم شہزادہ سے سرفراز رہے۔ قاضی فدا حسین صاحب کی وفات پر غدر کے بعد انگریزی انتظام ہونے کی وجہ سے عہدۂ قضا شکست کر دیا گیا اور کل مواضعات جو خدمت قضا کے صلہ میں وقتاً فوقتاً دربار شاہی سے عطا ہوئے تھے، ضبط ہو کر کچھ تعلقہ رامپور میں اور کچھ قیام پور میں شامل ہو گئے۔ ذاتی مواضعات بیع ہو گئے۔ چونکہ قاضی فدا حسین صاحب کے کوئی اولاد نہ تھی، اس لئے اُن کے بعد قاضی حسام الحق صاحب (فدا حسین صاحب کے والد) کے نواسے منشی بہادر حسین صاحب اُن کی جائیداد کے مالک ہوئے جن کی اولاد میں امجد حسن اور حاجی حسن اس وقت تک بہ قید حیات۔ (قضیانہ محلہ، حال مخدوم زادگان)

بھوانی شنکر دیچھت

کانکبج برہمن، اُپ منج گوتر، از اولادِ شانتِ دیچھت دریاباد، عالی نسب، راجہ ٹکیت رائے کے مشہور خزانچی و صاحب خاص، بڑے خوش نصیب، اُلوالعزم، خاندان پرور، فیاض، وطن پرست، اور امیر کبیر بزرگ تھے۔ قبل ان کے دیچھتوں کا خاندان کس پُرسی کی حالت میں گرفتار تھا، اور اس قدر مصیبت نازل تھی کہ مسماۃ شو رنا زوجۂ گنگا پرشاد دیچھت نے ۲۰ گز لمبی، پون گز چوڑی، اور پانچ گز اونچی پختہ دیوار صرف چار روپیہ کے عوض بندت رام شرمن کے ہاتھ ذریعہ بیعنامہ (مرقومہ ۲۴ ربیع الاول ۱۱۷۴ھ) بیچ ڈالی۔ لیکن نواب شجاع الدولہ بہادر کے آخری زمانہ حکومت میں پھر دیچھتوں کا زمانہ عروج پر آیا اور بھوانی شنکر پیدا ہوئے، جنھوں نے اپنے بزرگوں کا نام از سر نو دوبارہ روشن کیا، اور دیچھتانی ٹولہ کی خراب حالت کو بھی خوب درست کر دیا، یہاں تک کہ چالیس گھر پختہ دیچھتوں کے تیار ہو گئے۔

بھوانی شنکر معمولی حیثیت کے آدمی تھے، صغر سنی مین راجہ ٹکیت رائے کے یہان پہلے سپاہیون مین نامزد ہوئے بعد اُس کے رفتہ رفتہ اپنی فطری دانائی و حسن کارگذاری سے اِس درجہ کو پہونچے کہ لاکھون کی دولت پیدا کرکے آسمانِ شہرت پر آفتاب بن کر چمکے۔

۱۲۲۲ھ کی ایک رسید نوشتہ محمد یوسف سوداگر ملازم سرکار راجہ ٹکیت رائے مین لکھا ہو کہ معہ ۷۰۶۶ بہ تحویل بھوانی شنکر دیچھت بابت حساب مہاراجہ صاحب وصول یافتم" اِس سے بھوانی شنکر کا راجہ صاحب کے یہان تحویلدار ہونا ثابت ہوتا ہے۔ علاوہ اس کے شیودین، گیادت، للّو دیچھت اِن کے بھتیجے بزمرۂ ملازمانِ شاہی معزز عہدون پر مامور تھے۔ شیودین مہتاب باغ کے داروغہ، گیادت کوتوالِ شہر، للّو فوج مین تمندار تھے، اور بلدی رام و امرت لال اِن کے حقیقی بھائی مہاجنی کے کاروبار مین مصروف تھے۔ الغرض زمانہ موافق تھا، ہر طرح چاندی تھی سُنا جاتا ہے کہ "راجہ ٹکیت رائے اِن کو بہت مانتے تھے۔ چنانچہ اِن کا پختہ مکان، جو دریا باد کی مشہور عمارتون مین شمار تھا، انھین کے حکم سے تیار ہوا تھا، جس کی تعمیر مین بھوانی شنکر کا ایک ڈبل بھی نہین خرچ ہوا تھا"

مہابیر دیچھت کے یہان جس قدر گرنتھ (سنسکرت کتب) اور کاغذات دیکھنے مین آئے ہین، وہ قریب قریب سب بھوانی شنکر و بلدی رام کے زمانے کے ہین، جو اگرچہ تلف شدہ ذخیرہ کا ایک جزو بھی نہین ہین، اور خاندان والون کی غفلت اور بے پروائی سے بوسیدہ ہوکر کوڑے کرکٹ سے بھی بدتر ہوگئے ہین، تاہم اُن سے اِتنا پتا ضرور چلتا ہے کہ بھوانی شنکر دولت کثیر کے ساتھ ساتھ امیرانہ شان بھی رکھتے تھے۔ اِن کے یہان دفتر[1] قایم تھا جس مین ہندی، ناگری اور فارسی خوان کارندے کام کرتے تھے، اِن کارندون مین رام بخش بہت بڑے عقلمند اور ذی اختیار فارسی دان کارندے تھے۔ مہاجنی کا حساب کتاب ہندی مین، زمینداری وغیرہ کا حساب فارسی مین لکھا جاتا تھا۔ دفتر کے علاوہ پنڈت پراگدت (بھوانی شنکر کے بیٹے) کے اہتمام مین کتب خانہ کا محکمہ بھی جاری تھا۔ اِس مین مکرند دیچھت[2]، اجودھیا[3] پرشاد اور پنڈت بختاور[4] وغیرہ کئی محرر سنسکرت اور ناگری کی کتابین لکھنے کے لیئے نوکر تھے۔ منشی و محرر کے علاوہ سپاہی و خدمت گار وغیرہ بھی بہت سے ملازم تھے جنھون نے تنخواہ وصول ہونے پر اپنی رسیدون مین "سرکار دیچھت" اور "سرکار بلدی رام دیچھت" وغیرہ شاندار الفاظ استعمال کئے ہین۔

بھوانی شنکر معمولی امیر نہ تھے، بلکہ زبردست امارت کی شان رکھتے تھے۔ چنانچہ سُنا گیا ہی کہ اِن کے پلنگ کے پائے مونگے کے تھے، اور سرہوے، پیٹھون پر چاندی کا نقش خول چڑھا ہوا تھا۔ خواب گاہ کی آراستگی دیکھنے کے قابل تھی۔ اِن کے یہان چاندی کے برتن بکثرت تھے۔ سواریون مین رتھ، بہل، فنس، میانے، اِن کے ذاتی تھے لیکن، گھوڑے، ہاتھی وغیرہ راجہ صاحب کی طرف سے اِن کے یہان بندھے رہتے تھے، جن پر یہ حسب خواہش سوار

---

[1] دیچھتون کی حویلی مین دیوانخانہ کے نام سے بھی ایک تعمیر تھی، اِس سے بھی دفتر ہونا ثابت ہوتا ہے ۱۲ [2] معمولی خوشنویس تھے ۱۲

[3] یہ اچھے خوشنویس ہونے کے علاوہ پنڈت بھی تھے۔ ٹھکانہ محلہ مین رہتے اور پنڈت سالگ رام کے خاندان سے تھے ۱۲

[4] معمولی لکھنے والون مین تھے، مگر، پنڈت اچھے تھے ۱۲

ہو کر راجہ صاحب کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔

مہاراجہ ٹکیت رائے کے گرو نے اِن کے نام ایک چٹھی مین لکھا تھا کہ "ہزار دن روپیہ سال نواب صاحب کے یہان سے پیدا کرتے ہو" اِس سے ظاہر ہوتا ہی کہ دیچھت مہراج کا دربارِ شاہی سے بھی توسل تھا۔ اِس چٹھی کی پوری نقل دیوان روشن لال صاحب کے بیان مین اُوپر درج ہو چکی ہے۔

سنبھل مراد آباد کی چٹھیون سے ظاہر ہوتا ہی کہ وہان بھوانی شنکر کے رشتہ دار زیادہ تھے، جن مین سے ایک رشتہ دار نے محض اپنی ناموری کے لئے ایک شادی کی تقریب مین انھین بڑی عاجزی کے ساتھ بُلایا تھا۔

سُنا جاتا ہی کہ بھوانی شنکر کے زمانے مین لڑکیون کی شادیان قنوج، اوگو، سنبھل، مراد آباد کے نامی اور دولت مند خاندانون مین بڑی دھوم دھام سے ہوئی تھین، جن مین دیگر قیمتی سامان کے علاوہ چاندی کے برتن، آٹھ آٹھ دس دس ہزار روپیہ نقد جہیز اور بجائے بہنگیون کے مٹھائی اور پکوان سے بھرے ہوئے کئی کئی چھکڑے دیئے گئے تھے۔ اِن کے یہان کی "براکین" اور "پوریان" مشہور تھین، جو شادی بیاہ کے موقعون پر تیار کی جاتی تھین۔ براکین دو قسم کی ہوتی تھین۔ ایک وہ جو محض رسم[۵] کے طور پر خالص شکر کی سانچہ کے ذریعہ سے ڈھالی جاتی تھین، دوسری میدہ کی خستہ و نہایت لذیذ بیس مین میوہ اور کھویا بھرا جاتا تھا۔ شکر والی براکین انگریزی سیر دو سیر کے مطابق بیس بیس سیر کی اور میدہ والی چار پانچ سیر سے کم نہین ہوتی تھین۔ پوریان نہایت صاف، کاغذ کی طرح باریک، دو ہاتھ کے قطر کی تیار ہوتی تھین دریاباد کے برہمنون مین اِس رسم کو اِس فیاضی کے ساتھ کسی نے نہیں ادا کیا۔ رگھناتھ پانڈے کے یہان بھی بہت بھاری براکین تیار کی جاتی تھین، مگر، وہ چار پانچ سیر سے زیادہ وزنی نہین ہوتی تھین۔ دیچھتون کے یہان کی براکون کی شہرت سُن کر اُنھون نے دیچھتون کے یہان سے ایک سانچہ منگوایا تھا، جسے دیکھ کر اُن کے حواس باختہ ہو گئے، حالانکہ وہ خود شکر کے کارخانہ دار تھے۔ ہر سال ہولی کے روز صرف مسلمانون کو اور شادی بیاہ کی تقریبون مین شہر بھر مین عام طور پر کیا ہندو کیا مسلمان، سب کو مذکورۂ بالا پوریان اور ایک فٹ قطر والی عمدہ کچوریان معہ دیگر لوازم ضروری ترکاری اور چٹنی وغیرہ کے بافراط تقسیم کی جاتی تھین کہ ایک آدمی کا حصّہ پانچ چھ آدمیون کو کافی ہوتا تھا۔ اِس سے دیچھت مہراج کی فیاضی، بے تعصبی اور اُلوالعزمی اچھی طرح ثابت ہوتی ہے۔

ہر پرشاد اوستھی بیان کرتے تھے کہ بھوانی شنکر دان پُن خوب کرتے تھے۔ جب کبھی بنارس اور اجودھیا جی تیرتھ کی غرض سے جاتے تو وہان ہزار دن روپیہ خرچ کر کے سادھوؤن اور محتاجون کو نہال کر دیتے تھے۔ اِن کے دروازے پر روزانہ خیرات بھی ہوتی تھی۔ ان مین سب باتین اچھی تھین، لیکن یہ بڑا بھاری عیب تھا کہ غیر خاندان والون کی ترقی اور اُن کی نمود و شہرت دیکھ کر جل جاتے تھے۔ اِن کی ہمیشہ یہی خواہش رہا کرتی تھی کہ دریاباد مین کوئی

---

[۵] اکثر ہندون مین یہ رسم ہی کہ حسب حیثیت خالص شکر کی براکین بھی پکوان مین شامل کر کے جہیزی سامان کے ساتھ نوشہ والے کو دیتے ہین اس سے لڑکی والے کی علو ہمتی اور دولت مندی کا اظہار ہوتا ہی ۱۲۔

ہمارے مقابل شان و شوکت والا نہ ہو، سب ہم سے نیچے ہی رہین اور ہماری خوشامد کیا کرین۔ اسی بنا پر انھین روشن لال صاحب سے ہمیشہ دلی بغض رہا اور ہمارے چچا من سکھ تا زندگی ان سے ناراض رہے۔ کیونکہ دیوان جی کو میان الماس بہت مانتے تھے، اور من سکھ دیوان جی کے داروغہ تھے۔ اس سے بھوانی شنکر کی سخاوت ظاہر ہونے کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی طبیعت مین رشک و حسد کا مادہ بھی تھا۔

بھوانی شنکر کے گرو نے ایک مرتبہ انھین لکھا تھا کہ: "جب سے تم بیمار ہو کر لکھنؤ سے گئے کچھ حال نہ معلوم ہوا۔ مہاراجہ صاحب تمکو بہت یاد کرتے ہین۔ ہمکو معلوم ہوا ہے کہ دیوان روشن لال جی نے تم سے بالمیکی رامائن پڑھنے کے لئے مانگی تھی، تمنے دینے مین عذر و حیلہ کیا، دیوان جی کو اس بات کا بڑا ملال ہوا، اور ہمکو بھی افسوس ہوا۔ ساون سدی دوج سمبت ۱۸۴۳ بکرمی"۔ اس چٹھی کا پورا ترجمہ روشن لال صاحب کے بیان مین اوپر درج ہو چکا ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سمبت ۱۸۴۳ بکرمی مین سخت بیمار ہو گئے تھے۔ مہاراجہ صاحب ممدوح ان کو بہت چاہتے تھے۔ یہ کسی قدر بد اخلاق اور مغرور بھی تھے۔ بھاشا زبان سے واقف اور بلا وجہ جھوٹ بولنے سے دریغ نہین کرتے تھے

بھوانی شنکر کی وفات کے بعد ان کے لڑکے پنڈت پرگدت کاروبار کی دیکھ بھال کرتے رہے اور بلدی رام اپنے بھائی کی جگہ پر راجہ بھوانی دین (جانشین مہاراجہ ٹکیت رائے) بہادر کے یہان ملازم ہوئے۔ ایک رسید مین تحریر ہے "منکہ ٹھاکر پرشاد دیکھت ساکن دریاباد۔ چون در سرکار راجہ بھوانی دین صاحب نوکر قدیم تنخواہ از ابتدائے نوکری معرفت بلدی رام دیکھت دام دام وصول یافتہ سمبت ۱۸۹۵ بکرمی"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بلدی رام اب سے ۸۰ برس قبل موجود تھے اور راجہ بھوانی دین صاحب کے تحویلدار تھے۔

تخمیناً ۷۰ برس تک کاروبار بدستور قائم رہا۔ بلدی رام و پنڈت پرگدت کے مرتے ہی بنا بنایا کھیل بگڑ گیا یہان تک کہ سمبت ۱۹۲۰ بکرمی مین سرجو پرشاد، رام ادھین، شری کرشن (مالک جائداد بھوانی شنکر) بلدو اور کنہیا پانڈے کے قرضدار ہو گئے، جو گوپال سیوک دیکھت کی ایک ہندی چٹھی سے ثابت ہوتا ہے۔ تھوڑے دنون کے بعد مکان کھدنے لگا۔ اینٹین اور بیش قیمت چوبی چیزین کوڑیون کے مول فروخت ہونے لگین۔ آخرش نوبت بانیجا رسید کہ ۱۸۸۰ء کے قبل قریب قریب کل مکان ہمیشہ کے لئے بے نام و نشان ہو گیا۔ خاندان والے پریشان ہو کر آوارۂ وطن ہو گئے محلہ کے بہت سے پیشہ ور کوری وغیرہ پورۂ خوبان مین آباد ہو گئے۔ افسوس ہے کہ دیکھتون کے خاندان مین اب صرف رام سوچت اور منوّد دیکھت باقی رہ گئے ہین جو اپنے قدیم مکان مین تا حال صحیح و سلامت۔ (دیکھتانہ محلہ)۔

قاضی محمد مشرف صاحب

شاہ عالم بادشاہ دہلی کے حکم سے ذریعۂ فرمان سلطانی ۱۱۹۴ھ مین منصب قضا پر فائز ہو کر ۱۲۰۸ھ مین چودہ برس اپنے فرائض منصبی انجام دینے کے بعد علیحدہ ہو گئے تھے جو قاضیون کے یہان کاغذات دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے۔ حدیقۃ الارض سے معلوم ہوتا ہے کہ موضع میر نگر ان کی معافی مین تھا۔ ان کا مکان محلہ محرران مین بھولا

پرشاد نپساری کے مکان سے متصل پچھم طرف مسجد کے اُتر جانب واقع تھا۔ یہ مکان قاضی سلار بخش صاحب کے نام سے اب تک مشہور ہے، حالانکہ مکان کا کہین نشان بھی نہین۔ افسوس ہے کہ اِس سے زیادہ اِن کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ (محرران)

سیّد امام علی صاحب خطیب

سنی المذہب، از خاندان میران غوث، محمد علی صاحب کے بیٹے، مشہور خطیب تھے محضر نامہ نوشتہ قاضی محمد نور الحق صاحب اور بیعنامہ نوشتہ رعایت اللہ وغیرہ بنام مولوی مخدوم بخش صاحب سے پتا چلتا ہے کہ سیّد صاحب ۱۱۸۸ھ کے قبل جوان ہو چکے تھے اور ۱۲۰۸ھ مین بہ قید حیات تھے۔ اِن کے دادا شاہ محمد بہت بڑے عالم اور مشہور و معروف مُفتی تھے، جن کا ذکر باب ۲ فصل ۲ مین درج ہو چکا ہے۔ (میران نگری، حال مردہی محلہ)

گیادت دیچھت کوتوال

کانکبُج برہمن، از خاندانِ شانتِ دیچھت دریابادی، امرت لال کے لڑکے، بھوانی شنکر کے بھتیجے، نوابی مین مشہور کوتوال، شطرنج کے شیدائی اور اعلیٰ ماہر۔

یہ زبردست قد آور جوان اور رعب دار ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت خوبصورت اور بہادر بھی تھے ان کی آواز اِس قدر خوفناک تھی کہ جب یہ زور سے بولتے تھے تو بڑے بڑے سپاہی کانپ اُٹھتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن یہ اپنے بھائی شیو دین کے پاس مہتاب باغ مین موجود تھے کہ یکایک بادشاہ کی سواری آگئی اِنھون نے سلام کیا، بادشاہ اِن کی صورت دیکھتے ہی ایسا خوش ہوئے کہ اُسی وقت اِنھین شہر کی کوتوالی کا پروانہ عطا ہو گیا۔

کوتوال صاحب بڑے عقلمند تھے، اور اگرچہ فارسی دان نہ تھے، لیکن محض جاہل بھی نہ تھے۔ ہندی بھاشا اچھی طرح لکھ پڑھ سکتے تھے۔ سرکاری کاغذات لکھنے کے لئے ایک مُقصدی اِن کے پاس نوکر تھا جو کُل واردات وغیرہ فارسی مین قلمبند کیا کرتا تھا۔ پندرہ برس کوتوالی پر مامور رہے۔ پانچ برس لکھنؤ مین، پانچ برس گونڈہ مین، پانچ برس دریابادمین۔ نواب آصف الدولہ بہادر کی وفات پر خود ملازمت سے علیحدہ ہو کر خانہ نشین ہو گئے اور پھر جب تک زندہ رہے، نوکری کے خواستگار نہین ہوئے۔

خانہ نشینی کی حالت مین گیادت مہراج صبح اُٹھ کر اشنان کر کے کالِ ایک پہر تک پوجا کرتے، بعد اُس کے کھانا کھا کر دن بھر شطرنج کھیلا کرتے تھے۔ اِس فن کو اِنھون نے لکھنؤ مین کسی مشہور اُستاد سے حاصل کیا تھا۔ لاولد وفات پائی (دیچھتانہ)

لالتا دت تمندار

عرف للّو، گیادت کوتوال کے بھائی، شاہی مین تمندار تھے۔ مہاراجہ ٹکیت رائے کی مہربانی سے اس عہدہ کا منصب انھین عطا ہوا تھا۔ یہ گھوڑے پر خوب سوار ہوتے تھے اور سواری کے وقت زرین ڈاب کمر مین لگاتے تھے۔ نواب آصف الدولہ بہادر کے زمانے سے نواب سعادت علی خان کے عہد حکومت تک زندہ اور الطاف شاہانہ سے سرفراز رہے۔ (دیکھتا نہ)

داروغہ شیودین دیچھت

بلدی رام دیچھت کے بیٹے، بھوانی شنکر کے حقیقی بھتیجے، نواب آصف الدولہ بہادر کے زمانے مین مہتاب باغ کے داروغہ تھے، شیش محل کے متعلق بھی کچھ کام سپرد تھا۔ آصفی دور حکومت ان کے حق مین بھی اکسیر سے کم نہ تھا۔ انھون نے اپنے ٹھاکر دوارہ کے لئے تین سو پینسٹھ روپیہ سالانہ کا فرمان دربار اودھ سے حاصل کیا تھا، جو بطور نانکار نوابی زمانہ تک علاقہ "سے مسی" (پرگنہ رودولی) سے برابر ملتا رہا۔ (دیکھتا نہ)۔

لالہ سیوک رام صاحب ناظم

دیوان روشن لال صاحب کے فرزند سوم، فیاضی و سخاوت مین قابل تعریف، بہ عہد نواب آصف الدولہ بہادر نظامت کے معزز عہدہ پر ممتاز۔ زمانہ ملازمت مین جو کچھ پیدا کیا، اس کا معقول حصہ غریبون اور شریفون کی امداد و پرورش مین صرف کر ڈالا، نیک نامی کے ساتھ زندگی بسر کی، ایک بازار و پختہ سرا بنوا کے اپنی وطن پرستی کا ثبوت دیا، زندگی بھر اپنے بھائیون کے فرمانبردار رہے۔ نہایت نیک اور سادی وضع کے بزرگ تھے۔ لاولد وفات پائی۔ (محرران)

امیر خان صاحب کمیدان

پٹھان، بڑے شجاع و دلیر، بہ عہد نواب سعادت علی خان بہادر نامی کمیدان، دریاباد کی فوج مین تعینات تھے پہلے سپاہیون کے جمعدار ہوئے۔ بعد اسکے رفتہ رفتہ ترقی کر کے کمیدانی کے اعلیٰ عہدہ پر سرفراز ہو کر بڑی عزت و ناموری حاصل کی تھی۔ انھون نے ایک عمدہ امام باڑہ بنوایا تھا۔ یہ عمارت جامع مسجد سے متصل واقع تھی۔ کمیدان صاحب کا مکان پختہ رائیصاحب کے مکان سے متصل پشت پر اس جگہ تھا، جہان لالہ سواری لال صاحب ماتھر رہتے تھے اب سے تخمیناً تیس چالیس برس قبل خاندان تباہ ہو کر نیست و نابود ہو گیا۔ (سراؤگی محلہ)

ے ایک فوجی عہدہ کا نام ۱۲

لالہ لیکھراج صاحب

لالہ مُرار سنگھ صاحب کے فرزند دوم، راجہ بھوانی پرشاد صاحب کے برادر خورد، کپتان فتح علی خان صاحب کے دیوان تھے۔ لیکن تاریخ یادگار المورخا، صفحہ ۱۳۵، خانہ کیفیت سے یہ چلتا ہے کہ "یہ دیوانِ جیب خاص بادشاہ اودھ کے تھے"۔ راجہ بھوانی پرشاد صاحب کے مرنے کے بعد انھوں نے ذاتی طور پر اپنا مکان مغلانی محلہ میں تعمیر کرایا تھا، جو اب تک "لیکھراج محل" کے نام سے مشہور ہے۔ اِن کی اولاد مین بابو رام، دیبی پرشاد عرف بیبی پرشاد، منو لال، جنھوں نے اپنے باپ کا مکان آغا حسن خان صاحب رئیس دریاباد کے ہاتھ فروخت کر ڈالا اور اُن سے تعلقدار کمیار نے سنہ ۱۸۹۰ء مین خرید کر کے کھدوا ڈالا جسکی اسٹیشن اپنے تالاب وسیو آلہ کی تیاری مین صرف کین۔ ۳۲ برس کا زمانہ ہوا کہ لیکھراج صاحب کا نام و نشان دریاباد سے مٹ گیا۔ اِن کے بیٹون کی اولاد لکھنؤ وغیرہ میں موجود ہے۔ (مغلان)

لالہ درباری لال صاحب

لالہ مُرار سنگھ کے فرزند سوم، راجہ بھوانی پرشاد صاحب کے منجھلے بھائی، سلطنت اودھ کے چکلہ دار تھے۔ غازی الدین حیدر بادشاہ کے زمانے مین اِن کا بھی زمانہ خوب موافق تھا۔ اِن کے چھ بیٹے اور تین بیٹیاں تھین، جن کی اولاد لکھنؤ مین اس وقت تک موجود۔ درباری لال صاحب کے چھوٹے بھائی بیربل صاحب کی اولاد اجودھیا جی مین ہے۔ (محرران)۔

منشی دیپ چند صاحب میر منشی

ماتھر کائستھ، چھتری درن، از نسل دُرگا داس (خاندان رائیصاحب) سردار سنگھ ابن مہا سنگھ صاحب رئیس اور چودھری دُکا نونگو کے فرزند اول، الطافِ شاہی سے سرفراز، نظامتِ دریاباد کے دفتر مین میر منشی کے عہدہ پر مامور تھے۔ تنخواہ کے علاوہ پانچ سو روپیہ سالانہ ناکار بھی مقرر تھی۔ غالباً نصیر الدین حیدر بادشاہِ اودھ کے زمانے مین بہ قیدِ حیات تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ "اِن کے مکان کی حفاظت کے لئے ایک دستہ سپاہیون کا شاہی حکم سے دن رات ہمیشہ تعینات رہا کرتا تھا"۔ لاولد وفات پائی۔ (پھاٹک اندر)

منشی شنکر سہائے صاحب

لالہ درباری لال صاحب چکلہ دار کے فرزند پنجم، راجہ بھوانی پرشاد صاحب کے حقیقی بھتیجے، بادشاہِ اودھ کے دیوانِ جیب خاص، منشیٔ ہفت قلم۔ نصیر الدین حیدر بادشاہ کے وقت مین مراحمِ سلطانی سے سرفراز تھے۔ اولاد مین لالہ کدار ناتھ (محرران)

---

۱ غازی الدین حیدر بادشاہِ اودھ کے مصاحب خاص، اور متدین کارندے، حرامہ شاہی کے داروغہ تھے ۱۲ ۲ و ۳ و ۴ خاندانی حالات کے لئے باب ۳، فصل ۱ مین راجہ بھوانی پرشاد صاحب کا ذکر ملاحظہ ہو ۱۲۔

لالہ گلال چند صاحب قانونگو

سردار سنگھ ابن مہا سنگھ صاحب چودھری و قانونگو کے فرزند دوم، منشی دیپ چند صاحب میر منشی کے برادر خورد، بڑے اُولوالعزم اور امیر دل بزرگ تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ گلال چند صاحب نے اپنی بیٹی کی شادی میں دل کھول کر روپیہ خرچ کیا تھا۔ منشی بہاری لال صاحب، جو دفتر سلطانی میں کسی معزز عہدہ پر ممتاز تھے، کے ساتھ لڑکی کا بیاہ ہوا تھا۔ برات لکھنؤ سے آئی تھی۔ راجہ گوربخش سنگھ صاحب تعلقدار (رامنگر ڈھینڈی) بھیا رام سنگھ صاحب رئیس سیف آباد و نائب ریاست ہڑاہا کے علاوہ ناظم کندن لال صاحب پاٹھک (سیسینڈی) راجہ تختاور سنگھ صاحب ناظم دریاباد وغیرہ معززین شاہی بھی برات میں شریک تھے۔ دیوان روشن لال صاحب کے صدر دریاباد میں یہ تیسری شادی ہوئی تھی جس کی غیر معمولی شان و شوکت آج تک نہ دیکھی نہ سُنی۔

ان کی لکھی ہوئی دو پوتھیاں منشی کرت رائین و اسکند پران اور بعنامہ پوتھی رعایت اللہ وغیرہ بنام مولوی مخدوم بخش صاحب سے پتا چلتا ہے کہ منشی گلال چند صاحب ۱۲۳۷ھ کے قبل قانونگوئی کے عہدہ پر مامور ہو چکے تھے اور انھوں نے ان پوتھیوں کو لکھنؤ میں لکھا تھا۔ ۱۲۴۶ھ میں بے روزگار رہنے کے بعد ۱۲۴۸ھ میں پھر دوبارہ انھیں چودھرائی کا لقب اور قانونگوئی کا عہدہ نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ کے دربار سے عطا ہوا تھا، جس کا شکریہ مذہبی اعتقاد سے کیا گیا تھا۔ اس سے ان کی مذہبی عقیدتمندی بھی ظاہر ہوتی ہے۔

یہ قانونگو ہونے کے علاوہ ٹپا، کھان پور، بنولی میں مواضعات کے زمیندار بھی تھے۔ ان کی اولاد میں شیو دیال کے بیٹے شمبھو دیال اور ان کے چھوٹے بھائیوں رام دیال وغیرہ کی نسل میں بانکے بہادر، جھیدی لال وغیرہ بقید حیات۔ یادگار میں پختہ دو منزلی حویلی اب تک موجود۔ (پھاٹک اندر، حال تھکانہ محلہ)

منشی سرجو پرشاد صاحب

ماتھر کائستھ، چھتری ورن، لالہ خوشحال رائے صاحب کے فرزند اکبر، بخشی گری کے عہدہ پر ممتاز تھے۔ نصیر الدین حیدر بادشاہ کے زمانے میں بخشی ہوئے۔ نظامت اور چکلہ کے متعلق دفتروں میں نہایت مستعدی و ہوشیاری سے اپنے فرائض تا زیست انجام دیتے رہے۔ ملازمت کا زمانہ گونڈہ، بہرائچ، سلطان پور، خیر آباد، دریاباد میں گذرا۔ یہ بڑے نصیب ور، ذی حوصلہ، اور دریاباد کے سرآوردہ معززین میں شمار تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی

ے یہ نہایت ملنسار، زندہ دل، خوش وضع، خوش مزاج، مہمان نواز بزرگ ہیں۔ عرصہ تک ریاست رائی مئو میں نائب و مختار عام رہے۔ انھیں تعمیر کا بڑا شوق ہے۔ چنانچہ انھوں نے قدیم اور مخدوش سیر دلی کمرے کو ایک خوبصورت بارہ دری کی شکل میں منتقل کرنے کے ساتھ ساتھ تکیہ پھاٹک کو بھی از سر نو درست کرا دیا ہے جس سے بزرگوں کی یادگار ایک مدت کے لئے زندہ اور مستحکم ہو گئی۔ یہ ہوس ٹیکس کے ممبر بھی ہیں ۱۲۔

منشی نند کشور صاحب بھی اچھے عہدہ پر تعینات تھے۔ انھون نے اپنے بزرگون کے بقائے نام و نشان کی غرض سے قدیم اور معمولی مکان کو از سر نو عمدہ اور پختہ تعمیر کرا کر اپنی سعادتمندانہ یادگار قایم کی، جو اس وقت تک استحکام کے ساتھ موجود۔ اولاد میں گوبند پرشاد صاحب اولاد۔ خاندانی حالات باب ۲، فصل ۳، منشی بہال رائے صاحب کے بیان مین ملاحظہ ہون (دیکھتا نہ)

شیخ مخدوم بخش صاحب چکلہ دار

منشی نبی بخش صاحب عاصی کے فرزند دوم، منشی خدا بخش صاحب شائق کے برادر کلان، چکلہ داری پر ممتاز۔ اپنے والد سے فارسی و عربی کی تعلیم پائی تھی، حیدرگڑھ کے چکلہ دار تھے۔ ان کی شادی شیخ عبد العلی صاحب بن حافظ محمد علی صاحب (از اولاد مخدوم شاہ عبد الحق صاحب قدس سرہ رئیس و عارف کامل قصبہ رودولی، ضلع بارہ بنکی) کی بیٹی کے ساتھ ہوئی تھی۔ روزہ و نماز کے پابند، خلیق، ملنسار، نیک طینت، آبائی وضع کے بزرگ تھے سنہ ۱۲۷۰ھ مین وفات پائی۔ اولاد مین مظہر حسین کی نسل اس وقت تک قایم، مکان محلہ چھیپی مین موجود۔

پنڈت نارائن دت مشر

از خاندان پنڈت رام پرشاد مشر، شاکدیپی برہمن، مذہبی خدمت مین مشہور و معروف سنسکرت سے حسب ضرورت معمولی طور پر آشنا، مگر بھاشا مین صاحب استعداد۔ مشہور ہے کہ دریاباد مین پہلے انھیں کے رام لیلا کی شہرت تھی۔ دور دور سے لوگ دیکھنے کے لئے آتے تھے۔ دسہرہ کے دن میلے مین اس قدر کثرت ہوتی تھی کہ بدن سے بدن چھلتا تھا اور کوڑے پر کوڑے برستے تھے۔ اس مبارک رسم کے بانی مبانی اس وقت نارائن دت ہی تھے جن کی بے لوث عقیدت تمدانہ کوششون سے قدیم آرین جاہ و جلال، آرین فتح و ظفر کا تماشا اور مقدس نظارہ ہر سال ہندوؤن کی آنکھون کو روشن کرتا تھا۔ لیلا کے متعلق مصارف کا دارومدار چندہ پر تھا جب تک پنڈت جی زندہ رہے اپنے خاص اہتمام سے غیر معمولی دھوم دھام کے ساتھ دسہرہ کا مبارک انگیز جشن مناتے رہے۔ دھنش یگیہ کے بھی یہی مہتمم تھے۔

مشر جی بھاشا کے شاعر بھی تھے۔ چند کبت ان کی تصنیف سے، جن مین مولوی امیر علی صاحب اور ہنومان گڈھی کے واقعہ کا ذکر ہے، سننے مین آئے ہین، جو دلچسپی سے خالی نہین۔ ان کبتون سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ مشر نارائن دت واجد علی شاہ

۱؎ عہد نصیر الدین حیدر بادشاہ بحکم و نظامت کے دفترون مین دیوانگری و بیتگاری اور تحصیلداری کے عہدون پر وقتاً فوقتاً مامور ہو کر گونڈہ بہرائچ، سلطان پور، خیر آباد، دریاباد مین تا زندگی تعینات رہے۔ نامی پہلوان بھی تھے۔ لاولد وفات پائی ۱۲ ۲؎ ان کے دو بیٹے گوپال پرشاد، برج بھوکھن لال۔ یہ سلطان پور مین سر رشتہ دار تھے عین حوانی مین لاولد فوت ہوئے۔ منشی گوپال پرشاد صاحب اس وقت تک بقید حیات اور صاحب اولاد۔ عرصہ تک ریاست شاہ پور (گونڈہ) مین پرائیویٹ سکریٹری رہے۔ عمارت کے خاص طور پر شوقین ہیں۔ آبائی مکان کی ضروری ترمیم و مرمت کے ساتھ ساتھ ایک نئی پختہ خوبصورت بارہ دری بھی تعمیر کرائی ہے جس سے قدیم مکان کی زینت دوبالا ہو گئی ہے۔ اس بارہ دری کی آراستگی کے لئے فرش اور نشستہ آلات وغیرہ ضروری سامان بھی خرید کیا گیا ہے ۱۲۔

کے زمانے مین بہ قیدِ حیات تھے۔

شاعری کے علاوہ مشر مہراج موسیقی کے نکات بھی خوب سمجھتے تھے۔ چنانچہ سُنا جاتا ہے کہ "ایک مرتبہ رائے ابھرام بلی صاحب کے یہان ہولی کے موقع پر بھری محفل مین اجودھیا کا مشہور کتھک تیلودین نامے مجرے کے لئے کھڑا ہوا اور اُس نے مولی کا یہ پد (شعر) "اب ناہین ڈگر نکرن کی رہی، بجھون اُور رندیا رنگ سے بھری" گایا اور گانے کے ساتھ ہی بھاؤ بتانے کے لئے آگے قدم بڑھایا۔ مشر جی بھی موجود تھے، فوراً بول اُٹھے "کتھک جی! یہ کیا؟ اس پد کو تو اُسی جگہ سمجھانا تھا"۔ چونکہ ان کا یہ اعتراض موقع و محل کے لحاظ سے بیجا نہ تھا، اس لئے تیلودین نے ندامت کے ساتھ اپنی غلطی تسلیم کی اور حاضرین دنگ ہو گئے"۔ اولاد نرینہ کوئی نہ تھی۔ خاندانی حالات کے لئے باب حصل ا، ذکر پنڈت رام پرشاد ملاحظہ ہو۔ (چھبیلی ٹولہ)

شیخ محمد حسین صاحب میجر

دریاباد کے قدیم باشندون مین سے مولوی فریدبخش صاحب تمدار کے بیٹے، بڑے بہادر اور جری، شاہی مین فوج کے میجر تھے۔ شروع انگریزی مین بہ قیدِ حیات، تخمیناً ۷۵ برس کا سن۔ ان کے بیٹے مولوی جعفر حسین صاحب کی اولاد مین شیخ مقبول حسین آبائی پختہ مکان پر قابض اور فیض آباد مین اہلمدی پر مامور۔ (قصبہ حال مخدوم زادگان)

لالہ لچھمن پرشاد صاحب

شری واستویہ دوسرے کا بستھ، از خاندانِ محرران دریاباد، لالہ ہزاری لال صاحب کے بیٹے، اصلی نام لچھمی نرائن عرف لچھمن پرشاد، بڑے امیر دل اور امیرانہ زندگی بسر کرنے مین مشہور۔ پنکھہ دریاباد کے دیوان لالہ برج موہن لال صاحب لکھنوی کے مینیجر تھے۔ ذاتی آمدنی کثیر تھی جس سے ان کے گھر پر امارت کی شان برستی تھی۔ مکان پختہ اور بہت بڑا وسیع دو منزل کا تھا جس کی مردانہ نشست والی بارہ دری نہایت نفیس بنی ہوئی تھی۔

منشی جی خوش وضع اور خوش پوشاک تھے۔ قیمتی جیکن، انگرکھا، شملہ، بڑے پائینچے والا پاجامہ، عمدہ نری کا جوتا کچہری یا تقریب کے موقع پر اور مکان پر روزمرہ دھوتی انگرکھا، چوگوشیہ ٹوپی پہنتے تھے۔ آن بان والے بھی تھے۔ شاہی عہد کے بعد عمر بھر کسی دوسرے کی نوکری نہین کی۔ امارت کی بابت سُنا جاتا ہے کہ "ان کے پاس شال دوشالے، نقرئی ظروف وغیرہ قیمتی چیزون کے علاوہ ایک نیچہ ساڑھے روپئے قیمت کا تھا"۔ (محرران)

لچھمن پرشاد صاحب شروع انگریزی عملداری مین بہ قیدِ حیات تھے۔ ان کے بیٹے منموہن لال آبائی نام و نشان مٹا کے ۱۸۷۸ء مین تارک الوطن ہو گئے۔ سنہ ۱۸۸۰ء کے قریب گجادھرپور (گونڈہ) خرید کیا اور وہین سکونت اختیار کی۔ سنہ ۱۸۹۶ء مین وفات پائی۔ لچھمن پرشاد صاحب کی یادگار مین مکان کے متعلق پختہ کنوان اور ایک باغ اب تک موجود ہے۔

ے منشی منموہن لال صاحب کے چار بیٹے۔ بڑے منشی جوالا پرشاد صاحب فوت ہو گئے۔ اولاد مین گنیت لال کا بیٹا۔ بہ عمر ۱۰ سال موجود تیسرے صاحبزادہ منشی چندکا پرشاد صاحب، آج کل کلکتہ مین ہیڈ اکاؤنٹنٹ، الکیمو انسی رو بیر ہاوار مشاہرہ، صاحب اولاد۔ چوتھے

مرزا آغا حسن خان صاحب چکلہ دار

بڑے حوصلہ نصیب، شجاع، دربارِ شاہی مین ماریاب، چکلہ داری کے عہدہ پر ممتاز، دُور دُور تک کے بڑے بڑے آدمی اِن کی اطاعت کا دم بھرتے تھے۔

لالہ دیبی دین صاحب بیان کرتے ہین۔ "مرزا سالار بخش مغل نوابی مین پلٹن کے جمعدار تھے۔ اِن کے لڑکے آغائی صاحب[1]، مرزائی صاحب[2]، آغا حسن خان، آغا حیدر خان۔ سالار بخش کی شادی مرزا امام بخش صاحب۔ (رُدولی) کی بیٹی کے ساتھ ہوئی تھی، جو اُس وقت چکلہ داری پر مامور تھے۔ آغائی صاحب وغیرہ چارون بھائیون کی تعلیم و تربیت کا بار مرزا امام بخش صاحب نے اپنے ذمہ لیا اور اُنھیں کی کوشش سے آغائی صاحب سلطان پور کے ناظم آغا حسن خان صاحب دریاباد رُدولی کے چکلہ دار مقرر ہوئے، مرزائی صاحب اور آغا حیدر صاحب بھی لکھنؤ مین معزز عہدون پر مامور ہو گئے۔ آغائی صاحب نے دریاباد چھوڑ کر لکھنؤ مین سکونت اختیار کی، مگر آغا حسن خان صاحب عرصہ تک دریاباد مین رہے جنھین ہمنے خود چکلہ داری و سدوبست کے زمانے مین دیکھا ہے۔ لیکھراج والا محل آغا حسن خان صاحب نے انگریزی زمانے مین خرید کیا تھا۔ اُسی مین وہ رہتے تھے، لکھنؤ مین بھی اپنے بھائی کے پاس رہا کرتے تھے۔ مدّت کے بعد یہ مکان خود آغا صاحب کے خاندان والون نے رانی صاحبہ کیار کے ہاتھ بیچ ڈالا تھا۔ ناظم صاحب کے امون کا مکان رُدولی مین ابتک موجود ہے۔ سُنا ہے کہ نواب علی نقی خان بہادر اِن کے رشتہ دار تھے۔ انھون نے بھی اپنے بھائیون کی

صاحبزادہ بابو ادیا پرشاد صاحب، گی ادھر پور سکونت، کاشتکاری ذریعۂ معاش، صاحبِ اولاد۔ دوسرے صاحبزادہ بابو بالا پرشاد صاحب تھے۔ سنہ ۱۸۹۱ء مین بہ اعانت جناب نواب اکرام اللہ خان صاحب (مخاطب بہ نواب یار جنگ بہادر سنگہ کاکوری) ریاست رامپور مین ملازمت اختیار کی۔ سنہ ۱۹۰۴ء مین والیٔ رامپور کی ملازمت ترک کر کے دسمبر سنہ ۱۹۰۵ء مین ریاست بلرام (گونڈہ) مین تحصیلدار مقرر ہوئے۔ ۹۔ اگست سنہ ۱۹۱۳ء کو انتقال ہو گیا۔ ان کے بیٹے **کنور بشناتھ سہائے** صاحب بی اے، ایل ایل بی وکیل گونڈہ، بڑے خلیق، ملنسار، حاذان برور۔ سنہ ۱۹۰۱ء مین رامپور اسٹیٹ ہائی اسکول مین اسٹرنس، بعد اُسکے کرسچین کالج (لکھنؤ) مین ایف اے، پھر الہ آباد یونیورسٹی اسکول آف لا مین قانون پاس کر کے ۲۳ مارچ سنہ ۱۹۰۹ء سے گونڈہ مین وکالت شروع کی، وہان آج کل سرآوردہ وکیلون مین مشہور۔ گونڈہ مین ذاتی بختہ مکان بنوایا ہے۔ اِنھیں اپنے قدیم وطن دریاباد سے محبت اور آبائی جائیداد و مکان وغیرہ تلف اور برباد ہو جانے کا سخت قلق ہے۔ کنور صاحب کے ایک بیٹی اور ایک بیٹا نہ قید حیات بیٹی کی شادی گورکھپور کے مشہور وکیل منشی بھیرون پرشاد صاحب زمیندار مواضعات چوری وغیرہ کے پوتے بابو رادھا کانت درما متعلم ایل ایل بی کلاس لکھنؤ یونیورسٹی کے ساتھ ہوئی ہے جو گورکھپور مین سکونت پذیر اور آبائی زمینداری پر تاحال قابض۔ لڑکا ابھی کم سن ہے اور گورنمنٹ ہائی اسکول گونڈہ مین زیر تعلیم۔ خاندانی حالات کے لئے مشیو نرائن لال صاحب مصرم کا بیان ملاحظہ ہو جو آگے درج کیا گیا ہے۔

---

[1] اصل نام آغا علی خان۔ اِن کا مکان لکھنؤ مین وکٹوریہ اسٹریٹ پر سرائہ سے متصل واقع ہے جو ایک نہایت عالی شان اور وسیع امیرانہ عمارت ہے ۱۲ [2] اصل نام محمد مرزا خان ۱۲۔

طرح شاہانہ الطاف سے سرفراز ہوتے ہی مذہب شیعہ قبول کرلیا تھا اور سادات مین داخل ہوگئے تھے۔ مرزا سالار بخت کا قدیم مکان دریاباد مین اُس جگہ تھا، جہان آج کل منتظم سارنگی نواز کا مکان بنا ہے"۔ قصبہ کے دیگر لوگ بھی اس بیان کی تائید کرتے ہین۔ اسی سلسلہ مین یہ بات بھی مشہور ہے کہ سالار بخت کی قبر مخدوم زادون کے قبرستان مین ابتک موجود ہے"۔

تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ مذکورہ بالا مکان ۱۸۹۰ء مین ٹھکرائن رتراج کنور صاحبہ (تعلقدار کیارہ گہ دریاباد) نے خرید کیا تھا۔ اس لئے آغا صاحب کا سلسلہ دریاباد سے منقطع ہوئے آج تک صرف ۳۱ برس ہوئے۔

سُنا جاتا ہے کہ مرزا بلاق بیگ صاحب کا علاقہ بشنداس پور جو گیارہ ہزار پچاسی روپیہ پر رائے صاحب کے یہان رہن تھا، اُسے آغا صاحب نے بحیثیت چکلہ داری فکر رہن کرالیا تھا، جسے آخر مین مرزا اصغر بیگ صاحب نے روپیہ دیکر اپنی زمینداری مین شامل کرلیا تھا۔ آغا صاحب اور مرزا صاحب مین رشتہ داری کی وجہ سے بڑا میل ملاپ تھا۔ رائے صاحب اور آغا حسن صاحب سے اس علاقہ کی بابت ایک زبردست جنگ ہوئی تھی جو "دلونہ کی لڑائی" کے نام سے آج تک مشہور ہے۔ اس لڑائی مین آغا حسن صاحب کے مددگار رسور جپور والے تھے اور رائیصاحب کے حامی کمیار وغیرہ کے سردار۔

فیصلۂ رائے گنیشی لال صاحب بہادر سے پایا جاتا ہے کہ "۱۸۶۲ء مین مرزا آغا حسن خان صاحب دریاباد کے پٹی دار تھے اور یہ مقدمہ گوسندپور دہوسنے پور بہ مقابلۂ دریاباد فریق سوئم تھے۔ قبل مقدمہ ان کا علاقہ رائیصاحب کے یہان مکفول تھا"۔ لیکن تحقیقات کہتی ہے کہ مرزا صاحب ذاتی طور پر کچھ بھی ریاست نہین رکھتے تھے، ان کے پاس مرزا بلاق بیگ صاحب والا تعلقہ تھا، جس کا ذکر اوپر ہوچکا، اور جسے مرزا آغا حسن خان صاحب نے بذات خاص رائیصاحب کے یہان رہن کیا تھا۔ (مغلان)

لالہ رام سہائے صاحب

شری واستویہ دوسرے کائستھ چھتری ورن، لالہ بستی لال صاحب کے بیٹے، زمردست ذی علم منصدی، الطافِ شاہی سے سرفراز، فیاضی مین خاص طور پر مشہور۔

لالہ صاحب کے خاندانی حالات انھین کی لکھی ہوئی ایک مُصدقہ تحریر (صورت حال) سے، جس پر قاضی فدا حسین صاحب کی مُہر لگی ہوئی ہے، بحفسہ نقل کرکے ذیل مین درج کئے جاتے ہین:۔

"ضعیف العباد بندہ رام سہائے ولد بستی لال ابن اجودھیا پرشاد اسمای تارا چند ساکن قصبہ دریاباد خاص کہ مسمی کا مراج مورث کلان من سائل قانونگو پرگنہ خیرآباد سکنہ محلہ ماکھر پورال ڈینگر بو دمدخیا نخہ کا مراج موصوف برفاقت بزرگان بابو چھتر پال سنگھ تعلقدار ہڑاہا تیار داشت برین معنی بابو مذکور بخاطرداری تمام از مورث کلاں مسطور

سہ نقل رد بکار محکمہ سند دبست ملک اودھ واقع ۵ جون ۱۸۶۲ء، نمبر مقدمہ ۱۵، نمبر موضع ۹۹، دعوی تہ ادعہ دریاباد مقابلہ گوسندپور دہوسنے پور پرگنہ تحصیل و ضلع دریاباد، راجہ مراد رہا در سنگھ سام رائے اھرام بلی ۱۲۔

فرمودند که متعلقان خود را از خیرآباد آورده در علاقه من مظهر سکونت نمائید چون بموجب فرمودهٔ بابو صاحب ممدوح
دهم تحت مقتضای آب و خور مورثم جمیع متعلقان از وطن مالوفه خودش طلب داشته بدریاباد خاص سر آراضی بخشیدهٔ بابو
صاحب مذکور که هنگام طلب داشتن متعلقان مورثم بجهت بود باش بخشیده بودند سکونت پذیر شدند و همین نمط از وقت
بابو صاحب موصوف تا ذات مسمی کسل سنگه مورثم ابنای کامراج مورت کلانم الطبد بدستور قدیم بر قرار مانده آخرش بعد چندی
کسل سنگه مذکور بعهده وکالت بابو اجیت سنگه دارثان بابو جیتر پال سنگه مذکور نوکری اختیار کرده اجیت سنگه ممدوح نیز
تحفظ رفاقت سابقه و بجسن سازی و کارپردازی حال راضی و شاکر گردیده به کسل سنگه مورثانم سکنه و امر جهت تعمیر مکانات
و احاطه دهم آراضی بنابر باغات وغیره سواری عنایات قدیما واقع پٹی دریاآباد عنایت فرمودند چنانچه کسل سنگه مذ
کور و تاراچند پسرش نیز بحسب ارشاد و باعث یافتن آراضی در پٹی دریاباد خاص مکانات جهت سکونت خود با معه احاطه
تیار نموده و باغات انبه هم نشانیده و مسمی موهن قوم پاسیان سکنه حالت پورا بدلحوئی تمام آورده ملحق احاطه عقب حویلی
با آراضی یا موضع خودش مکانے برای بود باش پاسیان مذکور تعمیر کرانده نامبرده را آباد ساخت و مسمی اجودهیا پرشاد پسر تارا
چند نبیره کسل سنگه از همورفاقت آراضی چند مکه در موضع غازی پور از بابو دلجیت سنگه برای نشانیدن باغ انبه یافتند جایگاه
باغ سر آراضی مذکور بموضع مسطور تا این وقت قایم و بار آور است و تا یوم الهند ابر آراضی بخشیدهٔ بابو صاحبان مسبوق
المدح بلا شرکت و مواخذه احدی و غیری معه مکانات و باغات وغیره در سواد پٹی قصبه دریاباد موضع غازی پور وغیره
بمنزلت من سائل و در اقتباض و تصرفات مالکانه خود دارم عرصه قریب بست و پنج سال نه گذشته باشد که مسمی امرت لال
قوم کائستهه مسکونه موضع دولهدی پور به عجز و الحاح و اظهار این معنی که از بود باش دیهات به تنگ آمده ام و باعث
ننگ عزت و فرق در ننگ و ناموس است از بستی لال والدم پسر اجودهیا پرشاد موصوف درخواست سکونت به قرب مکان
نمود چنانچه والدم مسمی بستی لال مسطور بر فروتنی و عجز شان متحرم مزاج متوجه حال شده با احاطه حویلی خود که ملحق مکان موهن
پاسیان بود و مسماة لچھمنیا کنیزک از ان خود سکونت میداشت حالیا مسمی نانهو پسرش به حیات موجود که او را پدر ساخته
و درخت جامن که در ان احاطه بود آن را نشانیده بعاریتا امرت لال مسطور از مکروهات حال خودش خانه کوارست و خانه
سکونت او که از احداث کرده مورثانم مرقومه بالا است و بوجهے من الوجوه حق ملکیت احدی بدان تعلق نسبت و نمی رسد
درین ولا از آبادی ویران دافتاده است پس هر که را بر صحت این حال و صداقت این مقال اطلاع و آگاهی بوده باشد
گواهی خود برین قرطاس ثبت نماید و اگر خود قادر کتابت نباشد تا بدیگری نوشتن اجازت دهد که عند الله ماخوذ و عند الناس
مشکور خواهد بود دویم محرم ۱۲۵۱ هجری"

لاله رام سهائے صاحب نے فارسی مین قابلیت پیدا کرکے بعہد محمد علی شاہ (۱۲۵۳-۱۲۵۸ھ) دربار شاہی
مین ملازمت حاصل کی اور شاہی مقصدیون مین نامزد ہوکر کار متعلقہ پہ ہوشیاری انجام دینے لگے۔ امجد علی شاہ کے زمانے
مین بادشاہی حکم سے بہ عہدۂ خاص محرری مدبر الدولہ راجہ جوالا پرشاد صاحب بہادر کی ہمراہی مین تعینات ہوئے۔
۱۲۷۰ھ مین ان کے کار متعلقہ مین اضافہ ہوگیا۔ اب یہ راجہ جوالا پرشاد صاحب کے دفتر کے علاوہ بابو پورنچند صاحب

[1] و [2] شاہی دفتر کے معزز عہدیدار تھے ۱۲

کے ہمراہ کام کرتے ہوئے راجہ کندن لال صاحب کی بیشدستی مین بھی کار متعلقہ انجام دیے لگے۔ ۱۲۷۴ھ مین تصحیح تنخواہ کا کام سپرد ہونے کے ساتھ ساتھ دریاباد رُدولی وغیرہ کی فوج و توپخانہ کے بخشی بھی ہوگئے جس کی تصدیق کے لئے چند شاہی پروانون کی نقلین حسب ذیل ہین۔

(۱) نقل نوشتہ بہر راجہ مان سنگہ بہادر قائم جنگ مرقوم دویم شہر ربیع الاول ۱۲۷۲ھ ہجری سام مصر ہرکو سدرام تحصیلدار دریاباد مصر صاحب مہربان مصر ہرکو بندرام سلمہ اللہ تعالیٰ۔ ظاہر اور سالگذشتہ آبکاران دریاباد بوقوع نکرار از آبکار دوکان معافی پورہ لالہ رام سہای متصدی ہمراہی مدبرالدولہ راجہ جوالا پرشاد بہادر حکمنامہ معلی بمعیت منزادل جاری شدہ بود آبکاران مزبور بازنامہ نوشتہ واہ بودہم الحال برخلاف آن مرتکب تکرار و فساد بودہ آبکار متعلقہ معافی لالہ مرقوم را ناحق تنگ و زیر بار می نمائید چون لالہ مرقوم توسل از سرکار والا دارند لہذا نگارش میرود کہ بر آبکاران دریاباد تاکید و چشم نمائی نمائند کہ نہا ربرامون فساد نرود و ناحق با او فساد نسازند درین باب توقف نیاید ورزید کہ درین خصوص نالش درینجا نرسد (۲) نقل پروانہ بہر راجہ جی لال سنگہ بہادر مرقوم دہم صفر ۱۲۷۴ھ ہجری۔ تہور و حلالت دستگاہ دنیا سنگہ منصرم چکلہ دریاباد محفوظ باشد ظاہر ارد شن سنگہ کارندہ راجہ کوبخش سنگہ تعلقدار رامنگر در چک لالہ رام سہای متصدی ملازم سرکار والا ہمراہی مدبرالدولہ راجہ جوالا پرشاد بہادر کہ متعلق تحصیل حصور است دخل و تعرض بیجا می کند لہذا نگارش میرود کہ بر فور رد دنوشتہ ہذا نامبردہ را مداخلت چک مسطور ماذ داشتہ دو نفر سپاہی جہت تحصیل از سرکار تعینات کردہ دہند تاکید بلیغ دانستہ (۳) خط مہری راجہ بنتا در سکہ ناظم محالات دریاباد وغیرہ بنام راجہ ہردت سنگہ بہادر۔ سرخوردار نور چشم سعادت و اقبال نشان راجہ ہردت سنگہ بہادر زاد عمرہ۔ بعد دعوات تزاید عمر و درجات مطالع باد ظاہر ابدریافت رسید کہ کاربردازان ہمراہی آن عزیز خلاف عملدرآمد از محصول دوکان آبکاری معافی منشی رام سہای ملازم سرکار معلی تعرض میسازند و با وجود معائنہ نوشتہ مہری برخوردار بلند اقبال راجہ مانسنگہ بہادر قائم جنگ کہ سابق مشعر عدم تعرض آن بنام ہرکو بندرام مصر تحصیلدار دریاباد جاری شدہ بود ہیچک بمیان نمی آرند لہذا قلمی میرود کہ کاربردازان مذکور را از تعرض و مزاحمت بیجا باز دارند بہر حال ماموران مرجوعہ منشی مسطور ممد و معاون باشند کہ مارد کر شکایت اندرین مقدمہ بہ سامع اینجانب نرسد تاکید مرید بدانند مرقومہ ۱۱۔ شوال ۱۲۷۶ھ ہجری (۴) نقل خط مہری محمد مرزائی برادر کلان آغا علی خان بہادر موسومہ سید حسن خان چکلہ دار دریاباد مورخہ پنجدہم رمضان ۱۲۷۶ھ۔ نور چشم راحت جان سید آغا حسن خان زاد اللہ عمرہ۔ بعد دعای درازی عمر و دولت واضح باد باظہار لالہ رام سہائے متصدی ملازم سرکار ہمراہی بابو پرتیخند صاحب و پیشدست راجہ کندن لال صاحب بہادر معلوم شد کہ آن نور چشم زنانخانہ خوشحال آبکار ساکن پورہ لالہ معزی واقع پرگنہ دریاباد را بہ طلب محصول دوکان آبکاری معافی شان مستفید نمودہ اند چون سابق اقرار نامجات و محلکہ چھوٹانی وغیرہ نزد لالہ معزی الیہ موجود بلکہ معائنہ نمودہ شد درین صورت لقول مذکورہ لف ہذا فرستادہ قلمی میرود کہ آن نور چشم درین خصوص کعتہ عرضگویان بذیر ایساختہ اطفال و زنان خوشحال مذکور را رہا سازند و بکاربردازان آبکاری ممانعت نمایند کہ آئندہ بہ کسے نوع عملدرآمد بدستور از دوکان مسطور معترض نشوند زیادہ دعا مرقوم پنجدہم رمضان ۱۲۷۶ھ ہجری۔ مہر محمد مرزائی۔ راقم اتم محمد حسین سلام بصد شوق دعا میرساند درینقدمہ ہر آنچہ بذل و لطف خواہد شد ہر آئینہ باعث مسرت ما خواہد بود و بس (۵) حکمنامہ باسم رام سہای کہ بندبرشاد و مداری لال چون ایشان را برائے تصحیح و تقسیم تنخواہ مردم سوار و پیادہ و عملہ توپخانہ تعیناتی دکھی علاقہ دریاباد و رُدولی وغیرہ ابتدائے ۱۲۷۶ھ فصلی

ے شاہی دفتر کے معزز عہدیدار تھے ۱۲۔

مقرر کردہ شد باید کہ مدیات و امانت تمام کار سرکار و انضباط سررشتہ پرداختہ کاغذات بحسب سررشتہ ارسال کردہ باشد۔ اردقایق خیرخواہی مرد مکدر اسد و اطلاع ہر امر کما حقہ بذریعہ سوائض نمودہ باشند و تعمیل حکم سرکار را باعث بہبودی خود دانند در نہایی تاکید دانستہ حسب المسطور بعمل آرند مرقوم بست و ہشتم ماہ جمادی الاول ۱۲۷۴ ہجری"

مذکورۂ بالا تحریر سے منشی صاحب کی بیدار مغزی، نیک نیتی، دانشمندانہ کارگذاری، جفاکشی، قابلیت بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لالہ صاحب کی دربار شاہی میں بڑی قدر و منزلت تھی اور معززین شاہی بھی ان پر خاص مہربان تھے۔ یہ اپنی مطلب براری کے لئے کسی معزز عہدیدار سے التجا نہیں کرتے تھے، بلکہ خاص بادشاہ کے حضور میں عرضداشت لکھ کر پیش کر دیتے تھے۔ چونکہ نیک نیتی کے سبب ان کی درخواست صداقت سے مملو اصلی واقعات پر مبنی ہوتی تھی، اس لئے فوراً بے تحقیقات ان کے مزاج کے مطابق حکم صادر ہو جاتا تھا۔ چند پروانے اور بھی ملاحظہ ہوں:۔

(۱) لالہ حوش وقت راے اخبار نویس ہمراہ عامل دریاباد وغیرہ۔ دریافت شد کہ بعض کسان بر حوشحال آکار ساکن پورۂ لالہ رام سہائے از راہ خلش بدعت میسازند لہذا کارش میرود کہ الیشان سرگران باشد کہ کسے نوعی حرمت بر رعایای پورۂ لالہ مذکور مکند و ہمکام وقوع حسب ضابطہ حرش نویسند۔ فقط مرقوم بست و سوم جمادی الثانی ۱۲۷۴ ہجری۔ معرفت لالہ شیو دین وکیل مہر سلطانی (۲) حکمنامہ باسم رام سنگھ حاضر ہمراہ سیتلا بخش۔ بملاحظہ عرضداشت رام سہائے متصدی شعر مالش عبدالرحمن متاجر آبکاری دہیرا و چھوٹانی و بہوانیدیں جو دہری آبکاران باشندۂ علاقہ دریاآباد لوحہ مارینا مدن آنہا از ارتکاب بدعات با وصف تاکید تحصیلدار آنجا حسب صدور حکم قدر شیم تقلش مرحمت داد و ایو سیہ ہست آنہا مامور فرمودیم کہ۔ عبدالرحمن و ہیرا و چھوٹانی و بہوانیدین مدعا علیہم تاکید و سزا دل و تحصیلدار آنجا ابلاغ حکم معلی نماید کہ متعدیان را از بدعت باز داشتہ و رفع نالش سائل از روی واجبی نمودہ راضی نامساش بیع مچلکائی متعدیان ارسال دارد سازدہم شہر جمادی الاول ۱۲۶۶ ہجری مطابق ۱۲۴۷ سنہ جلوس والا۔ مہر سلطانی (۳) حکمنامہ مہری برجیس قدر مرا محمد رمضان علی بہادر نام بینی مادہو سنگھ تحصیلدار دریاآباد وغیرہ۔ بملاحظہ عرضی رام سہائے مشعر نالش مردم وج بوجہ نمودن بدعت بیکار وغیرہ بر رعایا و مسمی خوشحال آکار یورۂ متعلقہ سائل واقع علاقہ دریاآباد و برداشتہ برون یک چھیر نوتیا را از دروازہ دادخواہ و استغاثہ مردم ہمراہی رام روپ بوجہ خورانیدن سیر سائل بابت فصل ربیع اسیان و نرکاوان و از بنجہت مستعد بفرار بودن در عایای پورہ مذکور حکم نافذ میکردد کہ متعدیان را از بدعت باز داشتہ امداد و اعانت در امور مرجوعہ واجبی اش نماید تاکید مزید تنا شد مرقوم بست و چہارم شہر جمادی الثانی ۱۲۷۴ ہجری (۴) حکمنامہ راجہ بختاور سنگھ۔ چون نامزد کان با وصف تحریر مچلکہ مرتکب امر خلاف حکم شدند لہذا بہ سزا دلی جرمانہ مناسب معہ مچلکہ آئندہ گرفتہ ارسال دارد و بکارندگان ہر دت سنگھ تاکید نمائید کہ خلاف عملدرآمد معترض نشدہ باشد ۲۸۔ شوال ۱۲۶۶ ہجری"

تحقیقات سے پایا جاتا ہے کہ لالہ رام سہائے صاحب کو واجد علی شاہ کے عہد حکومت میں دربار شاہی سے ۳۷۵ بیگھہ آراضی (واقع موضع محمد پور باہون) اور ایک سو پچاس بیگھہ آراضی (واقع محمد پور قاضی پور) جملہ پانچ سو پچیس ۵۲۵ بیگھہ پختہ آراضی علاقہ دریاباد میں بطور معافی مرحمت ہوئی تھی۔ ذیل کے کاغذات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے

(۱) لالہ صاحب لالہ برجموہن لال پیشکار دریاباد۔ ظاہراً عرضداشت لالہ رام سہائے مدرخواست یافتن یک صدو پنجاہ بیگہ بحیثیت آراضی سیر لاحراجی واقع محمد پور و قاضی پور علاقہ دریاباد سام راحہ مختار و سکہ عامل آنخا مزین مستحط شدہ است کارش میرود کہ ایشان از عامل سعی کردہ تعمیل حکم مصدر جدو مستحط کنانند تاکید مزید دانستہ حسب المسطور بہ عمل آئید مرقوم ۳۰ شہر شعبان المعظم سنہ ۱۲۶۹ ہجری۔ مہر کچہری دیوانی محروسہ خاقانی حلدہ ملکہ (۲) حکمنامہ نام سید حسن علی خان بہادر عامل دریاباد و رودولی۔ عرضداشت رام سہائے مشعر تحصیل خزانہ عامرہ کردیدن آراضی چک شامل واقع محمد پور باہون برگنہ دریاباد و اسند عائے عدم تعرض عامل از چک مزبور بعد دریافت از دفتر معلی بہ لطر انور گذشتہ بتاریخ پنجم ربیع الثانی سنہ ۱۲۷۱ ہجری برائے دریافت از دفتر دیوانی و عدم تعرض مزبن بر مستحط کردید و از دفتر معلی بودن آراضی چک متعلقہ محمد پور باہوں شامل قبولیت رام سہائے و تحصیل خزانہ عامرہ من ابتدائے سنہ ۱۲۶۳ فصلی تحقیق رسید لہذا بنام ایشان نفاذ حکم میگردد کہ از آراضی چک مزبور کہ شامل تولیت سائل و تحصیل خزانہ عامرہ است تعرض مسارند و ہر قدر آمدنی از ان تحصیل نمودہ باشند بہ سائل مسترد نمایند بر آراضی مزبور دخل سائل بخوبی کردانیدہ دہند دریں باب تاکید مزید دانستہ حسب الحکم والا عمل آرند مرقوم بست و پنجم شہر ربیع الثانی سنہ ۱۲۷۱ ہجری۔ مہر سلطانی (۳) نقل تجویز و ڈگری بحق رام سہائے مدعا علیہ۔ متدائرہ ۱۷۔ دسمبر سنہ ۱۸۶۹ء فیصلہ ۲۹ جنوری سنہ ۱۸۷۰ء، اجلاس منشی محمد احسن صاحب تحصیلدار صدر مصرم رامنگر ضلع بارہ بنکی (۴) فرد مدخلہ رام سہائے مالک آراضی سیر محمد پور باہون، باجلاس سید علی محمد نقوی تحصیلدار برگنہ دریاباد، مرقومہ ۷۔ مئی سنہ ۱۸۶۹ء، بہ گواہان حاشیہ حسین علی چودھری قانونگو، ابھرام بلی چودھری قانونگو، شدیال چودھری قانونگو۔

یہ صاحب ایثار بھی تھے۔ بلا قید مذہب ہر کس و ناکس کی حاجت براری کے لئے ہمہ تن مصروف رہتے تھے اپنے ہم وطنوں کا انھیں بڑا خیال رہتا تھا۔ جو شخص ان کی خدمت مین حاضر ہوتا تھا، اُس کا محروم واپس آنا مشکل تھا، جب تک اُسے اپنی سعی و سفارش سے کامیاب نہ بنا دیتے تھے، تب تک اپنا خاص مہمان سمجھ کر اُس کی ہر قسم کی خاطر و مدارات کرنے مین ذرا بھی دریغ نہ کرتے تھے۔ یہ وصف ان کا لاطمع تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک ان کی فیاضی کا چرچا دریاباد مین زبان زد خاص و عام ہے۔ یہ دریاباد کے مشہور فیاض شیخ کرم کریم صاحب عرف چھیدا میاں کے گہرے دوست تھے۔ تا زندگی تعلقات مین کسی قسم کی کشیدگی نہ آنے پائی۔ وضعداری اسی کا نام ہے، جو آج کل عنقا کا حکم رکھتی ہے۔

تلسی کرت رامائن کا ایک قلمی نسخہ بخط فارسی با تصویر [illegible] مین اب سے ایک صدی قبل کی ہندوستانی مصوری کا اعلیٰ نمونہ ہین) اور بہت سے کنڈلی نما طول طویل علمی پرچے (جس مین سنسکرت اسلوک بخط نستعلیق بیضاوی دائرہ کے اندر دلکش بیل بوٹون اور نقش و نگار کے [illegible] سنہری اور رنگین روشنائی سے لکھے ہوئے ہین) جو منشی گنگا بھاری لال صاحب کے پاس ابتک موجود ہین۔ اُنکے [illegible] سے ثابت ہوتا ہے کہ منشی رام سہائے صاحب مذہبی کتابون کے شوقین، بھاشا زبان سے مانوس، اور علم و ہنر کے قدر دان تھے۔

سُنا جاتا ہے کہ لالہ رام سہائے صاحب کے مکان پر حفاظت کی غرض سے آخر زمانہ تک ایک دستہ سپاہیون

کا ہمیشہ تعینات رہا۔ "دستہ" اُس زمانے مین بارہ سپاہیون کی جماعت کو کہتے تھے۔ اِن سپاہیون کا قیام لالہ رام سہائے صاحب کے سکنہ کے متعلق کسی مکان مین تھا۔ اِس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ لالہ صاحب موصوف الطاف شاہی سے سرفراز تھے۔

رام سہائے صاحب منتظم بھی تھے اور محبِ وطن بھی۔ انھون نے شاہی عطیہ و افتادہ آراضی پر (واقع محمد پور باہون) اسامی بسا کر گاؤن آباد کیا اور بنجر زمین کو قابلِ زراعت بنا دیا جو "چک رام سہائے" کے نام سے اب تک مشہور ہے۔ علاوہ اِس کے ایک "پورہ" بھی اپنے نام سے آباد کیا جس سے دریاباد کی آبادی مین بہت کچھ اضافہ ہو گیا۔ یہ پورہ محلہ محرران سے ملا ہوا ایک چھوٹا سا محلہ تھا۔ "چک رام سہائے"، "پورہ رام سہائے" دونون کا ذکر مندرجہ بالا شاہی تحریرون مین موجود ہے۔ اس پورہ مین لالہ صاحب کی طرف سے ایک شراب کی دوکان بھی تھی، جس کا محصول دربارِ شاہی سے معاف تھا، جو متذکرۂ بالا پروانون سے ثابت ہے۔

ملازمت کے سلسلے مین جب تک یہ لکھنؤ مین رہے عربیون کی حاجت روائی اور قوم پروری مین حسب حیثیت مشغول رہے۔ بعد انقلاب سلطنت اپنے وطن آکر خانہ نشین ہو گئے اور پھر تاحیات کسی کی ملازمت نہین کی۔ اِن کے دو پختہ مکان لکھنؤ مین تھے اور دو دریاباد مین۔ ایک موروثی، دوسرا ذاتی۔ غدر کے ایام مین دونون مکان باغیون نے کھود ڈالے تھے۔ موروثی مکان از سرِ نو خام دیوارون سے پھر تیار کرایا گیا، مگر دوسرا بدستور کھنڈر کی صورت مین پڑا رہ گیا، جو چند روز کے بعد زمین دوز ہو کر بے نام و نشان ہو گیا اور جس کی بنیادی اینٹین شیوالہ مین صرف کی گئین، جسے لالہ مگن بہاری لال اور لالہ لال بہادر نے باہمی شرکت مین تعمیر کرایا تھا۔

انھون نے اپنی زندگی بڑے اطمینان کے ساتھ بسر کی۔ حوادثاتِ زمانہ نے اِن پر کبھی کسی قسم کا اثر نہین ڈالا، نہ کسی وقت عتاب شاہی نازل ہوا، نہ کسی بیرونی آفت کا انھین مقابلہ کرنا پڑا۔ محمد علی شاہ کے زمانہ سے واجد علی شاہ کے وقت تک مسلسل الطافِ شاہانہ مین ترقی ہوتی رہی، اراکین سلطنت اور معززین شاہی مہربان اور خاص بہی خواہ رہے جو مذکورۂ بالا شاہی کاغذات سے ظاہر ہے۔

اِن کی طبیعت قانع ہونے کے ساتھ ساتھ سادگی پسند بھی تھی۔ اِسی وجہ سے شاہی ملازمت کے بعد بھی انھین کسی قسم کی تکلیف نہین ہوئی۔ چونکہ گھر مین یہ صرف میان بی بی دو ہی آدمی تھے اور اگرچہ انگریزی انتظام ہو جانے کے باعث حسب منشاء قانون جدید اِن کی ذاتی شراب کی دوکان شکست ہو جانے پر آمدنی مین کمی ہو گئی تھی، تاہم عطیہ شاہی اور آبائی سیر اِن کی گذر اوقات کے لئے کافی تھی، اِس لئے انھون نے ملازمت کو فضول سمجھ کر کبھی اُس کی خواہش نہین ظاہر کی۔ ان کے پاس جو جائیداد اور زمینداری تھی وہ حسب ذیل ہے۔

"محلہ رام سہائے، واقع موضع محمد پور باہون، حصہ موضع محمد پور قاضی پور (پرگنہ دریاباد) پورۂ رام سہائے سکنہ عقب حویلی، بہ سلسلۂ آبادی پورۂ رام سہائے، سیر عطیۂ ریاست ہڑاہا۔ باغات انبہ (دو باغین واقع دریاباد ایک باغ واقع غازی پور) ایک پھلواری۔

خانہ نشینی کی حالت مین بھی یہ ہمت ہار کر بیکار نہین بیٹھے، باوجود پیرانہ سالی اِن کا دل و دماغ بدستور جوان رہا، جس کی وجہ سے یہ قومی و ملکی خدمات مین خاص طور پر حصہ لیتے رہے تعلیمی معاملات سے بھی انھین دلچسپی تھی چنانچہ اِن کے نام کے پرائیویٹ خطوط اور سرکاری پروانے اِس بات کے کافی ثبوت ہین۔ ایک خط مین تحریر ہے

"لالہ صاحب متفق و مہربان لالہ رام سہائے صاحب نمبردار چک رام سہائے راد لطفہ۔ پس از سلام و شوق ملاقات آنکہ جو کہ بغرض تکمیل دستور العمل سارس نسبت تعین رسم و رواج قرار داد شادی اہل ہنود جو محض بے ترتیبی کے ساتھ باصراف زر کثیر بلا لحاظ حیثیت وغیرہ ہوتا ہے، ضرور ہے کہ اِس کے واسطے ایک جلسہ کمیٹی منعقد ہو کر پس از استصواب اصحاب نامی و معزز حاضرین ایک بات مستحکم طے ہو کر مراتب عملدرآمد اُس کے صدا مین بھیجے جاویں کہ وہان سے بعد کچھ ائی حوالات ہر ایک تحصیل کارروائی آئندہ۔ ظہور مین آویگی۔ نظر بر آن اِس تحصیل مین واسطے کمیٹی امور مذکور الصدر کے ۲۲۔ جولائی ۱۸۷۰ء روز جمعہ قرار دیا گیا ہے۔ پس بتکلف خدمت ہون کہ آپ براہِ مہربانی تاریخ مذکور قبل از دس بجے دن کو تشریف لاکر شریک جلسہ کمیٹی ہو جئے۔ زیادہ بیار۔ ۱۶۔ جولائی ۱۸۷۰ء مہی قسکر تحصیل ایٹہ"

ایک اہم معاملہ کی بابت ایٹہ سے دریاباد لالہ صاحب کی طلبی کا خط آنا کچھ کم وقعت انگیز نہین۔ کرنیل ثمیر صاحب اپنے ایک مطبوعہ نوازشنامہ مین تحریر فرماتے ہین :۔

متفق و مہربان لالہ رام سہائے کائستھ سلمہ اللہ۔ چونکہ منشی پیارے لال صاحب تخفیف فضول مصارف و انسداد قبوح شادی و بیاہ مین عرصہ سے کوشش کر رہے ہین اور اِس ضلع مین آئے ہین۔ لہذا بموجب منشا جناب نواب لفٹنٹ گورنر و چیف کمشنر اودھ اِس ضلع مین ایک کمیٹی بتاریخ ۱۹۔ جون ۱۸۷۷ء یوم سہ شنبہ وقت ۷ بجے صبح بمقام صدر نواب گنج قرار پائی ہے۔ اُمید ہے کہ آپ ایک دن بیشتر مقام نواب گنج مین آکر شریک ہونگے۔ فقط، جون ۱۸۷۷ء۔ کرنیل ثمیر صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر ضلع نواب گنج بکی"

خطوط مذکورہ بالا اِس امر کو صاف طور پر ظاہر کرتے ہین کہ جس قبیح رسوم کی انسداد کے لئے آج کل دھوم دھامی جلسے منعقد کئے جاتے ہین اور جسے بیسوین صدی کے روشن خیال رفارمرون کی کوشش کا نتیجہ قرار دیا جاتا ہے اُس کی تحریک اب سے نصف صدی قبل بڑے زور و شور کے ساتھ تمام ہندوستان مین شروع ہو چکی تھی، حتی کہ برٹش گورنمنٹ نے بھی ازراہِ ہمدردی اِس معاملہ کے متعلق اپنی آمادگی کا کھلے الفاظ مین اعلان کر دیا تھا۔ مگر، افسوس! کہ نتیجہ کچھ نہ ہوا

مصرعہ "وہی ذلت وہی خواری، جو آگے تھی سو اب بھی ہے"

ایک سمن بنام اشخاص جوری اجلاس جناب صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر مجاریہ ۲۴۔ اگست ۱۸۶۹ء مین لکھا ہے :۔

"رام سہائے ولد بستی رام قوم کائستھ ساکن دریاباد پیشہ زمینداری۔ جو کہ بتاریخ ۷۔ ستمبر ۱۸۶۹ء واسطے تجویز حدود مقدمات کے مقرر ہوئی ہے اور تمھارا نام جوری کی فہرست مین داخل ہوا ہے۔ اِس واسطے تمکو حکم دیا جاتا ہے کہ بحضور صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر عدالت بمقام صدر کچہری مارہ بکی بتاریخ مذکورہ ٹھیک وقت گھنٹہ قبل دوپہر کے حاضر آؤ"

کمیٹی اسکول دریاباد منعقدہ ۳۰۔ اگست ۱۸۷۳ء کے ایک جلسہ کی کارروائی کی بابت ایک تحریر ہے:۔ منشی رام سہائے صاحب نمبردار، منشی عبدالجلیل خان صاحب ہیڈ ماسٹر و سکریٹری کمیٹی، مولوی سید الٰہی خان صاحب اسسٹنٹ سکریٹری

آج کی تاریخ جلسۂ کمیٹی منعقد ہوا۔ رائے مہراج بلی صاحب و منشی منڈی لال صاحب بہ سبب بے اعتدالی مزاج کے تشریف نہ لا سکے۔ صرف منشی رام سہائے صاحب تشریف فرما ہوئے اور دویم کلاس کے طلبہ کا جغرافیہ اول مین امتحان لیا اور طلبا کی حاضر جوابی سے مسرور ہوئے۔"

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ منشی صاحب اسکول کے محض نمائشی ممبر نہ تھے، بلکہ تعلیمی کورس سے اتنے واقف تھے کہ ادنیٰ درجہ سے لیکر اعلیٰ درجہ کے طالب علمون کا امتحان لے سکتے تھے، مگر جغرافیہ سے خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ "دویم کلاس" اُس وقت مڈل کلاس (اعلیٰ درجہ) کا ایک جزو خاص تھا۔

اِن کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اس لئے غالباً ۱۸۸۰ء کے بعد چک رام سہائے وحصہ موضع محمد پور و قاضی پور انھون نے فروخت کر ڈالا تھا۔ آخری عمر مین بقائے نام کی غرض سے منگن بہاری لال اور گوکل پرشاد کو جو رشتہ کے ناتی ہوتے ہین، اپنا جانشین قرار دیکر اپنی بقیہ جائیداد کا مالک بنا دیا تھا جس پر وہ اس وقت تک بلا شرکت غیرے قابض و دخیل ہین۔ ۸۰ سال کی عمر مین وفات پائی۔ لانبا قد، موٹے تازے، بڑی بڑی سیاہ آنکھین، گول چہرہ چوڑا ماتھا، گورا رنگ، ہاتھ پانون درست۔

مرحوم نیک، فکر دنیا سے آزاد، صلح پسند، غیر متعصب، آبائی وضع کے پابند تھے۔ دھوتی، انگرکھا بلا گوٹ، چوگوشیہ یا دولپٹری ٹوپی، نری کا جوتا۔ تقریبون مین بجائے دھوتی کے بڑے پائینچے کا پائجامہ پہنتے تھے۔ پوس ماگھ کے مہینے مین جب جاڑے کے جاڑے شروع ہوتے تھے، وہ دُلائی جس میں پاؤ بھر پنجہ سے زیادہ رُوئی نہین پڑتی تھی، اوڑھتے تھے اور جھپینٹ کی رُوئی دار مرزائی سفید انگرکھے کے اوپر صبح و شام استعمال کرتے تھے۔ یادگار مین ایک پختہ کنوان[1]۔ لالہ رام سہائے صاحب کے بیان مین جن کاغذات کا ذکر کیا گیا ہے وہ سب منشی منگن بہاری لال صاحب کے پاس موجود۔ (محرران)

لالہ سرجو پرشاد صاحب قانونگو

از نسل درگا داس (خاندانِ رائیصاحب) لالہ ٹکیت رائے صاحب تعلقدار کی اولاد مین لالہ البیشری پرشاد صاحب کے بیٹے، قانونگوئی کے عہدہ پر مامور، فسانۂ عجائب کے عاشق زار، مرزا سرور لکھنوی کے اعلیٰ قدردانون مین تھے۔ ولادت ۱۸۳۰ء، وفات ۱۸۹۵ء۔

نقل معروضۂ مشیر الدولہ بہادر مہاراجہ بالکرشن (وزیر مال سلطنتِ اودھ) مُہری قاضی فدا حسین صاحب سے ثابت ہوتا ہے کہ انھین ۱۲۶۹ھ ہجری مطابق ۱۸۵۰ء کے قبل قانونگوئی کا عہدہ حاصل ہو چکا تھا نوابی زمانے تک بدستور اسی عہدہ پر تعینات رہے۔ ۱۸۵۵ء کے بعد انقلاب سلطنت کے باعث اپنے آبائی عہدہ سے علیحدہ ہو کر پھر تا زندگی کسی کی ملازمت پسند نہین کی۔

[1] حال مین بھولا نیا ری نے اس کنوین کی جوڑی اور بلند پختہ جگت بنوا کر اسکا بھی تعمیر کرا دیا ہے جو بستی کے باہر پچھم طرف لکھنؤ والی سڑک پر متصل واقع ہے۔

قانونگو صاحب کے بزرگوار شاہی زمانے مین عموماً اپنے ہم عصر وطنی رئیسون سے بہ لحاظ اعزاز کسی طرح کم نہ تھے، جو چودھرائی کے لقب سے ملقب اور قانونگوئی کے عہدہ پر مامور ہونے کے علاوہ دیگر الطافِ شاہانہ سے بھی سرفراز تھے۔ ڈیڑھ سو بیگھہ پختہ آراضی بطور معافی اور سو بیگھہ پختہ آراضی ناکار کے طریق پر دربارِ اودھ سے پائے ہوئے تھے، جسکی تصدیق مین ذیل کے پروانے ملاحظہ ہون۔

(۱) بندگان عالی متعالی نواب برہان الملک ابو المنصور خان صفدر جنگ حکمنامہ آراضی انعام۔ آراضی موازی یک صد و پنجاہ بیگہ بہ کز آلہی بموجب پروانہ باسم ہمت ودہو کل سیرہ ہای ٹکیت رائے قانونگو پرگنہ دریاباد سوبہ اختر نگر اودھ از موضع کہیوراج پور وغیرہ علمہ پرگنہ مذکور مقرر شد درینولا حکومت امانت پناہ محمد افضل امین بوحدار پرگنہ مذکور فیض اللہ حریب کستان تعین نمود کہ در موضع کہیوراج پور وغیرہ متصلہ دیل رقبہ آراضی مذکورہ پیمودہ یک بستہ مدہد۔ گواہ شد فتح علی چودھری و قانونگو۔ گواہ شد بجنا در سنگھ چودھری و قانونگو۔ تحریر تاریخ ہفتم شہر رجب المرجب ۱۱۶۷ھ ہجری مقدسہ (۲) متصدیان حال واستقبال پرگنہ دریاآباد سرکار صوبہ اودھ اختر نگر۔ یک صد بیگہ زمین پختہ مزروع بموجب سند در وجہ انعام و ناکار بہت دو ہو کل سیرہ ہای ٹکیت رای چودھری و قانونگو پرگنہ مسطور بموضع سرای خواجگی علمہ پرگنہ مرقوم حسب الحکم مقرر و معاف نمودہ شد باید کہ آراضی موصی الیہ مزاحم نشدہ بہ تصرف موصی الیہ واگذارد ہد کہ حاصلات آراضی صرف معاش خود نمودہ مدعای دولت استقبال تحریر ست دہم جمادی الثانی سنہ ۶ جلوس والا مہر جعفر علی خان"

سرجو پرشاد صاحب فارسی مین ذی استعداد اور اردو کے اچھے ماہر تھے۔ فسانۂ عجائب کے علاوہ مرزا سرور کی دیگر تصانیف شگوفۂ محبت، شبستانِ سرور (ترجمہ الف لیلہ) گلزار سرور، سرور سلطانی، انشاء سرور کی بھی تعریف کیا کرتے تھے، جن کو راقم نے خود انھین دیکھنے کے لئے دی تھین۔ ان تصنیفون کے مقابل مین "سروش سخن"، "فسانۂ دلپذیر" وغیرہ کتابین، جو فسانۂ عجائب کے جواب مین لکھی گئی تھین، ان کے نزدیک کوئی چیز نہ تھیں۔ لالہ پرمیشر دیال صاحب بھی فسانۂ عجائب کے دلدادہ تھے۔ چونکہ اُس زمانے مین راقم الحروف کو بھی اِس کے پڑھنے کا بیحد شوق تھا، اِس لئے دونون حضرات بڑی قدر و منزلت کرتے تھے۔ اپریل ۱۸۹۱ء لغایت مئی ۱۸۹۳ء دو برس بلا ناغہ ہر روز فسانۂ عجائب کے پڑھنے کا وظیفہ برابر جاری رہا۔ قریب آٹھ بجے شام سے ۱۱ بجے شب تک، کبھی کبھی ۱۲ بجے کے بعد تک بھی یہ دل خوش کن مشغلہ بڑے جوش و خروش کے ساتھ گرم رہتا تھا۔ فسانۂ عجائب سنتے وقت اِن بزرگون پر ایک قسم کی غفلت طاری ہوجاتی تھی کہ اگر کوئی بات حیت کیجاتی تو اِن کو مطلق خبر نہ ہوتی۔ مگر، ہر رنگین فقرون اور جملون کو سنتے ہی مساختہ "واہ" کہہ کر جھومنے لگتے تھے۔ افسوس اکہ دو برس کے بعد راقم ریاست رانی مئو مین ملازم ہوگیا اور یہ علمی مجلس ہمیشہ کے لئے درہم برہم ہوگئی۔ منشی سرجو پرشاد صاحب کی صحت خراب ہوگئی اور کچھ دنون کے بعد وہ قضا کر گئے۔ اسی طرح لالہ پرمیشر دیال[۲] صاحب بھی اِس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔

---

[۱] ان پروانون مین بعض الفاظ صاف پڑھے نہیں گئے، اور بعض کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیئے گئے ۱۲

[۲] اصلی وطن الہ آباد۔ اِن کے والد لالہ رام سہائے صاحب لالہ بشن دیال صاحب رئیس (دریاباد) کے یہان ملازم تھے، اِس سلسلہ

یہ بڑے نیک، سیدھے سادے، شراب اور گوشت کے بیحد شوقین تھے۔ شاہی زمانے کے معلومات مین کافی مہارت رکھتے تھے۔ لکھنو کی زبان، وضع قطع، نفاست اور صناعی کے بہت مدّاح تھے۔ نوابی زمانہ کی حکومت اِن کے خیال مین ایک بہترین نعمت سے کم نہ تھی۔

اِن کی زمیندارانہ حیثیت بھی کسی قدر اچھی تھی، جو اِن کے حقیقی بھائیون کنھیا لال واجودھیا پرشاد اور کئی ایک تفریقداروں مین منقسم ہو کر معمولی طور پر باقی رہ گئی تھی، تاہم گوبند پور، رحمان پور حصص سرائے خواجگی و ہونسے پور، ماہی تقسیم کے وقت اِن کے حصے مین آئے تھے۔ ایک سرکاری کاغذ سے معلوم ہوتا ہے کہ گوبند پور ۱۲۶۹ فصلی تک اِن کے قبضہ مین رہا، ۱۲۶۶ فصلی مین بوجہ عدم ادائے مالگذاری رائے پرتاب بلی صاحب کے نام منتقل ہو گیا تھا۔ اِس سے اِنکی نامنتظمی ثابت ہوتی ہے۔ ۹۲ برس کی عمر مین وفات پائی۔ اولاد مین انوکھے لال صاحب اولاد بہ قید حیات، آبائی زمینداری پر قابض، مکان پختہ موجود۔ یادگار مین بیرونی دو پختہ کمرے۔

مرحوم قدیم وضع کے پابند۔ جوڑی گوٹ والا انگرکھا، پیچے شلوکہ، چوگوشیہ ٹوپی، کبھی کبھی دو پلڑی، سفید نین سکھ کی لمبی اک لنگی دھوتی، نری کا جوتا، اکثر بکسوے دار بوٹ، قومی محفلون مین بڑے پائینچے کا پاجامہ بجائے دھوتی کے پہنتے تھے۔ جاڑون مین چھینٹ کی رُوئی دار مرزائی انگرکھے کے اُوپر پہن لیتے تھے، اور صبح و شام زیادہ سردی کے وقت گرنٹ کی سبز گوٹ لگی ہوئی لکھنوی فرو کی رضائی مین پاؤ بھر پختہ روئی ڈلوا کر اوڑھتے تھے۔ تقریب کے موقع پر بانات کا انگرکھا، جس مین اُتو کی ہوئی اُودی گرنٹ کی گوٹ لگی اور بنارسی بیل ٹکی، شالی چوگوشیہ ٹوپی، شالی رومال، پاجامہ بدستور سفید نین سکھ کا استعمال کرتے تھے۔ جوانی مین خوبصورت تھے، چہرہ ملیح تھا، رنگ کسی قدر سانولا، کشادہ پیشانی، خمیدہ ابرو، نوکدار زبردست عمدہ مونچھین، لانبا قد، دوہرہ بدن، دراز گردن، ہاتھ پانون مضبوط اور سڈول، بڑی بڑی آنکھین، گھونگھروالے بال، بابری حجامت، رُخ پر دہنے طرف مسّے کے برابر گول مسّا، مرتے دم تک اعضائے جسم صحیح و سلامت۔ (بھاٹک اندر)

شیخ کرم کریم صاحب عرف چھیدا میان

شیخ، از نسلِ حضرت مخدوم آبکش دریا بادی، مولوی مخدوم بخش صاحب رئیس کے فرزند چہارم، نامی گرامی

میں دو معہ عیال داطفال دریا باد مین آباد ہو گئے تھے۔ برمتر دیال صاحب بڑے خلیق، ہر دل عزیز، ملنسار بزرگ تھے۔ ان کے دوستون کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ مگر ڈاکٹر لال من، منشی گنگا پرشاد صاحب، ہیڈ ماسٹر، ڈاکٹر یار محمد خان صاحب، مولوی مظفر کریم صاحب وکیل، لالہ تنکر لال صاحب کمال، منشی مینڈی لال صاحب، لالہ الفت رائے صاحب، رائے مہادیو بلی صاحب، لالہ تانا پرشاد صاحب جگدھریا (عم راقم الحروف) سے خاص مراسم تھے۔ یہ چار بھائی تھے۔ بڑے بھائی شنکر لال صاحب، چھوٹے الیسری پرشاد و رکھ پرشاد صاحب۔ سنہ ۱۹۱۰ء مین انتقال ہوا۔ ساٹھ برس کی عمر پائی۔ الیسری پرشاد لاولد فوت ہوئے۔ شنکر لال صاحب کے پوتے چیدر کا پرشاد بہ قید حیات۔ رکھ پرشاد صاحب عرصہ تک سیتاپور رہائی اسکول مین ماسٹر رہے، آج کل حانہ نشین۔ عمر ۵۰ میں رویہ ماہوار نیستن، اولاد مین سورج پرشاد ۱۲۔

فیاض و محیر، بڑے اُلوالعزم اور ذی حوصلہ بزرگ تھے، جنھون نے محض اپنے اوصاف حمیدہ کے باعث وہ عزت و ناموری حاصل کی کہ دریا باد کے علاوہ قرب و جوار مین بھی لوگ اِن کے خاندان کو چھیدا میان کے نام سے یاد کرتے ہین۔

صوم و صلوٰۃ کے پابند، خدا و رسول کے سچے عقیدتمند تھے۔ خاندانِ بانسہ شریف سے مُریدی کا تعلق تھا ہمیشہ باوضو رہتے تھے، ہندو مسلمانون کے ساتھ یکسان برتاؤ تھا خوشامد سے سخت نفرت تھی۔ مصیبت کے وقت بلاقید مذہب ہر شخص کی امداد کرنا اپنا خاص فرض سمجھتے تھے۔ غریب رشتہ دارون اور رعایا کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ ہمیشہ چار بجے صبح اُٹھ کر بعد فراغت نماز تمام قصبہ مین گشت کر کے بستی کے حالات معلوم کر لیتے تھے، جس کو جس بات کی شکایت ہوتی تھی، اُسکی دفعیہ کے لئے فوراً آمادہ ہو جاتے تھے۔ قول و فعل کے سچے اور بات کے دھنی تھے جس سے جو کچھ کہتے اُسے ضرور پورا کرتے۔ فیاضی اور سخاوت سے فطری دلچسپی تھی، اور اس بارہ مین دُور دُور تک اِن کا کوئی مدِ مقابل نہ تھا۔ بڑے سے بڑے ہم عصر رئیسون سے برابر کے دوستانہ تعلقات قائم تھے۔ مثلاً راجہ چھتر پتی سنگھ صاحب ہڑاہا، راجہ مہپال سنگھ صاحب سورجپور، ٹھاکر اوتار سنگھ صاحب تعلقدار رانی مئو، چودھری ذوالفقار علی خان صاحب تعلقدار بردلی، ٹھاکر شیر بہادر سنگھ صاحب تعلقدار کیمار، چودھری مرتضیٰ حسین صاحب تعلقدار سبیحہ، چودھری سرفراز احمد صاحب تعلقدار بھلول، بھیارام سنگھ صاحب تعلقدار سیف پور، شیخ محمد حسین صاحب و شیخ زین العابدین صاحب تعلقدار گدیہ اور چودھری صاحبان رُدولی وغیرہ، جو ضرورت کے وقت ساتھ دینے کے لئے بدل و جان تیار رہتے تھے۔ وطنی بزرگون مین لالہ رام سہائے صاحب، لالہ بھوانی دین صاحب، پنڈت رامچرن، لالہ سیتل پرشاد صاحب جگدھریا (راقم الحروف کے جدامجد) سے خاص دوستی تھی۔

حکّام رس بھی تھے۔ عمّال شاہی مین خاص طور پر وقار حاصل تھا، عہد انگریزی مین بھی حکام بڑی قدر و منزلت کرتے تھے۔ چھیدا میان کی ذات سے تعلقدار صاحبان کے بڑے بڑے کام نکلتے رہے، جس کی تصدیق کاغذات ریاست رانی مئو و ہڑاہا و سیف پور وغیرہ سے بخوبی ہو سکتی ہے۔

چھیدا میان جوانمرد اور سپاہی بھی تھے۔ عہدِ شاہی مین اکثر موقعے پیش آئے جس مین فتحمند رہے۔ اِن کے ساتھ اچھے اچھے اور جان نثار سپاہی رہتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ "ایک دفعہ چھیدا میان لکھنؤ جا رہے تھے۔ راستہ مین بمقام نواب گنج قیام کیا۔ سائیس گھاس لینے گیا۔ فوج کے ایک سپاہی نے زبردستی گھاس چھین لی۔ سائیس نے آکر اطلاع کی۔ ان کے ساتھیون مین بسم اللہ بیگ نامی ایک سپاہی تھے، اُنکو غصہ آگیا اور سائیس کے ہمراہ لشکر گئے اور اُس سپاہی کو مار کر گھاس واپس لے آئے، اس پر فوج مین رہمی پھیل گئی اور لشکر والے اِن کے قیام گاہ (سرا) کی طرف دوڑے۔ اس خبر کے سُنتے ہی انھون نے نہایت اطمینان کے ساتھ معہ اپنے ہمراہیون کے مقابلہ کے لئے آگے قدم بڑھایا۔ سرا کے پھاٹک سے متصل شہد کی مکھیون کا ایک بہت بڑا چھتا لگا ہوا تھا۔ چھیدا میان موقع سے کمین گاہ مین بیٹھ گئے۔ جب فوج قریب آگئی، تو، انھون نے چھتے پر بندوق فیر کر دی۔ مکھیان فوجِ شاہی پر حملہ آور ہو گئین

سپاہی بدحواس ہوکر بھاگ کھڑے ہوئے اور انتقام و بہادری کا جوش آں واحد مین ٹھنڈا ہو گیا۔ اِس واقعہ کے بعد چھیدا میان نے وہان سے لکھنؤ کی طرف کوچ کر دیا۔ اِس سے چھیدا میان کی زبردست مستقل مزاجی اور دانشمندی بھی ثابت ہوتی ہے۔

اِن کا دل بہت جری تھا، اسی طرح اِن کی ہمت اور جرأت بھی قابل تعریف تھی۔ اکثر خوفناک اور دشوار گذار مقامون پر گذر ہوا، لیکن کسی قسم کا صدمہ نہین پہونچا، صحیح و سلامت واپس آئے چنانچہ روائت بیان کی جاتی ہے کہ: "ایک مرتبہ یہ قصبہ جائیس سے دریاباد واپس آرہے تھے۔ راستہ مین ایک جگہ لوگون نے منع کیا "اِس طرف نہ جائیے، ببیل کے درخت پر ایک خونخوار سانپ رہتا ہے، وہ راہ گیرون پر حملہ کرتا ہے اکثر جانین تلف ہو چکی ہین" چھیدا میان نے کہا کہ "ہم ضرور جائین گے اور اُس موذی کا مقابلہ کرین گے" ایک صاحب اور بھی ہمراہ تھے، یہ طے پایا کہ وہ صاحب آگے چلین اور چھیدا میان پیچھے رہین۔ دونون صاحبون نے اپنی اپنی بندوقین بھر لیں۔ جب ببیل کے قریب پہونچے جب معمول سانپ نہایت تیزی سے حملہ آور ہوا۔ وہ صاحب خوف کے مارے نہ معلوم کہان فرار ہو گئے۔ اب سانپ نے چھیدا میان کی طرف رُخ کیا۔ اِنھون نے فوراً ایک کپڑا اُسکے سامنے پھینک دیا۔ وہ اُدھر غصہ مین کپڑے سے لپٹ گیا، اِدھر اِن کی بندوق فیر ہو گئی، سانپ جہنم واصل ہو گیا، اور اس طرح پبلک کو بلائے بے درمان سے ہمیشہ کے لئے نجات مِل گئی۔ اس سے بھی اِن کی فطری دانائی کا اظہار ہوتا ہے۔ مصیبت کے وقت یاد ہشتناک موقعے پر ہوش و حواس درست رکھتے ہوئے اُس کے دفع کرنے کی کوشش کرنا صرف عقلمندون کا کام ہے۔

شیخ کرم کریم صاحب اگرچہ صرف تین موضعون کے زمیندار تھے۔ مگر، آن بان اور اُلوالعزمی و بلند حوصلگی مین اِن کا درجہ قرب و جوار کے کسی رئیس و تعلقدار سے کم نہ تھا۔ چودھری وزیر علی صاحب وغیرہ ایسے رئیس و تعلقدار اکثر دریاباد آتے اور اِن کے مکان پر قیام فرماتے، اور اِن کی خاطر و مدارات اور اِن کی سیر چشمی سے خوش ہو کر غائبانہ اِن کے مداح رہتے تھے۔ اپنی زندگی مین اپنے مشہور بزرگ شاہ عبدالرسول صاحبؒ کے عُرس کی بنیاد ڈالی۔ ایک پختہ مسجد اور پختہ کنوان بنوا کر ایک عظیم الشان محفل میلاد منعقد کی۔ قصبہ کے تمام مسلمانون کو پُر تکلف اور با فراط کھانا تقسیم کیا۔ یہ زمانہ قحط و گرانی کا زمانہ تھا۔ اچھے اچھے رئیسون کے چھکے چھوٹ گئے تھے۔ لیکن، چھیدا میان نے اِس کا کچھ بھی خیال نہ فرمایا، اور بڑی خوشی و نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اِن نیک کامون کو انجام دیا۔ دریاباد مین آجتک نہ کہین غیر خاندان مین اِس غیر معمولی اہتمام سے کھانا تقسیم ہوا نہ کسی دوسری جگہ ایسی محفل دیکھنے یا سننے مین آئی۔ جب تک زندہ رہے، ہر سال بڑی دھوم دھام سے میلاد شریف کرتے رہے۔

شیخ صاحب جہان فیاض و جوانمرد سپاہی اور اُلوالعزم و ذی حوصلہ تھے، وہان خوبصورتی مین بھی قابلِ تعریف تھے۔ دُور دُور تک اِنکی خوبصورتی کا خاص طور پر شہرہ تھا۔ اُس وقت اِس صفت مین بھی اِن کا کوئی ہمسر نہ تھا، آپ ہی اپنی نظیر تھے۔

اپنے بزرگ بھائی مولانا حکیم محمد نور کریم صاحب کے دل سے فرمان بردار رہے، اُن کے سامنے بہت

ادب کے ساتھ بات چیت کرتے تھے۔ دیگر بھائیون اور اُن کی اولاد سے بھی ہمیشہ میل جول رکھا۔ اپنے بھائی حافظ مرتضیٰ کریم صاحب کی وفات کے بعد اُن کے بڑے بیٹے حافظ مصطفےٰ کریم صاحب کا نام کاغذات سرکاری مین درج کرا کے حصہ زمینداری پر قبضہ دلا دیا تاکہ بعد کو کسی قسم کا جھگڑا نہ ہو۔ اسی طرح اپنے منجھلے بھائی مفتی مظہر کریم صاحب کی جائداد سے بھی کوئی تعرض نہ کیا جسکی بابت دست برداری ہو چکی تھی۔ اس سے اُن کی نیک دلی اور انصاف پسندی ظاہر ہوتی ہے۔

حافظ عبدالرشید صاحب کے پاس جو شاہی پروانے موجود ہین اُن کے دیکھنے سے نہ صرف اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ چھیدا میان کے بزرگوار الطاف شاہی سے سرفراز تھے، جسکی بنا پر انھین تین سو پچیس ۳۲۵ بیگھہ پختہ آراضی (واقع سورجپور) کی ملکیت حاصل تھی، بلکہ یہ بھی آشکارا ہو جاتا ہے کہ اُن کی شخصیت کیسی تھی! اور عمال شاہی اُن کے ساتھ کس تلطف آمیز برتاؤ سے پیش آتے تھے! چند پروانون کی نقلین حسب ذیل ہین —

(۱) نقل پروانہ لچھمن پرشاد صاحب حکمدار دریاباد نام شیخ کرم کریم۔ شیخ صاحب مشفق مہربان شیخ کرم کریم سلمہ اللہ تعالیٰ عرضی مرسلہ ایشان موصول مطالعہ دفتر مندرجہ کردید حسب الاستدعا آن مہربان رشتہ درباب عدم تعرض از آراضی معافی آن صاحب نام عزیز الحسین ضلعدار لف ہذا میرسد اینک چہ مجال است کہ متعرض شود ہرگز متعرض نخواہد شد خاطر جمع دارد مہر قلمی رود مرقوم لست ہفتم جمادی الاول ۱۲۶۳ ہجری (۲) نقل پروانہ مہر دستخطی کرد بارا سنگہ صاحب حکمدار دریاباد رودولی وغیرہ لست دہم شہر محرم الحرام ۱۲۲۶ ہجری۔ برم مورت بہیارام سنگہ تمدار بعافیت باشند ظاہر اد صد بیگہ آراضی معافی باسم شیخ چھیدا میان پیرزادہ دریاآباد واقع موضع دولہدی پور پرگنہ سورجپور از قدیم مقرر لہذا انکارش میرود کہ در صورت صدق اظہارش دیافتہ آمدنی محاصل گذشتہ دیوستہ امسال در ۱۲۵۷ فصلی از معافی مسطورہ متعرض نشود مدرین باب تاکید مزید دانستہ حسب المسطور بعمل آرند (۳) نقل پروانہ مہر دستخطی کمیدان صاحب مہراج لچھمن پرشاد صاحب مصرم و حکمدار دریاباد رودولی وغیرہ مرقوم لست دہم جمادی الاول ۱۲۶۹ ہجری۔ میر صاحب مہربان عزیز الحسن ضلعدار دولہدی پور سلمہ سابق ازین بہ ایشان سفارش رفتہ بود کہ ایشان از اراضی دو صد بیگہ معافی اسمی بزرگان شیخ کرم کریم مخدوم زادہ دریاآباد رینہار تعرض نرسانند ظاہر الکان مازور و فصل ربیع آراضی معافی مذکورہ قرق کردہ در زرع کردن نمودند و انواع بدعت بر اسامیان بمرتبہ تنگ میدارند ظہور ہمچو تعرض بحالش بالیقین رد نمودہ لہذا از تنبیہ تاکید مزید قلمی میرود کہ رینہار از اراضی معافی مذکورہ تعرض نرسانند و احدی تعدی بر اسامیان کو ارا نسازند در صورت ظہور تعمیل خلاف تحریر سر اول ماسور خواہد شد ایشان را از اراضی مذکور کہ معافی است چہ سروکار است لوح تعرض برسانند و بنظر تحریر باقی باشد امدک نوشتہ بسیار دانستہ حسب المسطور بعمل آرند (۴) حکمنامہ مہری امین الدولہ عمدۃ الملک حسین خان بہادر ذوالفقار جنگ یار وفادار سپہ سالار فردی خاص عالی و قادر امجد علی شاہ بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ بنام افسران فوج ظفر موج علاقہ دریاباد وغیرہ بابت معافی شیخ کرم کریم عرف چھیدا میان از علاقہ سورجپور ۲۸ شعبان ۱۲۶۱ ہجری۔ یہ پروانے اصلی پروانون کی باضابطہ نقلین ہین، جو شاہی مین حاصل کی گئین تھین —

معلوم ہوتا ہے کہ چھیدا میان سخن دوست بھی تھے۔ چنانچہ جس وقت اُن کی مسجد تیار ہو گئی تو حضرت طالب مرحوم لکھنوی نے قطعہ تاریخ ارشاد فرمایا: جناب شیخ شجاعت کرتہ دل، مطیع حکم رب العالمین است، کریم اول کرم آخر بنا مش

دلش آئینۂ بزم یقین است :: بافرمود مسجد بہر طاعت :: عبادت گاہ جملہ اہل دین است :: رقم تاریخ سالش کرد طالب :: بنائے کعبۂ ثانی ہمین است ؎ (منقول از کتاب یادداشت حافظ عبدالرشید صاحب) —

۱۸ ذی الحجہ ۱۲۹۶ھ مطابق ۳ دسمبر ۱۸۷۹ء یوم چہارشنبہ کو انتقال فرمایا۔ جناب ضیا نے تاریخ وفات کہی :: کرم کریم شد :: اولاد رد فیاض :: ارم مین جب وہ گئے چھوڑ کر کے دنیا، ہائے! :: ضیا نے رو کے کہا اس طرح سے سال وفات :: کرم کریم شد ہائے ہائے!! (منقول از کتاب یادداشت حافظ عبدالرشید صاحب) —

مرحوم خوش صورت، مردم شناس، زمانہ دیدہ، تجربہ کار، دور اندیش، آبائی وضع کے پابند تھے کسی قدر عیش پرستی کا بھی شوق تھا۔ مگر تارزندگی خلاف تہذیب کوئی امر ظہور مین نہیں آیا۔ اولاد مین عبدالوحید اور ایک لڑکی۔

لالہ شیو نارائن صاحب منصرم

عرف سیتا رام، شری دا، تعلق دوسرے کائستھ چھتری ورن، لالہ رام نارائن کے بیٹے، بہت بڑے دیانت دار اور فقیر دوست ہو رہے تھے۔ نانک شاہی فقیرون کی خدمت کرتے اور اسی کو ذریعۂ نجات اور زندگی کا اعلیٰ مقصد تصور کرتے تھے۔ ولادت تخمیناً ۱۸۲۵ء، وفات ۱۹۰۰ء۔

واجب العرض دریاباد سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بزرگ بھی دیگر محرورون کی طرح دریا خان صاحب کے ہمراہ محمود آباد سے آگرہ یا باد مین آباد ہوئے تھے جن کی نسل والے عام طور پر شاہی محرر ہونے کی وجہ سے محرر کے لقب سے نامزد ہو گئے محرورون کے نام سے محلہ اور پٹی اب تک موجود اور مشہور ہے۔ "شجرۂ محروران سلطانی قصبہ دریاباد" مطبوعہ (مرتبہ منشی رہین لال صاحب ساکن حسن گنج لکھنؤ ۱۵ جون ۱۹۲۰ء) سے ظاہر ہوتا ہے کہ محرورون کے مورث اعلیٰ بھکھاری داس تھے جن کی تیرھویں پشت مین لالہ شیو نارائن صاحب منصرم گذرے ہین چونکہ اکثر تاریخون سے ایک پشت ۳۰ برس کی ثابت ہوئی ہے اس لئے کہہ سکتے ہین کہ بھکھاری داس نے اب سے ۳۹۰ برس پہلے دریاباد مین سکونت اختیار کی ہوگی لیکن جو روایت ان کے مسلمان ہونے کی بیان کی جاتی ہے (ملاحظہ ہو بیان چودھری عباس علی صاحب باب ۳، فصل ۱) اس سے پایا جاتا ہے کہ بھکھاری داس محرورون کے مورث اعلیٰ نہ تھے بلکہ محرورون کے خاندانی بزرگوار مین سے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ "محرر لوگ چودھری صاحب کے یہاں ہمیشہ ملازمت کرتے رہے شاہی ملازم نہ تھے اور ان کے پاس پانچ چھ گاؤں اور دو ایک پٹیون کی زمینداری تھی" مگر تحقیقات سے پتا چلتا ہے کہ محرورون نے اپنی قابلیت اور فطری دانائی سے بہت کچھ نام پیدا کیا تھا۔ مدافعت نامہ مرقومہ ۲ جمادی الثانی ۱۲۳۴ھ متعلقہ کیرتی ناتھ صاحب ناظم پرگنہ دریاباد وغیرہ اور اقرار نامہ نوشتہ اوری لال مرقومہ ۲۲ صفر ۱۲۳۶ھ نقل عرضداشت رادھے کرشن محرر و زمیندار بھوانی پور معروضہ ۲۶ دسمبر ۱۲۳۶ھ مین "دیہات بھوانی پور سرولی

وغیرہ، دیہات متعلقہ بھوانی پور سروبی وغیرہ" عبارت تحریر ہے۔ "وغیرہ" اور "متعلقہ" کے لکھتے ہوئے الفاظ اس بات کو روشن کرتے ہیں کہ محررون کے پاس بہت سے مواضعات تھے اور تعلقدارانہ حیثیت رکھتے تھے۔ ایک فیصلہ نامہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تعلقہ کے مواضعات بذریعۂ فرمانِ شاہی ۱۲۱۶ھ فصلی تک یعنی اب سے ۱۱۴ برس قبل انھیں حاصل ہو چکے تھے۔ نقل عرضداشت نوشتہ مصری لال سے ظاہر ہوتا ہے کہ محررون کے خاندان میں اجودھیا پرشاد کو تین سو روپیہ سالانہ بطور نانکار دربار شاہی سے ملتا رہا، جو از روئے راضی نامہ نوشتہ اودی لال وغیرہ ۱۲۳۴ھ کے قبل مقرر ہو گیا تھا۔ ایک مہری شاہی پروانے میں "لالہ صاحب لالہ مصری لال جمعخرچ نویس چکلہ سلطان پور"، رقم ہے اسی طرح ایک دوسرے کاغذ میں "گنگا بشن و اودی لال متصدی ناظم باقر علی دریاباد" تحریر ہے۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ اس خاندان کے لوگ محض چودھری صاحب ہی کے محرر نہ تھے، بلکہ شاہی تحصیل میں بھی شامل ہو گئے تھے۔ ایک اور کاغذ سے پتا چلتا ہے کہ ان لوگوں کو ۱۲۱۶ھ فصلی تک سند مہری حاصل ہو گئی تھی، جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ چودھری صاحب کے یہاں ملازم تھے وہ شاہی محرر تھے، چودھری صاحب کی ذاتی نوکروں میں نہ تھے؛ وہ قانونگوئی کے دفتر میں کام کرتے تھے جو شاہی دفتر تھا۔ مندرجۂ بالا کاغذات، نیز دیگر تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب برہان الملک بہادر کے زمانے سے نواب سعادت علی خان بہادر کے عہدِ حکومت تک سو برس محررون کا زمانہ موافق رہا۔ اس قلیل مدت میں انھیں سب طرح کا عروج حاصل ہو گیا۔ ۱۲۳۳ھ سے زوال شروع ہوا۔ اودی لال وغیرہ کی نفاق پسندی و ناعاقبت اندیشی نے ایک آفت برپا کر دی۔ باہمی خانہ جنگیوں سے رنجش و تکرار کی نوبت آ گئی، دلوں میں رشک و حسد، بغض، غصہ، نخوت وغیرہ کی آگ بھڑکنے لگی، لوگ ایک دوسرے کو خوش و خرم دیکھ کر جلنے لگے، ذرا ذرا سی بات پر طول طویل درخواستیں گذرنے لگیں اور ساری انشا پردازی اسی میں خرچ ہونے لگی۔ مقدمہ بازی سے دلچسپی پیدا ہو گئی، حکام سے عداوت کی ٹھن گئی، ہر شخص اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانے پر مستعد ہو گیا۔ نتیجہ اس طوفان بے تمیزی کا یہ ہوا کہ علاقہ تین تیرہ ہو گیا اور آخر زمانۂ امجد علی شاہ ۱۲۶۸ھ تک اگلی شان و شوکت سب خاک میں مل گئی۔ ان حالات کے لکھنے میں جن کاغذات کا حوالہ دیا گیا ہے وہ منشی بالا پرشاد صاحب، جو اسی خاندان سے ہیں، کے پاس موجود ہیں۔

لالہ تیوناراین صاحب ضرورت کے موافق معمولی طور پر فارسی پڑھے تھے اور گونڈہ کی عدالت دیوانی میں منصرم تھے۔ کارِ متعلقہ کو نہایت نیک نیتی سے انجام دیتے ہوئے پدری فرض کی ادائیگی یعنی اولاد کی تعلیم سے بھی غافل نہ تھے، اپنے بیٹے سنت بخش کو بی۔ اے تک انگریزی پڑھوائی، پیرانہ سالی کے زمانے میں پنشن لیکر خانہ نشین ہو گئے تھے۔ نانک شاہ پر بڑا اعتقاد تھا۔ خانہ نشینی کے زمانے میں آبائی مکان کو از سرِ نو (بچتہ دھام) بوا کر سنگت کے نام سے موسوم کرنے کے ساتھ ہی گرنتھ صاحب (نانک شاہ کی مشہور تصنیف جو وید دن سے ماخوذ ہے) کا استھاپنا کر کے ایک جھنڈا بھی نانک شاہ کے نام سے کھڑا کیا جب تک زندہ رہے، گرنتھ صاحب کی پوجا کرتے رہے۔ تخمیناً

ف محررون کے بعض خاندانی اصحاب فیض آباد، لکھنؤ، گونڈہ، بارہ بنکی، سیتاپور وغیرہ میں عرصہ سے آباد ہیں ۱۲۔

۷۵ سال کی عمر مین انتقال ہوا۔ یادگار مین شکستہ پختہ دخام مکان موجود۔ اولاد مین سبط نجش بی۔ اے، ایل ایل بی وکیل گونڈہ سے حیات اور آبائی زمینداری وغیرہ پر قابض۔ (محرران)

مولوی عبدالکریم صاحب سب انسپکٹر

ازاولاد حضرت مخدوم آبکش دریابادی، فخر وطن مولانا حکیم محمد نور کریم صاحب کے فرزند اکبر سب انسپکٹری کے عہدہ پر مامور، فن پتنگ بازی کے بے مثل ماہر، بڑے خوشنویس۔ ولادت ۱۸۳۳ء وفات ۲۔ اپریل ۱۹۰۰ء مطابق ۹ ذی الحجہ ۱۳۱۷ھ)۔

لکھنؤ مین معمولی طور پر تعلیم پائی تھی پچیس برس کے سن مین غدر کے بعد ہی تھانہ دار ہوئے اور ایک مدت تک الہ آباد کے ضلع مین تعینات رہ کر وہین سے پنشن لیکے خانہ نشین ہو گئے تھے۔

خوش نویسی مین لکھنؤ کے مشہور استاد فن حافظ سعدالدین صاحب اور مولوی الٰہی بخش صاحب کے شاگرد تھے جس طرح پتنگ اُڑانے اور لڑانے مین اعلیٰ مشاق تھے، اُسی طرح خوش نویسی کے فن مین بھی کامل تھے۔ مشہور ہے کہ یہ پتنگ کے اتنے بڑے شوقین تھے کہ جب تک زندہ رہے، بشرط موقع و محل پتنگ ضرور اُڑایا کئے۔ ۷۰ سال کی عمر مین لاولد وفات پائی۔ ان کے مرنے کے بعد ان کی نیک بخت اور سعادتمند بی بی نے قابل تقلید نیک کام یہ کیا کہ خاندانی قبرستان کی پختہ دیوارین انھین کی کمائی کے روپیہ سے بنوا کر ایک عمدہ یادگار قایم کردی، جو نہایت دوراندیشی اور دانشمندی پر مبنی ہے۔ محترم خاتون صاحبہ نے حج کا شرف بھی حاصل کیا تھا اور اپنے ہمراہ دو خدمت کرنے والیون کو بھی حج کرایا تھا۔ (مخدوم زادگان)۔

خاوداؤن ۱۲

حافظ مصطفیٰ کریم صاحب کورٹ انسپکٹر

ازنسل حضرت مخدوم آبکش دریابادی، حافظ مرتضیٰ کریم صاحب کے بڑے بیٹے، کورٹ انسپکٹری کے عہدہ پر ممتاز، بہت ذہین، عربی و فارسی کے ماہر اور دونون زبانون کے بہترین خوشنویس ہونے کے ساتھ ساتھ حافظ قرآن اور شطرنج کھیلنے مین بھی اوستاد۔ ولادت ۱۲ رجب ۱۲۵۳ھ مطابق ۱۳۔ اکتوبر ۱۸۳۷ء یوم جمعہ، وفات ۲۔ ربیع الثانی ۱۳۱۸ھ مطابق ۳۰ جولائی ۱۹۰۰ء یوم دوشنبہ ۵ بجے صبح۔ یہ سب علوم و فنون لکھنؤ مین حاصل کئے تھے۔ عربی مرگی محل مین پڑھی تھی، فارسی و خوشنویسی کی تعلیم دیگر مشہور اوستادون سے پائی تھی۔

حافظ جی صاحب خوشنویسی اور شطرنج کے علاوہ صغر سنی مین پتنگ بھی خوب بناتے تھے۔ رنگ برنگ کے خوبصورت پتنگ بنا کر اپنے چچازاد بھائی مولوی عبدالکریم صاحب کو دیا کرتے تھے۔

بیس برس کی عمر مین تحصیل علوم سے فارغ ہو کر پہلے بنارس مین تھانہ دار ہوئے۔ ایک مدت کے بعد الہ آباد تبدیل کئے گئے، پھر کورٹ انسپکٹری کے معزز عہدے سے سرفراز ہو کے جھانسی آئے اور وہین سے پنشن پاکر خانہ نشین

ہو گئے۔ ۶۵ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ اولاد مین مسرت کریم صاحب گرداور قانونگو پنشن یافتہ بہ قید حیات۔ ذاتی پختہ مکان موجود۔ (مخدوم زادگان)۔

حاجی عبد اللطیف صاحب سب انسپکٹر

فخرِ وطن حکیم مولانا محمد نور کریم صاحب کے فرزند دوم، سب انسپکٹری پر مامور، پتنگ بازی کے فن میں اپنے وقت کے بے مثل اوستاد۔ ولادت ۱۲۵۶ھ مطابق ۱۸۳۹ء، وفات ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۹۱۹ء۔

حسب ضرورت فارسی سے آشنا تھے۔ ۱۰ برس کی عمر مین رانڈ مندر کے بعد محکمۂ پولیس کے محکمہ مین سب انسپکٹری کے عہدہ پر مامور ہو کر اضلاع لسنی و اعظم گڈھ و بلند شہر، علی گڈھ، گونڈہ وغیرہ مین اپنے فرائض منصبی انجام دیتے ہوئے ایک لخت ۴۵ سال گورنمنٹ کی ملازمت کرنے کے بعد دفعۃً ذرا سی بات پر خود علیحدہ ہو گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ "ایک دن یہ کسی ضرورت کی نماز پر تھانہ سے صدر مقام گونڈہ آئے اور کپتان صاحب کے بنگلے پر گئے۔ صاحب نے کسی کام کے لئے ان سے کہا۔ چونکہ نماز کا وقت قریب تھا، اس لئے انھون نے عذر کیا کہ "مین نماز پڑھ کے ابھی جاتا ہون"۔ صاحب بہادر اس پر ناراض ہو کر کہنے لگے کہ "ہر وقت نماز پڑھی جاتی ہے"؟ حاجی صاحب اپنے مذہب کے پکے پابند تھے، صاحب بہادر کا یہ کلمہ سنتے ہی اسی وقت استعفا داخل کر کے اپنے مکان چلے آئے اور پھر تا عمر کسی کے ملازم نہین ہوئے۔ آبائی زمینداری پر بقیہ عمر بسر کی۔ اس سے ان کی آن بان بھی ثابت ہوتی ہے۔

فن پتنگ بازی مین لکھنؤ کے مشہور پتنگ باز مولوی عمدو کے شاگرد رشید تھے، اور اس فن مین اس قدر مستق بہم پہونچائی تھی اور وہ کمال حاصل کیا تھا کہ پتنگ کاٹتے تھے۔ رائے شیو راج بلی صاحب اور ان سے بھی خوب خوب لمڈورے کے پیچ لڑتے تھے۔ لیکن، وہ جیتتے نہین تھے، ہمیشہ ہار جاتے تھے۔ جب ان کے دس پندرہ پیچ متواتر کٹتے تھے، تو، ان کا ایک پتنگ کٹتا تھا۔

یہ خدا و رسول کے سچے عاشق اور باوضع مسلمان تھے۔ دنیاوی تکلفات سے بری، روزہ و نماز کو مقدم سمجھتے تھے۔ دینی فرائض کی ادائیگی مین حد سے زیادہ مستعد تھے۔ چنانچہ دو مرتبہ بیکاری کے زمانے مین حج کر کے مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف اندوز ہوئے تھے۔ ساتھ ہی اس کے نہایت نیک طینت، صاف دل، صلح پسند، دنیاوی جھگڑون سے علیحدہ، ہندو مسلمان سب کے دوست تھے۔ ہر شخص کی عزت کرتے۔ موقع و محل کے لحاظ سے اپنے سے چھوٹون کی بات کو بھی مان لیتے تھے، صدہیں کرتے تھے۔ خانگی معاملات کے متعلق عدالت مین دعوی دائر کرنا پسند نہین فرماتے تھے، جو کچھ خاندان والے باہمی طے کر دیتے تھے چار و ناچار اسی پر خاموش ہو جاتے تھے۔

ان کی تندرستی بھی خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ معدہ کے متعلق کبھی کسی قسم کی شکایت نہیں ہوئی۔ ان کا سحری ناشتہ آج کل کے نوجوانون کے دونون وقت کی غذا کے برابر تھا۔ لیکن، نہایت افسوس ہے کہ بیری کے زمانے مین اپنے ایک ہونہار اور سعادت مند لڑکے (عبد الرقیب، جو تھوڑے ہی دنون مین اچھے خاصے طبیب ہو جاتے) کے آغاز شباب

مین انتقال کرجانے سے انھیں صدمۂ عظیم برداشت کرنا پڑا، اور ۸۰ برس کے سن میں وفات پائی۔ اولاد مین میان عبدالکریم بہ قید حیات، نہایت سعادت مند، جنھون نے حال مین ذاتی طور پر ایک عمدہ پختہ مکان نولکے اپنے بزرگون کا نام روشن کیا ہی، جس سے عبدالکریم صاحب کی سب الوعی ثابت ہوتی ہی۔ حاجی صاحب کی یادگار مین۔ بیرونی عالی شان پختہ کوٹھی ہی جس مین آج کل حکیم مولوی محمد عبدالحسیب صاحب مطب کرتے ہین۔ (مردوم، دادگان)

شیخ وارث علی صاحب

عیوض علی صاحب کے بیٹے، ریاست بڑودہ مین فوجدار (تھانہ دار) تھے۔ اچھی قدر و منزلت تھی۔ علاوہ معقول تنخواہ کے کثیر آراضی بھی معمولی لگان پر لئے ہوئے تھے۔ تخمیناً ۷۵ سال کی عمر نصیب ہوئی، ۱۹۱۶ء مین فوت ہوئے۔ اولاد مین عبدالمجید بہ قید حیات اور آراضی مذکور پر بدستور قابض، اور یہی بافراغت اطمینان کے ساتھ ذریعۂ معاش۔ (جودھریان)

مولوی عالم علی صاحب صدر قانونگو

نیشاپوری سید، حکیم مولوی باقر علی صاحب کے فرزند اول (چھوٹے صاحبزادہ مولوی ثابت علی صاحب تھے) صدر قانونگوئی کے عہدہ پر ممتاز اور نیک نیتی و ایمانداری مین خاص طور پر مشہور و معروف۔ ولادت ۱۸۴۱ء، وفات ۲۳ مئی ۱۹۱۶ء مطابق ۱۰ رجب ۱۳۳۴ھ۔

ان کے والد مولوی باقر علی صاحب اچھے طبیب تھے اور دادا سید حسین علی ولد میر کفایت اللہ صاحب بن مولوی غلام یاسین صاحب شاہی مین تحصیلدار تھے۔ باقر علی صاحب نے لکھنؤ مین عربی و فارسی کی تعلیم پائی تھی اور وہین علم طب بھی حاصل کیا تھا۔ ایک مدت تک لکھنؤ مین طبابت کرتے رہے۔ پھر یہین اپنے وطن دریاباد آکر راجہ صاحب کے یہان ملازمت کرلی تھی۔ بڑے نیک، روزہ و نماز کے پابند اب سے نصف صدی قبل بہ قید حیات تھے۔ حکیم باقر علی صاحب کے پردادا مولوی غلام یٰسین صاحب نے مئہ عیال و اطفال دیوان روشن لال صاحب کی قدردانی سے اپنا وطن لکھنؤ ترک کرکے دریاباد مین سکونت اختیار کی۔ دیوان جی صاحب نے انھین اپنے مکتب خانہ کا معلم مقرر کیا اور اُن کے رہنے کے لئے دو منزلہ پختہ مکان بنوادیا۔ غلام یٰسین صاحب کی اولاد مین کفایت اللہ صاحب کے بیٹے حسین علی صاحب دریاباد ہی مین پیدا ہوئے تھے۔

عالم علی صاحب نے پہلے (۴ جنوری ۱۸۶۷ء مین) محکمۂ بندوبست مین نوکری کی اور مختلف عہدون کا کام انجام دیتے ہوئے ۱۳ سال کے بعد ۹ جنوری ۱۸۷۹ء کو کلکٹری کے صیغہ مین اہلمد مقرر ہوئے، بعد اُس کے صدر قانونگوئی کا عہدہ ملا اور پچاس روپیہ ماہوار تنخواہ ہوگئی۔ ۲۲ سال ملازمت کے بعد یکم اپریل ۱۹۰۱ء سے پنشن ملنے لگی۔ ۳۵ سال گورنمنٹ کی ملازمت کی۔ پنشن پاتے ہی راجہ صاحب محمود آباد نے ان کی دیانت داری کا شہرہ سنکر اپنے یہان بلالیا

اور بڑی عزت کے ساتھ پنشن آکر چالیس روپیہ کے ماہوار مشاہرہ پر ریاست کا محاسب مقرر کر دیا۔ یکم اگست ۱۹۰۱ء
نہایت آخر اکتوبر ۱۹۰۶ء وہان ملازم رہے جب بینائی مین فتور آگیا، تو اپنی جگہ پر بیٹے ناصر علی کو مقرر کرا
دیا اور خود خانہ نشین ہو گئے تا زندگی ریاست سے بھی دو سو روپیہ سالانہ پنشن پاتے رہے۔ تخمیناً ۷۵ سال کی
عمر مین منگل کے دن علی الصباح بعارضہ بخار و حرارتی جگر وفات پائی۔ یادگار مین ایک بچہ مکان۔ (محرران)۔

مرحوم نہایت بخر۔ کار زمانہ شناس، نیک اور خلیق بزرگ تھے علمی استعداد نہ تھی، صرف ضرورت کے
موافق فارسی پڑھے تھے طبیعت مین قناعت زیادہ تھی۔ راست گوئی خاص شیوہ اور فضول باتون سے سخت احتراز
تھا۔ ہندو مسلمان سب سے یکسان ملتے تھے۔ تکلف سے بری، سادی وضع کے پابند تھے۔ زمانہ ملازمت مین اپنے قابل
تعریف طرز عمل سے حکام کو ہمیشہ خوش رکھا جو ذیل کے شاندار سارٹیفکٹون[۵] سے بخوبی واضح ہے۔

(۱) منشی عالم علی صاحب صدر قانونگو کی بات مین عہدۂ تحصیلداری کے لئے بہت بڑی سفارش کرتا ہون۔
ان کا چال چلن نہایت عمدہ ہے۔ یہ بہت بڑے قابل اور جفاکش افسر ہین اور مالی کام مین کافی استعداد رکھتے ہین مجھ سے
کرنل بچر اور مسٹر میکانگ لی صاحبان نے جبکہ وہ سیتاپور مین کمشنر تھے بہت بڑی تعریف کی ہے۔ یہ دریاباد کے ایک بڑے
شریف اور سادات حامد اں مین سے ہین۔ ان کے والد لکھنؤ مین ایک حکیم تھے اور دادا خاص تحصیلدار بادشاہ اودھ کے تھے اور
لکھنؤ مین ان کا مولوی خطاب تھا۔ دستخط اسے مرے ڈپٹی کمشنر کھیری ۳۰ دسمبر ۱۸۹۶ء (۲) منشی عالم علی صاحب ایک لائق
شخص ہین۔ مین نے ان کے واسطے تحصیلداری کے لئے سفارش کی ہے دستخط مرے ڈپٹی کمشنر کھیری (۳) عالم علی صدر
قانونگو ہمارے ساتھ دو ہفتہ ضلع مین دورہ پر رہے۔ مجھے یہ معلوم ہونے سے بہت خوشی ہوئی کہ یہ صرف سرکاری ہی کام مین
توجہ نہین کرتے، بلکہ ان کو ضلع کے زراعتی حالات سے بھی واقفیت کامل ہے اور اس بارہ مین مجھے آج تک ان کا کوئی تدمقابل
نظر نہین آیا، اس لئے مین اپنے معمول کے خلاف یہ تحریر لکھنے پر مجبور ہوا۔ دستخط جے، ڈبلیو ڈائیر کلکٹر محکمہ زراعت ممالک مغربی و
شمالی و اودھ۔ ۲۶ فروری ۱۸۹۹ء (۴) منشی عالم علی صاحب صدر قانونگو کی مین کافی لیاقت رکھتے ہین۔ ضلع کے متعلق انکو
ہر طرح کی واقفیت حاصل ہے۔ اس وقت تک اپنی ملازمت کے فرائض عمدہ طور سے انجام دئے اور اپنے کو نہایت قابل اعتبار
ثابت کیا۔ دستخط جی ڈبل (سول سرجن) ڈپٹی کمشنر کھیری مئی ۱۸۹۰ء۔

منشی بانکے بہادر صاحب رجسٹرار قانونگو

ماتھر کائستھ، از نسل درگداس (بہ سلسلۂ خاندان رائیصاحب) منشی رام دیال صاحب کے بیٹے، منشی گلال چند
صاحب رئیس و چودھری قانونگو کے حقیقی بھتیجے، یہ عہدۂ رجسٹرار قانونگوئی ماہوار سادھوؤن کی خدمت مین قابل
تعریف۔ ولادت غالباً ۱۸۴۳ء، وفات ۱۹۱۲ء۔ ۲۰ برس کی عمر مین گورنمنٹ کی ملازمت کی۔ عرصہ تک رجسٹرار
قانونگو رہے۔ پیری کے زمانے مین پنشن پاکر خانہ نشین ہو گئے۔ ملازمت کا زمانہ نہایت نیکنامی سے گذرا۔ عقیدے

---

۵ اصل سارٹیفکٹ انگریزی مین شیو نام علی صاحب کے پاس موجود ہے۔

کے سچے، اور مضبوط، پوجا پاٹ کے پابند تھے۔ اجودھیا کے مشہور مہاتما بابا رگھناتھ داس سے منتر (بیعت) حاصل کیا تھا۔ سادھوؤں کی خدمت سے فطری دلچسپی تھی، تمام عمر یہی مشغلہ موجب تفریح رہا۔ مخیّر بھی تھے، اکثر بیکسوں اور محتاجوں کی مدد کیا کرتے تھے۔ مزاج مین اُلوالعزمی بھی تھی، اپنے چھوٹے لڑکے بابو گرپرشاد کے مونڈن کی تقریب مین بڑے اہتمام کے ساتھ اعلیٰ پیمانہ پر ایسی ضیافت کی کہ بہت دنون تک دریاباد مین شہرت رہی۔

منشی صاحب کے دو بیٹے تھے، دونون عین جوانی مین داغ مفارقت دیگئے۔ غالباً ۷۰ سال کی عمر مین بیکنٹھ باش ہوا۔ نیک دل، صاحب اخلاق، جوانی مین خوبصورت، آبائی وضع، یادگار مین ایک پوتا، یادون[1] بہاری نام، آبائی زمینداری پر قابض۔ (پھاٹک اندر)۔

لالہ بھیرون پرشاد صاحب جگدھریا

چھتری ورن، شری واستو یہ دوسرے کائستھ، آل بگیہ دھاری معروف بہ "جگدھریا"، لالہ سیتل پرشاد صاحب کے فرزند اکبر (چھوٹے بھائی منولال دماتا پرشاد[2] تھے) راقم الحروف کے والد ماجد، اعلیٰ اسیاق داں، فارسی مین ذی استعداد ولادت غالباً ۱۸۴۲ء، وفات آغاز ۱۸۸۵ء۔

دریاباد کے مشہور و معروف معلم مولوی سالار بخش صاحب سے فارسی کی تعلیم پائی، اردو سے بھی آشنا تھے، خط بہت پختہ اور صاف تھا۔ پہلے چودھری عباس علی صاحب (رئیس دریاباد) کے یہان قانونگوئی کے دفتر مین بصیغہ محرری ملازم ہوئے۔ چودھری غلام عباس صاحب کے زمانے تک بڑی قدر و منزلت کے ساتھ اپنے کار متعلقہ پر مامور رہے۔ اُنکی وفات کے بعد منشی بانکے بہادر صاحب رجسٹرار قانونگو کی ملازمت اختیار کر لی، اور پھر زندگی بھر دوسری جگہ نوکری کرنے کا ارادہ نہین کیا۔ سنہی گھاٹ مین رہتے تھے، قانونگوئی کا دفتر سپرد تھا، بانکے بہادر صاحب کے ذاتی نوکر تھے، سات روپیہ ماہوار تنخواہ تھی۔

مذہب کے پابند، روزمرہ پوجا پاٹ کرتے تھے۔ نہایت نیک سیدھے سادے، خلیق، ہر دل عزیز اور ملنسار تھے۔ ہندو مسلمان سب سے میل تھا۔ لوگون سے اچھی طرح ملتے اور ملائمت سے بات چیت کرتے تھے۔ دنیا کے تین پانچ سے بالکل بے خبر تھے، اپنی راہ آتے، اپنی راہ جاتے، طبیعت مین صبر و استقلال تھا، دُکھ سُکھ ہر حال مین خوش رہتے تھے۔ قرض سے

---

[1] منشی مہابیر پرشاد صاحب کے بیٹے، انگریزی مین اسٹرلنس پاس، اردو شاعری مین مذہبی رنگ سے دلچسپی، اسری کرشن جیانتی کے معتقد، نیک چلن، نوجوان، خوبصورت، ذہین، صاحب اولاد، وضع قدیم، بدیہ ۱۲۔

[2] پولیس مین ہیڈ محرر تھے۔ اپنی زندگی مین گیا کی جاترا کی، بھاگوت سُنی۔ دونون مرتبہ دھوم دھامی جلسہ کیا۔ برہمن بھوجن کے علاوہ عام برادری کی بھی ضیافت کی۔ دیگر لوگون کو بھی بافراط کھانا تقسیم کیا۔ قدیم شکستہ مکان کی مرمت کرائی۔ ۶۳ سال کی عمر مین ۱۹۱۰ء مین لاولد فوت ہوئے ۱۲۔

[3] ۱۸۷۷ء کی مصیبت خیز قحط سالی مین نہ معلوم کہان چلے گئے، آج تک پتہ نہین ۱۲۔

سخت نفرت تھی۔ نفاست پسند، امیر مزاج، اور راستگو تھے۔ دل فیاض تھا، اکثر لولے، لنگڑے، اندھے محتاجون کو خفیہ طور پر کچھ دے دیا کرتے تھے۔ شعر و سخن سے دلچسپی تھی، سیکڑون اشعار دیوان حافظ اور شاہنامہ کے یاد تھے۔ حافظہ بہت معقول تھا، کریما، مامقیماں، خالق باری، شروع سے آخر تک حفظ تھی۔ کتابون کے بڑے شوقین تھے بہت سی کتابین نقل کین اور خرید کر ڈالین۔ حاضر جواب اور آن بان والے بھی تھے۔ خوراک ڈیڑھ یا ڈیڑھ سے زیادہ نہ تھی۔ دنیاوی تکلفات اور بیجا شوقون سے قطعی احتراز تھا۔

دو فارسی تحریرون سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے والد سیتل پرشاد صاحب عہد محمد علی بادشاہ لکھنو شاہی وکیل تھے، جبکہ نواب گنج بارہ بنکی مین تعیناتی تھی، ۱۲۵۳ھ کے قبل عہدہ مل چکا تھا۔ نو برس کے بعد ۱۴ ذیحجہ ۱۲۶۳ھ کو ریاست پالی مین صلعدار ہو گئے تھے۔ شیخ کرم کریم صاحب، عرف بھیدا میان، چودھری عباس علی صاحب، لالہ رام سہائے صاحب، پنڈت رامچرن، سے خاص طور پر دوستانہ مراسم تھے۔ بڑے حلیق، نیک، اور وضعدار۔ تخمیناً ۶۰ سال کی عمر مین اب سے نصف صدی قبل یہ قید حیات۔

تحقیقات سے پتا چلتا ہے کہ ان کے بزرگ مضافات کابور سے دریا باد آکر آباد ہوئے تھے، جس کی نسل والون نے ایک عظیم الشان یگیہ کرکے "یگیہ دھاری" کا لقب حاصل کیا تھا، جسکی وجہ سے اُن کے اعزاز و مرتبہ کی شعاعین زیادہ تیز ہو گئی تھین، اور دور دور تک تحسین و آفرین کی روشنی پھیلی ہوئی تھی، ہر جگہ اُن کی دولت و امارت کا آوازہ کا شہرت گونج رہا تھا۔ عرصہ تک یہ خاندان ماموری کے ساتھ قائم رہا۔ مغل بادشاہون کے وقت مین خاندان کے بعض افراد اچھی اچھی جگہون پر مامور رہے۔ چنانچہ شجرہ خاندان یگیہ دھاری (مرتبہ بابو اودھ بہادر صاحب وکیل بارہ بنکی) سے پایا جاتا ہے کہ آنت رام صاحب یگیہ دھاری کو شہنشاہ اکبر کے دربار سے الہ آباد کی نظامت عطا ہونے کے ساتھ ساتھ "رائے" کا خطاب بھی مرحمت ہوا تھا۔ غالباً مغلیہ سلطنت کا زوال شروع ہوتے ہی جگدھر یا خاندان کے اقبال کا سورج بھی ڈوبنے لگا۔ شان و شوکت کی کشتی گرداب فنا مین پھنس کر چکر کھانے لگی۔ ایک طرف رقیبون کے ظلم و ستم کی طوفان خیز موجون کا زور و شور، دوسری طرف باہمی عداوت اور خانہ جنگیون کی جہالت آمیز ہوا ون کے غضبناک جھونکے، اُسپر مستزاد بیجا عیش پرستی کی موسلا دھار بارش۔ نتیجہ یہ کہ بہت جلد یعنی نوابی دور شروع ہونے تک دھن دولت، اور ریاست وغیرہ پر پانی پھر گیا۔ اگلا عز و وقار، اگلی آبرو، اگلی عظمت برائے نام باقی رہ گئی۔ معاملہ سب بارہ بانٹ ہو گیا۔ عزیز و اقارب، دوست و احباب نو دو گیارہ ہو گئے۔ اس طلاطم انگیز آسمانی قہر سے خاندان مین ایک تہلکہ پڑ گیا۔ اکثر بزرگون نے دریا باد چھوڑ کر دوسرے مقامات پر سکونت اختیار کر لی۔ جن کے دل مین حب الوطنی کا کچھ زیادہ جوش تھا وہ یہین رہ گئے، دکھ سکھ سہا گئے، قدم باہر نہین نکالا، ابھی اس بلائے بے درمان سے نجات نہین ملی تھی، اطمینان سے بیٹھنے نہین پائے تھے کہ پھر تازہ مصیبت نازل ہو گئی۔ مخالفین کے دل مین دیرینہ بغض و حسد کا شعلہ بھڑک اُٹھا، فوراً جگدھریون کی ضیافت کرکے آفت ڈھا دی۔ اُدھر اُنھین مئے دو آتشہ پلا کر بے ہوشی کی حالت مین تلوار کے گھاٹ اُتار دیا، اِدھر مکان مین آگ لگوا دی گئی۔ پرانے کاغذات، شاہی فرمانین، کپڑا لتا وغیرہ جو کچھ تھا، جل کر خاک ہو گیا، اور دعوت مین عداوت، خود کردہ را علاجے نیست، ناعاقبت اندیشی کا انجام بُرا، شراب خانہ خراب کی مثل صادق آگئی۔ لیکن، شکر کا مقام

ہے کہ جگدھریون کا خاندان نیست و نابود نہین ہوا، ابتک نسل قایم ہے۔ کنور بنتا تھ سہائے صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل بی وکیل گونڈہ (از خاندان محرران دریابادی) اپنے پرائیویٹ خط مین تحریر فرماتے ہین: "مین نے جب اپنی لڑکی کی شادی کی تھی تو اُس سلسلہ مین نسبت نامہ بھی منگوایا تھا، اُس سے معلوم ہوا تھا کہ منشی ہزاری لال (کنور صاحب کے جد امجد) کی شادی بخانہ منشی رام سہائے (راقم الحروف کے جد امجد) بہ لقب "جگدھریا" زمین دار قصبہ دریاباد ہوئی تھی اور لالہ منّو لال صاحب (مولف کے حقیقی چچا) اُس خاندان کے دریاباد مین ہین۔ مین نے اُنکو خط لکھا تھا۔ لیکن، جواب نہ آیا"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جگدھریون کی قدیم رئیسانہ حیثیت کا دھندلا سا نشان اب سے سو برس قبل یعنی غازی الدین حیدر بادشاہ اودھ کے زمانے تک دریاباد مین قایم رہا۔ اِسی خط سے جگدھریون اور مہرون کی باہمی قرابت داری بھی ثابت ہوتی ہے۔ شجرۂ خاندان یگیہ دھاری مرتبہ بابو قسمت رائے صاحب، شجرۂ خاندانی مرتبۂ بابو اودھ بہادر صاحب یگیہ دھاری، شجرۂ خاندانِ رُدولی کے دیکھنے، نیز تحقیق سے ظاہر ہوتا ہے کہ ڈھائی تین سو برس سے جگدھریا خاندان کی چار شاخین قایم ہوگئی ہین۔ (۱) صاحبان دریاباد خاص، از نسل رائے جگت مُس داس۔ اولاد مین مولف تاریخ ہذا بہ قید حیات، لاولد۔ یادگار مین پختہ مکان و چاہ پختہ۔ اِس خاندان کے اکثر لوگ ابراہیم آباد (ضلع بارہ بنکی) بھوری گنج (ضلع گونڈہ) مین ابتک موجود ہین (۲) صاحبانِ رُدولی، از نسل رائے سرومن داس۔ چوتھی پُشت مین تھان سنگھ نے رُدولی سکونت اختیار کی۔ اولاد مین پرتاب ملی وغیرہ، نسلی سلسلہ قایم (۳) صاحبان (ہڑہا، ضلع اُناؤ)، از نسل رُدرمن داس۔ اولاد مین بابو قسمت رائے صاحب بی اے، ایل ایل بی، وکیل رائے بریلی، وارد حال شہر مذکور، تیلو رام ٹیچر کائستھ پاٹ شالہ الہ آباد، بابو لچھمی نرائن صاحب بی۔ اے، ایل ایل۔ بی وکیل اُناؤ، نتھا ورسنگھ ہیڈ کلرک دفتر انجینیری

۱؎ یہ خط منشی مگن بہاری لال صاحب کے نام ہے اور اُنھیں کے پاس موجود ہے۔ ۲؎ رائے بریلی کے وکلا مین نہایت معزز و مامور، ملک و قوم کے سچے خادم، کانگریس و سوسل رفارم اور تعلیم کے حامی، ضلع مین نیشنل بیداری، اور رائے بریلی مین ہندو ہائی اسکول، اور فخر قوم منشی کالی پرساد صاحب "کُل بھاسکر" کی سانگھ کے بانی، ناگری پرچارنی سبھا (رائے بریلی، شاخ بنارس) کے پریسیڈنٹ، قابل اسپیکر و لیکچرار انگریزی زبان کے بہ صرف ماہر، بلکہ لایق ادیب اور اخبار "لیڈر" الہ آباد کے کارسپانڈنٹ، کائستھ پاٹ شالہ الہ آباد کے لائف ٹرسٹی، اپنے قابل قدر کارنامون کی بدولت ممالک متحدہ و اودھ مین آفتاب کی طرح روشن، ظاہر معربی وضع، باطن مذہبی مسائل کے نکتون سے بخوبی آگاہ، اپنے دھرم کرم کے یکے با عمل اور کٹر ہندو۔ ایڈیا دار بک لاہور ۱۹۱۵ء صفحہ ۹۷ مین لکھا ہے:۔ بابو قسمت رائے جگدھری بی۔ اے، ایل ایل بی وکیل ہائی کورٹ حوری ۱۸۸۵ء مین الہ آباد مین تھے۔ یہ ایک شریف اور معزز کائستھ خاندان کے ہین، جس کا تعلق دریاباد (ضلع بارہ بنکی) کے کائستھون سے ہے۔ اِن کے بزرگ پہلے پہل ہڑہا (ضلع اُناؤ) گئے، بعد کو فتح پور (شہر)۔ اِن کے آباو اجداد شاہی اور انگریزی مین اعلیٰ عہدون پر ممتاز رہے۔ مغلون کے زمانے مین ان کے ایک بزرگ کلکٹر (چکلہ دار) ہڑہا ضلع اُناؤ کے تھے (جہان اُن کا شکستہ محل، اور اُنکی یادگار مین تلوار ٹولا ابتک موجود ہے۔ چونکہ وہ تلوار چلانے مین خاص شہرت رکھتے تھے، اس لئے اُن کے مقام سکونت کا نام تلوار ٹولا مشہور ہوگیا۔ مولف) اِن کے دادا منشی لچھمن پرشاد، جنھون نے انگریزی تعلیم بھی حاصل کی تھی، بہ عہد سلطنت انگلشیہ ایک ممتاز عہدہ پر مامور ہوئے۔ ۱۸۵۷ء کے غدر مین مسٹر ٹیوکر کے ساتھ قتل کئے گئے۔ (بڑے بہادر اور علم دوست، فارسی و سنسکرت

بریلی، دیبی چرن نائب محافظ دفتر کلکٹری کانپور، رام نرائن رجسٹرار قانونگو تحصیل مہرونی ضلع جھانسی وغیرہ بہت سے اصحاب الہ آباد، کانپور، لکھنؤ، بارہ بنکی مین آباد ہوگئے ہین۔ (۴) صاحبان فتح پور، ارسل لالہ رام داس۔ منشی سورج بلی صاحب منیجر ریاست ہڑاہا کی اولاد مین مانو اودھ بہادر صاحب بی۔ اے، ایل ایل بی وکیل بارہ بنکی، وارد حال نواب گنج بارہ بنکی، بہت سے لوگ الہ آباد وغیرہ مین آباد ہین۔

لالہ سرجو پرشاد صاحب مرحوم ایک مرتبہ بر سبیل تذکرہ ارشاد فرماتے تھے کہ "لالہ بھیرون پرشاد صاحب بڑے وضعدار اور لایق منشی تھے۔ ملازمت کے سلسلے مین ہمیشہ اپنے فرض منصبی کو ایمانداری و نیک نیتی اور صفائی و خوبصورتی کے ساتھ انجام دیتے رہے، کبھی کسی قسم کی شکایت سننے مین نہین آئی۔ چودھری عباس علی صاحب اُن کے بڑے قدردان تھے۔ چودھری صاحب کے یہان اگرچہ بھیرون پرشاد صاحب محرری کا کام کرتے تھے، مگر، دراصل اُنھین ایک مشیر یا مصاحب خاص کی عزت حاصل تھی۔ چودھری صاحب ہر اہم معاملہ کی نسبت اُن سے بنج مین رائے لے لیتے تھے۔ چونکہ چودھری صاحب پر اُن کا خاندانی اعزاز، اُن کے بزرگون کا تابناک زمانہ اچھی طرح روشن تھا، اس لیئے جملہ ملازمین سے اُن کی قدر و منزلت زیادہ تھی۔ منشی بانکے بہادر صاحب کی ملازمت مین اکثر حکام نے اُن کے کام سے خوش ہوکر خود خواہش ظاہر کی کہ، اگر آپ کا ارادہ ہو تو ہم صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر سے سفارش کرکے کوئی عمدہ سرکاری جگہ دلوادین، لیکن، بھیرون پرشاد صاحب نے منشی بانکے بہادر صاحب کی ملازمت چھوڑ کر گورنمنٹ کی نوکری نہین کی" اس سے اِن کی قناعت پسندی، ذہانت و عقلمندی اور دماغی قابلیت بھی ظاہر ہوتی ہے۔

لالہ گلال جی صاحب (بڑے لایق و ہوشیار، رائے نارائن بلی صاحب تعلقدار دریاباد کے وقت مین اصلباقی نویس تھے) بیان فرماتے تھے، کہ "منشی بھیرون پرشاد صاحب جگدھریا کو علم سیاق اور حساب کتاب مین بہت بڑا ملکہ حاصل تھا۔ حساب لکھنے اور میزان دینے مین کبھی غلطی نہین کرتے تھے۔ اُن کے میزان دینے کا طریقہ یہ تھا کہ ہندسون کی آواز منھ سے نہین نکلتی تھی اور بجائے روپیہ آنہ۔ پائی یا بیگھہ۔ بسوہ۔ بسوانسی یا من، سیر، چھٹانک وغیرہ کے متعلق ہر رقم یا

کے عالم اور ہر دو زبان کے فاضل شاعر۔ مولف) مانو صاحب بھی ملک کے بہی خواہوں میں سے ایک شخص ہیں، جو ۱۹۱۰ء سے رائے بریلی پر اپنی جان قربان کر رہے ہین۔ یہ ایک نہایت ہوشیار رفارمر اور بہت بڑے فاضل و مستعد آدمی ہین۔ تعلیم و کانگریس سے خاص دلچسپی ہے۔ تین سال تک میونسپل بورڈ میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ کام انجام دیا۔ اور اس وقت کوآپریٹو بنک کے ڈائرکٹر اور ضلع کی کانگریس کمیٹی کے سکریٹری ہین۔ ہندو یونیورسٹی کا چندہ وصول کرنے کے لئے سکریٹری اور اُس کے متعلق احکامات جاری کرنے کے مالی یہی تھے (رائے بریلی کے ضلع سے ڈیڑھ سال مین سوا لاکھ روپیہ وصول کیا۔ مولف) ہندو اسکول کے بابوون مین سے یہ ایک شخص ہین، اور کائستھ پاٹ شالہ۔ الہ آباد کے، جس مین انھون نے تعلیم پائی ہے، خاص کارکن۔ انھون نے زمانہ جنگ میں برٹش گورنمنٹ کی بہت بڑی وفادارانہ خدمت کی، جس کا شکریہ ممالک متحدہ کے لفٹنٹ گورنر نے ادا کیا۔ اپنی پُرجوش اور موثر تقریرون سے رنگروٹ بھرتی کرنے اور چندہ کی فراہمی میں بہت بڑی مدد دی اور ضلع کی جنگی لیگ مین جنرل ہوکر کافی امداد کی، پھر ضلع کی جنگی کمیٹن مین نہایت ہمت سے کام کیا۔ بابو صاحب نے اس جنگی تاریخ کی تکمیل مین اعانت فرمانے کا فخر بھی حاصل کیا ہے۔" بابو صاحب بڑے نیک، صاحب اخلاق، مامروت، خوش مزاج، خوش جلیل، خوش پوشاک، امیر دل، راست پسند، صاحب اولاد اور ایمانداری سے زندگی بسر کرنے مین مشغول۔

ہر جزو کی میزان علیحدہ علیحدہ صفحہ وار دینے کے وہ ایک دم سے جزو کل کی میزان ایک ہی وقت مین ختم کر دیتے تھے اور طرّہ یہ کہ غیر مشکوک اور صحیح۔ بات کی بات مین بڑی سی بڑی رقمون کی کئی کئی صفحون والی میزان دینا، جو غلطی سے بالکل پاک وصاف ہو، اُن کا خاص حصّہ تھا۔ تیزی کے ساتھ ہی قلم اور ہاتھ پر قابو رکھتے ہوئے شکستہ خط مین صحیح وصاف اور خوبصورت حروف لکھنا، کام کے وقت دوسرے کی باتون پر متوجہ نہ ہونا، نگاہ اور خیال کو قابو مین رکھنا وغیرہ، اُن کے ذاتی جوہر تھے۔ اُن کے لکھے ہوئے کاغذات دیکھ کر طبیعت خوش ہو جاتی تھی۔ فارسی و انگریزی اور ہندی، ہر قسم کے سیاق سے واقف تھے۔ پٹواریون کے کاغذات جانچ کرنے مین کافی مہارت تھی۔ جس کاغذ کی جانچ وہ دس منٹ مین کر سکتے تھے، دوسرا اُسے دو گھنٹے مین بھی اچھی طرح نہین جانچ سکتا۔ اُن کے جانچے اور دیکھے ہوئے کاغذون مین غلطیان نکالنا سیر ممکن تھا۔ جتنا کام وہ اکیلے دن بھر مین ختم کر ڈالتے تھے، چار متصدی بھی اُتنا کام نہین کر سکتے عقلمند بھی ایسے تھے کہ ذرا سے اشارے مین تہ کی بات سمجھ جاتے تھے۔ امانت کے کام سے بھی کچھ کچھ واقفیت تھی نقشون کا عکس خوب اُتارتے تھے۔ انھین اوصاف کے باعث تحصیل مین اُن کا شہرہ تھا۔ اکثر قدردان مسلم رئیسون نے نوکری کے لئے اُن کے پاس پیغام بھیجے، دوستانہ خطوط لکھے، مگر بھیرون پرشاد صاحب نے کبھی منظور نہین کیا، کیونکہ اُن کے خیال مین چودھری عباس علی صاحب یا منشی بانکے بہادر صاحب کی ملازمت بلاوجہ ترک کر کے دوسری جگہ جانا خلاف وضع تھا۔ سیاق کے متعلق منشی بھیرون پرشاد صاحب کے شاگردون مین پنڈت گیا پرشاد غازی پوری (برگنہ دریاباد) ایک لایق اور مشہور متصدی اب تک زندہ۔

افسوس ہے کہ والد صاحب نے کام کے آگے اپنی زندگی کی کچھ پروا نہ کی، ضرورت سے زیادہ محنت و مشقت کرنے کے باعث آرام مین خلل آگیا، صحت جلد خراب ہو گئی۔ پہلے ذکام ہوا، بعد اُس کے اندرونی حرارت رہنے لگی، دوستون نے علاج کی صلاح دی، مگر کچھ خیال نہین کیا۔ آخر مین جب چلنے پھرنے سے مجبور ہو گئے تو سنہی گھاٹ سے فنس پر مکان آئے اور ساتوین دن بعارضۂ تپ دق ۹ بجے شب انتقال فرمایا۔ ۴۲ سال کی عمر نصیب ہوئی متوسط قد، لاغر اندام، کشادہ پیشانی، گندم رنگ، مگر کسی قدر سانولا پن، خمیدہ ابرو، نوکدار خوبصورت مونچھین، بابری حجامت، خمدار زلفین، بڑی آنکھین، تیز رفتار۔ وضع آبائی اور سادی۔ اولاد مین چار بیٹے جس مین صرف بدنصیب و بدنام کنندۂ خاندان برسوج بھوکھن لال محبؔ مولف تاریخ ہذا بہ قید حیات۔ (دیکھتا نہ)

ب، ج بھوکھن لال نام محبؔ تخلص، اُردو نظم و نثر سے دلچسپی، جناب نظر لکھنوی کی شاگردی کا فخر حاصل۔ ولادت ماگھ بدی ستمی سمبت ۱۹۳۱ بکرمی، روز پنجشنبہ، ۱۱ بجے شب، مطابق ۱۰ نومبر ۱۸۷۴ء سنہ ۱۸۹۱ء مین دریاباد سے اُردو مڈل کلاس پاس کیا۔ پہلے مدرسہ کی نوکری کی۔ بعد اُس کے ریاست رانی مئو کی ملازمت ہاتھ آئی۔ پھر لکھنؤ مین ملازم ہوا اور سنہ ۱۹۲۱ء سے کنارہ کش ہو کر اپنے قدیم مہربان جناب ٹھاکر رام بال سنگھ صاحب رئیس سکرور ضلع کے یہان آزادانہ رہنا اختیار کیا، جہان آج کل نہایت اطمینان کے ساتھ زندگی بسر ہو رہی ہے۔ سنہ ۱۹۰۰ء سے شاعری کا شوق ہوا۔ تیرہ برس کے بعد نثر مضامین لکھنے پر بھی طبیعت مائل ہو گئی اور اس وقت تک دونون شغلے جاری۔ شاعری کے متعلق مختصر سا دیوان مرتب، رنگ زمانہ نامہ کتاب چھپ کر زیر اشاعت۔ نثر مین تاریخ دریاباد پریس مین دینے کے لئے تیار ۱۲

حافظ محمد جہانگیر صاحب

عرف حافظ جہانگیر، سنی المذہب، شیخ انصاری، شیخ علی بخش صاحب کے بیٹے، نامی گرامی حافظ قرآن، مشہور قاری، شرعی مسائل سے اچھی طرح واقف۔ ولادت ۱۸۴۵ء، وفات ۱۹۲۰ء۔

حافظ جی صاحب کے والد موضع سڈوا (ضلع مارہ بنکی) سے سلسلۂ قرابت داری دریاباد میں سکونت پذیر ہو گئے تھے اور حافظ جی صاحب یہیں پیدا ہوئے تھے۔ انھوں نے پہلے دریاباد میں مولوی عبد اللہ صاحب سے مذہبی تعلیم کی تکمیل کی۔ اس کے بعد کانپور میں تیئیس برس کی عمر تک عربی و فارسی کی تحصیل میں مشغول رہنے کے بعد ریاست مہونہ (ضلع سلطان پور) میں ملازمت اختیار کی اور راجہ فرزند علی خان صاحب کو تعلیم دینے لگے۔ چودہ برس تک وہاں ملازم رہے بعد ازاں سید محمد محسن صاحب وکیل ہائی کورٹ (الہ آباد) کے ملازم ہوئے اور ان کے مکان (واقع کاکوری) پر ان کی لڑکیوں کو تعلیم دیتے رہے۔ تین برس ملازمت کر کے اپنے وطن دریاباد چلے آئے اور یہاں مرزا اصغر بیگ صاحب کے لڑکوں کو چار برس کے قریب تعلیم دیکر ملازمت سے کنارہ کش ہو گئے، پھر تا حیات کسی کی نوکری نہیں کی۔

یہ اچھے اچھے فقیروں اور عالموں کی صحبت سے فیضیاب ہو کر نہایت قابل ہو گئے تھے۔ قرآن بہت بڑی خوش الحانی سے پڑھتے تھے۔ مذہبی خادم بھی تھے دریاباد کے بہت سے مسلمان ان کی بدولت حافظ قرآن ہو گئے ان کا ذہن تیز، حافظہ بہت معقول تھا، دماغ بھی اچھا پایا تھا۔ اکثر موقع و محل پر مذہبی بحث و مباحثہ میں بھی حصہ لیتے تھے بیان کیا جاتا ہے کہ "حافظ جی صاحب شباب کے زمانے میں خوبصورت بھی تھے۔ چہرہ نہایت ملیح تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ یہ دریاباد سے بردوان تشریف لیگئے (غالباً یہ سفر کانپور کی والیسی پر کچھ دن کے بعد ہوا تھا) وہاں چند روز قیام کرنے کے بعد ایک جگہ میلاد شریف پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ ان کی خوش الحانی اور خوبصورتی پر وہاں کے صدر اعلیٰ (جج) کی حسین بیٹی، جو اس محفل مقدس میں شریک تھی، ان پر فریفتہ ہو گئی اور ان کے ساتھ اس کا عقد ہو گیا۔ عالی شان مکان رہنے کو ملا۔ صبح و شام ہوا خوری کے لئے فیٹن کی سواری عنایت ہوئی۔ سال ڈیڑھ سال عیش و آرام سے امیرانہ شان و شوکت کے ساتھ بسر ہوئے۔ اسی سلسلے میں انھوں نے ڈھاکہ، بمبئی، گجرات وغیرہ کی سیر بھی کر لی۔ چونکہ قبل اس نکاح کے پہلی بی بی مکان پر موجود تھی اور یہ بردوان آکر اپنے گھر سے بالکل غافل ہو گئے تھے۔ اس لئے ان کے حقیقی بھائی، جنھوں نے تا زندگی شادی نہیں کی، حافظ جی کی تلاش میں بردوان پہونچکر اس سے ملے۔ چند روز کے بعد حافظ جی نے ایک ہزار روپیہ اپنے بھائی کو دیکر یہ معذرت کی کہ "آپ چلئے اور دریاباد میں باغ و کوٹھی کی تیاری کے لئے انتظام شروع کر دیجئے کیونکہ یہ نئی منکوحہ عورت صدر اعلیٰ کی بیٹی، عالی شان کوٹھیوں کی رہنے والی ہمارے کچے مکان میں کیسے رہ سکتی ہے؟ میں عنقریب اس عورت کو رخصت کرا کر دریاباد حاضر ہونگا" جس وقت انھوں نے اپنی بی بی سے کہا کہ "اب ہم اپنے وطن دریاباد جائیں گے، کیا تم ہمارے ساتھ چلنے کو تیار ہو سکتی ہو؟ تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ بی بی کی یہ عدول حکمی خلاف شرع ہونے کی بنا پر حافظ جی نے فوراً اسے طلاق دیدیا اور دوامی عیش و عشرت پر لات مار کر دریاباد کا راستہ لیا۔ مکان

پر پہونچکر حافظ جی سخت بیمار ہو گئے مُنھ سے خون گرنے لگا۔ لوگون کو گمان ہوا کہ پردوان والی عورت کی طرف سے جادو چلایا گیا ہے۔ لیکن، دعاؤ تعویذ اور حکیمون کے علاج سے جلد افاقہ ہو گیا۔" اس دلچسپ واقعہ سے مترشح ہوتا ہے کہ حافظ محمد جہانگیر صاحب بڑے آن بان والے اور شرع کے پابند، لا طمع بزرگون مین سے تھے۔ انھین بات کے آگے دولت وغیرہ کی مطلق پرواہ نہ تھی۔

حافظ جی صاحب روزہ و نماز کے بڑے پابند تھے، مرتے دم تک نماز قضا نہین ہونے پائی۔ لوگون کا بیان ہے کہ "بیماری کی حالت مین حافظ جی صاحب نماز کا وقت دریافت کرتے اور برابر نماز پڑھتے رہے، دن مین آٹھ یا نو بجے انتقال ہوا تھا۔" تخمیناً ۷۰ برس کی عمر پائی آخری سن مین کچھ لسان غالب اور سماعت و بینائی مین فرق آگیا تھا۔ (مرزا مہدی محمد)

مرحوم خلیق، ملنسار، نیک دل، غیر متعصب، بہت بڑے باوضع بزرگ تھے جس سے جو برتاؤ تھا تاحیات قائم رہا چوگوشیہ ٹوپی، تنزیب کا پردہ دار انگرکھا، نین سکھ کا بڑے پائینچے والا پائجامہ، سرخ نرمی کا دلی دال جوتا ہمیشہ پہنا کئے ہیں وضع میں کبھی فرق نہین آیا، پوس ماگھ کے جاڑون مین صرف صبح و شام چھینٹ کا روئی دار نیم آستین والا شلوکہ اور ہلکی سی دولائی بھی استعمال کرتے تھے۔ اولاد مین حافظ محمد سعید بہ قید حیات صاحب اولاد۔

مولوی شیخ عبدالوحید صاحب

شیخ کرم کریم عرف چھیدا میان کے اکلوتے بیٹے، اولوالعزمی اور انسانی ہمدردی مین قابل ذکر۔ ولادت غالباً ۱۸۴۹ء وفات ۱۹ ستمبر ۱۹۱۹ء روز چہارشنبہ۔ اوائل عمر مین اجودھیا کورٹ آف وارڈس مین ملازم ہوئے۔ بعد اُس کے خانہ نشین ہو کر آبائی زمینداری پر قناعت اختیار کی۔ روزہ و نماز کے علاوہ ورد و وظائف کے بھی پابند تھے۔ دل مین سخاوت و ہمدردی اور جرأت بہت تھی۔ دریاباد اور قرب و جوار کے بہت سے لوگون کے کام آئے سرباد کی مصیبت مین خاص طور سے شرکت فرماتے رہے۔ حتی الامکان سائل ان کے پاس سے محروم نہین جاتا تھا۔ مقامی حکام سے اچھے تعلقات تھے محفل میلاد و مجلس وغیرہ بڑے حوصلے سے کرتے تھے۔ کئی مرتبہ تقریبات مین قصبہ کے کل مسلمانون کو کھانا تقسیم کیا جسکی مثال قصبہ مین اس وقت تک نظر نہ آئی۔ غصہ جلد آجاتا تھا، مگر فوراً ہی زائل بھی ہو جاتا تھا۔ طبیعت مین کدورت نہین رہتی تھی۔ گھوڑے کے شوقین تھے۔ ایک گھوڑا دروازے پر بندھا رہتا تھا۔ سوار بھی خوب ہوتے تھے، اور اُسکے عیب و ہنر سے بھی واقفیت تھی۔ مزاج مین صفائی زیادہ تھی، مکان ہر وقت صاف ستھرا رہتا تھا حقے سے خاص رغبت تھی۔ لکھنؤ کا خوشبودار خمیرہ تنباکو پیتے تھے۔ چار پانچ حقے روزمرہ استعمال کئے جاتے تھے۔ ان کا یہ شوق بہت باقاعدہ اور امرائے لکھنؤ کی طرح پر تکلف تھا۔ وضع آبائی اور سادی تھی۔ طرز معاشرت ہمیشہ یکسان رہی، کبھی فرق نہین آنے پایا۔ بارہ بنکی کے مخاج خانہ کی تیاری مین چندہ سے شرکت کی، جو اُس کے سنگی کتبہ سے ظاہر ہے۔ آخر عمر تک دریاباد ہوس ٹیکس کے ممبر رہے کار منصبی کے انجام دینے مین نیک نیتی اور انصاف کو مدنظر رکھا۔

شیخ صاحب ہر دل عزیز، نیک، بامروت، صاحب اخلاق اور صلح پسند بھی تھے۔ چنانچہ دریاباد مین جس وقت

(بزمانہ محرم) مہابیرجی کے جھنڈے کی بابت مسلمان و ہنود باہم بحث و تکرار پر آمادہ ہوئے (مسلمانون کا قول تھا کہ جھنڈا اٹھا ڈالا جائے تعزیئے اُس کے تلے سے ہو کر نہ نکالے جائین گے۔ ہندو کہتے تھے کہ تعزیئے نکلین یا نکلیں جھنڈا اکھڑ نہیں سکتا) تو، انھون نے بے لوث کوششون سے دم بھر مین فریقین کو رضامند کر دیا اور ہمیشہ کے لئے یہ بات طے پا گئی کہ قصبہ کے کل تعزیئے "بتے تلے" (امام محلہ دریاباد) جمع ہو کر ٹکیٹ نگر والی سڑک سے کربلا مین داخل ہو جایا کرین اور جھنڈے سے کچھ واسطہ نہ رکھا جائے۔ اس فیصلہ سے نہ صرف قدیم ہندو مسلم اتحاد کی شکستہ چول از سر نو مضبوط اور درست ہو گئی، بلکہ ہزارون آدمیون کی جان بچنے کے علاوہ جیل کی مصیبت اور عدالت کی زیر باری سے بھی نجات مل گئی۔ شیخ صاحب کا یہ کارنامہ ایک ایسی اعلیٰ یادگار ہے، جو عقلمند جماعت مین ہمیشہ وقعت کی نظرون سے دیکھی جائیگی۔ اس سے شیخ صاحب کی دانشمندی، سچی وطنی بہی خواہی اور اخلاقی وسعت بھی صاف طور پر نمایان ہوتی ہے۔

شروع شروع مین جبکہ پیچک کے ٹیکہ کا آغاز ہوا، لوگ اسے پیغام اجل سمجھ کر خوف کھانے لگے۔ میان عبدالوحید صاحب نے دریاباد مین سب سے پہلے اپنے لڑکون کے ٹیکہ لگوا کر کام جاری کرا دیا۔

ریاست ہڑہا کے بہت معتمد تھے۔ ہر اہم معاملہ کی نسبت مالک ریاست ان سے مشورہ کرتے اور امداد چاہتے تھے۔ اپنی آبائی مسجد اور درگاہ وغیرہ کی ہمیشہ خدمت کرتے رہے۔

لیکن، نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ شیخ صاحب اپنے والد کی طرح منتظم و دوراندیش اور انجام بین نہ تھے۔ چھیدا میان کے بعد جس قدر زمینداری ان کے حصہ مین آئی تھی وہ سب زیر بار رہن ہو گئی۔ ۷۴ سال کی عمر مین وفات پائی اولاد مین عبدالرشید، محمد عبدالحسیب، محمد مقیم، محمد مبین۔ (مخدوم رادگان)۔

شیخ شرف الدین صاحب

عرف گھوری میان، اخلاقی دلیری و فطری جوانمردی مین قابل تعریف، اپنی بساط کے موافق فیاضی مین بھی لایق ذکر، شاہ ابو المظفر صاحب کی نسل مین شیخ لطف علی صاحب کے فرزند اکبر (چھوٹے بیٹے مولوی علیم الدین صاحب تھے) حضرت مخدوم آبکش دریاباد کی اولاد مین تھے۔ ولادت ۱۸۴۶ء، وفات ۱۹۱۶ء۔

شیخ صاحب بڑے زمانہ شناس اور بڑی سمجھ بوجھ کے تجربہ کار بزرگ تھے۔ ہر کام کے آغاز مین انجام سوچ لیتے تھے، موقع و محل دیکھ کر حکمت عملی کے ساتھ اپنا مطلب نکال لینے مین کبھی غلطی نہین کرتے تھے۔ عام طور پر نیک چلن، ملنسار، بامروت اور منکسر المزاج تھے۔ دل مین کسی قسم کا تعصب نہین رکھتے تھے۔ ان سے ہر مذہب و ملت کے آدمیون سے یکسان میل ملاپ تھا۔ غریبون کی حسب حیثیت امداد دینا، ستم رسیدون کی مصیبت مین بے دھڑک بلا واسطہ شریک ہو جانا ان کا خاص فرض تھا۔

گھوری میان جاہل محض تھے، الف بے سے بھی آشنا نہ تھے۔ لیکن، علمی قدردان تھے، پرانے کاغذات، پرانی تحریرین، کتابین بڑی حفاظت سے رکھتے اور انھین جان سے زیادہ عزیز سمجھتے تھے۔ راستہ، گلی مین پڑے ہوئے لکھے

کاغذ دیکھ کر فوراً اُٹھا کے آنکھون سے لگاتے اور چومتے، پھر گھر لاکر بحفاظت رکھ دیتے تھے۔ اِن کے یہان چند فرامین شاہی جو دیکھنے مین آئے ہیں اُن کی نسبت سُنا جاتا ہے کہ "یہ گھورئی میان کی بدولت محفوظ رہے۔ اِن فرمانون کے علاوہ اُن کے پاس بہت سے پُرانے کاغذات بھی تھے جنھین اُن کے مرنے کے بعد بے سمجھے بُوجھے رَدّی سمجھ کر ضایع کر دیا گیا، صرف اِس قدر فرامین جو نگلے مین علیحدہ رکھنے کے باعث بچ گئے۔ اِن فرامین کی تعداد گیارہ ہے، جو شہنشاہِ اکبر، شہنشاہِ جہانگیر، شاہجہان بادشاہ، شہنشاہ عالمگیر کے زمانے مین اِن کے بزرگون کو دربارِ دہلی سے مرحمت ہوئے تھے۔ اِس سے گھورئی میان کی دانشمندانہ دوراندیشی بھی ثابت ہوتی ہے۔

ایک مُہری پروانہ سے ثابت ہوتا ہے کہ راجہ گُردت سنگھ صاحب تعلقدار سورجپور گھورئی میان کے دادا مولوی احمد بخش صاحب کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے اور اُن کی گذراوقات کے لئے راجہ صاحب نے ساٹھ بیگھہ خام آراضی[1] معافی کے طور پر عنایت فرمائی تھی۔ پروانہ مذکور حسب ذیل ہے۔

مُہر راجہ گوردت سنگھ تعلقدار سورجپور بہریلا "مقصد بیان حال و استقبال موضع دُولہدی پور پرگنہ سورجپور بہریلا معلوم نماید چون موازی آراضی سصت بیگہ زمین خام نابر بیار حضرت پیر دستگیر قُدس اللہ سرہٗ در یافت حال بے معاشی مولوی احمد بخش بلا شرکت غیرے بنام موصی اللہ معاف نمودہ شد لہذا کارستی میرود کہ دیدہ و دانستہ آراضی مذکورہ متصرف و تعلق موصی الیہ داکدار ندو کاہی از آراضی مذکورہ بعلت خرچ بہنیٹ وغیرہ تکلیفات مزاحم و معترض نشود درین باب تاکید مزید دانستہ حسب المسطور تعمیل آرد۔ فقط مرقوم اساڑہ بدی دویم سنہ ۱۲۳۱ فصلی" دستخط ہندی راجہ گُردت سنگھ صاحب۔ یہ پروانہ میان عبدالرشید صاحب کے پاس محفوظ۔

اس پروانہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اب سے ایک صدی قبل ہندو مسلمانون کے باہمی تعلقات نہایت اچھے تھے، اور ہندو رئیس اسلامی بزرگون کو اُن کے اوصافِ حمیدہ کے باعث عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ لیکن افسوس! آج کل یہ باتین خواب و خیال ہین جسے طرفین کی بدنصیبی کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہین۔

یہ حضرت امام حسینؑ کے دلی معتقد تھے۔ جب تک زندہ رہے ہر سال بڑی دھوم دھام سے تعزیہ داری کرتے رہے۔ اِن کی یادگار مین ایک پختہ مسجد و چاہ پختہ موجود ہے جو حاجی مولوی عبدالقادر صاحب ڈپٹی کلکٹر مرحوم کے مکان سے متصل اُتر طرف واقع ہے۔ مسجد سے خاص مسلمان، کنوئین سے عام لوگ فائدہ اُٹھاتے ہین۔ یہ کنوان مسجد کے پختہ حلقہ سے باہر ہے، جس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ یہ کارروائی محض اِسلئے کی گئی ہے کہ ہندو بھی کنوئین کا پانی استعمال کرنے مین کسی قسم کا پس و پیش نہ کرین۔ تخمیناً ۷۰ سال کی عمر مین لاولد وفات پائی۔ آبائی پختہ مکان و جائیداد پر اِن کے حقیقی بھائی مولوی علیم الدین صاحب کی اولاد مین حفیظ الدین[2] اسٹیشن ماسٹر، حکیم الدین سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس قابض و دخیل اور بزرگون کے نام و نشان استحکام کے ساتھ قائم رکھنے مین منہمک (مخدوم زادگان)

---

[1] یہ آراضی حال مین راجہ صاحب سورجپور کے ہاتھ پانچ ہزار روپیہ کو فروخت کر ڈالی گئی ۱۲ [2] افسوس ہے کہ آپ نے باوجود کئی مرتبہ عرض کرنے کے گھورئی میان کے حالاتِ زندگانی کچھ بھی عنایت نہ فرمائے ۱۲

مرحوم آمائی وضع کے پابند تھے۔ گرمیوں میں ہمیشہ نین سکھ کا انگرکھا، بڑے پائینچے والا پائیجامہ، تسریب کی دو بلڑی ٹوپی، نری کا جوتا پہنتے، کاندھے پر سفید رومال ڈالے رہتے، انس کا مضبوط اور بھاری سونٹا باندھتے تھے جاڑوں میں انگرکھے کے اوپر روئی دار مرزائی بھی استعمال کرتے تھے۔ لاغر اندام، دراز قد، مخروطی شکل، گندم رنگ، چھوٹی سی داڑھی، خفیف کرتی ہوئی مونچھیں، سر پر ننھے ننھے بال، ہاتھ پاؤں مضبوط۔

حاجی مولوی عبدالقادر صاحب ڈپٹی کلکٹر

دریاباد کے مشہور خاندان مخدوم زادگان کے نہایت مشہور و نامور رکن، مولانا مفتی مظہر کریم صاحب کے فرزند دوم (بڑے بھائی مولوی عبدالرحیم صاحب تھے) اول درجہ کے ڈپٹی کلکٹر، بڑے مخیر، عربی و فارسی اور انگریزی کے ماہر، اردو کے انشا پرداز اور ایک رسالہ کے مولف، حامی تعلیم، قوم اور مذہب کے دلی بہی خواہ، حضرت مخدوم آبکش دریاباد کی اولاد میں سے تھے۔ ولادت مئی ۱۸۴۸ء مطابق جمادی الثانی ۱۲۶۴ھ، وفات دسمبر ۱۹۱۲ء مطابق ۱۴۔ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ۔

ابتدائی تعلیم و تربیت لکھنؤ میں پائی، علوم عربی و فارسی کی بھی وہیں تکمیل کی منجملہ اور مشہور اوستادوں کے فرنگی محل کے تبحر آفاق عالم شمس العلما مولانا محمد نعیم قدس سرہ سے بھی فیض تلمذ حاصل کیا۔ مطالعہ کا بیحد شوق تھا ذاتی محنت و کاوش سے انگریزی میں بھی کافی استعداد پیدا کرلی۔ ۱۸۷۰ء میں امتحان وکالت بھی پاس کیا، مگر جھوٹ بولنے سے طبعی نفرت تھی، اس لئے وکالت کبھی نہیں کی۔

ابتداً اسکول میں عربی و فارسی ٹیرھائے کی ملازمت کی۔ اسی سلسلہ میں بعض انگریز حکام کو بھی عربی و فارسی کی تعلیم دی، جس کی وجہ سے ایک افسر نے خوش ہوکر انھیں سررشتہ دار عدالت کردیا۔ فرائض منصبی انتہائی دیانت محنت و سرگرمی سے انجام دینے کے باعث چند روز میں تحصیلدار اور پھر اس کے بعد ہی ڈپٹی کلکٹری کے اعلیٰ عہدہ پر ممتاز ہوگئے۔ یہ عہدہ اُس زمانے میں ہندوستانیوں کے لئے معراج کمال سمجھا جاتا تھا اور دریاباد کا تو کوئی شخص اُس وقت تک اس منصب پر نہیں پہونچا تھا۔ سرکاری خدمات کا زمانہ بلگرام، سدیلہ، ہردوئی، بارہ بنکی، لکھیم پور، کھیری، گونڈہ، بستی، گورکھپور، فیض آباد، اور سیتاپور میں گذرا۔ غالباً ۱۹۰۵ء میں پانچ سو کے مشاہرہ ڈپٹی کلکٹری سے سیتاپور میں پنشن لی۔ زمانۂ ملازمت میں دیانت، محنت، خوش اخلاقی، شیریں زبانی، انصاف پسندی و حسن سلوک کے باعث حکام و رعایا سب میں ہر دلعزیز رہے۔ ڈپٹی کمشنر و کمشنر صاحبان ہمیشہ خاص عنایت کرتے رہے۔ قحط کے کاموں میں دوبار بڑی سخت محنت اٹھائی۔ دونوں مرتبہ لفٹننٹ گورنر صاحب کے ہاں سے خوشنودی کے پروانے عطا ہوئے۔ پنشن کے بعد بھی سیتاپور میں درجۂ اول کے آنریری مجسٹریٹ مقرر ہوگئے اور کئی برس تک یہ کام عام آنریری مجسٹریٹوں کے برخلاف پوری توجہ و دلسوزی کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ اسی درمیان میں ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار کے مشاہرہ پر سیتاپور میونسپلٹی کے سکریٹری بھی مقرر ہوگئے تھے۔ ۱۹۱۱ء میں چودھری حقیق الزمان صاحب تعلقدار گڑھی بھلول (بارہ بنکی) نے جو عزیز

بھی ہوتے تھے، بڑے اصرار کے ساتھ اپنے علاقہ کے انتظام کے لئے بلایا۔ مگر یہان کے واجد علی شاہی معاملات مین ڈپٹی صاحب سے نباہ نہ ہو سکا، وسط ۱۹۱۲ء مین علیحدگی اختیار کرلی اور مع اہل وعیال حج بیت اللہ کے عازم ہوگئے۔ حج سے فراغت حاصل کرتے ہی ۲۱۔ نومبر مطابق ۱۱۔ ذی الحجہ کو ہیضہ مین مبتلا ہوئے اور ۲۴۔ نومبر مطابق ۱۴۔ ذی الحجہ کو عین صبح صادق کے وقت داعی اجل کو لبیک کہا۔ تیمارداروں کا بیان ہے کہ حالت علالت مین اوقات نماز کی بابت برابر دریافت فرماتے رہے اور عین انتقال کے وقت بھی نماز کی نیت باندھ چکے تھے کہ معظمہ کے مشہور گورستان "جنت المعلیٰ" مین مدفون ہوئے۔ ایسی موت ہر مسلمان کے لئے قابل رشک ہے۔

مرحوم ایک خیر مجسم بزرگ تھے۔ آمدنی کا بہت بڑا حصہ مصارف خیر کے لئے وقف رہتا تھا، بہ کثرت اعزہ و اہل وطن کی امداد خفیہ و علانیہ ہر طریقہ سے کرتے تھے۔ خاندان کے کئی لڑکون کو تعلیم دلائی۔ کئی بیوہ عورتون کی مستقل کفالت کرتے رہے۔ موسم سرما مین مرزائیان بنوا کر وطن کے ناداروں کو تقسیم کرتے، چھٹیون مین جب کبھی وطن آتے تو قصبہ بھر کے بچون کے لئے عید ہو جاتی، سب خوش خوش اکر جمع ہوتے اور سب کو بڑی سیر چشمی کے ساتھ شیرینی تقسیم کرتے تھے۔

ڈپٹی صاحب بہت بڑے نیک، اپنے عقائد مین بہت پختہ، روزہ و نماز اور درود و وظائف وغیرہ کے بڑے پابند تھے۔ قرآن کی تلاوت بڑی خوش الحانی سے کرتے تھے۔ تعصب نام کو بھی نہ تھا۔ ہر شخص کے ساتھ، خواہ کسی مذہب و ملت کا ہو خلوص سے ملتے تھے۔ مسلمان فقراء و علماء کے زبردست معتقد ہونے کے ساتھ ہی بعض ہندو سنیاسیون اور پنڈتون سے بھی خاص تعلق قلبی رکھتے تھے مثلاً سندیلہ کے سخنا ور شاہ یا پنڈت گوری شنکر۔

انھین عرسون کی شرکت سے بھی دلچسپی تھی۔ بانسہ شریف کا عرس تو گویا خاص اپنے ہی گھر کا عرس تھا، کیونکہ وہان کے سجادہ نشین حضرت شاہ غلام خبلانی قدس سرہ ان کے حقیقی بھانجے تھے۔ اسکے علاوہ خیر آباد و کاکوری کے عرسون مین بھی سالہا سال شرکت فرماتے رہے۔ دریاباد مین جب حضرت مخدوم آبکش کا عرس حاجی محمد یوسف صاحب کے زیر اہتمام ذرا دھوم دھام سے ہونا شروع ہوا تو ڈپٹی صاحب بھی بڑی خندان پیشانی سے شریک ہوئے تھے شمس العلماء مولانا محمد نعیم صاحب فرنگی محلی کے وصال کے بعد ان کا عرس خود اپنے صرف سے کرنا شروع کیا اور اپنی زندگی بھر کبھی اس معمول مین فرق نہین آنے دیا۔

سید اکبر حسین صاحب جج متخلص اکبر مرحوم سے دوستانہ تعلقات قائم تھے، طرفین مین قلبی محبت تھی۔ وہ ڈپٹی صاحب کو فیاض دوست کے لقب سے یاد فرماتے اور ہمیشہ حاضر و غائب مدح رہتے تھے۔ مولانا کی نگاہ مین ڈپٹی صاحب محض ایک معزز عہدہ دار ہی نہ تھے، بلکہ قوم کے رہنما اور سچے عابد و زاہد بھی تھے۔

ان کی طبیعت نہایت صلح کل و مرنجان مرنج اور بامروت واقع ہوئی تھی۔ کسی کی دلشکنی گوارا نہ ہوتی تھی۔ ساتھ ہی انکسار بھی بیحد تھا۔ ادنیٰ سے ادنیٰ شخص سے بھی بالکل برابر ہی کے ساتھ ملتے تھے۔ ڈپٹی کلکٹری کے زمانہ مین راستہ گلی مین اگر کوئی چپراسی مل جاتا تو، اس بے تکلفی سے کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگتے کہ گویا وہ خاص دوست ہے۔

سیتاپور کا "مدرسۂ اسلامیہ" و "انجمن اسلامیہ" نے انھین کے دم سے زندگی پائی۔ لکھنؤ کی مشہور انجمن "ایک آنہ فنڈ"

اور "اصلاح المسلمین" کو نہ صرف خود مدد دی، بلکہ بعض امرا سے بھی معقول امداد دلائی، جس کا شکریہ اِن انجمنوں کی گذشتہ روئیداد دن میں موجود ہے۔ بڑے صاحبزادہ (مولوی عبد المجید صاحب حال ڈپٹی کلکٹر لکھنؤ) کی شادی کے موقع پر "علی گڑھ کالج" و "ندوۃ العلماء" لکھنؤ کی امداد کی۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا ابتدائی غلغلہ جب سر آغا خانصاحب کے زیر سرکردگی بلند ہوا تو، ایک ماہ کی پنشن اُس کے چندہ میں دیدی۔ راجہ صاحب محمود آباد (راجہ سر محمد علی محمد خان بالقابہ) ہمیشہ ڈپٹی صاحب کی نہایت تعظیم و تکریم کرتے رہے۔ جب سامنا ہوتا تو "قبلہ و کعبہ" کہہ کر گفتگو فرماتے اور جب کسی معاملہ میں علماء اہلِ سُنّت سے مدد لینے کی خواہش ہوتی تو آپ ہی کو واسطہ بناتے تھے۔

اخبار نویسی و مضمون نگاری کا بھی انھیں شوق تھا۔ متعدد اخبارات منگاتے اور پابندی کے ساتھ پڑھتے تھے "اودھ اخبار" میں مضامین مکثرت لکھے، کبھی کبھی "ریاض الاخبار" وغیرہ میں بھی لکھا کرتے تھے۔ ایک رسالہ "تالیف قانونی" کے نام سے صرف و نحو پر شایع کیا۔ ایک شہادت نامہ بھی زیر تالیف تھا، مگر، افسوس تکمیل کی نوبت نہیں آئی۔

اپنی زندگی میں دریا باد میں انھوں نے ایک عظیم الشان پختہ مکان بھی تعمیر کرایا تھا۔ انتقال کے بعد اِن کے لڑکوں نے اِن کی یادگار میں اسی مکان میں ایک کتب خانہ عبد القادر لائبریری (کتب خانہ عبد القادر) کے نام سے قایم کیا تھا۔ لیکن، نہایت افسوس ہے کہ اہل وطن کی بے توجہی سے یہ مفید اور قابل قدر یادگار عرصہ تک قایم نہ رہ سکی۔

انتقال پر اودھ اخبار لکھنؤ، مشرق (گورکھپور)، ایڈوکیٹ (لکھنؤ) و انڈین ڈیلی ٹیلیگراف (لکھنؤ) میں ماتمی مضامین شایع ہوئے اور اُردو کے مایۂ ناز شاعر لسان العصر حضرت اکبر مرحوم الہ آبادی نے قطعہ تاریخ ارشاد فرمایا، جو اپنی صداقت بیان و لطافت مادۂ تاریخ کے لحاظ سے بے مثل ہے۔ ملاحظہ ہو:-

شیخ عبد القادر عالی صفات !
پیشوائے قوم، والا مرتبت ..
سمجھے تھے دنیائے دون کو بے ثبات
آخرت ہی پر نظر رکھتے تھے وُہ :
کرتے تھے یادِ خدا دن ہو کہ رات
جاہ منصب میں وہ گو ممتاز تھے ..
"شغل" ہی میں نکلی تاریخ وفات
اُن کے "ذکر و شغل" کا تھا یہ اثر .
۱۳۳۳ھ

(از اکبر حسین اکبر الہ آبادی)

سید اولاد علی صاحب کمیشن ایجنٹ

سنی المذہب، از نسل میران عوث، میر عنایت علی صاحب کے بیٹے، کلکتہ میں مشہور و معروف کمیشن ایجنٹ تھے۔

ولادت تخمیناً ۱۸۵۰ء، وفات ۲۳۔ اکتوبر ۱۹۲۱ء۔

کلکتہ کے معزز لکھ پتیوں میں اِن کا شمار تھا۔ چین، جاپان، تبت، ختن، یارقند، یورپ، امریکہ وغیرہ ممالک غیر میں اِن کے ذریعہ سے مال (جواہرات خصوصاً، دیگر قیمتی اشیاء عموماً) کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ کمیشن ایجنسی کے سلسلے میں جو خطوط روانہ ہوتے تھے، اُن میں، غیر لفافوں پر بخط اُردو و انگریزی یہ الفاظ چھپے ہوئے ہوتے تھے "اولاد علی کمیشن ایجنٹ کلکتہ سُندریہ پٹی نمبر ۳"

میر صاحب جوانی کے زمانہ مین ایک مدنی بزرگ کے ہمراہ لکھنؤ (کسی ضرورت سے جانا ہوا تھا) سے کلکتہ چلے گئے، وہان پہلے کسی تاجر کی ملازمت کی بعد اُس کے جب خرید و فروخت مین ہوشیار اور تجربہ کار ہوگئے تو کمیشن پر کام کرنے لگے۔ ایک مدت کے بعد معمولی حیثیت سے ترقی کر کے لاکھون کی دولت پیدا کرلی اور کلکتہ کے معززین مین بہت کچھ اعتبار بھی حاصل کرلیا۔

یہ مخیّر بھی تھے۔ ہر سال دو سو روپیہ مسلمان غریبون اور محتاجون کو تقسیم کیا کرتے تھے۔ اکثر حج کے زمانے میں بعض غریب مسلمانون کو جہاز کا کرایہ بھی دے دیا کرتے تھے یا خود ٹکٹ خرید کر کے اُن کے حوالہ کر دیتے تھے۔ اپنے بھانجون کے مصارف کا کُل بار اپنے ذمہ لئے ہوئے تھے۔

اِن کی چار شادیان ہوئی تھین۔ اول دو شادیان دریاباد میں، جن مین سے پہلی بی بی کے تین بیٹے کچھ دن زندہ رہکر فوت ہوگئے؛ دوسری شادی مولانا حکیم محمد علی اطہر صاحب کی بیٹی کے ساتھ ہوئی تھی، جو کلکتہ جاکر ایک مہینے کے بعد بعارضۂ ہیضہ فوت ہوگئی۔ اس کے بعد دو شادیان کلکتہ مین ہوئین۔ ایک شادی ملنگ خان کابلی جو گھوڑے اور اونٹون کے مشہور تاجر تھے، کی بیٹی کے ساتھ ہوئی، دوسرا نکاح واجد علی شاہ بادشاہِ اودھ کے بہت بڑے نامی گرامی عزیز دار کی بیٹی کے ساتھ مٹیابرج مین ہوا تھا۔ اِن کلکتہ والی بیبیون سے جو اولاد ہوئی وہ تا حال موجود۔

اولاد علی صاحب نے کلکتہ مین بہت اطمینان اور نیک نامی کے ساتھ زندگی بسر کی۔ اِن کی حیثیت ایک اچھے خاصے رئیس یا چھوٹے تعلقدار سے کم نہ تھی۔ کمیشن اور کوٹھیون کے کرایہ کی آمدنی تخمیناً چھ سات سو روپیہ ماہوار اور سات آٹھ ہزار سالانہ تھی۔ اِن کے رہنے کا مکان ایک بہت بڑی عالی شان امیرانہ کوٹھی تھی۔ علاوہ اس کے چند کوٹھیان اور بھی تھین، جو کرایہ پر اُٹھتی تھین۔ لیکن افسوس ہے کہ انھون نے اپنے وطن دریاباد مین کوئی یادگار نہین قائم کی، نہ اپنا آبائی مکان درست کرایا نہ یہان کے باشندون کو کچھ فیض پہونچایا، اگرچہ یہ وقتاً فوقتاً زندگی کلکتہ سے دریاباد آتے رہے، تارک الوطن نہین ہوئے تھے۔ تخمیناً ۷۱ برس کی عمر مین دو ڈھیر ہزار لاکھ روپیہ نقد، چار کوٹھیان قیمتی دو ڈھائی لاکھ چھوڑ کر قضا کی۔

مرحوم نیک خلیق، روزہ و نماز کے پابند تھے، بھوسات زبانین جانتے تھے۔ علمی قابلیت نہ تھی، صرف معمولی طور پر کچھ اُردو سے واقف تھے۔ اولاد مین محمد شفیع و محمد رفیع، کاروبار بدستور قائم، تین کوٹھیان موجود، سُندریہ بیٹی نمبر ۳ والی کوٹھی سڑک مین آکر کھدگئی، جس کا معاوضہ ۸۰ ہزار کے قریب ملا تھا۔ (قضیانہ حال مخدوم زادگان)

شیوچرن مہراج

معروف بہ جمعدار، کانکبج برہمن، اُپ منیج گوتر، دریاباد کی اگن ہوتری، تلشی کرت رامائین پڑھنے مین مشہور و معروف اِس بارہ مین دُور دُور تک اُن کا کوئی ہمسر نہ تھا، یہ آپ ہی اپنی نظیر تھے۔ جس وقت رامائین پڑھنے لگتے تھے تو سامعین

ے فرزند علی و حشمت علی۔ عرصہ ہوا کہ فرزند علی صاحب فوت ہوگئے۔ اب اُن کے لڑکے اور حشمت علی صاحب میر صاحب کے آبائی مکان مین رہتے ہین، جس کی گذر اوقات کے لئے میر صاحب مرحوم کے بیٹے معقول تنخواہ عنایت فرماتے ہین ۱۲۔

پر ایک سُرور انگیز کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ رامائن سے انھین قدرتی طور پر خاص دلچسپی تھی۔ ان کے پڑھنے کا خاص کمال یہ تھا کہ مُنھ سے الفاظ صاف نکلتے تھے، دُھن دلچسپ اور آواز خوش آئیند ہوتی، چوپائی، دوہے، چھند وغیرہ بہ لحاظ وزن مختلف طریقون سے موزونیت کے ساتھ پڑھے جاتے تھے۔ یہی وجوہات ہین کہ ان کا رامائن پڑھنا عام پسند تھا، پڑھے بے پڑھے سبھی ان کے مداح تھے۔ دسہرہ کے ایام مین رام لیلا کے موقع پر رامائن کا پڑھنا خاص ان کا فرض تھا، جہان عام طور پر شایقین رامائن سُننے کی غرض سے جمع ہو جاتے تھے۔ یہ نہایت نیک، خوش مزاج، خوش اعتقاد اور بڑے وضعدار تھے۔ رائے صاحب کے یہان ملازمت کر کے پھر تا عمر دوسری جگہ نہین گئے۔ رانی سُو کے مشہور تعلقدار ٹھاکر جانکی پرشاد سنگھ صاحب مرحوم نے کئی مرتبہ راقم کی معرفت اس امر کی کوشش کی کہ تیوجرن مہراج ریاست رانی سُو کی ملازمت اختیار کر لین۔ لیکن جب ان سے کہا گیا تو، انھون نے صاف کہدیا کہ "بھائی! ہم دوسرے دربار مین نوکری نہ کرین گے اور یون ٹھاکر صاحب کے تابعدار ہین"۔ ٹھاکر صاحب ممدوح جمعدار صاحب کے بڑے قدردان تھے، وہ اکثر بر سبیل تذکرہ فرمایا کرتے تھے کہ "رائے صاحب کے یہان تیوجرن مہراج رامائن بڑی خوش الحانی سے پڑھتے ہین لیکن افسوس ہے کہ وہ ہمارے یہان نوکری کرنا منظور نہین کرتے"۔ سمبت ۱۹۷۷ مکرمی مطابق سنہ ۱۹۲۰ء مین اگن ہوتری جی کا بیکنٹھ باش ہوا، ۶۵ سال کی عمر پائی، اولاد کوئی نہین۔ (ٹھکالی تولہ)

حافظ مجتبیٰ کریم صاحب چیف ریڈر

سنی المذہب، شیخ، حافظ مرتضیٰ کریم صاحب کے فرزند دوم، از نسل حضرت مخدوم آبکش دریابادی، شش بیج کے سررشتہ دار، بے مثل حافظ قرآن۔ ولادت تخمیناً سنہ ۱۸۶۰ء، وفات سنہ ۱۹۲۰ء۔

عربی و فارسی مین معمولی استعداد تھی، پہلے بنارس میں جنگی کے محکمہ مین ملازم ہوئے، بعد ازان صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر ہردوئی کے سررشتہ دار، پھر سشن ججی مین اسی عہدہ پر مامور ہو کر کچھ دن کے بعد پنشن حاصل کر کے خانہ نشین ہو گئے۔ ۶۰ برس کی عمر پائی۔ اولاد مین تین لڑکے جنھون نے عرصہ بیس سال سے گڈھی بھلولی (بارہ بنکی) مین سکونت اختیار کی ہے اور جو مسٹر محمد نسیم (لکھنؤ کے بہت بڑے نامی گرامی وکیل) کے حقیقی بھائی ہین۔ بڑے بیٹے ارتضیٰ کریم انٹرنس پاس، اسلامیہ اسکول لکھنؤ مین چالیس روپیہ ماہوار پر ملازم، منجھلے بیٹے مجتبیٰ کریم ایف۔ اے تک تعلیم یافتہ چھوٹے مصطفیٰ کریم بی۔ اے حیدرآباد مین سررشتۂ تعلیم کے محکمہ مین ملازم۔

لالہ چھدامی لال صاحب

جین، سراوگ، فرقہ دگامبری، از خاندان رپوتی رام، لالہ کھیمی لال صاحب کے بیٹے، اُلوالعزم، اور مذہبی حدت مین قابل ذکر۔ مشہور ہے کہ "انھون نے بڑی دھوم دھام سے "رتھ جاترا" کا جشن منایا تھا۔ دریابادمین یہ مبارک رسم پہلی مرتبہ ادا کی گئی تھی"۔ شاہی کا حال نہین معلوم۔ انگریزی عملداری مین آجتک اس قسم کا کوئی جلسہ دیکھنے

یاسننے میں نہین آیا۔ اسلئے چھدامی لال کی یہ جدت لائق تعریف ہے۔ سری ٹھاکر جی کا مقدس رتھ متبولی چوہٹہ سے چھیدامیان کے مکان کے سامنے نکیت نگر والی سڑک پر ہوتا ہوا ٹیڑھی بازار ہوکر براہ راست میدان رام لیلا تک گشت کرایا گیا اور وہین شب بھر قیام رہا۔ مہمانون کے قیام کے لیے معقول انتظام کیا گیا تھا۔ اس موقع پر مناص قصبہ کے ہندوؤن کے علاوہ زمینداران قیام پور دتارا پور وغیرہ بھی موجود تھے۔ رائیصاحب نے بھی شرکت فرمائی تھی۔ کانپور، لکھنؤ، بہرائچ، نواب گنج بارہ بنکی، الہ آباد، دہلی، فیض آباد وغیرہ دور دور تک کے سراؤک شریک ہوئے تھے۔ کئی ہزار روپیہ صرف ہوا۔ یہ مسرت خیز جلسہ سمبت ۱۹۶۰ بکرمی مین منعقد ہوا تھا۔ چھدامی شاہ نرازی کے علاوہ لین دین بھی کرتے تھے۔ تخمیناً ۴۵ برس کی عمر مین رنج جانکاہ کے بعد وفات پائی۔ اولاد مین منوہر لال، مکان پختہ موجود۔ خاندانی حالات کے لئے باب ۵ فصل ۱، ذکر سیتا رام شاہ ملاحظہ ہو۔ (سراوگی محلہ)۔

حاجی حافظ مرتضیٰ کریم صاحب

شیخ، از نسل حضرت مخدوم آبکش دریابادی، مولوی مخدوم بخش صاحب رئیس کے فرزند سوم، بہت بڑے عالی ہمت اور عالی حوصلہ، مذہبی فرایض کی ادائیگی میں قابل تعریف، اچھے خوشنویس۔ لکھنؤ میں سلطنت اودھ کے اسسٹنٹ رزیڈنٹ کو عربی و فارسی کی تعلیم دیتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ "سب یہ حج کرنے کی نیت سے بمبئی پہونچے تو وہان خدمت گار نے روپیہ کے لالچ مین افیون زہر دیدیا، اور جو کچھ ان کے پاس تھا، لیکر فرار ہوگیا۔ لیکن خدا کے فضل سے حافظ جی کی جان بچ گئی۔ چند روز تک سخت مصیبتون کا سامنا رہا۔ بڑی مشکل سے لڑکے پڑھانے کی نوکری ہاتھ آئی۔ دو تین برس بمبئی مین معلمی کے ذریعہ سے بسر کئے۔ بعد ازان حج بیت اللہ کا شرف حاصل کرکے بخیریت مکان واپس آئے۔ اس سفر مین قلت سرمایہ (صرف کرایہ جہاز اور کھانے پینے کا معمولی انتظام کیا تھا) کی وجہ سے بڑی بڑی دقتین پیش آئین، اور زبردست تکلیفون کا مقابلہ ہوا۔ مگر حاجی صاحب نے سب کچھ خوشی سے برداشت کیا اور اپنے ارادے مین ثابت قدم رہے"۔

اس سے حافظ مرتضیٰ کریم صاحب کی گہری عقیدتمندی اور لائق تعریف مستقل مزاجی کا پتہ چلتا ہے۔ تکلیفین جھیل کر مذہبی فرایض مین مشغول ہونا۔ لکھنؤ یا دریاباد سے مکہ شریف تک پیدل سفر کرنا، کوئی آسان بات نہین۔ حاجی صاحب کی خوشنویسی کے نمونے ان کے خاندانی کتب خانے مین اب تک موجود ہین۔ تخمیناً ۴۰ سال کی عمر مین وفات پائی۔ غالباً امجد علی شاہ (۱۲۶۳-۱۲۶۴ھ) کے زمانے مین۔ قید حیات تھے۔ اولاد مین مصطفیٰ کریم، مجتبیٰ کریم، مظفر کریم، محمد کریم۔ (مخدوم زادگان)

بابو راج بہادر صاحب سب ڈپٹی انسپکٹر

بی اے، ایل ٹی۔ دریاباد، محلہ مہرولی مین بابو سنت بخش صاحب وکیل کے یہان پیدا ہوئے۔ بابو صاحب کے دادا (لالہ رام نارائن صاحب) نے بیٹے کی طرح پالا۔ والد (لالہ سیوا رام لال صاحب) نے ابتدائی تعلیم دلوائی اور

ے آپ کے حالات سر دست حاصل ہونے کی وجہ سے صرف کئے ترتیب دیئے گئے ناظرین معاف فرمائین ۱۲۔

اپنا حقیقی بھائی سمجھا جب ذرا ہوش سنبھالا تو ذاتی طور پر محنت و مشقت کر کے پہلے بی اے کی ڈگری، پھر ایل۔ ٹی کی سند حاصل کی تھوڑے دنوں کے بعد محکمۂ سررشتۂ تعلیم میں ڈپٹی اسکیٹر ہو گئے، اور اسی سلسلہ میں ہائی کورٹ کی وکالت کا امتحان بھی پاس کر لیا۔ لیکن چونکہ دولت جمع کرنے کی فکر میں انھیں اپنی جسمانی صحت کا مطلق خیال نہ تھا، اس لئے خرابی معدہ و ضعف دماغ کی شکایت پیدا ہو جانے سے وکالت کے قابل نہ رہے، کار متعلقہ میں بھی خلل آ گیا۔ نتیجہ یہ کہ سب ڈپٹی اسکیٹر کر دیئے گئے۔ چند سال فیض آباد میں تعینات رہے، ۷۔ اپریل ۱۹۲۴ء کو دفعۃً انتقال ہو گیا۔ اولاد نرینہ کوئی نہیں۔ بیس پچیس ہزار روپیہ جو بینک میں جمع تھا، داماد کے قبضہ میں آیا۔ مرحوم بڑے خلیق، نیک، بھلا مانس، ذہین، اور قابل مزگ سے۔ (محرر ان)۔

چوتھا باب

سپاہان و پہلوانان و ماہرین فن کا بیان

پہلی فصل سپاہیوں اور پہلوانوں کے بیان میں

شیخ لطف اللہ صاحب رسالدار

سنی المذہب، شیخ صدیقی، بے مثل پہلوان ہونے کے علاوہ زبردست اور نامی سپاہی بھی تھے۔ عمال شاہی کو غنیم کے مقابلہ میں بہت مدد دیتے تھے۔ جو گڈھی کسی طرح فتح نہ ہوتی تھی، شیخ صاحب دم بھر میں اسے فتح کر لیتے تھے۔ چونکہ بجائے تلوار کے ان کو کٹار کا زیادہ شوق تھا اور جنگ میں فتح کا سہرا انھیں کے سر بندھتا تھا، اس بنا پر ان کا نام "کٹار شاہی" مشہور ہو گیا تھا۔ ان کے بارہ میں ایک محقق رقم طراز ہے:۔

"شیخ لطف اللہ کہ رسالدار و سپاہی بے نظیر رستم وقت خود بود حال جوامردیش از مزدش ظاہر کہ نشان تمیز در مرقد او از ریختہ مطبع است۔ از رسالہ حدیقۃ الارض قلمی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ صاحب شاہی فوج کے رسالدار تھے اور اپنی غیر معمولی شجاعت و فطری جوانمردی کے باعث اپنے وقت کے رستم مشہور تھے۔

شیخ صاحب کی نسبت چند روایتیں بہت مشہور ہیں (۱) ایک مرتبہ ایک توپ کی گاڑی دُرگا ماتا کے مکان کے قریب کسی وجہ سے رُک گئی، بیلوں نے ہر چند زور کیا، لیکن گاڑی نے ذرا بھی جنبش نہ کی۔ شیخ صاحب کو جب اس بات کی خبر ہوئی تو انھوں نے آ کر ایک ایسا ریلا دیا کہ گاڑی سیدھے راستہ پر آ کر بآسانی چل نکلی (۲) ایک وقت یہ ہوا شاہ مزار کے قریب کھڑے ہوئے تھے، اتنے میں بادشاہی مست ہاتھی بازار میں آ نکلا، "ہٹو بچو" کا شور ہوا، لوگ گھبرا کر ادھر اُدھر بھاگنے لگے۔ جس وقت ہاتھی ان کے سامنے آیا تو انھوں نے اپنی جگہ سے اُچک کر ایک ایسا گھونسا رسید کیا کہ

وہ چیخ مار کر بھاگ کھڑا ہوا (۳) کسی بڑے شہر کا ایک پہلوان اِن کی شہرت سُن کر کشتی لڑنے کے لئے دریا باد آیا اور پتہ لگا کر اِن کے پاس پہونچا۔ یہ اُس وقت ایک املی کے درخت کی بڑی زبردست ٹہنی جھکائے ہوئے اپنی بکریوں کو پتیاں کھلا رہے تھے۔ پہلوان نے اِن سے دریافت کیا کہ تمھیں لُطف اللہ ہو؟ ہم تم سے کشتی لڑیں گے! انھوں نے جواب دیا کہ "ہمارا نام لُطف اللہ نہیں ہے، تم اِس ٹہنی کو سنبھالے رہو، ہم اُنھیں بُلائے لاتے ہیں"۔ اُس نے اِن کے کہنے پر عمل کیا جوں ہی یہ علیحدہ ہوئے، درخت کی ڈالی رن سے اپنی اصلی بلندی پر پہونچ گئی اور پہلوان صاحب جھولے کی طرح جھولنے لگے انھوں نے کہا، واہ جی! اسی برتے پر لُطف اللہ سے کشتی لڑنے آئے تھے (۴) جب ان کی پہلوانی اور بہادری کی شہرت بادشاہ لکھنؤ کے کان تک پہونچی تو یہ طلب ہو کر بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ سلامت اِن کا نام سُنتے ہی خوش ہو گئے، جاگیر اور خلعت کے لئے حکم ہوا۔ انھوں نے دست بستہ عرض کیا کہ "جان پناہ کے اقبال سے غلام کو کسی چیز کی ہوس نہیں ہے، صرف ایک تمنا ہے، وہ یہ کہ، ڈنکے کی مشہور جوڑی جو سُلطانی جلوس کے متعلق ہے، مرحمت ہو، تو عین بندہ نوازی ہے"۔ بادشاہ یہ سُن کر ہنس پڑے اور فوراً جوڑی معہ سامان اِن کے حوالہ کی گئی۔ یہ ہنسی خوشی لکھنؤ سے روانہ ہوئے۔ آگے آگے اونٹ پر ڈنکا "کُرم دُھم، کُرم دُھم" کی آواز دیتا ہوا اور پیچھے پیچھے گھوڑے پر شیخ صاحب، اسی شان سے دریا باد تک آئے"۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ شیخ لُطف اللہ صاحب بڑے قناعت پسند اور شان امارت کے شیدائی تھے۔ اِن کا زمانۂ حیات اب سے سوا سو برس قبل ثابت ہوا ہے، اِس سے شیخ صاحب دیوان روشن لال صاحب کے ہمعصر معلوم ہوتے ہیں۔

ان کا پختہ مکان محلہ "شیخن احاطہ" میں، جو انھیں کے خاندان والوں کی کثرت سے مشہور ہو گیا تھا، واقع تھا یہ مکان ایک دو منزلی عمدہ عمارت تھی، دکھن طرف شاہی سڑک سے متصل پھاٹک تھا، اسی پھاٹک پر شاہی ڈنکے کی جوڑی روزمرہ دونوں وقت صبح و شام بجا کرتی تھی جسے اِن کے مرنے کے بعد خاندان والوں نے رائے صاحب کے یہاں فروخت کر ڈالی، جو اب تک وہاں موجود ہے۔

تحقیق سے دریافت ہوا ہے کہ شیخ صاحب کے بزرگ قدیم زمانے میں مولی آباد سے آکر دریا باد میں آباد ہوئے تھے، جن کی اولاد یہاں عرصہ تک مولی آبادی شیوخ کے نام سے مشہور رہی۔ کسی وقت اِن شیخوں کا زمانہ بڑے عروج پر تھا۔ انھوں نے اپنے زور بازو سے خصوصیت کے ساتھ دریا باد میں ترقی حاصل کی تھی۔ یہ لوگ اعلیٰ شجاع، بہادر، نصیب ور نیک چلن تھے۔ دربار شاہی میں رسوخ تھا، بہت سے مواضعات معافیوں اور جاگیروں کے ذریعہ سے اِن کے قبضہ میں تھے۔ معافیوں اور جاگیروں کی بابت جو فرامین دربار دہلی سے وقتاً فوقتاً عطا ہوئے تھے وہ خاندان والوں کی غفلت سے کیڑوں کی خوراک ہو گئے۔ اسی طرح لُطف اللہ صاحب والا فرمان[۵] بھی جو دربار لکھنؤ سے مرحمت ہوا تھا، غارت ہو کر تلف ہو گیا۔

---

[۵] یہ فرمان تاریخ دریا باد لکھنے کے قبل ۱۳۱۹ھ میں نواب علی صاحب (شیخ لطف اللہ صاحب مرحوم کے خاندان میں سے تھے) کے پاس موجود تھا لیکن افسوس ہے کہ ضرورت کے وقت وہ انتقال کر چکے تھے ۱۲۔

یہ چند دیہات کے رئیس ابھی تھے، ان مین سے ایک موضع چودھری پور بھی تھا، جس کا اب کہین پتہ نہین ہے، صرف آراضی باقی ہے، جو رائے صاحب کے قبضہ مین ہے۔ حدیقۃ الارض سے پتہ چلتا ہے کہ رسالدار صاحب کی اولاد مین مخدوم بخش صاحب کے زمانے تک یہ موضع آباد رہا اور وہ اس پر قابض رہے۔ حدیقۃ الارض مین لکھا ہے: "چودھری پور معافی مخدوم بخش از اولاد شیخ لطف اللہ" اس سے بھی شیخ صاحب کی زمینداری اور معافیون کا ثبوت ملتا ہے۔

رسالدار صاحب کا مرا پختہ ان کے قبرستان میں موجود ہے، جس کے مائین پہلو مین پورب طرف کٹار کی شکل بنی ہوئی معلوم ہوتی ہے، ساتھ ہی اس کے ایک تلوار کا نشان بھی پایا جاتا ہے۔ یہ عورت دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ تلوار بھی نائی گئی تھی، مگر لڑکون کی شرارت سے اُس کا وجود باقی نہ رہا، صرف نشان رہ گیا ہے۔ اس قبر کے قریب ہی اُس املی کا درخت ہے جس کے تلے یہ بکریان چرانے تھے اور غیر شہر کا پہلوان ان کی قوت آزمائی کے لئے آیا تھا۔ یہ قبرستان پرتاب گنج سے متصل اُتر جانب واقع ہے۔ نسل مین منشی کریم بخش امین بہ قید حیات صاحبِ اولاد۔

شیودین، بھاگیرتھ

کانکبج برہمن، اُپ سمج گوتر، جاما پوری، ٹھاکر، بجے سنگھ عرف بجی کے بیٹے، جس طرح پہلوان اُسی طرح دلیر اور سپاہی، کشتی کے فن مین اوستاد، پہلوانی مین کامل، جوانمردی اور پھرتی مین برق۔ بڑے بڑے پہلوان اِن کے داؤ پیچ سے گھبراتے تھے، اچھے اچھے سپاہی بانکے ترچھے نام سُن کر خوف کھاتے تھے۔ لڑائی کے وقت ان کی تلوارین ہوا سے باتیں کرتی تھیں۔ اِدھر میان سے نکل کر بجلی کی طرح چمکین، اُدھر بیسیون سر غائب۔ مشہور ہے کہ قاضیون کے خاندان مین کسی قتل عمد کی بنا پر شیودین اور بھاگیرتھ کا لکھنؤ چالان کیا گیا اور وہان یہ دونون بھائی شاہی جیل مین بڑی حفاظت کے ساتھ قید کئے گئے۔ گوئیون کے دن انھون نے کشتی لڑنے کے لئے جیل کے داروغہ سے اجازت مانگی، اُس نے پہلے تو انکار کیا، لیکن جب انھین اپنے ارادے پر کمربستہ دیکھا تو ناچار اجازت دینے کے ساتھ ہی چند سپاہی حفاظت کی غرض سے اِن کے ہمراہ کر دئے۔ یہ کسی مشہور اکھاڑے مین پہونچے، اور وہان بیڑیان پہنے ہوئے نامی نامی پہلوانون سے کشتی لڑنے لگے، تھوڑی دیر میں جتنے پہلوان تھے، سب کو اِن دونون بھائیون نے جیت کر دیا۔ اس کی خبر بادشاہ کے دربار تک پہونچی، دونون بھائی طلب کئے گئے، اور اُس وقت کے بڑے بڑے مشہور پہلوانون سے اِن کی کشتیان ہوئین، دونون بھائی جیت گئے۔ بادشاہ نے خوش ہو کر بالتحقیقاتِ مقدمہ رہائی کا حکم دیا جس وقت بیڑیان کھولنے کا ارشاد ہوا، تو اِن دونون بھائیون نے ایک ایک جھٹکا دیا، بیڑیان خود بخود ٹوٹ گئیں۔ بادشاہ

ے سی بخش کا بیان ہے کہ "مین بھی شیخ لطف اللہ کے خاندان سے ہون، میرے پاس شاہی فرمان تھے، خاندان والون کی باہمی عداوت سے مین گھبرا کر آوارہ وطن ہو گیا، کاغذات وغیرہ جو کچھ میرے پاس تھے، سب دریاباد ہی میں رہ گئے۔" سی بخش لکھنؤ سے بعض آباد تک مائی کے پتیہ مین خاص طور پر مشہور، عرصہ سے مارکٹ لوطن ہو کر نواب گنج میں آباد، بارہ ٹکی کے اسٹیشن پر دوکان قائم، دریاباد مین قدیم مکان رہا، حال کے مطابق کالے خان پیچ ساز کے مکان سے متصل، پرتاب گنج کے گوشۂ شمال و مغرب واقع تھا ۱۲۔

اس حیرت انگیز اور خداداد قوت و بہادری کو دیکھ کر نہایت متاثر ہوئے اور اس طرح ان دونوں بھائیوں کو دربارِ شاہی سے کچھ آراضی معہ نقد و صلۂ انعام مرحمت ہوئی۔ زمانۂ حیات سوا سو برس قبل۔ (ٹھکانہ)

بینی مادھو، مادھو رام

عرف بینی اور مادھو کانکج برہمن، اُپ مُنج گوتر، جاتاپوری پاٹھک، یجمیر پاٹھک قانونگو کے بیٹے، پہلوانی اور سپہ گری دونوں میں مشہور اور دونوں فنون سن طاق۔ تلوار کے دھنی ہونے کے علاوہ قول و فعل کے بھی دھنی، جو کچھ زبان سے کہتے تھے وہی کرتے تھے۔ یہ اُن بہادروں میں نہیں تھے کہ بھاگتے کا پیچھا کریں یا کمزوروں کی باتوں پر غضبناک ہو کر تلوار اٹھائیں۔ ان کی تلواریں میان سے اُس وقت نکلتی تھیں جب دشمن خود ان پر حملہ کرتا تھا، اور ان کے برابر یا ان سے زیادہ طاقت ور ہوتا تھا۔ یہ لوگ شاہی ملازم تھے۔ زمانۂ حیات اب سے ایک صدی قبل۔ (ٹھکانی ڈولہ)

شیودین سنگھ

دریابادی اگن ہوتری، قنوجیا برہمن اُپ مُنج گوتر، زبردست پہلوان اور مشہور سپاہی، شاہی گولہ انداز، دریاباد کے توپخانے میں تعینات تھے۔ بڑے نیک طبیعت اور خوش نصیب تھے، جب تک زندہ رہے آرام سے زندگی بسر کرتے رہے اب سے ایک صدی قبل موجود تھے (ٹھکانہ)۔

لالتا پرشاد، دیبی سہائے، بھوانی دت

پہلوان اور بہادر سپاہی تھے۔ لالتا پرشاد اُپادھیا، مہاراجہ رتن سنگھ بہادر کے یہاں اور دیبی سہائے و بھوانی دت، اگن ہوتری، مہاراجہ میوہ رام بہادر کی سرکار میں بڑی بڑی تنخواہ ہوں پر نوکر تھے۔ یہ لوگ باتک پٹے کے فن سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔

پنڈت دُرگا پرشاد جی

عرف دُرگا پنڈت، پہلوانی میں اچھی خاصی شہرت تھی ضرورت کے موافق سنسکرت حاصل کر کے ورزش پر مائل ہو گئے تھے، جس سے فطری لگاؤ تھا۔ اب سے تخمیناً ۷۵ برس قبل زندہ تھے۔

چودھری لطف علی صاحب

سنی المذہب، شیخ، از خاندان چودھریان دریاباد، چودھری امام علی صاحب کے بیٹے، نامی گرامی پہلوان

---

۱ محمد علی شاہ کی سرکار میں میر منشی تھے، فخر الدولہ منشی الممالک ہوشیار جنگ خطاب تھا ۱۲ ۲ مخاطب بہ نواب افتخار الدولہ افضل الملک صلابت جنگ۔ عہد ناصر الدین حیدر بادشاہ سلطنت اودھ کے وزیر مال اور عزت و توقیر میں وزیر اعظم کے ہم رتبہ ۱۲۔

خاندانی رئیس، تعلقہ حمید نگر مین دو آنہ کے حصہ دار۔

چودھری صاحب ایسے پہلوان تھے کہ اکثر غیر جانبون سے مشہور پہلون زور آزمائی کے لیے آئے، مگر کوئی جیت کر نہین گیا۔ مشہور ہے کہ "ایک مرتبہ کسی بڑے شہر سے ایک بہت بڑا زبردست پہلوان، جو ان سے قوت مین دو چند سے چند تھا، ان کا نام سن کر کشتی لڑنے کے لیے ان کے پاس آیا۔ یہ اکھاڑے مین علیحدہ بیٹھے ہوئے اپنے شاگردون کو باہم لڑوا رہے تھے، اس نے ان سے کشتی لڑنے کو کہا۔ انھون نے جواب دیا کہ، مین لڑنے کو تیار ہون، لیکن میرے ہاتھ کا دہنا انگوٹھا زخمی ہے، اسے بچائے رہنا۔" اس نے وعدہ کیا اور کشتی شروع ہوگئی۔ تھوڑی دیر کے بعد جب اسے معلوم ہوا کہ مین ان سے نہ جیتونگا، تو، اس نے ان کے زخمی انگوٹھے کو زور سے دبا دیا۔ لیکن، انھون نے ایسا پیچ مارا کہ وہ دھم سے اکھاڑے سے تھوڑی دور الگ جا گرا، چودھری صاحب نے فوراً اسے چت کر دیا۔ گرنے کے ساتھ ہی اس کے بدن میں ایسی چوٹ آگئی کہ اس کا ایک عضو کچھ دن کے لیے بیکار ہوگیا اور اس طرح ان کی پہلوانی اور بھی دور دور تک مشہور ہوگئی۔"

لطف علی صاحب پہلوان ہونے کے علاوہ مشہور مرغ باز بھی تھے۔ ان کے مرغ دور دور تک مشہور تھے، جو لکھنؤ مین نواب نظر حسین خان صاحب کے یہان آغا میر کی ڈیوڑھی پر لڑنے کے لئے بھیجے جاتے تھے، وہان ایک ایک ہزار اور پانچ پانچ سو روپیہ تک کی بازی لگتی تھی۔ مہاراجہ صاحب بنارس کے یہان بھی ان کے مرغ لڑنے کے لیے جاتے تھے۔ مگر ایک مرغ بھی کہین سے ہار کر نہین آتا تھا۔ ایک نہایت ہوشیار مرغ ہمیشہ ان کے پاس نوکر رہتا تھا لیکن یہ خود بھی دیکھ بھال کرتے رہتے تھے، محض اسی کے بھروسے پر نہین رہتے تھے۔ چودھری عباد علی صاحب ان کے چھوٹے بھائی بھی مرغ بازی کے فن مین کامل تھے۔ بعضون کا بیان ہے کہ، انھین کے مرغ چودھری لطف علی صاحب کے نام سے مشہور ہوگئے تھے۔

یہ بانک، پٹے، بانے سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔ جب تک زندہ رہے، اسی شغل مین مصروف رہے۔ تخمیناً چھیالیس سینتالیس برس کا زمانہ ہوا کہ ان کا انتقال ہوگیا۔ اولاد مین صرف ایک لڑکی موجود اور چودھری ریاست علی صاحب کو منسوب۔ شاگردون مین جھگرو بھیارہ، پنڈت سیورام، سکھ نندن عرف دربلی، اشندت مشر چنی سراوک، چودھری بدھو، گھسیٹے سائین بہت مشہور تھے۔

مرحوم آبائی وضع کے پابند، غیر متعصب ایک چلن، خوش مزاج، صاحب خلق، مروت دار، رحیم اور ملنسار بزرگ تھے۔ (چودھریان)

اکبر خان، مرتضیٰ خان، شمس الدین خان

بہادر اور نامی سپاہیون مین تھے۔ ان کے حالات آئندہ فصل کے اول طبقہ مین تفصیل کے ساتھ درج کئے گئے ہین۔ (خانزادہ)۔

پنڈت بدری پرشاد

کانکبج برہمن، اُپ منیج گوتر، گوتیا تھی مشر، بڑے معزز و عالی نسب، اور دھورام مشر کے اکلوتے بیٹے، حال کے پہلوانون مین اچھے پہلوان تھے۔ ان کے بزرگ اسنی کے رہنے والے تھے، رشتہ داری کی وجہ سے دریا باد کو اصلی وطن تسلیم کر لیا تھا اور اُنکی نسل یہان قایم ہو گئی تھی۔ (ٹھکانہ)۔

کرنیل گریگ صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر کے زمانے مین بارہ ٹنکی کے دنگلون کے موقعے پر انھون نے اکثر نامی پہلوانون کو پچھاڑ کر انعام حاصل کیا تھا، جس سے دُور دُور تک پہلوانی مین ان کی شہرت ہو گئی تھی۔ یہ سنسکرت سے بالکل واقف تھے، صرف بھاشا اور اُردو پڑھے تھے، مگر پنڈت کے لقب سے مشہور تھے اور سررشتۂ تعلیم کے محکمے مین ملازم تھے۔ یہ ۳۰ سال ۱۸۹۴ء مین دفعتہً چھت سے گر پڑنے کے باعث سر پھٹ گیا اور پھر کسی طرح جانبر نہ ہو سکے۔ نہایت افسوس ہی کہ جس روز پنڈت جی ایا بیاہ کر کے دُلھن کو گھر لائے، اُسی شب کو قریب صبح یہ جگر خراش اور حیرت انگیز واقعہ پیش آیا، جسے سُن کر ہر شخص کو رنج ہوا۔ تھوڑے ہی دن کے بعد ان کی عورت بھی مر گئی اور اس طرح سارا مکان ویران ہو کر غارت ہو گیا۔ اب خاندان مین کوئی نہیں، صرف مکان کی بیرونی پختہ دیواریں شکستہ حالت مین موجود۔

دوسری فصل ماہرین فن کے بیان مین

طبقۂ اوّل

گیادت دیچھت کوتوال

فن شطرنج کے اوستاد۔ ان کے حالات باب سوم، فصل دوم مین تفصیل کے ساتھ درج کئے گئے ہین۔ یہان صرف نام لکھدیا گیا۔

پنڈت اجودھیا پرشاد

سرورپیہ برہمن، تامڑ ملیہ گوتر، بہت بڑے معزز، افضل نسب، شیو پرشاد عرف شیوبلی کے بیٹے، مشہور شطرنج بار۔ گیادت دیچھت اور مادھو رام مشر کے ساتھ ملازمانہ ہر روز دوپہر سے شام تک شطرنج کھیل کر دل بہلایا کرتے تھے۔ نہ انھین کسی چیز کی فکر تھی نہ کسی بات کا غم۔ یہ معمولی طور پر ضرورت کے موافق کرم کانڈ سے واقف تھے۔

تحقیقات اور چند شاہی کاغذات کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہی کہ پنڈت جی کے والد شیو پرشاد عرف شیونی مہربان کے بیٹے "چودھری ڈیہہ" (ضلع گورکھپور) کے رہنے والے اور پٹی چودھری اول کے "انولیا تواری" کہلاتے تھے۔ بھوانی پرشاد عرف بھوانی کے چیلے اور تبنی اولاد ہونے کی وجہ سے اُن کے مرنے کے بعد اُن کی جملہ جائداد (باغ، مکان اور زمین

وغیرہ) کے مالک ہو کر دریا باد مین آباد ہو گئے تھے جن کے بھائیون رگھنا تھ اور دیودت کی اولاد مین لال پور اور جھونا (ضلع گونڈہ) مین ابتک موجود ہین۔ بھوانی پرشاد عرف بھوانی کے باپ گلمس اور دادا اُجڑاون دریا بار کے قدیم باشندون مین سے تھے۔ اِن کی اُپر دہتی دریا باد کے علاوہ قرب وجوار کے دیہات مین بھی قائم تھی۔ پنڈت اجودھیا پرشاد دریا باد ہی مین پیدا ہوئے تھے۔

پنڈت جی کے ہاتھ کی "ٹنک بھیرون" نامے ایک پوتھی خوشخط اور صاف حرفون مین لکھی ہوئی چھپی محلہ مین منشیون کے یہان دیکھنے مین آئی ہے جس کے آخر مین "کاتک بدی دوادشی، دن بدھ، سمت ۱۸۶۳ بکرمی"۔ تحریر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خوشنویس بھی تھے اور ۱۸۱۶ء کے قبل پیدا ہو کر اچھی طرح لکھنے پڑھنے کے قابل ہو گئے تھے۔

روبکار محکمہ مراقعہ اولی (اہتمام محمد حیات مرقوم بست وہم محرم الحرام ۱۲۶۶ھ ہجری) سے ثابت ہوتا ہے کہ پنڈت جی بہت نیک، ایماندار، اور انصاف پسند بزرگ تھے اور اب سے ۷۵ برس قبل یعنی ۱۸۴۱ء مین زندہ موجود تھے۔ اولاد مین سرجو پرشاد اور تری کرشن۔ سرجو پرشاد کے لڑکے ہومان پرشاد لاولد فوت ہوئے، تری کرشن کے بیٹے پنڈت رام ادھین صاحب اولاد، بھگوا دین، ٹھاکر پرشاد، موہن لال موجود اور آبائی جائیداد پر قابض مذکورہ بالا شاہی کاغذات پنڈت رام ادھین کے یہان موجود ہیں۔ (دیچھتا نہ)۔

جھنکو لال، اشرف علی، طرار خان، شیخ بدھو

جھنکو لال صاحب مشہور ظریف اور نزلہ سنج، اشرف علی صاحب قصہ گوئی مین کامل، طرار خان دستیح بدھو لیزم مگدر، بانک، پٹے، بانے مین لایق ذکر، دیوان روشن لال صاحب کے یہان ٹری ٹری نحواہون پر ملازم تھے۔

شاکر خان و خنجر خان

بلند اور نہایت نفیس تعزیون کے بنانے مین مشہور تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ "اِن کے تعزیے اتنے بلند ہوتے تھے کہ جس طرف نکلتے تھے، درختون کی ڈالیان کاٹ ڈالی جاتی تھین۔ یہ تعزیہ دار تھے، تعزیہ فروش نہین تھے، اس لئے اِن کی عقیدتمندانہ صناعی فنِ مصوری کا قابلِ قدر نمونہ ہوتی تھی۔ یہ لوگ امیر خان صاحب دریا بادی کے خاندان مین سے تھے۔ زمانۂ حیات اب سے سو برس قبل۔

گرپرشاد، رادھے لال دیچھت

کانکبج برہمن، اُپ منج گوتر، ارسل شانت دیچھت دریا بادی، سنسکرت زبان کے اچھے خوشنویس تھے زمانۂ حیات اب سے ایک صدی قبل۔ (دیچھتا نہ)۔

منشی شنکر سہائے صاحب

سی کے بہت بڑے ماہر۔ لکھنؤ مین اس فن کی تعلیم پائی تھی۔ ہر صنف خوشخطی پر قادر تھے مگر [illegible] اصل طور پر شہرت حاصل تھی۔ اِن کے حالات باب سوم، فصل دوم مین درج ہو چکے ہین

فتح خان، دِلاور خان

مشہور چابک سوار، اپنے فن مین اوستاد، نصیر الدین حیدر بادشاہِ اودھ کے مشہور وزیر نواب روشن الدولہ بہادر کی سرکار مین بڑی قدر و منزلت کے ساتھ ملازم تھے۔ (محلہ سواران حال چھیپی ٹولہ)۔

عاشق علی، محبوب علی، لالہ سُندر لال صاحب

عاشق علی و محبوب علی صاحب خط نسخ و طغرا خوب لکھتے تھے، لکھنؤ کے کسی اوستادِ فن کے شاگرد تھے۔ سُندر لال صاحب فارسی دان خوشنویس، خط گلزار و نستعلیق لکھنے مین کامل۔ لکھنؤ مین اس فن کی تعلیم پائی تھی۔ نواب امین الدولہ بہادر کے یہان ملازم تھے، غدر کے زمانے مین لکھنؤ مین فوت ہوئے۔ نواب صاحب امجد علی شاہ بادشاہ اودھ (۱۸۴۲-۴۷ء) کے دربیر تھے۔

لالہ دُرگا پرشاد صاحب

کائیتھ، اعلیٰ مُصوّر، مگر، مذہبی تصویرین بنانے مین خاص طور پر قابلِ تعریف و مشہور۔ تمام عمر لکھنؤ مین رہے اور وہین وفات پائی۔ مہاراجہ بالکرشن اِن کے بڑے قدردان تھے۔ زمانہ حیات اب سے ۷۵ برس قبل۔

پنڈت بھیرون دت

سرداریہ برہمن، مشیر از نسل پنڈت جیونا رائن، پنڈت گوری شنکر کے نامی بیٹے، فن موسیقی کے خاص طور پر ماہر تھے۔ ہندو موسیقی کے متعلق مردنگ، ڈھول وغیرہ اعلیٰ سازون مین پنڈت جی کی ڈھول مشہور تھی۔ جب یہ لکھنؤ جاتے تھے تو، اچھے اچھے طبلہ نواز ڈھولی سُننے کے لئے اِن کے پاس آتے تھے۔ جس طرح لکھنؤ مین سُور نامے چکارا بجانے مین فرد تھا، اُسی طرح پنڈت جی دریا باد مین ڈھول بجانے مین یکتا تھے۔ سُور مین یہ خاص وصف تھا کہ چکارے سے طرح طرح کے سازون کی دلکش آوازین سُنا کر لوگون کو تڑپا دیتا تھا۔ پنڈت جی اپنے کمال سے ڈھول بجا کر ہر قسم کے سازون کی سُریلی صدائین پیدا کر کے سامعینون کو وجد کے عالم مین پہونچا دیتے تھے۔ غالباً پنڈت جی بنارس بھی گئے تھے اور اُن کے اس خاص فن کا وہان بھی شہرہ ہوا تھا۔ چنانچہ راقم الحروف جب ۱۹۰۵ء مین جنڈیہا ٹھاکر جانکی پرشاد سنگھ صاحب تعلقدار رائی مئو کے ہمراہ "مہاجھو پادھیائے" پنڈت شیو کمار شاستری کی خدمت مین

حاضر ہوا تو، دورانِ گفتگو میں اُنھوں نے ٹھاکر صاحب سے دریافت کیا کہ "یہ کون ہیں؟" ٹھاکر صاحب نے فرمایا، کہ "یہ دریا باد کے رہنے والے ہیں اور ہمارے خاص معتبر و معزز کارندے ہیں، ارج بھوکھن لال نام ہے۔" دریا باد کا نام سنتے ہی پنڈت جی حیرت سے فرمانے لگے کہ "وہی دریا باد جہاں پنڈت رامجرن اور پنڈت بھیرون دت رہتے تھے" ٹھاکر صاحب نے عرض کیا کہ "مہراج! آپ اُن کو کیا جانیں؟" پنڈت جی نے مسکرا کر فرمایا کہ "وہ تو ان کو کون نہیں جانتا پنڈت رامجرن سنسکرت کے مشہور پنڈت تھے، پنڈت بھیرون دت ڈھول خوب بجاتے تھے"۔ اتنا سُن کر ٹھاکر صاحب خاموش ہو گئے۔ اس بیان سے دونوں باکمالوں کے کمال کی پوری تائید ہوتی ہے، جو ہمارے لئے باعث فخر ہے۔

سُنا جاتا ہے کہ کپتان سیتلا بخش سنگھ صاحب (۱۲۶۹ھ میں موجود، دریا باد میں تعینات تھے) پنڈت جی کے بڑے قدردان تھے۔ ایک دن ایک بُلبُل درخت پر بیٹھی ہوئی چہک رہی تھی کپتان صاحب پنڈت جی سے مخاطب ہو کر پوچھنے لگے کہ یہ بُلبُل کیا کہتی ہے؟ پنڈت جی نے فوراً ڈھول منگوا کر تال کے ذریعہ اُس کے بول سُنا دیئے کہ وہ نہایت خوش ہو گئے۔

کپتان سیتلا بخش سنگھ صاحب کے تین برکھ پھل (واقعات زندگی کا زائچہ جو ہر سال تیار کیا جاتا ہے) ستمبر ۱۹۱۳-۱۹۱۱ء ایک خط کے جو بزبان دیوناگری تحریر ہے، دیکھنے میں آئے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کپتان صاحب اور پنڈت بھیرون دت کے والد پنڈت گوری شنکر سے گہرے مراسم تھے اور وہ ایسے نجوم دان تھے کہ کپتان صاحب اپنے برکھ پھل اُنھیں سے بنواتے تھے۔ نقل خط حسب ذیل ہے:-

"سوستی شری مہاراج دھراج بالک سیتلا بخش کو گوری شنکر پنڈت کا آشیرباد پہونچے بہت یکی طرح سے، مہابیر رکھتا کرین، باقی ہم آپ کے بھروسے ہیں، سو آپ جانتے ہیں۔ تو بھم"۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گوری شنکر مہاراج بھی قدیم پنڈتوں کی طرح بھاشا زبان سے مانوس نہیں تھے اور جو کچھ وہ لکھتے پڑھتے تھے وہ مجبوراً، توقیہ نہیں۔

پنڈت جی سنسکرت میں صاحب استعداد نہ تھے۔ صرف ضرورت کے موافق جوتش اور کرم کانڈ یعنی نجوم و فقہ سے معمولی طور پر واقف تھے۔

پنڈت جی اپنے خاص فن میں کسی کے شاگرد نہ تھے، بلکہ اپنی فطری ذہانت اور قدرتی دلچسپی کی وجہ سے اعلیٰ مشق بہم پہونچا کر خود اوستاد ہو گئے تھے۔ اِن کے شاگردوں میں سید زین بیرادر کش پرشاد صاحب ماتھر مشہور۔ اول الذکر بہرام گھاٹ میں، ثانی الذکر حیدر آباد میں بقید حیات۔ اولاد میں کنج بہاری اور بانکے لال صاحب اولاد۔ مذکورہ بالا خط اور برکھ پھل پنڈت مہادیو پرشاد (پنڈت بھیرون دت کے پوتے) کے پاس موجود (دیکھنا ہو)۔

شیو دیال مہراج

سرور یہ برہمن، لکھنؤ راکے شوکل، گرگ گوتر، عالی خاندان، بہت بڑے معزز، پنڈت شیو دت وید کے

بیٹے) پتنگ بازی مین مشہور اور دستکاری مین لائق تعریف، خود اپنے ہاتھ سے بھاری بھاری خوبصورت تکلّین ساکر اُڑایا کرتے تھے۔ شروع انگریزی عملداری تک یہ قیدحیات تھے افسوس ہی کہ یہ جاہل محض تھے، ہندی بھی نہین پڑھے تھے۔

چودھری لطف علی صاحب

بانک، پٹے، بانے اور مُرغ باری مین خاص شہرت رکھتے تھے۔ اِن کا ذکر باب چہارم کی پہلی فصل مین درج ہوچکا ہے۔

چودھری منصور علی صاحب

شیخ، از خاندانِ چودھریان دریاباد، چودھری حسینؑ علی صاحب رئیس وتاؤنگو کے فرزند دوم (بڑے بیٹے چودھری عبّاس علی صاحب تھے) بٹیر باری مین فرد تھے۔ لکھنؤ مین ابُوتراب خان صاحب کی ڈیوڑھی پر اِن کے بٹیر لڑنے کے لئے بھیجے جاتے تھے، جن کی بازیان تین تین چار چار سو روپیہ کی لگائی جاتی تھین اور جو کبھی ہارتے نہین تھے۔ زمانہ حیات اب سے نصف صدی قبل۔ (چودھریان)۔

چودھری معشوق علی صاحب

چودھری منصور علی صاحب کے بیٹے، کبوتر بازی مین خاص شہرت رکھتے تھے۔ اِن کے کبوتر چار پہر کامل (بارہ گھنٹے) گرمیون مین اُڑ سکتے تھے اور نہایت بلند پرواز اور سدھے ہوتے تھے، دوسری جگہ بھول کر بھی نہین جاتے تھے، نہ اُڑنے مین بجری وغیرہ کا خوف کھاتے تھے۔ یہ کبوتر بہت خوبصورت اور قیمتی ہوتے تھے۔ چودھری امام علی صاحب بھی کبوتر کے بڑے شوقین تھے۔ لیکن، افسوس سے کہنا پڑتا ہی کہ چودھریون کے خاندان کو تباہ کرنے مین اِس قسم کے شوقون نے بھی (نفاق اور مقدمہ بازی کے علاوہ) زبردست حصّہ لیا تھا۔ کیونکہ یہ شوق حد سے بڑھ گئے تھے اور زمینداری کے کام کاج مین غفلت اختیار کرلی گئی تھی۔ اولاد مین عاشق علی، ساجد علی، مشتاق علی موجود۔ (چودھریان)۔

رادھے کرشن مشر

کانکبُج برہمن، عالی نسب بہت بڑے معزز، ستانڈلیہ گوتر، گوناتھی دھودِہا متیری، از خاندانِ جدّ امشر سیتارام مشر کے بیٹے، زبردست دستکار، بے مثل عقیل، سُناری، لوہاری، نجاری، معماری کے فنون مین اعلیٰ دستگاہ رکھنے کے ساتھ ساتھ اچھے خاصے مصور بھی تھے۔ رائے صاحب کے یہان رائے مہادیو بلی صاحب کے کمرے مین جو چھت گیری لگی ہوئی ہی، اُس مین اِن کی بنائی ہوئی چوبیسون اوتارون کی تصاویر مع نفیس بیل بوٹون کے اب تک موجود ہین، جن کی صناعی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہی۔ نجاری کے متعلق ایک نہایت سُبک اور خوبصورت پالکی، جسکی محرابین منقش تھین، عرصہ تک موجود رہی، دس گیارہ برس ہوئے کہ اُس کے تختے دوسرے کام مین استعمال کئے گئے اور اسطرح

یہ نفیس قابل دید یادگار ہمیشہ کے لئے بنا دی گئی۔ علاوہ اِن سب فنونِ متذکرہ بالا کے مسترجی رنگسازی کے کام مین بھی اوستاد تھے۔ شراب کے سادے ولایتی گلاسون پر طرح طرح کے ایسے موردن اور دلکش نقش ونگار بنا دیتے تھے، جو ہو بہو اصلی معلوم ہوتے تھے۔ سب سے بڑی خوبی اِن مین یہ تھی کہ جو چیز اِن کو دکھا دیجاتی تھی یہ بجنسہ اُس کی نقل کر دیتے تھے۔ جب تک زندہ رہے رائے صاحب کی قدردانی اور آمائی معافی کی بدولت چین کرتے رہے، پچاس برس کے سن مین اب سے نصف صدی قبل بہ مقام اجودھیا جی بیکنٹھ ماش ہوئے۔ اولاد مین پرشادت، ٹھاکر پرشاد چاندانی حالات کے لئے باب ۲ فصل ۱ مین پنڈت بھاگوت پرشاد کا بیان ملاحظہ ہو۔ (دیکھتا نہ)

شیخ جھاؤ

شیخ یار محمد کے بیٹے، بانک، پٹے من شہرت رکھتے تھے، چودھری محلہ سکونت تھی، اب سے نصف صدی قبل زندہ۔ اولاد مین عابد علی موجود۔

اکبر خان و مرتضیٰ خان

سُنی المذہب، خانزادے، غلیل اندازی کے علاوہ فنِ پتنگ بازی و دستکاری مین بھی مشہور و معروف خود اپنے ہاتھ کا بنایا ہوا پتنگ اُڑاتے تھے۔ بازاری پتنگ انھین پسند نہ تھے۔ اِن کے پتنگ دو ہاتھ کے لمبے چوڑے ہوتے تھے جو رنگ برنگ ہونے کے ساتھ ساتھ خوبصورتی اور نفاست میں بھی خاص شہرت رکھتے تھے۔ یہ لوگ ڈھیل کے پیچ پسند کرتے تھے اور اُس وقت لکھنؤ مین اسی کا رواج تھا۔ اکبر خان و مرتضیٰ خان بہادری و سپہ گری مین بھی مشہور تھے۔ ۸۰ یا ۹۰ سال کی عمر مین اب سے تیس چالیس برس بیشتر رحلت کر گئے تھے۔ (خانزادہ)۔

شمس الدین خان

سُنی، خانزادہ، غلیل اندازی کے فن مین اپنے وقت کے اوستاد۔ تخمیناً ۸۰ سال کی عمر مین فوت ہوئے۔ یہ بہادر اور نامی سپاہی بھی تھے، جو اکبر خان و مرتضیٰ خان کے خاص عزیز اور اُنھین کے خاندانی رکن تھے۔ اِن کے رگ شریف النسل ہونے کے علاوہ بہت بڑے شجاع اور بے مثل غلہ باز بھی تھے۔ بعض کے نزدیک یہ لوگ دریاباد کے قدیم باشندون مین سے تھے بعض کہتے ہین کہ اُنھین چودھری فتح علی صاحب نے آباد کیا تھا۔ (خانزادہ)۔

شیو دین

دیش، آلھا گانے مین لاجواب، آلکھنڈ کے عاشق اور بہت بڑے متوقین، مرتے دم تک آلھا گانے سے باز نہ رہے۔ سُنا جاتا ہے کہ جوانی مین جس وقت کڑک کر آلھا گانے میں مشغول ہو جاتے تھے تو سامعینون پر ایک دلیرانہ جوش کا عالم طاری

ہوجاتا تھا۔ آلھا گاتے وقت یہ خود بھی بیخود ہوجاتے تھے لیکن ڈھول کی آواز اور زبان کی روانی مین کوئی فرق نہ آنے پاتا تھا۔ آلھا گانے کے ساتھ ساتھ ڈھول بھی خوب بجاتے تھے اور ہمیشہ اپنے ہی ڈھول پر گاتے تھے سکرکا پور اور بٹھور کے میلے مین اچھے اچھے گانے والے ان سے ہار گئے۔ انھیں کُل آلکھنڈ از سر تھا۔ جوانی مین بڑے خوبصورت اور رعب دار تھے لانبا قد، بڑی بڑی سیاہ آنکھین، موٹے تازے، چوڑے چکلے، ہاتھ پانون سُڈول، گندم رنگ۔ گاڑھے کی دوہری مرزائی، چھمر ودھا جوتا، دُولنگی مارکین کی لمبی دھوتی، تنزیب کی دوپلڑی ٹوپی، گلے مین سیاہ اُدراج کا بڑے دانون والا مالا ہمیشہ پہنا کیے۔ تخمیناً ۹۰ سال کی عمر پائی، ۱۹۰۵ء مین فوت ہوئے۔

پنڈت بشن دت

کانکبج برہمن، از خاندان جدا مشر، مشہور دستکار رادھے کرشن کے بیٹے، چوسر کھیلنے مین فرد تھے۔ پنڈت شنکر دیال کے حقیقی بھائی شیو دیال اوستھی، رامچرن دُہیگا چودھری، لالہ رامچرن لال بھی اس فن مین ہوشیار تھے۔ ان میں بشندت، شیو دیال رامچرن لال اس کھیل کے بہت بڑے شوقین تھے اور ایسے شوقین کہ اکثر کھیلتے وقت کھانا پینا بھول جاتے تھے اور تمام دن اسی شغل مین مصروف رہنے کے باوجود گھبراتے نہین تھے۔ شیو دیال اور رامچرن لال بشندت ہی کے مکان پر چوسر کھیلنے آتے تھے اور یہ سہرے شام تک برابر شست رہتی تھی تا زندگی اس دستور العمل میں کبھی فرق نہیں آیا۔ یہ لوگ بڑے خوش نصیب تھے۔ ان کا زمانہ گرانی کا زمانہ نہ تھا۔ اُس وقت آج کل کی طرح روپیہ کا چار سیر آٹا اور نو دس چھٹانک کا گھی نہ تھا بلکہ ساٹھ ستائیس اٹھائیس سیر گیہون اور دو ڈھائی سیر پختہ گھی بکتا تھا، اسی طرح دیگر چیزین بھی ارزان تھین، بدین وجہ ہر طرح کا اطمینان حاصل تھا، کم آمدنی مین بھی اچھی طرح بسر ہوجاتی تھی۔ ایسی حالت مین اس قسم کے تفریحی مشغلہ سے دلچسپی ہونا ایک قدرتی بات تھی۔

یہ گنجفہ اور شطرنج کے بھی ماہر اور عاشق تھے جس روز شیو دیال نہین آتے تھے تو لالہ رامچرن لال صاحب کے ساتھ گنجفہ یا شطرنج کھیلتے تھے۔ علاوہ اس کے خوبصورت پہلوان بھی تھے۔ اگرچہ قد آور نہ تھے مگر ہاتھ پانون کے زبردست اور موٹے تازے تھے۔ جوانی میں کُشتی خوب لڑاتے تھے، داؤ پیچ سے اچھی طرح واقف تھے اور اس فن مین چودھری لطف علی صاحب کے شاگرد تھے۔ سُنا جاتا ہے کہ "ایک مرتبہ انھون نے ایک مُعلیہ کو جو ان سے دو چند سہ چند زور آور تھا، کسی اکھاڑے مین پچھاڑ دیا تھا" لیکن یہ قوت کثرت عیاشی کے باعث جوانی کے بعد ہی رخصت ہوگئی تھی اور بدن کسی قدر ڈھیلا ہوگیا تھا، تاہم ورزش کا مشغلہ بدستور جاری رہنے سے (کوٹھری سدکر کے روز آٹھ سو بجاس ڈنڈ اور بیس بجیس ہاتھ مگدر ہلا کر سیر ڈیڑھ سیر دودھ استعمال کرتے تھے) ان کی صحت ہمیشہ اچھی رہی، کبھی کوئی زبردست بیماری کی شکایت نہیں ہوئی معمولی بیماریون

لہ یہ دونوں بھائی گاجر جیس کے بھی بڑے شوقین تھے۔ نہایت نیک، ایمانی وضع کے، سدکر ہندو تھے۔ دو لنگی دھوتی، بند دار مرزائی یا انگرکھا، گولے دار پگڑی، چھمر ودھا جوتا پہنتے تھے۔ روزمرہ پوجا پاٹ کر کے سفید چندن کا ٹیکا ماتھے پر لگاتے تھے ۸۰ یا ۹۰ برس کے سن مین اب سے ۲۰ برس قبل زندہ تھے۔ اولاد مین سو رجبلی موجود، آبائی مکان اور دوکان پر قابض، عرصہ سے ردولی میں آباد اور حلوائی پیشہ ذریعۂ معاش ۱۲۔

کے لیئے یہ کسی حکیم یا ڈاکٹر کے محتاج نہ تھے - دو چار مشہور کتابین دیکھ کر وہ بدک (طب) سے کچھ کچھ واقف ہو گئے تھے، جس سے اپنا ذاتی علاج بھی کر لیتے تھے اور اکثر دوسروں کو بھی فایدہ پہونچا جاتے تھے -

مسرجی پنڈت کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے، مگر، دراصل پنڈت نہ تھے، صرف ناگری مین نارمل پاس تھے پہلے سررشتۂ تعلیم کے محکمہ مین ملازم ہوئے اور ۲۶ برس تک محمد نور کھالا (مارہ مکی) کے مدرسہ مین بہ عہدۂ افسر مدرسی مامور رہ کر پچاس برس کے سن مین خود استعفا دیکر اپنے وطن دریاباد چلے آئے اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد رائے صاحب کے یہان ضلعدار ہو گئے اور عمر بھر اسی عہدہ پر بحال رہے - ۸ - فروری ۱۹۰۸ء کو بمقام اجودھیا سکینڈ باتھ ہوا، ۸۲ سال کی عمر نصیب ہوئی - اولاد کوئی نہیں - یادگار مین مکان کا بیرونی دو منزلہ کمرہ موجود - سنا جاتا ہے کہ ان کی پہلوانی کی ڈھول محمد نور فتح پور کے اکھاڑے مین گڑیوں کے دن ابتک بڑی عزت کے ساتھ بجتی ہے - (دیکھتا نہ) -

مولوی عبدالکریم صاحب

شیخ، از نسل حضرت مخدوم آبکش دریابادی، فخر وطن حکیم مولانا محمد نور کریم صاحب کے بڑے بیٹے، فن پتنگ بازی اور خوشنویسی مین بہت مشہور و معروف - ان کے حالات باب ۳، فصل ۲ مین بیان ہو چکے ہیں، یہان صرف نام لکھدینا ضروری و مناسب معلوم ہوا -

حافظ مصطفیٰ کریم صاحب

شیخ، از نسل حضرت مخدوم آبکش دریابادی، حافظ مرتضیٰ کریم صاحب کے بڑے بیٹے، خوشنویسی میں فرد، تعلیق کے فن مین کامل، پتنگ بنانے مین قابل تعریف - حالات باب ۳، فصل ۲ میں ملاحظہ ہون -

حاجی عبداللطیف صاحب

از خاندان حضرت مخدوم آبکش دریابادی، مولوی حکیم نور کریم صاحب کے فرزند دوم، پتنگ بازی کے فن مین بہت بڑے قابل - مشرح حالات باب سوم کی دوسری فصل مین درج ہو چکے ہین - یہان صرف نام لکھدینا ضروری خیال کیا گیا -

مٹھو پانڈے

قنوجیا برہمن، پانڈے، کبوتر بازی مین مشہور - ان کے یہان بہت اعلیٰ اعلیٰ کبوتر پلے ہوئے تھے - یہ خوبصورت اور بیش قیمت کبوتر دلکش قلابازیون کے ساتھ ساتھ بلند پرواز ہوتے، پانچ پانچ چھ چھ گھنٹے تک نگاہ سے غائب رہتے اور پھر آواز کے ساتھ ہی آسمان سے نیچے اتر کر چھتری پر بیٹھ جاتے تھے - پرواز کے وقت بحری سے مقابلہ ہو جانے پر اپنی ہوشیاری و دمبازی سے صحیح و سلامت واپس آجاتے تھے - مٹھو پانڈے لاولد تھے، اب سے بارہ برس قبل تخمیناً ۷۵ سال

کی عمر مین فوت ہوئے۔ مکان پختہ موجود۔ (ٹھکانہ)۔

لالہ رامچرن لال صاحب

لالہ بیجو لال صاحب کے بیٹے، اعلیٰ مُصوّر، اچھے خوشنویس، کارِ امانت مین فرد، چوسر اور شطرنج و گنجفہ کھیلنے مین مشّاق۔ ولادت ۱۸۴۶ء، وفات ۱۸۹۶ء۔

یہ علمی قابلیت نہین رکھتے تھے، مگر حسب ضرورت فارسی زبان سے آشنا تھے۔ انھون نے اپنی بڑی بہن کے یہان لکھنؤ مین تعلیم پائی اور محکمۂ بندوبست مین ملازمت کر کے منصرمی کا عہدہ حاصل کیا۔ بعد اُس کے اپنے وطن دریاباد آکر رائیصاحب بہادر کے یہان بہ عہدۂ صلعداری نوکری اختیار کی اور پھر تمام عمر رائیصاحب کی قدردانی سے کسی دوسری جگہ جانے کا قصد نہیں کیا۔

اِن کے ہاتھ کی بنی ہُوئی تصویریں اور وصلیان راقم نے خود دیکھی ہین جو زمانہ ٹھاکر جالکی پرشاد سنگھ صاحب مرحوم (تعلقدار رانی مٹو) کے یہان دَوران مقدمہ مین کاغذات کی جانچ کے وقت برآمد ہوئی تھین، جن کے زیرین حصہ مین "رامچرن لال دریابادی" لکھا ہوا تھا۔ ساتھ ہی اس کے ایک نقشہ بھی جو رانی مٹو و بلکھرہ کی تُنازعہ آرامنی کی بابت فریقین کی باہمی رضامندی سے تیار کرایا گیا تھا، دیکھنے مین آیا، جس مین تحریر تھا "رامچرن لال امین ملازم رائیصاحب بہادر"۔ معلوم ہوتا ہے کہ لالہ رامچرن لال صاحب کسی وقت تنازعہ آراضی کی پیمایش کے لئے بلائے گئے ہونگے، کئی روز وہان قیام رہا ہوگا، اسی سلسلہ میں انھین اپنی فطری دانائی و دلچسپ صناعیون کے اظہار کا موقع ہاتھ آیا ہوگا، جو وصلیون اور تصاویر کی شکل مین پیش کی گئی ہونگی۔ تصاویر رنگین، نہایت خوبصورت اور وصلیان خط گلزار و نستعلیق دونون خطون میں تحریر تھین، جو باعتبارِ فن نہایت اعلیٰ نمونہ تھین۔

قیاساً معلوم ہوتا ہے کہ فنونِ مذکورۂ بالا انھون نے لکھنؤ مین مشہور اوستادون سے حاصل کئے ہونگے۔ گانجہ کے زیادہ شوقین ہونے کے باعث یہ تمام زندگی دم کے عارضہ مین مبتلا ہو کر پریشان رہے۔ پنڈت مشندت ان کے گہرے دوست تھے، جن کے ساتھ روزمرّہ چوسر و شطرنج اور گنجفہ کھیلا کرتے تھے۔ صبح کے وقت دس گیارہ بجے تک زیادہ تر ان کی نشست چھدامی سراؤگی کی دوکان پر اور کبھی کبھی ہیگا جو دھری کے مکان پر رہتی تھی، جہان اکثر گانجہ کی دم بازی کا دُھوان دھار مشغلہ رہتا تھا۔

امین صاحب نیک، ملنسار، دُبلے پتلے، لمبے قد، سانولے رنگ کے سیدھے سادے بزرگ تھے، بُڑھاپے وضع تھی، پچاس سال کی عمر مین وفات پائی۔ اولاد مین چندربلی صاحب اولاد بہ قید حیات، دفترِ نہرِ گنگ کانپور مین ملازم، آبائی مکان ویران و ناقابل ذکر۔ (دیچھتانی ٹولہ)۔

لالہ رَجّن لال صاحب

سکسینہ کائستھ، چھتری وزن، پتنگ بازی مین مشہور ہونے کے علاوہ بتکمہ، بنانے اور جلد سازی مین بھی

شہرت رکھتے تھے۔ علم سے بے بہرہ تھے، اس لئے آخری دونوں فن ذریعۂ معاش تھے۔

ان کے بزرگ منشی برہمن سکھ صاحب لکھنؤ کے رہنے والے دریاباد کی نظامت میں بخشی گری کے عہدہ پر مامور تھے۔ فارسی میں اچھی قابلیت رکھتے تھے، سنسکرت دان بھی تھے۔ اپنے دین دھرم کے پکے پابند تھے، اپنے گرو پنڈت دیبی دت کو بہت مانتے تھے اور دل سے ان کے بہی خواہ تھے چنانچہ انھیں کی کوشش سے دربار شاہی سے پچاس روپیہ سالانہ بطور نانکار بنڈت جی کو تاحیات برابر ملا کیا۔ بخشی جی صاحب ملازمت کے سلسلے میں (بعہد محمد علی شاہ) دریاباد آکر آباد ہو گئے تھے اور اسے اپنا اصلی وطن قرار دیا تھا۔ یہ اس مکان میں رہتے تھے جو محلہ قضیانہ میں مسجد کے متصل سیتارام ساہ کے دیوہرہ کے متعلق کھدنے سے بچ گیا تھا اور جو آخر میں انھیں کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔ بخشی جی کے بعد ان کی نسل میں لالہ بجولال صاحب سکنڈ ماسٹر ہائی اسکول بارہ بنکی نے دریاباد چھوڑ کر کسی دوسری جگہ سکونت اختیار کی اور مکان فروخت کر ڈالا، جو کھدکر بہت ملبہ بے نام و نشان ہو گیا۔ غالباً اب سے ۲۰ برس قبل لالہ بجولال و لالہ رحمن لال صاحب معہ عیال و اطفال تارک الوطن ہو گئے تھے۔ (ضیاء حال مخدوم زادگان)۔

مولوی ناظم علی صاحب

مشہور شطرنج باز۔ ان کے حالات باب دوم، فصل سیوم میں بیان ہو چکے ہیں۔ یہاں پر صرف نام لکھدینا ضروری و مناسب معلوم ہوا۔

مولوی ثابت علی صاحب

بیشاپوری سید، حکیم باقر علی صاحب کے فرزند دوم (بڑے بیٹے مولوی عالم علی صاحب تھے) پیمائش کے کام میں نہایت ہوشیار، مشہور، مدار، ولادت ۱۸۵۵ء، وفات جنوری ۱۹۲۱ء۔

پہلے اضلاع گونڈہ و بہرائچ میں امین مقرر ہو کر مدت تک کار متعلقہ ایمانداری کے ساتھ انجام دیتے ہوئے۔ سرکاری اسناد حاصل کئے۔ بعد اس کے ملازمت سے گھبرا کر استعفا دیدیا اور اپنے وطن آکر کار امانت و کتب فروشی کو عموماً اور جلد سازی کو خصوصاً ذریعۂ معاش ٹھہرایا۔ تا زندگی کسی کی نوکری نہیں کی، ہمیشہ آزاد رہے۔

مولوی صاحب نیک، ملنسار، خلیق، زندہ دل خوش تقریر، ظریف الطبع، وسعدار، مذہب کے پابند تھے۔ دوران تقریر میں ظرافت کی یہ حالت تھی کہ اکثر ایسی باتوں سے رنجیدہ کو خوش اور روتے کو ہنسا دیتے تھے جس ریاست میں باتیں بات چیت سے ہر اعلیٰ و ادنیٰ کو مطیع کر لیتے تھے۔ مزاج میں صفائی بہت تھی۔ شعر و سخن سے بھی دلچسپی رکھتے تھے، سیکڑوں اشعار حفظ تھے، دوران گفتگو میں زبان پر جستہ نکل جایا کرتے تھے۔ ناسخ، آتش، صبا، ذوق، غالب، امیر، داغ، میر حسن، نسیم، دبیر، انیس، کے علاوہ امانت، جرأت، چنان، جان صاحب، سودا، انشا کے اشعار بھی بہت یاد تھے۔ ایسے وطنی بزرگوں کے حالات سے بھی اچھی طرح واقفیت حاصل تھی۔

طبیعت امیرانہ تھی، عمدہ عطر، تیل، خوشبودار تمباکو، خوردنی کے بڑے شوقین تھے۔ عطر، تیل اصغر علی محمد علی (لکھنؤ) کے کارخانہ کا اور تمباکو دلدار حسین احمد حسین لکھنوی کی دوکان کا پسند تھا۔

اِن کی افطاری (بھینی روٹی اور چٹپٹی مزیدار چٹنی) متہم رہتی، اور رمضان شریف کے ایام مین حسب معمول مقرّرہ دنون کی پابندی کے ساتھ شام کے وقت مسجدون مین روزہ دارون کی خدمت مین پیش کی جاتی تھی، جسے لوگ نہایت شوق سے قبول کرتے تھے۔

ٹھاکر جانکی پرشاد سنگھ صاحب مرحوم (تعلقدار رانی مئو) مولوی صاحب کے بہت بڑے قدردان تھے، ریاست کیساڑور دھسانواں مین بھی اِن کی دھوم تھی۔ اِن ریاستون مین دفتر کے رجسٹرون، نیز پوتھیون، کتابون کے متعلق جلد سازی کا کام انھین کے سپرد تھا۔ ۶۵ سال کی عمر مین وفات پائی۔ اولاد مین واحد علی بقید حیات، جلد سازی مین ہوشیار۔ (محرران)

مچھلی خان

پٹھان، چوری کے فن مین بے مثل اوستاد اور اعلیٰ مشاق، ساتھ ہی اِس کے بہت بڑے شجاع اور جوان مرد سپاہی، بانک، پٹے، مانے وغیرہ کے فنون سے بھی اچھی طرح واقف، لیکن طرزِ عمل قابلِ تعریف۔ چوری کا فن شوقیہ سیکھا تھا، عملی طور پر سخت احتراز رہا۔ نہ کبھی چوری کی نہ چورون کا ساتھ دیا، اور نہ کسی کو اِس خاص فن سے آگاہ کیا۔ قرب وجوار کے چور اور بدمعاش اِن کے نام سے خوف کھاتے تھے۔ جب تک زندہ رہے، دریاباد مین چوری نہین ہونے پائی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ:۔ "ایک دن خانصاحب کے سامنے بسبیل تذکرہ چکلہ دار صاحب کے منہ سے نکل گیا کہ، "بادشاہی محلات مین ایسا سر دست بندوبست رہتا ہے کہ وہان پرندہ پر نہیں مار سکتا، آدمی کی کیا تاب و طاقت ہے کہ چوری کر سکے"۔ اِن الفاظ نے خان صاحب کو اپنا کمال دکھانے پر آمادہ کر دیا۔ دو چار روز کے بعد لکھنؤ پہونچے اور کسی ترکیب سے شاہی محل کے اندر داخل ہو کر چھت مین تین دن تک بے دانہ و آب چھپکلی کی طرح چپکے رہے۔ جب چوری کا موقع ملا تو چند قیمتی اور نایاب چیزین لیکر لکھنؤ ہی مین کہین روپوش ہو گئے۔ اس حیرت انگیز واقعہ کی سارے شاہی حکم صادر ہوا کہ جو شخص چور کا پتہ لگائے گا اُسے بیشمار انعام دیا جائے گا۔ یہ خبر سنتے ہی خان صاحب بے دور بے دھڑک حاضر دربار ہو کر دست بستہ چوری کا اقرار کر کے کل چیزین پیش کر دین اور ساتھ ہی اس کے چکلہ دار صاحب کے الفاظ بھی دُہرا دیئے۔ یہ بھی عرض کیا کہ غلام نہ چور ہے نہ چور کا ساتھی، جو کچھ خطا ہوئی وہ محض فن دکھلانے کی غرض سے۔ جوہر شناس اور قدردان بادشاہ نے خان صاحب کی نیک نیتی اور راستگوئی پر خوش ہو کے انعام و اکرام سے سرفراز فرمایا۔

مچھلی خان کے نام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خان صاحب مچھلی کے بیحد شوقین رہے ہونگے جسکی وجہ سے دوستون نے مذاق مین مچھلی خان کہنا شروع کیا ہوگا، رفتہ رفتہ اصلی نام کے بجائے یہی نام مشہور ہو گیا ہوگا، جو اس وقت تک لوگون کی زبان پر جاری۔ اولاد مین پتہ نہ موجود۔ اِن کے حالات مدیر وصول ہوتے ہوئے ترتیب درج ہوئے۔ (جھینی ٹولہ)۔

طبقہ دوم

رمضانی حجام، جرّاح و مصوّر **فقیر بخش** دستکاری و جرّاح **بھو** سوجراحی کے علاوہ بانک، پٹے، بانے مین ہوشیار **ابراہیم** جرّاح **خدا بخش** دستکار۔ اِن سب کا مفصل ذکر باب ۵ فصل ۴ مین درج کیا گیا ہے۔

خدا بخش۔ ورزش کے فن سے خوب ماہر مشہور ہے کہ یہ شخص ایک رومال کے ذریعہ سے بڑے بڑے سپاہیوں کو بھگا دیتا تھا۔ رومال مین ایک معمولی کوئی وزنی گول چیز باندھ کر رگون کی شناخت پر (اس فن مین خاص ملکہ تھا کہ فلان فلان رگ پر خفیف سے خفیف صدمہ پہونچنے سے بھی سخت تکلیف ہوتی ہے) بیتسرے کے ہاتھ سے اسطرح مارتا تھا کہ لوگ بے قرار ہو جاتے تھے اور پھر اُنھین مقابلہ کرنے کی جرات نہ ہوتی تھی۔ زمانۂ حیات اب سے نصف صدی قبل (چھیپی ٹولہ)

مولا بخش۔ بانک، پٹے، بانے مین اپنے وقت کا اوستاد۔ ۴۵ برس کا زمانہ ہوا کہ تخمیناً ۷۵ برس کی عمر مین فوت ہوا۔ اولاد مین جنگو خان، علی بخش، رمضان خان۔ ماطم علی ہر ایک اس فن مین ہوشیار۔ علی بخش، شاگرد ظہور خان لکھنوی اب تک زندہ۔ (مخدوم زادگان)۔

جنگو خان، عرف مجّل، مولا بخش کا بڑا بیٹا، بانک، پٹے، بانے وغیرہ کے فن مین شیخ چاند لکھنوی کا شاگرد رشید، نواب محسن الدولہ بہادر (لکھنؤ) کے یہان ملازم ۱۹۱۷ء مین فوت ہوا۔ (مخدوم زادگان)۔

محمد ضامن۔ قدِ آدم کُل بنانے اور اُڑانے مین مشہور۔ قریباً اسّی بچاسی سال کے سن مین ۱۹۰۰ء مین فوت ہوا۔

رامجیاون۔ باری، فن شناوری مین کامل۔ تالابون مین ملچھی مار کر گڑگڑی یا فرشی پیتے ہوئے تیرتا تھا۔ پرانی وضع کا بڑا پابند تھا۔ حتی المقدور جوڑی گوٹ والا انگرکھا، لمبی دولنگی دھوتی، چوگوشیہ ٹوپی کے سوا دوسرے قسم کا کپڑا بہت کم پہنتا تھا۔ لانبا قد، فربہ جسم، لمبی مڑی ہوئی گھنی نوکدار مونچھین، گھونگھر والے بال، سانولا رنگ، خوبصورت پُر رعب چہرہ۔ رامجیاون اب سے پندرہ برس قبل زندہ، تخمیناً ۷۵ سال کی عمر (ٹھکانہ)۔

کریم۔ موچی، اکبر خان و مرتضیٰ خان کا ہم عصر اور اُنھیں کے برابر پتنگ باری مین مشہور۔ یہ بھی انواع و اقسام کے رنگین اور خوبصورت پتنگ خود تیار کر کے اُڑاتا تھا۔ اب سے تیس چالیس سال قبل زندہ۔ (کفش دوزان حال ٹیڑھی بازار)

پتّو۔ مسلمان بھاٹ، اپنے وقت کا مشہور پتنگ باز۔ اسے پتنگ بازی کے فن مین وہ کمال حاصل تھا کہ اس کے حریف کبھی اس سے بازی نہ لیجا سکے۔ غالباً اب سے پندرہ بیس برس قبل زندہ تھا۔ (ٹھکانہ)۔

طبقہ سوم خاص موسیقی دانون کے بیان مین

جمن خان نامی ستار بار، دیوان روشن لال صاحب کے یہاں ملازم تھے، پہلے کچھ دنوں مہاراجہ جھاؤ لال صاحب (ورپر جنگ، افواج تاہی کے جنرل، بہ عہد نواب آصف الدولہ بہادر) کے یہاں نوکر رہے (چھیپی ٹولہ)۔

محمد بخش سنی المذہب، نامی گرامی قوال، شیخ اشرف علی کے بیٹے، مولوی امیر علی صاحب کے خاص مریدوں میں سے تھے۔ جوانی کے زمانے میں منشی رام دیال صاحب چکلہ دار کی ملازمت حاصل کر کے نمایاں شہرت پیدا کی تھی۔ منشی صاحب کے نزدیک محمد بخش محض قوال ہی نہ تھے، بلکہ ایک صوفی بزرگ بھی تھے، اس لئے وہ ان کی غیر معمولی عزت کرتے تھے۔ محمد بخش عمدہ گانے کے علاوہ شرع کے اس درجہ پابند تھے کہ نماز پنجگانہ کے سوا تہجد بھی کبھی قضا نہیں ہوئی۔ باوجود صفاتِ مذکورہ مالا بھاؤ بھی تھے۔ چنانچہ تہجد کی نماز پڑھ کر وہ اپنے اسلحے صاف کرتے تھے، اور سلام میں پیشقدمی اُن کا فرض تھا۔ اُسی زمانے میں ایک بانکے "میر صاحب" کے نام سے شاہی لشکر میں مشہور تھے، جو محمد بخش سے برسرِ مقابلہ ہوئے، لیکن، تھوڑے ہی دیر میں بھاگ کھڑے ہوئے۔ منشی رام دیال صاحب کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی پر انھوں نے میر صاحب کو لشکر سے نکلوا دیا اور محمد بخش کا سپہ گری کے فن میں بھی شہرہ ہو گیا۔ منشی صاحب کی وفات کے بعد محمد بخش نے پھر نہ کسی کو گانا سنایا نہ کسی کی ملازمت کی۔ مگر، چونکہ بزرگانِ دین سے خاص عقیدت تھی اس بنا پر اعراس میں شریک ہونا ان کا فرض تھا۔ بعدِ نماز تہجد صاحب مزار کی خدمت میں مجرے کی نماز تک دف کے اوپر گایا کرتے تھے، اصول سے قطعی نفرت تھی۔ تاحیات اسی اصول کے پابند رہے۔ ان کے اول بزرگ منصور علی قوال خاص حضرتِ مخدوم آبگیر دریابادی، شاہ صاحب ممدوح کے ہمراہ دریاباد آگرہ آباد ہوئے تھے، اُن کے بیٹے **ہاشم علی** بھی آنحضرت کے خاص قوال تھے۔ میر ہاشم کے بیٹے **میر صوفی** نامی قوال، فارسی میں ذی استعداد، اکثر بڑے بڑے شہروں عظیم آباد، پھلواری شریف، بنارس، گیا، بریلی، بہار، پانی پت، اجمیر شریف، دہلی، پیران کلیر شریف کے مجلس صوفیائے کرام میں نامی قوالوں کے سامنے داد دیا کی تھی۔ میر صوفی کی نسل میں **میر عالم** بھی مشہور قوال تھے۔ **محی الدین** قوال بھی تھے اور صوفی بھی، ذی علم بھی تھے۔ دور دور تک اُن کے شاگرد تھے۔ اب سے ۸۰ برس قبل فوت ہوئے۔ اُن کا مزار جودھری کی بیٹی میں ہے، جہاں ہر سال عرس ہوتا ہے۔ **میر غوث علی**، غیر معمولی قوال، فارسی کے اچھے ماہر تھے۔ محمد بخش تخمیناً ۶۹ سال کی عمر میں اب سے تیس تیس برس قبل فوت ہوئے تھے۔ آج کل ان کے بیٹے غفور بخش، شکور بخش، رسول بخش موجود اور آبائی فن سے واقف (محرران)

بینی پرشاد عرف بینی، کتھک، موسیقی کے اوستاد، خوش گلو مغنی ہونے کے علاوہ فنِ رقص میں بھی کامل، واجد علی شاہ کے زمانے میں برجیس قدر بہادر کی ماں بیگم صاحبہ کے خاص مجرئی، شاہی کلاونتوں میں شامل بیان کیا جاتا ہے کہ بیگم صاحبہ بینی کے گانے، ناچنے سے بہت خوش تھیں۔ معقول تنخواہ کے ساتھ ساتھ روزمرہ انعام و اکرام سے بھی سرفراز فرماتی تھی۔ دریاباد ضلع شکست ہو جانے کے بعد یہ جگھولی (پرگنہ رودولی) میں آباد ہو گئے

ؔ چونکہ فارسی موسیقی میں قوالی ایک راگ کا نام ہے اور مولف غیاث نے قوال کے معنی معنی یا کلاوت تحریر کئے ہیں اس لئے محمد بخش کا نام مغنیوں کے زمرہ میں درج ہونا غیر مناسب نہیں ۱۲۔

تھے[1] ان کے بیٹے رام لوٹن مہاراجہ سر پرتاب نارائن سنگھ بہادر اودھ ریس کے مندر (واقع اجودھیا) مین اس وقت تک ملازم۔ (معلن ٹولہ)۔

سرجو دین عرف سرجو کتھک، بینی پرشاد کتھک کے خاص عزیز، اعلیٰ طبلہ نواز، نغمہ سرائی کے اصول سے بھی واقف۔ یہ بھی بینی کے ہمراہ بیگم صاحبہ کے یہان ملازم تھے۔ بارہ بنکی ضلع قائم ہوتے ہی انھون نے بھی اپنا آبائی وطن دریاباد چھوڑ کر پورہ کتھک (علاقہ رودولی) مین سکونت اختیار کرلی تھی۔ (منلس ٹولہ)۔

سالک رام عرف سالک، سرجو کتھک کے حقیقی بھائی، اچھے گانے والون میں تھے۔ ریاست شاہ پور (گونڈہ) مین نوکر تھے۔ ٹھاکر مہتبے بخش سنگھ صاحب اور اُن کے بیٹے ٹھاکر ناگیسر بخش سنگھ صاحب کی قدردانی سے بافراغت زندگی بسر کرکے ۱۹۱۹ء مین وہین فوت ہوئے۔ (منلان)۔

ہنومان پرشاد عرف ہنومان، کتھک، فن موسیقی مین لکھنؤ تک مشہور۔ مشیر الدولہ مؤید الملک مہاراج دھراج جسارت جنگ مہاراجہ بالکرشن بہادر (دیوان سلطنت اودھ) کی سرکار مین بھاری تنخواہ پر نوکر تھے۔ مہاراج کو صبح و شام مذہبی پد سنایا کرتے تھے۔ تنخواہ کے علاوہ، دسہرہ، ہولی، یا دیگر تقریبون کے موقع پر انھین انعام و اکرام بھی بہت ملتا تھا۔ لیکن جنم اشٹمی کے جشن مین چھ دن تک گانے کے عیوض پانچ سو روپیہ نقد اور ایک بیش قیمت دوشالہ معہ پانچ کپڑون کے ہر سال مرحمت ہوتا تھا۔ سنا گیا ہے کہ یہ پہلے مہاراجہ بیوہ رام بہادر (نواب افتخار الدولہ افضل الملک صلابت جنگ وزیر مال سلطنت اودھ) کے یہان نوکر تھے، وہ ان کی بہت بڑی قدر کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حسب معمول صبح کے وقت بھیرون راگ گا رہے تھے کہ مہاراجہ بہادر نے "بہاگ" کی فرمایش کردی جو رات کو ۱ بجے کے وقت گایا جاتا ہے۔ چونکہ ممدوح کا یہ ارشاد اصول موسیقی کے خلاف تھا، اس لئے ہنومان نے عذر کیا، جب ممدوح اپنی فرمایش پر بضد ہوئے تو ناچار انھون نے اُس وقت اُن کی خاطر سے تعمیل حکم کردی لیکن، دوسرے دن دربار نہین گئے اور طلبی ہونے پر چوبدار سے صاف صاف کہدیا کہ اب ہم مہاراجہ صاحب کی ملازمت نہ کرینگے، کیونکہ وہ فن کی توہین اور بیقدری کرتے ہین (منلان)

گنگا دین عرف گنگا **منوہر لال** عرف منوہر گانے ناچنے مین **ہیرا لال** عرف ہیرا کتھک سارنگی نواز۔

نواب علی و تاج محمد طبلہ نواز دور دور تک خاص شہرت رکھتے تھے۔ یہ لوگ اب سے سوا سو برس قبل یعنی نواب آصف الدولہ بہادر کے زمانے مین موجود تھے۔

شریدھر مشہور بین نواز تھے **مرلی** مردنگ خوب بجاتے تھے۔ اب سے سو برس قبل موجود۔ **دیبی**۔ زرگر بانسری بجانے مین قابل تعریف تھے۔ زمانہ حیات اب سے ۷۵ برس قبل۔

شرعی۔ موسیقی دانی کے ساتھ ساتھ سارنگی بجانے مین اوستاد حسین بخش لکھنوی کے شاگرد، شروع انگریزی عملداری مین فوت ہوئے۔ تخمیناً ۸۰ سال کی عمر پائی۔ سنا جاتا ہے کہ شرعی کو آخر عمر مین کچھ جنون ہوگیا تھا۔ جس کی وجہ سے

---

[1] و [2] رانی مئو کے مشہور کتھک بجرنگ بیان کرتے ہین کہ ہمنے یہ حالات سرجو کے بھائی سالک کی زبانی سنے ہین جبکہ ہم شاہ پور مین ملازم تھے ۱۲۔

انھون نے بہت سے کنوئین پاٹ کر بے نام و نشان کر دیئے تھے۔ (ٹیڑھی بازار)۔

مخدوم بخش۔ اعلیٰ موسیقی دان اور سارنگی نواز، لکھنؤ کے مشہور اوستاد حسین بخش کے شاگرد رشید۔ رانی مئو کے مشہور اوستادِ فن بحر نگ کتھک بیان کرتے ہین کہ "مخدوم بخش کو موسیقی اور قانون سارنگی دونوں کے معلومات مین کافی دخل تھا"۔ مخدوم بخش جوہر شناس اور جوہر کے قدردان بھی تھے۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب دیبی دین بحار نے ایک سارنگی چھ مہینے مین تیار کر کے دوستانہ طور پر ان کو دی تو، انھون نے نہایت عجز و انکسار کے ساتھ مبلغ تیس روپیہ انعام کے طریق پر اُس کے حوالہ کئے"۔ مخدوم بخش اب سے ۳۰ برس قبل تخمیناً ۷۰ یا ۷۵ برس کی عمر مین فوت ہوئے۔ (ٹیڑھی بازار)۔

حسینی۔ باری۔ گانے مین مشہور و معروف۔ اس نے فطری قابلیت کے زور سے موسیقی مین وہ کمال پیدا کیا تھا کہ لکھنؤ کے مشہور اور نامی گرامی اوستاد (ملقب بہ جگت اوستاد) نندادین کتھک کو یہ اپنی خوش الحانی اور گلے بازی سے مست کر دیتا تھا۔ مشہور ہے کہ "جب حسینی لکھنؤ جاتا تھا تو نندادین کی خدمت مین ضرور حاضر ہوتا تھا اور اُنھین بغیر اس کا گانا سُنے چین نہ آتا تھا"۔ حسینی کسی کا شاگرد نہ تھا، اس لئے اس کا یہ فن باقاعدہ نہین کہا جا سکتا۔ لیکن، یہ ماننا پڑتا ہے کہ اگر یہ کچھ دن کسی کامل فن کی خدمت مین حاضر ہو کر مشق مہم پہونچاتا تو یقیناً موسیقی دانون مین اس کا شمار ہو جاتا۔ حسینی رائیصاحب کے یہان شیوراج بلی صاحب کے زمانے مین خدمت گاردن مین ملازم تھا اور وہ اس پر خاص مہربان تھے۔ تخمیناً ۵۰ برس کی عمر مین اب سے ۲۵ برس قبل فوت ہوا۔ (ٹھیکانہ)۔

گوپالی۔ کورمی، چکارا بجانے مین لائق تعریف۔ تخمیناً ۵۰ برس کے سن مین اب سے چھ سات برس قبل فوت ہوا۔ یہ بڑا نیک اور خوش مزاج تھا۔ (دیچھتانہ، کورمن ٹولہ)۔

رام کلی و خورشید جان۔ فن موسیقی کی اعلیٰ ماہرہ، اب سے سوا سو برس قبل یعنی نواب اصف الدولہ بہادر کے زمانے مین ان کے گانے ناچنے کی دھوم تھی۔

مہتاب جان، علم موسیقی کی اوستاد۔ گانا، ناچنا، بھاؤ بتانا تینون فنون سے اچھی طرح آگاہ تھی، ساتھ ہی اس کے حسین و تمیز دار بھی تھی۔ کٹرہ درباری لال مین رہتی تھی۔ اچھے اچھے شریف زادے اور رئوسین اس کے کمرے پر گانا سننے کی غرض سے جاتے تھے۔ اب سے سو برس قبل زندہ۔

سرستی، رام جنی طوائف، نہایت حسین اور بے مثل گانی والی تھی۔ نواب مرشد آباد کے یہان ملازم تھی اور وہین فوت ہوئی۔ اب سے تخمیناً ڈیڑھ سو برس قبل زندہ تھی۔

ہیرا جان، رقص کے فن مین قابل ہونے کے علاوہ خوبصورتی اور پہلوانی مین بھی خصوصیت کے ساتھ شہرت رکھتی تھی۔ دو دو پیچ سے خوب واقف تھی، ملانا خدا روزمرہ در رس کر کے مگدر ہلاتی تھی۔ تمام عمر لکھنؤ مین رہی اور وہین جان سے گذر گئی۔ زمانہ حیات اب سے تخمیناً سوا سو برس قبل۔

نجّی، اصل نام نجیبن جان، خاندانی طوائف، شرعی کی بیٹی اور فن موسیقی مین اُنھین کی شاگرد، ٹپہ گانے مین فرد تھی، گلا بہت اچھا تھا۔ (ٹیڑھی بازار)۔

وزیر جان، نجا طوائف کی بیٹی، لکھنؤ کے نامی اوستاد چھوٹے مُنّے کی شاگرد، موسیقی کی مشہور ماہرہ چوک (لکھنؤ) مین اکبری دروازہ کے متصل رہتی تھی۔ اس کا گانا عام پسند نہ تھا، لکھنؤ مین خاص خاص لوگ اس کے قدردان تھے۔ ریاست رانی مئو مین ہر تقریب کے موقع پر جدّن جان (لکھنؤ کی نامی گرامی طوائف، جس کا گانا، ناچنا، بھاؤ بتانا۔ ہر ایک فن بے مثل تھا) کے مقابل مین وزیر جان بھی اپنا کمال دکھاتی تھی۔ یہ گانے کے علاوہ ہارمونیم بھی خوب بجاتی تھی۔ آغازِ شباب مین خوبصورت بھی تھی، لیکن، وسطِ جوانی مین فالج کے گرنے سے مُنھ کسی قدر ٹیڑھا ہو گیا تھا، جو بادیہ النظر مین بُرا نہین معلوم ہوتا تھا۔ وزیر جان خوش مزاج، اپنے وطن دریاباد کی سچی خواہ، وطن والوں کی فرمانبردار اور حاضر و غائب اُن کی مدّاح، خوش تقریر اور خلیق و حاضر جواب تھی۔ اسکی طبیعت شریفانہ اور قناعت پسند واقع ہوئی تھی۔ دیگر طوائفون کی طرح نوچ کھسوٹ، جھجھوراپن، مکر و دغا، بے مروتی وغیرہ بُری عادتون سے اس کو قطعی احتراز تھا۔ یہ ناخواندہ محض تھی۔ لیکن، اُردو سب بولتی تھی، زبان فصیح اور شستہ، تلفظ درست۔ ۱۹۱۸ء مین فوت ہوئی۔ اس کے حقیقی بھائی حشمت علی، آغا علی، خورشید علی اب تک موجود اور ہر ایک اپنے فن مین مشہور۔ (ٹیڑھی بازار)۔

جادی جان۔ اپنے وقت کی مشہور گانے والی اور حسین خاندانی طوائف، مخدوم بخش دریاباد کی شاگرد۔ بعض کہتے ہین کہ اسے شرعی نے موسیقی کی تعلیم دی تھی۔ ۷۵ برس کی ہو کر ۱۹۱۲ء مین فوت ہوئی۔ اولاد مین امیر جان عرف اچھن بائی اور منیر الزمان موجود، لکھنؤ مین سکونت، آبائی مکان شکستہ اور ویران۔ (متصل گویاں مندر)۔

ملکہ جان۔ امیر جان[۵] عرف امیرن طوائف کی نوچی۔ ٹھمری، دادرا، اَدھا وغیرہ خوب گاتی اور خوب سمجھاتی تھی۔ حسین بھی تھی، گلا بھی خوب پایا تھا۔ تخمیناً پچاس برس کے سن مین اب سے چالیس برس قبل فوت ہو چکی تھی (محلہ کفش دوزان)۔

وزیرن۔ اصل نام وزیر جان، خاندانی طوائف، اپنے وقت کی نامی ماہرۂ فن۔ اس کی آواز حاویت پاٹ دار اور درد آمیز تھی۔ سُنا جاتا ہے کہ یہ حضرت امام حسینؑ کی بڑی معتقد تھی۔ ہر سال محرم مین تعزیہ داری کے ساتھ ساتھ اس کے یہان مجلس بھی بڑی دھوم دھام سے ہوتی تھی۔ اس کا مکان رئیس صاحب کے قلعہ کی پشت پر، جہان اب چکل دھوبیون کے مکان ہین، واقع تھا، اور یہ غدر کے قبل زندہ تھی۔

گوہر جان۔ عزیمن جان کی لڑکی، خاندانی طوائف، موسیقی کی اچھی ماہرہ، مخدوم بخش سارنگی نواز (دریاباد) کی شاگرد۔ گانا بہت دلچسپ اور درد آمیز تھا، خوبصورت بھی تھی۔ تخمیناً ۳۰ برس قبل فوت ہوئی، ساٹھ برس کا سن تھا۔ اولاد مین اچھن جان، جو ابھی حال ہی مین قضا کر گئی۔ پختہ مکان ٹون پولیس کی چوکی سے متصل پورب طرف موجود۔

نوٹ۔ رانی مئو کے بجرنگ کھٹک ایسے ماہرین فن نجا، جادی، ملکہ، گوہر کے گانے کی تعریف کرتے ہین۔ اس سے ان طوائفون کے کمال کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

---

[۵] امیر کی یادگار مین ایک پختہ مسجد ٹیڑھی بازار مین اب تک موجود ہے جس مین نماز پڑھی جاتی ہے۔ یہ مسجد حافظ عبدالرحیم کے مکان سے متصل پورب طرف لب سڑک پختہ جنوب رویہ واقع ہے ۱۲۔

پانچوان باب

مہاجنون، کارخانہ دارون، دوکانداروں، عام پیشہ ورون کا بیان

پہلی فصل مہاجنون کے بیان مین

چھٹنکی ساہ

اصلی نام رامجی مل عرف چھٹنکی ساہ، دسوال جیس، از فرقہ ستیتا بیری، زبردست مہاجن، مشہور جوہری۔ ان کے باپ دھرتامل جوہری تھے، جواہرات کی دوکان تھی۔ رام جی مل نے بذات خاص ترقی کی، مہاجن ہو کر ساہ کہلانے لگے۔ روایت ہے کہ "ساہ جی پوجا پاٹ کرکے ایک چھٹانک سونا روزمرہ دان کیا کرتے تھے، اس وجہ سے ان کا نام چھٹنکی ساہ مشہور ہو گیا"۔ واضح ہو کہ چھٹانک کو چھٹنکی بھی کہتے ہین۔ چھٹنکی ساہ کا ہفت سزلہ مکان ابتک "چھٹنکی محل" کے نام سے مشہور ہے جسے چھٹنکی ساہ کا ست کھنڈا کہتے تھے۔ اس محل کی تعمیر مین منقش اور سیل بوٹون سے آراستہ لکڑی صرف ہوئی تھی اور بعض بعض چھتین ڈاٹ کی تھین۔ اس سے ساہ جی کی اولوالعزمی اور امارت ثابت ہوتی ہے۔

چھٹنکی محل کی بابت جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے اور جس کا ذکر باب اول میں ہو چکا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رام جی مل دریابادکے نہایت قدیم باشندون مین سے تھے اور ان کے بزرگوار غالباً اب سے ہزار بارہ سو برس سے پیشتر یہان آباد ہوئے ہونگے۔

راجہ ٹکیت رائے کے جانشین راجہ بھوانی دین صاحب کا ایک مہری خط منشی گن بہاری لال صاحب کے یہان دیکھنے میں آیا ہے، اس مین جو کچھ لکھا ہے اس کا ضروری خلاصہ حسب ذیل ہے۔

عزت آثار بینی دسوال محفوظ باشد حویلی پختہ معروف بہ چھٹنکی محل واقع قصبہ دریاآباد نزد اینجانب ہمین است ظاہر اینجانب مسموعہ من کہ اینان بدون فکر ہمین حویلی مذکور خشت وچوب آن فروختہ رزش بہ تصرف خود آوردہ اند اقلمی میکردد کہ بدون فکر ہمین حویلی مذکورہ در فروخت عملہ آن مناسب نیست در نیوالا صورت چہل ہزار خشت پختہ دینجانب عدد کوری چوب سانکھو بہ لالہ رام سہای صاحب در کار است می باید کہ خشت و چوب ہا مذکورین از حویلی رہن مذکورہ خواہ از دیگر مکانات متعلقہ خود ضرور انعام کردہ باید دادا اینجا خشت وچوب ہا بہ لالہ منزی الہ حوا ہند داد و حساب اینجانب مجرا خواہد شد شوال ۱۲۵۶ھ ہجری"۔

سطور بالا سے ظاہر ہوتا ہے کہ "رام جی مل کے خاندان مین بینی دسوال ۱۲۵۶ھ مین موجود تھے۔ اس وقت کاروبار مگر ہو چکا تھا، اگلی حیثیت رخصت ہو چکی تھی۔ رام جی مل نے چھٹنکی محل کے علاوہ دیگر پختہ مکانات بھی بنوائے تھے۔ بزمانہ بینی دسوال یعنی اب سے ۸۰ برس قبل محل اور دیگر عمارتون کا کھدنا شروع ہو گیا تھا اور انکی اینٹین اور کڑیان فروخت

ہونے لگین تھیں ۔ واجد علی شاہی میں اس خاندان کے لوگ سرکاری عملہ کی بدعت سے تنگ آکر بنارس اور دہلی میں آباد ہوگئے تھے ۔ (جوہری محلہ حال جھیپی ٹولہ) ۔

فخرِ وطن سنگئی ساہ

سراؤگ، جین، اپنے وقت کے بہت بڑے نامی گرامی دولت مند مہاجن، مذہب کے پابند، فخرِ وطن، زبردست اُلوالعزم، جوان ہمت، بڑے حوصلہ، فیاض اور مخیر بزرگ تھے، جن کا نام اور جن کی دولت مندی کا افسانہ پانچ چھ سو برس گذر جانے کے بعد اس وقت بھی صوبۂ اودھ اور ملک کے بڑے بڑے شہروں میں خاص طور پر مشہور و معروف ہے ۔ سنہ ۱۸۶۲ء کے ایک سرکاری مثل میں حسبِ ذیل بیانات تحریر ہیں :-

(۱) بیان امرت بندلت، براہمن ناتھ، گنگا ستوکل، ماما دین برہمن ۔ سنگئی کے باپ گوبند پرشاد نے اپنے نام سے گوبند پور آباد کیا، سنگئی کے نام سے محلہ مشہور ہے ۔ تین سو برس ہوئے کہ ہمکو سنگئی نے آباد کیا تھا ۔ مکانات پختہ موجود ہیں (۲) بیان دست واحد دھیا ۔ سنگئی ساہ نے گوبند پور آباد کیا ۔ ہمارے بزرگ اُن کے سب سے گوبند پور میں آباد ہوئے ۔ آبادی گوبند پور دریاباد سال ہے" ۔ از نقل روکار محکمۂ صدر دست ملک اودھ ماحلاس رائے گیشی لال صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بہار در واقع ۱۵ ۔ جوری سنہ ۱۸۶۲ء، دعوی مسارعہ دریاباد مقابلہ گوبند پور دہوتے پور، پرگنہ دھتیل وضلع دریاباد، راجہ نراندر بہادر سنگھ بنام رائے ابھرام بلی تعلقدار، نمبر مقدمہ ۱۵ ۔

ان بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ سنگئی کے باپ کا نام گوبند پرشاد تھا، جنھوں نے گوبند پور کی بنیاد ڈالی، جو دریاباد ہی میں شامل تھا اور جس میں پختہ مکانات تھے ۔ سنگئی ساہ نے اپنے نام سے محلہ آباد کیا تھا اور وہ اب سے ۳۶۰ سال پہلے موجود تھے ۔ واجب العرض سرائے سنگئی سے بھی یہی زمانہ پایا جاتا ہے ۔ لیکن، ساہ جی کی مکان کی ساخت و طرزِ تعمیر پر غائر نظر ڈالنے اور شکستہ دیواروں کے متعلق جابجا استرکاری اور نقش و نگار، بیل بوٹوں کے دھندلے نشانات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سنگئی ساہ اب سے پانچ چھ سو برس قبل موجود رہے ہوں گے ۔ بعض قابل اور جہاں دیدہ بزرگوں کی زبانی جو کچھ سننے میں آیا ہے اُس سے بھی سنگئی ساہ کا زمانۂ حیات اب سے پانچ چھ سو برس پہلے ثابت ہوتا ہے ۔

معتبر ذرائع سے دریافت ہوا ہے کہ سنگئی ساہ کا اصلی نام گوبند پرشاد تھا ۔ "ساہ" مہاجنی کا لقب اور "سنگئی" قومی خطاب ہے ۔ جب وہ دولت والے ہوئے تو خوب دل کھول کر دان پُن کیا ۔ بیشمار غریبوں، بیکسوں اور لاوارثوں کی مدد کی، تیرتھ جاترا کے وقت اپنے ہم قوم بھائیوں کو، جو ہزاروں کی تعداد میں تھے، اپنے ہمراہ لیا اور اُن کے جملہ مصارف خود شوق سے برداشت کئے ۔ سفر میں اُن کے آرام و آسایش کے لئے ہر طرح کا کافی انتظام کیا ۔ چونکہ ساہ جی کا یہ طرزِ عمل عین جین دھرم کے مطابق تھا، جس سے وہ دھرم کے ساتھی سمجھے گئے، اس لئے اُن کو گوبند پرشاد "دھرم سنگتی" یا "دھرم سنگی" کہنے لگے مدت دراز کے بعد اصل نام اور اصلی خطاب کے بجائے صرف "سنگئی" مشہور ہوگیا ۔ ہندی میں ساتھی، سنگتی، سنگی مشہور الفاظ ہیں ۔ لہرپور دبارہ بنکی میں بھی اس لقب سے جینی لوگ مشہور ہو چکے ہیں، وہ بھی "ساہ" کہلاتے تھے ۔ قدیم زمانے میں صرف اُس سربرآوردہ مہاجن کو "ساہ" کہتے تھے، جو زیادہ دولت مند، قول و فعل کا پابند، نیک نیت اور ایماندار ہوتا تھا

بارہ ٹنکی کے سنگئی ساہ کا نام بالکل مٹ گیا، اور لہر پور والے سنگئی ساہ اب تک وہان مشہور ہین۔ لیکن، وہ رگھو اور دریا بادی سنگئی ساہ کے بعد ہوئے ہین، اِن سے پہلے نہ تھے اور نہ اِن کے برابر دولت مند اور مشہور۔ اِس سے بھی ساہ جی کا زمانۂ حیات اب سے پانچ چھ سو برس پیشتر پایا جاتا ہی، ساتھ ہی اس کے اِن کی مذہبی عقیدتمندی، غربا نوازی اور قومی خدمت یا قومی خیر خواہی، عالی ہمتی بھی اچھی طرح واضح ہوتی ہی۔ سنگئی ساہ نے اپنے بھائی نندن کو ہمراہ لیکر مقدس فرض کی ادائیگی کے لئے دور دراز کا سفر (جینیون کے متبرک مقامات مکسی اور منگال مین پہاڑون پر واقع ہین) ایسے وقت مین اختیار کیا تھا، جبکہ نہ ریل تھی نہ موٹر کار تھا نہ کنکر کی پختہ ہموار سڑکین تھین، بلکہ راستے نہایت دشوار گذار اور پُرخطر تھے۔ سواریون مین ہاتھی، گھوڑے، رتھ، بہل سے کام لیا جاتا تھا۔ اس لئے ساہ جی کا یہ سفر کوئی معمولی سفر نہین کہا جا سکتا، جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے خاص اہمیت رکھتا ہے، جس مین زبردست اہتمام کیا گیا ہوگا، اور بیشمار دولت صرف ہوئی ہوگی۔

ساہ جی نے اپنے زمانۂ عروج مین ایک نہایت عظیم الشان اور وسیع سات منزلا ایرانہ مکان بنوایا جسکی صناعی قابلِ دید تھی، جس مین باغین باغ اور مندر بھی تھا۔ مکان سے متصل اُتر طرف بہت بڑے گنج اور بازار کی بنیاد ڈالی۔ محلّہ اور گونبد پور بسانے کے ساتھ ہی ایک دوسرا موضع بھی آباد کیا جو عرصہ سے "سرائے سنگئی"[۵] کے نام سے مشہور ہی۔ یورب طرف گونبد پور مین پھلواری تیار کرائی، چار منزل والا باولی دار کنوان اور دھرم شالہ تعمیر کرایا۔ اس طرح دریا باد کی آبادی مین زبردست ترقی ہونے کے علاوہ رونق مین بھی بہت کچھ اضافہ ہوا۔ اس سے سنگئی ساہ کی وطن پرستی، شانِ امارت، مذہبی خدمت، رفاہ عام کے متعلق دلچسپی اچھی طرح پائی جاتی ہے۔

مہاجن اور بے مثل دولت مند ہونے کے ساتھ ساتھ سنگئی ساہ کے پاس اچھی خاصی زمینداری بھی تھی۔ کھرگوا پور، ہونسے پور، لال پور، بلہری، گوجر پور، گونبد پور، سرائے سنگئی، سات مواضعات اِن کے قبضہ مین تھے۔

اِن کے بارہ مین بہت سے حیرت انگیز افسانے اور بہت سی مختلف روائتین مشہور اور آج تک زبان زد خاص و عام ہین۔ ناظرین کی آگاہی کے لئے ذیل مین چند نتیجہ خیز اور منتخب روائتین درج کی جاتی ہین، جو یقیناً دلچسپی کا باعث ہونگی۔

---

۵ "سرائے سنگئی" کے نام سے ظاہر ہوتا ہی کہ سنگئی ساہ نے رفاہِ عام کی غرض سے ایک سرا تعمیر کرا کے اُس کی رونق اور حفاظت کے لئے اُس جگہ موضع آباد کیا ہوگا، جسے لوگ سرائے سنگئی کہنے لگے۔ لیکن قیاس سے معلوم ہوتا ہی کہ "سرا" نہین، بلکہ دھرم شالہ تعمیر ہوا ہوگا جسے صوبۂ اودھ مین فارسیت کا رد ہونے پر "سرائے سنگئی" کے نام سے شہرت ہوگئی ہوگی۔ کیونکہ سرا کا لفظ فارسی ہے اور فارسی اُس وقت اہلِ ہنود مین رائج نہ تھی "آبِ حیات" صفحہ ۱۶ مین شمس العلماء مولانا محمد حسین صاحب آزاد دہلوی نے تحریر فرمایا ہی کہ۔ "آخر سنہ ۱۵ھ مین زمانہ سکندر لودی کا تھا فارسی پڑھ کر دربار شاہی مین داخل ہوئے" اس سے ہمارے قول کی تصدیق ہوتی ہے علاوہ اس کے برہمون، ویشیون، جینیون مین یہ عام دستور ہی کہ مسافرون کے قیام کے لئے جو مکان بنایا جاتا ہی وہ "دھرم شالہ" ہی کے نام سے موسوم ہوتا ہی اور اُس مین صرف ہندو ٹھہرتے ہین۔ ہندوؤں کے بعض فرقے عموماً جین بزرگ خصوصاً اب بھی جبکہ ہندو مسلم طرز معاشرت مین بہت کچھ یگانگت پائی جاتی ہے، مسافر خانہ اور سرا کے نام سے اسی طرح عرابوس نظر آتے ہین، جس طرح اہلِ اسلام "دھرم شالہ" سے۔ پس بوجوہ بالا یہ کہنا بالکل خلافِ واقعہ ہی کہ اُس زمانے مین (جو قومی عداوت اور قومی تعصب کا دور دورہ اور پراکرت و ہندی زبان کا زمانہ تھا) سنگئی ساہ نے سرا کا لفظ پسند کیا ہوگا ۱۲

(۱) سنگئی ساہ پہلے بہت غریب تھے، محنت و مزدوری کرکے دن بسر کرتے تھے۔ ایک دن کسی مقام پر گھاس چھیل رہے تھے کہ اتفاقاً ایک سادھو کا گذر ہوا، اُسے اُنکی بیکسی پر رحم آیا اور اپنی جھولی سے پارس پتھر کا ٹکڑا نکال کر اُن کے حوالہ کیا اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ اس پتھر مین لوہا چھو جانے سے سونا ہو جاتا ہے۔ امتحان کے طور پر اُن کا کھرپا (گھاس چھیلنے کا آلہ) لیکر اُسے اس ترکیب سے سونا بنا کر دکھا دیا۔ چلتے وقت سادھو نے کہا کہ جب تک میں واپس نہ آؤں، تم جتنا چاہو، سونا تیار کر لو۔ جلد ہی روز مین اتنی دولت جمع ہو جائیگی کہ نسلہا پشت ختم نہ ہوگی۔ لیکن یہ واپسی پر یہ امانت مجھے دیدینا۔ ساہ جی نے وعدہ کیا اور اپنے گھر آکر لوہے کو سونا بنانا شروع کیا۔ کچھ دنوں کے بعد اُن کی دولت مندی کا شہرہ ملک کے ہر گوشہ تک پھیل گیا۔ جب وہ سادھو واپس آیا اور اپنی امانت طلب کی تو سنگئی ساہ نے گم ہو جانے کا عذر پیش کر دیا۔ سادھو نے کہا کہ بچہ! کیا ایمان چھوڑتے اور کیوں جھوٹ بولتے ہو؟ اس سے بہتر یہ ہے کہ مین ٹھہر جاؤن، تم اپنی مرضی اور خواہش کے موافق اور سونا بنا لو اور میری امانت مجھے واپس دیدو۔ مگر، ساہ جی نے سادھو کی باتوں پر کچھ خیال نہ کیا۔ ناچار سادھو مدد خاوند کریم معلوم کہان چلا گیا (۲) سنگئی ساہ کو گھاس چھیلتے وقت ایک پتھر کا ٹکڑا ملا جس سے انھوں نے کھرپا تیز کرنا چاہا۔ پتھر کے رگڑتے ہی وہ سونے کا ہو گیا۔ اس آزمایش کے بعد ہی لوہے کو سونا سا کر وہ دولت مند ہو گئے (۳) کسی سادھو نے سنگئی ساہ کو رسائین ودیا یعنی علم کیمیا سے آگاہ کر دیا تھا، جس سے لوہے اور تانبے کو چاندی سونا بنا سکتے ہین۔ اس طرح وہ صاحب دولت ہو گئے تھے (۴) سنگئی ساہ اتنے بڑے دولت مند تھے کہ ایک مرتبہ بچیم کا ایک سوداگر ۶۰۔ اونٹ زعفران بیچنے کی غرض سے تمام ملک کی خاک چھانتا ہوا اُن کا نام سُن کر دریا باد آیا اور اُن کے پاس پہونچکر بیان کیا کہ مین یہ ساٹھ اونٹ زعفران ساٹھ اونٹ روپیہ کے عیوض یکمشت فروخت کرنا چاہتا ہون، مین شرط ملک مین کوئی خریدار اس وقت تک مجھے مطر نہ آیا۔ لیکن، آپ کی نسبت یہ سُن کر کہ "دریا باد کے سنگئی ساہ اتنے بڑے روپیہ والے ہین کہ آج ملک بھر مین اُن کا کوئی ثانی نہین" حاضر ہوا ہون۔ یہ سُنتے ہی سنگئی ساہ نے مزدورون کو (اُس وقت ایک بہت بڑے پیمانے پر تعمیر کا کام جاری تھا) حکم دیا کہ "اس زعفران کو گارے مین ڈالدو، اور اپنے ایک ملازم سے کہا کہ خزانہ کی کوٹھریان کھول کر انھین دکھا دو، یہ جس دلخواہ روپیہ اونٹون پر لاد لین"۔ جس وقت سوداگر نے خزانہ کی کوٹھریون مین چاندی، سونے، رُوپے، اشرفیون کے ڈھیر دیکھے تو اُس کے ہوش و حواس باختہ ہو گئے۔ بعض لوگ بیان کرتے ہین کہ زعفران کے عیوض ۶۰۔ اونٹ روپیہ دیدیا گیا۔ بعض کہتے ہین کہ سوداگر کو اپنی دولت مندی کا امتحان مدنظر تھا۔ اس لئے زعفران کی قیمت نہین لی گئی، اونٹ خالی واپس گئے (۵) کشمیر کا ایک سوداگر بڑا مالدار تھا جس کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی تھی۔ اُس نے عہد کیا کہ مین اپنے سے برابر والے کے یہان لڑکی یا لڑکے کی شادی کرونگا۔ اس غرض سے ۶۰۔ اونٹ زعفران امتحان کے طور پر روانہ کی گئی کہ اگر کوئی خریدار ٹھہر گیا تو، وہی اُس کا مدمقابل ہو۔ زعفران کا بیچنے والا سنگئی ساہ کا نام سُن کر دریا باد آیا اور زعفران بیچنے کی خواہش ظاہر کی۔ ساہ جی نے زعفران لیکر گارے مین ڈلوا دی اور فروشندہ سے کہا کہ جس قدر روپیہ چاہو، خزانہ سے لے لو۔ اُس نے ساہ جی کا بیشمار خزانہ دیکھ کر اپنے ملک کو اطلاع کی۔ کشمیری سوداگر اس واقعہ سے آگاہ ہو کر شادی کا خواہان ہوا۔ ساہ جی کے صرف لڑکی تھی، جسے اُنھون نے سوداگر کے بیٹے کے ساتھ بڑی دھوم دھام سے بیاہ دیا (۶) سنگئی کے اولاد ذکور کوئی نہ تھی، فقط ایک لڑکی تھی جسکی شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ سیکڑون بورے شکر کوٹون مین ڈلوا دی گئی، قریب ایک مہینے کے برات کا قیام رہا۔ ایک روز براتی لوگ کھانا کھا رہے تھے، اتفاقاً ایک گائے براتیون مین گھس آئی۔ کسی نے طنز سے کہا کہ "سنگئی ساہ اتنے بڑے مہاجن اور گھر مین ایک مضبوط رسّی بھی نہین کہ جس سے گائے باندھ دیجاتی"۔ سنگئی ساہ نے یہ سُن کر اس کان سے۔

اُس کان اُڑا دیا۔ جب برات والے اپنے قیام گاہ پر واپس گئے تو، ساہ جی نے سُاردن کو بلوا کر بہت جلد جس قدر جانور پیلے تھے سب کے لئے سونے کی موٹی موٹی زنجیریں حسب حیثیت اور ضرورت کے موافق تیار کرائیں۔ کئی روز کے بعد ایک دن کھانا کھانے کے وقت دانستہ کئی گائیں چھوڑ دی گئیں اور وہ جیو مارین گھسنے لگیں۔ ساہ جی نے مصنوعی غصّہ سے کہا "کیا ان گائیوں کے بندھن نہیں ہیں؟ جو آج پھر اُسی روز کی طرح حیوانات میں گڑبڑ ہو گئی" ! اتنا سُنتے ہی فوراً آدمی سونے کی زنجیریں لیکر حاضر ہوئے اور گائیوں کو باندھ کر باہر لیگئے۔ حاضرین اس واقعہ سے دنگ ہو گئے اور راتیوں میں جو لوگ سونے کی زنجیریں گلے میں پہنے تھے وہ نہایت نادم اور پشیمان ہو گئے۔ جب برات رخصت ہوئی تو، جہیز میں علاوہ دیگر قیمتی سامان کے جس قدر جانور (گائیں بیل، گھوڑے، ہاتھی، اونٹ بھینسیں وغیرہ) دیئے گئے تھے، سب کے سب مُطلّا زیور اور زرین سامان سے آراستہ تھے، جن کے باندھنے کے لئے بجائے رسّیوں اور آہنی زنجیروں کے طلائی زنجیریں اور چوبی میخوں کے عوض سونے کی میخیں بھی دی گئی تھیں (۷) سنگئی ساہ کو "ورث درشٹ" یعنی دیدہ کی شناخت کا علم تھا جس کے ذریعہ سے وہ بڑے بھاری دولت مند ہو گئے تھے، حتیٰ کہ بادشاہ نے انھیں بلوا کر دولت مندی کا سبب دریافت کیا۔ ساہ جی نے عرض کیا کہ پرمیشر نے مجھے خزانہ پہچاننے کی آنکھ دی ہے اور اس کے ثبوت میں دو ایک جگہ زمین کھود واکر خزانہ دکھلا دیا۔ بادشاہ نے خوش ہو کر ساہ جی کو پانچ گاؤں اور بیش بہا خلعت مرحمت فرما کر سرفراز فرمایا۔ لیکن، ساہ جی بیشمار دولت کے مالک تھے گاؤں لیکر کیا کرتے؟ منت وسماجت گاؤں کا فرمان واپس کر کے صرف خلعت لیکر ہنسی خوشی دریابادو واپس آئے (۸) سنگئی کے پاس پارس پتھر تھا، جس سے اُن کے یہاں دولت کی کوئی انتہا نہ تھی، مکان میں بڑے بڑے کئی ایک تہ خانے تھے، جس کی کوٹھریوں میں چاندی سونا بھرا پڑا تھا۔ کوٹھریوں میں بڑے بڑے ورنی آہنی قفل لگے ہوئے تھے، جو کسی کی ہلائے ہل نہیں سکتے تھے۔ لیکن، حقیر کی مدد دعا سے اُن کے مرتے ہی نہ وہ دولت رہ گئی۔ نہ وہ حیثیت۔ معلوم پارس پتھر کون اُڑا لے گیا؟ اور خزانہ کہاں غائب ہو گیا؟ (۹) جب سنگئی ساہ کی دولت مندی دُور دُور تک مشہور ہوئی تو، مدعاتوں نے زر کی طمع میں انھیں قتل کر ڈالا اور سب دھن دولت لوٹ لی۔ جب وہ مارے گئے ہیں، زیادہ عمر کے نہ تھے۔ اگر ساہ جی کم سنی میں مار دیے جاتے تو ایسے ایسے کام کرتے کہ دنیا میں نام ہو جاتا۔ بعضوں کا بیان ہے کہ اُن کے خاندان والوں میں سے کسی نے مار ڈالا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ اپنی موت سے مرے تھے لیکن کم عمری کا سب کو اقرار ہے۔

روایات مذکورۂ بالا سے ترشح ہوتا ہے کہ ابتدا میں سنگئی ساہ افلاس کے باعث سخت پریشان تھے۔ تکلیف اور مصیبت سے بسر ہوتی تھی۔ مگر، جلد اقبال یاور ہو گیا، رتی چمک گئی، چھپر پھاڑ کے دولت برسنے لگی، گھر میں چاندی سونے کے ڈھیر لگ گئے، جس سے آن واحد میں اتنے بڑے تونگر اور امیر ہو گئے کہ گائیں، بھینس دلے کی زنجیروں میں بندھنے لگیں اور دولت مندی کا دُور دُور تک شہرہ ہو گیا۔ اولاد نرینہ سے محروم تھے، صرف ایک لڑکی تھی، جس کی شادی اس شان اور اس جدت خیز اُلوالعزمی کے ساتھ کی کہ آج تک اس قسم کی کوئی دوسری شادی دیکھنے یا سننے میں نہیں آئی جہیز میں زرین سامان سے سجے ہوئے جانوروں کا معہ طلائی میخوں اور مُطلّا زنجیروں کے دیا جانا کچھ کم وقعت انگیز نہیں۔ غالباً اودھ میں شانِ امارت کا یہ پہلا نمونہ ہے، جو اپنی خصوصیت کے لحاظ سے بہت کچھ لائق تحسین و آفرین ہے۔

ساہ جی بڑے نوک پلک اور آن بان والے تھے۔ طنز آمیز باتیں بہت ناپسند تھیں۔ مگر، مزاج میں تحمل بھی تھا اخلاق اور تہذیب کی پابندی بھی مدنظر تھی۔ اس لئے بجائے جھنجھلانے اور جاؤ بیجا کہنے کے اس خوبصورتی سے جواب

دیدیتے تھے کہ مخالف شرم سے پانی پانی ہوجاتا تھا۔ ساہ جی کا انتقال کم سنی مین ہوا تھا۔

ساہ جی کی دولت مندی و امارت کے متعلق چار روائتین اور چارون باہم مختلف بیان کی جاتی ہین۔ پہلی کا مفہوم ہے کہ سادھو کے پارس پتھر سے دولت والے ہوئے۔ دوسری کا اشارہ ہے کہ پارس پتھر خود بخود ہاتھ آگیا تھا، کسی نے دیا نہین۔ تیسری کا ایما ہے کہ علم کیمیا نے صاحب دولت بنا دیا۔ چوتھی (نمبر ۷) ظاہر کرتی ہے کہ دفینہ کی شناخت کا علم تونگری کا موجب ہے۔ اگر دولت کا باعث زیادہ شہرت کی بنا پر سادھو والا پتھر تسلیم کرلیا جائے تو اخلاقی حیثیت سے سنگئی ساہ کے دامن پر بدنما دھبا نظر آتا ہے۔ اپنا مطلب حاصل کرکے سادھو کو پارس پتھر واپس نہ دینا ایک دلیل اور شرمناک حرکت سے کم نہین لیکن "ساہ کا لقب اور واقعات سے سنگئی ساہ کا طرز عمل نہایت عمدہ پایا جاتا ہے، ساتھ ہی اس کے نمبر ۲، نمبر ۳، نمبر ۷ والی روایات بھی صاف بے عیب ثابت کرتی ہین، اور عقل سلیم کے نزدیک بھی سنگئی ساہ دھرماتما بزرگ معلوم ہوتے ہین۔

پارس پتھر کی نسبت اکثر فاضلون کا خیال ہے کہ یہ ایک محض شاعرون اور قصہ نویسون کی گڑھت ہے۔ جس طرح چشمۂ حیوان، سد سکندر، ہما، عنقا وغیرہ موہوم اور بے بنیاد چیزون کو شہرت دیدی گئی ہے، اسی طرح پارس کو بھی سمجھ لینا چاہئے کہ اس کی بھی اصلیت کچھ نہین، محض فرضی اور خیالی چیز ہے۔ اگر پارس کا وجود ہوتا تو مستند کتابون، تاریخون اور شاہی خزانون سے پتا چلتا، شاہان عالم ملک و دولت کی ہوس مین بجائے جنگ و جدل کے پارس پتھر تلاش کرتے، زمانۂ حال کے دامان فرنگ و امریکہ، جن کی جدت انگیز طبیعتین ہر وقت نئی چیزون کی تحقیقات کے لئے بیقرار رہتی ہین اور جنھون نے زمین و آسمان کے قلابے ایک کرڈالے، زمین کے اندر سے محلات عظیم الشان مکانون کے کھنڈر، بازار، باغات، شہر انواع و اقسام کی عجیب و غریب چیزین، پہاڑون کے غارون سے قدیم زمانے کی بیشمار پوتھیان، کتابین اور مختلف مقامات سے سیکڑون کارآمد سکے، کتبے وغیرہ برآمد کرکے دنیا کے سامنے پیش کردئے، کشتی ناکر سمندر کی تہ کی چیزون کے فوٹو لینے اور ہوائی جہاز کے ذریعہ افریقہ کے نام معلوم اور دشوار گذار جنگلون کی تحقیقات کرنے پر اپنے کو وقف کردیا، پر لگا کر چڑیون کی طرح اڑنا، ایئر شپ پر بیٹھ کے فضائے آسمانی کی سیر کرنا ایک معمولی کھیل سمجھا، بے تار کا ٹیلیفون ایجاد کرکے چھ ہزار میل کی دوری سے بات چیت ہوجانے پر مریخ کے باشندون سے گفت و شنید کے لئے کوشش شروع کردی، اس نادر و بے مثل چیز سے ناواقف نہ ہوتے، وہ ضرور کوشش کرکے حاصل کرتے، اور اس طرح مغربی ممالک مین نہ صرف حاسحا ہر مقام پر سونے کے سر بفلک محلات اور قلعون کا جنگل تیار ہوجاتا، بلکہ تمام سلطنتین لنکا کے مانند سونے کی ہوجاتین، جس سے وہان کے باشندون کو اپنی دلفریب مصنوعات کے ذریعہ سے مشرق کی دولت کھینچنے کی ضرورت نہ رہتی۔ ان حالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سنگئی ساہ علم کیمیا وغیرہ کی مدد سے مالدار ہوئے ہونگے، جس کا راز پوشیدہ رہنے کی وجہ سے لوگون نے اپنے قیاس کی بنا پر پارس پتھر گڑھ لیا ہوگا، جسکی نسبت یہ عام طور پر مشہور ہے کہ لوہے کو سونا بنا دیتا ہے۔

زعفران والی روائیتون سے معلوم ہوتا ہے کہ اگلے زمانے مین جو اونٹ روز آنہ صبح سے شام تک ضرورت کے وقت

---

۵ اس علم کے متعلق حکیم سید محمد قاسم صاحب طبیب سمیات سرکار نظام کے کتب خانہ (حیدرآباد دکن) مین کتاب موجود ہے ۱۲ از رسالہ زمانہ اپریل ۳۲ء۔

۱۰ کوس چل سکتا تھا، اُسے ساٹھکا کہتے تھے۔ اکثر رئیسون اور تاجرون مین اِس قسم کے اونٹون کی بہت بڑی قدر تھی، جن پر کم خرچ بالانشین کی مثل بہت صادق آتی ہے۔ غالباً زعفران والا سوداگر شہرون، قصبون اور ریاستون مین مال بیچتا ہوا ساٹھکا اونٹ پر دریاباد آیا ہوگا، جس کے ہمراہ مال کی حفاظت کے لئے دو ایک اونٹ اور بھی نوکرون چاکرون کے رہے ہونگے۔ سنگئی ساہ نے تھوڑی بہت زعفران حسب خواہش خرید کر کے گارے مین ڈالدینے کا حکم دیدیا ہوگا کچھ دن تک لوگون مین یہ چرچے رہے ہونگے کہ سنگئی ساہ نے ایک سوداگر سے جو ساٹھکا اونٹ پر آیا تھا، زعفران مول لیکر گارے مین ڈلوادی، پھر ساٹھکا اونٹ بھر زعفران کہے لگے ہونگے۔ مدت دراز کے بعد ساٹھکا اونٹ بھول گیا۔ اور ساٹھ اونٹ زعفران مشہور ہو گئی۔ سنگئی ساہ کی یہ حدّت طراری بھی قابل داد ہے کہ شہرت کے شوق مین زعفرانی گارے سے محل سنوا کر ایسی مہکتی ہوئی یادگار قایم کردی کہ کئی صدیان گذر جانے پر بھی جابجا بدستور خوشبو پھیلی ہوئی ہے۔

آج کل کے اکثر نوجوان، جانورون کا طلائی زنجیرون کے ذریعہ سے سنہری میخون مین بندھنا، تعمیر کے لئے خوشبودار زعفرانی گارا استعمال ہونا، سُن کر بیساختہ ہنسی اُڑائینگے اور وہ اِسے غیر مفید سمجھ کے فضول خرچی اور حماقت تصور فرمائینگے۔ لیکن، اُس وقت ناچار اُن کو مجبوراً ماننا پڑیگا کہ سنگئی ساہ کی یہ کاروائیان دولت و امارت کا کرشمہ تھین نہ کہ فضول خرچی و حماقت کا نتیجہ، جبکہ تحقیقات سے معلوم ہوجائے گا کہ نیویارک (امریکہ) کے کروڑپتی بندرون کے لئے سنہرے پلنگ اور مخملی گدے بنواتے، کتّون کی شادیان کرتے، اور اُن کے رہنے کے لئے ایسے کمرے تعمیر کراتے ہین، جو کسی ملک کے وزیر اعظم کو بھی نہیں میسّر ہو سکتے۔

سنگئی ساہ کی فطری فیاضی، اُولوالعزمی، اور دانشمندانہ سودمند سرگرمی اِس امر کا صاف یقین دلاتی ہے اور لوگون کا یہ بیان بالکل سچ معلوم ہوتا ہے کہ "اگر ساہ جی مارنہ ڈالے جاتے، کچھ دن اور زندہ رہتے تو دنیا مین اُن کا نام ہوجاتا"۔ یعنی یہ ایسے ایسے نیک اور مفید کام کرتے (جس سے اِنھیں قدرتی دلچسپی تھی) کہ دریاباد کے علاوہ دُور دُور تک کے لوگ اِن کی فیاضی کے مشکور ہوتے۔ اِن کی پیدائش اُس پُرآشوب زمانے مین ہوئی تھی، جبکہ ہندوستان کا ہر مُتنفس بدنظمی کے باعث باہمی خانہ جنگیون، اندرونی و بیرونی حملون، کشت و خون، لوٹ مار، فتنہ و فساد، ظلم و ستم وغیرہ کی مصیبت خیز بلاؤن اور تباہ کن آفتون مین گرفتار ہو کر باختہ ہواس تھا۔ اِس لحاظ سے اِن کے کارنمایان، اِن کی شاندار کامیابی، خصوصیت کے ساتھ نہ صرف قابل ذکر، بلکہ تاریخ اودھ کے صفحون مین زرین حرفون سے لکھنے کے لایق ہے۔

تحقیقات سے پتا چلتا ہے کہ سیتاپور، ہردوئی، کھیری، رائے بریلی، پرتاب گڈھ، لکھنؤ، فیض آباد، گونڈہ، بہرائچ جونپور، بنارس، الہ آباد، کانپور، بستی، گورکھپور، وغیرہ کے دیہات مین لوگ سنگئی ساہ کی دولت مندی کا ذکر کرتے ہین، اور شولاپور و مقصود آباد کے سیٹھ اِن کے مداح ہین، جے پور، جودھپور، کلکتہ، بمبئی وغیرہ کے جین مندرون مین اِن کا اکثر نام لیا جاتا ہے۔ اِس سے سنگئی ساہ کی غیر معمولی شہرت اور ناموری کا بخوبی اظہار ہوتا ہے۔

ساہ جی کا زمانہ عروج فقط ایک ہوا کا جھونکا تھا کہ اِدھر آیا، اُدھر زن سے نکل گیا۔ اسی طرح زندگانی بھی حباب کی صورت ناپائیدار تھی کہ بہت جلد آناً فاناً فنا ہو کر خواب و خیال ہوگئی۔ کہا جاتا ہے کہ "سنگئی ساہ کے مرتے ہی سب کارخانہ

درہم وبرہم ہوگیا تھا نہ مال وخزانہ رہگیا تھا نہ اگلی حیثیت" لیکن، یہ بیان قابل اعتبار نہین۔ سرائے سنگئی کی واجب العرض مین لکھا ہے کہ ۱۱۱۱ھ مین لکھو ساہ (وارث سنگئی ساہ) نے "سرائے سنگئی" کو شیخ محمود رفیع صاحب (از اولاد حضرت مخدوم آبکش دریابادی) کے ہاتھ فروخت کیا تھا" اس سے پایا جاتا ہے کہ سنگئی ساہ کے بعد عرصہ تک کچھ نہ کچھ کاروبار قایم رہا، پھر حسب دستور زمانہ زوال شروع ہوا، اور اب سے دو سو برس قبل اگلی حیثیت اور زمینداری وغیرہ سب رخصت ہوگئی۔ عرصہ سے گو بدبود ویران گنج وبازار ومحلہ وغیرہ بے نام ونشان، ۱۹۰۱ء سے خاندان والے بہرائچ وبہرام گھاٹ مین آباد۔ یادگار مین مکان کا شکستہ حصہ کھنڈر کی صورت، جو اب بھی شاندار عمارت سے کم نہیں، ویران پھلواری، باولی والے کنوئین کا کچھ حصہ، سرائے سنگئی ساہ جی کی قبر (پختہ) انھین کی پھلواری مین ابتک موجود۔

خدا کی شان دیکھئے! جن تہ خانون مین بیشمار خزانہ رہتا تھا، اب وہان چمگادڑون کا ڈیرا ہے! زمین پر پاؤن رکھتے ہوئے سانپ، بچھو کا خوف معلوم ہوتا ہے! اور جو محل روایت کے بموجب زعفرانی گارے سے تیار ہوا تھا، اُس کے کھنڈرون مین لوگ پاخانہ پھرتے ہین۔ یہ عبرتناک سین انقلاب زمانہ کا ایک نتیجہ حیرت منظر پیش کرتا ہے، جس سے بالغ نظر حضرات بہت کچھ سبق حاصل کرسکتے ہین۔ (سنگئی ٹولہ)۔

للّو سیٹھ، لچھمی سیٹھ

ان بزرگون کے حالات کی نسبت بہت کچھ کوشش کے بعد صرف یہی معلوم ہوا کہ للّو اور لچھمی کسی وقت مین مشہور سیٹھ تھے، فیاضی مین انکی شہرت تھی۔ اِن کے نام سے دھرم شالے بہت دن تک قایم رہے۔ زمانہ حیات تخمیناً چار پانچ سو برس قبل۔

بیجن ساہ

اصلی نام بیجن لال، عرف بیجن ساہ، جین، سراوک، فرقہ دگامبری، اپنے وقت کے نامی مہاجن ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ فیاض اور دھرماتما۔ اِن کے باپ دادے سخاوت وفیاضی مین بہت مشہور تھے۔ لیکن، اِن کی ہمت عالی نے وہ کرشمے دکھائے کہ لوگ اُنھین بالکل بھول گئے۔ چنانچہ جو دھرم شالہ چھپیی ٹولہ مین ساہ جی کے دادا نے بنوایا تھا اور جس مین خیرات خانہ قایم ہوکر روزانہ غریب مسافرون کو خوراک تقسیم ہوتی تھی، اُسے اِن کے نام سے شہرت ہوگئی۔ جب تک زندہ رہے، دھرم شالے کی شان روز افزون ترقی کے ساتھ قایم رہی۔ ان کے بعد اِن کی نسل والون نے اپنے بزرگون کا نام بھی مٹادیا اور خود بھی مٹ گئے، نہ مہاجنی رہی نہ دولت۔ برائے نام شکستہ مکان موجود اور خاندان والے معمولی حیثیت سے باقی۔ بیجن ساہ کا زمانہ حیات اب سے تین چار سو برس قبل ثابت ہوا ہے۔ (گھڑیالی ٹولہ)۔

سدھن لال وبدھی لال

عرف سدھان، بدھان حلوائی، مہاجنی مین مشہور ومعروف، [illegible] خانہ دار، خیر [illegible] دولت مند، نہایت

نیک چلن اور ایماندار تھے۔ سُنا جاتا ہے کہ پانڈون کی طرح اِن کے یہان بھی شکر سازی کا کارخانہ آٹھارہ تھرون پر قایم تھا۔ یعنی بحساب اوسط پچاس ہزار روپیہ کی شکر ہر سال اِن کے کارخانے سے فروخت ہوتی تھی، جو زمانۂ حال کے مُطابق، جبکہ ہر چیز کی قیمت مین بے انتہا اضافہ ہو گیا ہی، ڈھائی تین لاکھ کی مالیت ہوئی۔

یہ لوگ محض حلوائی یا مہاجن ہی نہ تھے، بلکہ اچھے خاصے نوک پلک والے سپاہی بھی تھے۔ چنانچہ جب زمیندار اِن پر کسی قسم کا بیجا دباؤ ڈالتا تھا تو یہ بگڑ جاتے تھے اور پھر چکلہ دار کو بھی کچھ نہ سمجھتے تھے۔ ناچار وہ بیچارہ انھیں کی مرضی کے موافق فیصلہ کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔

روایت ہی کہ "ایک مرتبہ زمیندار صاحب نے اپنے حقوق کے بارہ مین انھیں بہت دق کیا۔ اِن کا قول تھا کہ "ہم بادشاہ کی رعیت ہیں، کسی زمیندار کے باشندے نہین ہیں، اس لئے کسی قسم کا حق و حقوق بلا وجہ نہ دین گے"۔ لیکن، زمیندار صاحب اس بات کی سماعت نہ کر کے زبردستی اِن کو اپنا رعایا بنانے پر تُلے ہوئے تھے۔ ناچار یہ چکلہ دار صاحب کے پاس نالش کے لئے گئے، وہان زمیندار صاحب کے مقابلے مین اِن کی سماعت نہ ہوئی۔ اِن کو تاؤ آ گیا، فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ہر چند چکلہ دار صاحب "ہان ہان، سنو تو، کہان جاتے ہو"؟ کہتے ہی رہے۔ مگر، اِنھون نے ایک بھی نہ سُنی اور اپنے گھر آتے ہی تلوار، ڈھال باندھ اور جلتی ہوئی مشعلین ہاتھ مین لیکر دونون بھائی بآواز بلند "اندھیر ہے اندھیر" کہتے ہوئے لکھنؤ کی طرف چل نکلے۔ جب قلعہ کے قریب پہونچے، تو اس عجیب و غریب مگر حیرت خیز شور و غل سے قلعہ والے بھی چونک پڑے اور چکلہ دار صاحب کو اس واقعہ کی اطلاع دی گئی۔ وہ فوراً بے تحاشا اُٹھ دوڑے اور اِن کے پاس آ کر حیرت سے پوچھنے لگے کہ، یہ کیا؟ دن مین مشعلین کیون روشن کین؟ اس سج دھج سے کہان جاتے ہو؟ انھون نے حل کر لے۔ دھڑک جواب دیا کہ "اندھیر ہے، اس وجہ سے مشعلیں روشن کی گئی ہین"۔ چکلہ دار صاحب بولے! دن مین اندھیر کیسا؟ انھون نے کہا کہ جب دن دہاڑے بادشاہی رعایا لُٹ رہی ہی اور آپ دیکھتے ہین مگر، کچھ خیال نہین کرتے، تو کیا یہ اندھیر نہین ہی؟ ہم لکھنؤ جاتے ہین، وہان اس اندھیر کی فریاد کرین گے! یا تو چکلہ دار صاحب چکلہ داری کے نشہ مین اندھے ہو رہے تھے، نیک و بد کچھ سُجھائی نہین دیتا تھا یا اِن دندان شکن اور ہیبتناک الفاظ کو سُن کر انھین زمین و آسمان نظر آنے لگا۔ چار و ناچار چکلہ دار صاحب نے اِن دونون بھائیون کو رضامند کیا اور زمیندار صاحب کو بُلا کر حکم دیا کہ آئندہ سے اگر کسی قسم کا جبر و تشدد اِن لوگون پر کیا گیا تو، سخت باز پرس کیجائیگی، کیونکہ یہ بادشاہی رعایا ہیں، آپ کی رعیت نہین ہین"۔ اس لطیف واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہی کہ سدھان بُدھان اگرچہ حلوائی تھے، مگر بڑی سمجھ بُوجھ کے آدمی تھے اور باوجود سپاہی ہونے کے نزاعون سے لڑنا پسند نہین کرتے تھے، حکمتِ عملی سے کام نکالنے مین ہوشیار تھے، ساتھ ہی اس کے بڑے بیباک اور حاضر جواب بھی تھے۔

سدھان بُدھان کا زمانۂ حیات اب سے دو ڈھائی سو برس قبل دریافت ہوا ہے۔ اِن کا مکان کوئی معمولی نہ تھا جسکی زمین پر آج کل رامچرن بھورجی، تلک رام کلوار کا کمرہ، گُنو حلوائی، ننکو بھرجی، کھرد دھر حلوائی کی دوکانین اور دیگر مکانات موجود ہین۔ اِن کے تین بیٹے تھے جن کی یادگار مین، حلوائی کا تالاب، بڑا تالاب، پختہ شیوالہ اب تک موجود اور مشہور۔ یہ شیوالہ شکستہ حالت میں حلوائی کے تالاب پر پچھم طرف واقع۔ (ٹیڑھی بازار)۔

لالہ سیتا رام ساہ

عرف سیتا ساہ، حسین، فرقہ دِگامبری، نامی مہاجن، کوٹھی دال مشہور تھے۔ شجرۂ خاندانی سیتا ساہ (مرتبۂ لالہ بھیرون پرشاد صاحب مرحوم، خزانچی، ملازم رائیصاحب) کے دیکھنے اور تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ سیتا ساہ کے باپ مٹھو لال تھے اور دادا ریوتی رام، جو غالباً اب سے دو سو برس پیشتر دریا باد مین آباد ہوئے تھے۔ لیکن، یہ نہیں ظاہر ہوتا کہ لالہ ریوتی رام کہان سے آئے تھے اور کس طرح۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ساہ جی نے ایک مرتبہ قاضیون کی محضر آراضی پر اپنا قبضہ کرکے دیوہرہ تعمیر کرایا۔ قاضی صاحب نے ذریعہ عرضداشت بادشاہ کے حضور مین نالش کی۔ چونکہ سیتا رام ساہ ایک بڑے متمول مہاجن تھے، اس لئے عمال سلطانی ان کا دم بھرنے لگے اور قاضی صاحب کامیاب نہ ہوئے۔ کچھ دنون کے بعد قاضی صاحب کی طرف سے ایک ملانی محضرنامہ لکھا گیا۔ قبل اس کے ہندو بھی ایک بیجا ویے مثیا دشم میں مبتلا ہو کر ملا وجہ ساہ جی سے ناراض ہو چکے تھے، اس وجہ سے وہ بھی مسلمانون کے شریک ہوئے اور معزز ہنود و مسلمان کے دستخط سے یہ محضر دربار شاہی مین پیش کیا گیا۔ سیتا رام نے اس مرتبہ بھی کوشش کی۔ لیکن، مقبول الدولہ بہادر ناظم اور سیف الدولہ معتمد خاص سلطانی نے اچھی طرح تحقیقات کرکے رئیس قاضی صاحب کو دلادی اور مندر کے عیوض مسجد تعمیر کرانے کا حکم صادر فرمایا۔ چنانچہ مندر رکھود کر مسجد کی تعمیر شروع ہوئی، جس کا سنگ بنیاد قاضی نورالحق صاحب نے ۱۲۱۱ھ مین رکھا۔ یہ مسجد ویران اور شکستہ حالت مین قاضیون کے مکان سے متصل پورب طرف ابتک موجود ہے۔ دیوہرہ والا مکان جو کھدنے سے بچ گیا تھا بختی پران سکھ کے قبضہ مین آیا، جو غالباً ۱۹۰۱ء کے قبل کھدکر بے نام و نشان ہو گیا۔

اس شرمناک واقعہ سے ساہ جی کا طرز عمل قابل نفرین معلوم ہوتا ہے، جو ان کی بداخلاقی کا کافی ثبوت ہے۔ بعض لوگون کا بیان ہے کہ سیتا رام ساہ بہاری لال صاحب (لکھنوی) کے عزیزدار تھے اور اس قدر متمول تھے کہ سنگی ساہ کے بعد ان کا نام لیا جاتا تھا۔

مذکورۂ بالا محضرنامہ قاضی حاجی حسن صاحب کے پاس، اور شجرہ خاندانی سیتا ساہ شکھر چند کے یہان موجود ہے، ساہ جی کے خاندان سے ہین۔ (سراوکی محلہ)۔

شیورام و کاشی رام پانڈے

کانکبج برہمن، بھردواج گوتر، لکھنؤ کے ٹھاچاریہ پانڈے بڑے عالی نسب، بہت بڑے معزز، مہاجنی مین مشہور و معروف ہونے کے علاوہ اولوالعزم اور امیر کبیر بھی تھے۔

ف قدیم زمانے مین مشہور تھا کہ سراوک لوگ مندر مین مورت استھاپنا کے وقت برہمن کے بیٹے کو بھینٹ چڑھاتے ہین۔ اسی جہالت آمیز خیال نے دریاباد کے ہندوؤن کو بھی سیتا رام ساہ سے متنفر کر دیا تھا، حالانکہ جیسی بزرگ سابیہ ایسے موذی جانور کو بھی نہین مارتے ۱۲۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اِن کے مورث اعلیٰ موضع امرا (پرگنہ بدوسرائے) سے تین سو برس کا زمانہ ہوا دریاباد مین بسلسلۂ رشتہ داری آباد ہو گئے تھے، جو صاحب دولت اور اچھی حیثیت رکھتے تھے۔

یہ غیر معمولی مہاجن تھے، لاکھون کا کاروبار تھا۔ بڑے بڑے تعلقدارون اور رئیسون کو ذریعۂ دستاویز قرض دیتے تھے علاوہ مہاجن ہونے کے کارخانہ دار بھی تھے۔ شکر کا کارخانہ دور دور تک مشہور تھا۔ سُنا جاتا ہے کہ اِن کے کارخانہ کی بنیاد اٹھارہ تھرون پر قایم تھی۔ "تھر" اُس زمانے مین ڈھائی تین ہزار روپیہ کے سرمایہ کو کہتے تھے۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ پانڈے جی کا کارخانہ بحساب اوسط پچاس ہزار روپیہ کی شکر ہر سال تیار کرتا تھا، جو آج کل گرانی کے زمانے مین ڈھائی تین لاکھ کے سرمایہ سے کم نہ ہوا۔

پانڈے جی نے اپنی قوتِ بازو سے دولت کثیر پیدا کی تھی۔ دریاباد کے اطراف مین اِن کے برابر کوئی متمول نہ تھا حتیٰ کہ "لکھ پتی" مشہور تھے۔ ایک دستاویز[1] مین لکھا ہے کہ:۔

"آنکہ مبلغ دو صد و پنجاہ و سہ روپیہ سکہ چلین کہ نصف آن یک صد و بست و شش روپیہ ہشت آنہ میشود از بیش پانڈے شیو رام و کاشی ناتھ مہاجن ساکن دریاباد کہ نضامنی لالہ مصری لال قرض گرفتہ ماہت قسط چہاراتی تعلقہ لال پور وغیرہ داخل سرکار نمودہ شد اقرار آنکہ مبلغ مرقوم سود بحساب سوائیر دو روپیہ ماہانہ بمیعاد یا سردہ روز بلا عذر ادا کردہ خواہد شد ہیچ عذر و حیلہ بمیعان نخواہد آمد بنابران این چند کلمہ بطریق مسک نوشتہ دادہ شد کہ ثانی الحال سند باشد فقط (مہر مہی[2] لال) تحریر فی التاریخ چہارم شہر رجب المرجب مطابق آخین بدی یکم روز جمعہ سنہ ۱۲۵۱ھ مطابق سنہ ۱۲۴۳ فصلی"

مذکورۂ بالا تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ شیو رام و کاشی ناتھ سنہ ۱۲۵۱ھ مین موجود تھے (دستاویز نوشتہ درگا دلدہنسا کلوار مرقومہ سمبت ۱۸۹ بکرمی سے بھی اِس کی تصدیق ہوتی ہے) جو پانڈے جی کے نام ہے اور اوری لال کلوار کے یہان موجود اور لین دین کا کام دور اندیشی کے ساتھ کرتے تھے۔ لیکن، عام مہاجنون کے برخلاف سود زیادہ کھاتے تھے، اُس وقت سود کی شرح بہت معمولی تھی۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اب سے ۸۰ برس قبل لوگ ایماندار و دیانت دار ہوتے تھے۔ قانونی پیچ بندیون اور تباہ کن دقیقہ خیز شرائط سے کوئی واقف نہ تھا۔ ضرورت پر مہاجن کے اطمینان کے لئے صرف معمولی چند سطرین کافی سمجھی جاتی تھین۔ گواہون کے دستخط کی بھی چنداں ضرورت نہ تھی، کاتب کے دستخط یا مُہر سے کام چل جاتا تھا۔ ولدیت، قومیت، پیشہ، سکونت وغیرہ لکھنا بھی خاص ضروری نہ تھا۔ لیکن، اِس ترقی یافتہ دور مین جسے آج کل علم و تہذیب کی معراج خیال کیا جاتا ہے، اِس قسم کی تحریر بالکل بیکار ہے۔ ہم دیکھتے ہین کہ معمولی سے معمولی دستاویزین دنیا بھر کی شرطون، ضروری و غیر ضروری قانونی ضابطون سے مکمل ہونے کے ساتھ ہی محکمہ رجسٹری کی مُہر سے مزین ہونے پر بھی بغیر عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے کوئی مفید نتیجہ نہین پیدا کرتین جو نہایت ذلیل اور شرمناک بات ہے۔ اِن مُصدقہ دستاویزون میں بہت سی دستاویزین عدالت سے بھی خارج ہو جاتی ہین۔ اِس لئے اگر ہم لوگ قدیم زمانے کی روش اختیار کر کے اپنے بزرگون کی مبارک تقلید پر آمادہ ہو جائین اور ایمانداری سے کام لین تو طرفین کو بیجا خوشامد، بیجا

[1] منشی نگین بہاری لال صاحب کے یہان موجود ۱۲ [2] دیوان روشن لال صاحب کے بیٹے کا نام ۱۲۔

مصارف، زیرباری اور ناقابلِ برداشت مصیبتون کا سامنا نہ کرنا پڑے، اور کرورون روپیہ ہر سال مقدمہ بازی اور محکمہ رجسٹری مین صرف ہوتا ہے، پس انداز ہوکر مفید اور نتیجہ خیز کامون مین لگایا جائے، جس سے نہ صرف افلاس دور ہو، بلکہ ملکی ترقی کے لئے نیک فال ثابت ہو۔

شیورام وکاشی رام مہاجن اور کارخانہ دار ہونے کے علاوہ اچھے زمیندار بھی تھے، لال پور و بھلوتا وغیرہ کئی ایک مواضعات انکے قبضہ مین تھے جنھین انھون نے رہن و بیع کے ذریعہ سے حاصل کیا تھا۔

ان کے بعد ان کی نسل مین رگھناتھ پرشاد عرف رگھناتھ اور کنج بہاری عرف کنجا پانڈے ان کی جایداد کے مالک ہوئے۔ رگھناتھ پانڈے بڑے مخیر اور دی حوصلہ بزرگ تھے، جن کی نسبت عجیب و غریب روایات سننے مین آتی ہین، چند اُن مین سے حسب ذیل ہین:-

(۱) ہر سال ان کے یہان ہولی کی تقریب مین حسب حیثیت شکر پرہمنون کو خصوصاً، ہندو غریبون کو عموماً تقسیم کی جاتی تھی (۲) پتر پکش یعنی کناگت کے دنون مین شرادھ کے موقع پر پوریان ہندو مسلمانون کو بلا قید مذہب خاص اہتمام سے گھر گھر تقسیم کی جاتی تھین۔ یہ پوریان ڈیڑھ ڈیڑھ ہاتھ قطر کی نہایت صاف و شفاف اور نفیس و باریک خوبصورت ہوتی تھین (۳) ان کے یہان پانون کا بہت بڑا خرچ تھا۔ ان کی نشستگاہ مین علیحدہ ایک جگہ چوکی یا تخت پر ایک برتن مین بہت سی پانون کی ڈھولیان معہ ضروری مصالہ وغیرہ کے ہر وقت رکھی رہتی تھین۔ دوست و احباب جو اُن سے ملنے آتے تھے، پان بنا بنا کر، جب تک بیٹھے رہتے، کھایا کرتے تھے اور چلتے وقت حسب خواہش گلوریان سا کر اپنے ہمراہ لیجاتے تھے۔ اجنبی لوگون یا غیر مذہب والون کو خدمت گار خود تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد پان دیا کرتا تھا۔ پان نفیس ہوتے تھے اور مصالہ مین کتھا، ڈلی، چونے کے علاوہ چھوٹی الائچی، جاوتری، لونگ، خوشبودار تمباکو، کلوپرا وغیرہ ضروری اجزا بھی شامل ہوتے تھے (۴) رگھناتھ پانڈے کا یہ عام دستور تھا کہ اپنے یہان ہر وقت موسم کے لحاظ سے انواع و اقسام کے قیمتی لڈو بنوا کر رکھے رہتے تھے۔ جب کوئی اُن سے ملنے یا کسی ضرورت سے اُن کے مکان پر جاتا تھا اور اُس کے ہمراہ کوئی لڑکا یا لڑکی ہوتی تھی تو، چلتے وقت اُسے دو چار لڈو ضرور دیتے تھے۔ اس طرح بہت سے لڈو روزمرہ بلاناغہ بچون کے خوش ہونے کی غرض سے ان کے دروازے پر بلا خیال قوم و مذہب تقسیم ہوا کرتے تھے (۵) پانڈے جی سائل کا سوال اپنی مقدور کے موافق کبھی رد نہین کرتے تھے۔ اجنبی یا غیر اجنبی سب کے ساتھ مہربانی کا یکسان برتاؤ تھا۔

لالہ دیبی دین صاحب فرماتے ہین کہ ان پانڈون کا ایسا زمانہ تھا کہ رگھناتھ پانڈے کے بیٹے اپنے گھوڑے کو روزانہ صبح و شام دونون وقت "جلیبیان" کھلایا کرتے تھے۔ مولوی حکیم محمد عبدالحسیب صاحب ارشاد فرماتے ہین کہ ہمنے بھی اپنے والد کی زبانی یہ لطیف واقعہ سنا ہے۔ اس سے پانڈون کی غیر معمولی امارت ظاہر ہوتی ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ اپنے بزرگون کی طرح دانشمند اور زمانہ شناس نہ تھے۔ ان کے وقت مین لین دین کا حساب کتاب بہت بے قاعدہ ہوگیا تھا، ہزارون روپیون کا جمع و خرچ محض زبانی یادداشت کی بنا پر ہونے لگا تھا۔

بقایا روپیہ کے وصول کرنے مین سختی کے ساتھ تقاضا نہین کیا جاتا تھا۔ جہان باقی دارانِ کے سامنے آکر خوشامد کرنے لگتا تھا، یہ چُپ ہو جاتے تھے، پھر اُس سے کچھ نہین کہتے تھے۔ جب دوست واحباب اس پر اعتراض کرتے کہ تمھارے اس برتاؤ سے ہزارون روپیون پر پانی پھرا جاتا ہی اور جتنی باقی ہی، سب ڈوبی جاتی ہی، تو پانڈے جی جواب دیتے کہ "بھائی ہم کیا کرین؟ ہم سے تو یہ نہین ہوسکتا کہ بڑے بڑے آدمی ہمارے سامنے آکر گھنٹون ہاتھ باندھے ہوئے کھڑے رہنے کے ساتھ ساتھ منت وخوشامد کرین اور ہم بے مُرّوتی سے تقاضا کرنے پر آمادہ ہون" یہ تو رگھناتھ پانڈے کا حال تھا۔ اور کنجی پانڈے ان کے بھائی بڑے بداخلاق اور مغرور تھے، اُنھین آدمیون سے ملاقات کرنا دُوبھر تھا۔ لوگ گھنٹون دروازے پر انتظار مین کھڑے رہتے تھے، مگر پانڈے مہراج گھر سے باہر نہین نکلتے تھے، حاجت مندون کی کون سُنتا؟ اس غفلت اور ناعاقبت اندیشی سے نوکرون چاکرون کی بن آئی "مالِ مُفت ودلِ بے رحم" پر عمل کرکے خوب گلچھرے اڑانے لگے نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی روز مین کارخانہ چوپٹ ہوگیا، مہاجنی خاک مین مِل گئی، گھر کی ساری دولت غایب ہوگئی، زمینداری برائے نام رہ گئی۔ بے شمار روپیہ جن لوگون کے ذمہ واجب الادا تھا، باضابطہ تحریر نہ ہونے سے تلف ہوگیا اور قدیم بھاری بھاری دستاویزیں خارج المیعاد ہوکر ناجائز ہوگئین، پانڈے جی دانے دانے کو محتاج ہوگئے۔

ایک معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ غدر کے زمانہ مین حفاظت کی غرض سے کنجی پانڈے کا روپیہ ایک بہت بڑے آدمی کے یہان رکھا گیا تھا جو، بعد غدر مانگنے پر صاف ہضم کرلیا گیا، ذرا ڈکار بھی نہ لی گئی۔

رانی مئو اور سکرورھا کے اطراف میں اکثر بزرگون کی زبانی سُنا گیا ہی کہ "کنجی پانڈے کا بیشمار روپیہ رئیسون کے یہان ڈوب گیا، جس نے قرض لیا، ادا نہین کیا" بعض لوگون نے چشم دید واقعہ کی بنا پر یہ بھی بیان کیا کہ "کنجی پانڈے کا ایک زمانہ وہ تھا کہ لوگون سے ملاقات نہین کرتے تھے، ایک زمانہ ایسا آیا کہ رانی مئو اور سکرورھا کی طرف ننگے پانون مارے مارے پھرتے تھے، کوئی بات بھی نہین کرتا تھا، حالانکہ اس قرب وجوار کے بڑے بڑے آدمی اُن کے پُرانے قرضدار تھے"۔

اِن حالات سے ثابت ہوتا ہے کہ رگھناتھ پانڈے ضرورت سے زیادہ سیدھے سادھے اور مروت دار تھے، اس لئے زمانہ شناسی کا فرض نہ ادا کرنے کے باعث تباہ وبرباد ہوئے۔ تلسی داس جی نے سچ کہا ہے "بہت سیدھائی اَت بڑا دو کھو" یعنی زیادہ سیدھا پن بہت بڑا عیب ہے۔

مہابیر دیچھت کے یہان گوپال سیوک دیچھت کی ایک ہندی چٹھی دیکھنے مین آئی ہی۔ اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رگھناتھ پانڈے وغیرہ سمبت ۱۹۲۰ کرمی مطابق ۱۸۶۳ء مین بقیدِ حیات تھے۔

آج کل پانڈون کے خاندان مین مہابیر پانڈے وغیرہ رائے صاحب کے یہان ملازم اور صرف موضع بھلونا کا دس آنہ آٹھ پائی حصہ ان کی ملکیت مین موجود۔ قدیم مکان کے متعلق کچھ حصہ شکستہ حالت مین باقی، جس سے اگلی شانِ عمارت کا بخوبی پتا چلتا ہے۔ (ٹھکانی ٹولہ)۔

---

۵ یہ رائے صاحب کے یہان ضلع اعظم مین۔ انھون نے قدیم مکان کی زمین پر اکثر طرف ذات خاص اور سر نو پختہ مکان بنوا کر اپنے بزرگون کا نام قایم کیا ہی۔ ۱۲

لالہ درباری لال ساہ

جین، فرقہ دگامبری، از خاندان سیتا رام ساہ، لالہ دیبی داس کے بیٹے، مشہور مہاجن، نہایت نیک۔ انھون نے کبھی کسی قرضدار پر نہ غصہ کیا نہ نالش کی، جو کچھ مل جاتا تھا چپکے سے لے لیتے تھے، کسی کو مطلق خبر نہ ہوتی تھی۔ درباری لال کے لڑکے نیم چند بھی اپنے باپ کے طرز پر قدم بہ قدم چلنے مین شہرت رکھتے تھے۔ یہ طاقتور خوبصورت، اچھے ہاتھ پاؤن والے بزرگ تھے۔ تخمیناً ۹۰ سال کی عمر پائی، ۱۹۰۱ء مین قضا کی۔ اِن کے بیٹے لالہ جگمندر داس بھی اپنے بزرگون کے نقش قدم پر چلنے کو اپنا فخر سمجھے۔ تخمیناً ۴۵ برس کی عمر مین آخر ۱۹۱۰ء کے قریب وفات پائی۔ اولاد مین سیام لال، کنتو مل، کیشو رام، مکان پختہ موجود۔ (سراد کی محلہ)۔

لالہ ٹیکا رام کندن لال۔

جین، دگامبری فرقہ، مہاجنی مین قابل ذکر۔ دریاباد مین آڑھت کی دوکان تھی اور لکھنؤ مین ہنڈوی کے کاروبار کی کوٹھی دوکان ٹیکا رام کندن لال کے نام سے اور کوٹھی منشی رام گوبند پرشاد کے نام سے مشہور تھی۔ لکھنؤ کا کاروبار تھا۔ غدر کے بعد کاروبار معرض زوال مین آگیا اور اب سے نصف صدی قبل اِن لوگون نے دریاباد چھوڑ کر لکھنؤ سکونت اختیار کی۔ ٹیکا رام کے بیٹے لالہ دہان بہ قیدحیات اور چوک مین اُن کی دوکان گوٹے کی موجود۔ (چھپی ٹولہ)

لالہ منگل سین

دیش، شیو گوپال زرگر کے بیٹے، کوٹھی دال مشہور تھے۔ اِن کے بزرگ غالباً لکھنؤ سے آئے تھے۔ یہ تین بھائی تھے بھوانی دین، گھورو اِن سے بڑے تھے۔ منگل سین کے نام سے دریاباد مین ایک کوٹھی قائم تھی، جس مین دہلی، کلکتہ، بمبئی وغیرہ سے ہنڈیون کی خرید و فروخت ہوتی تھی، ساتھ ہی اِس کے جواہرات کا بھی بیوپار ہوتا تھا، کپڑے کی تجارت بھی ہوتی تھی، انگریزون سے لین دین بھی تھا، جس کی نسبت بابو برج لال صاحب کا بیان ہے کہ بہت سی دستاویزات انگریزون کی لکھی ہوئی خود ہمنے دیکھی ہین۔ غالباً ۱۸۷۵ء کے قبل کاروبار منگل سین کی بیجا عیش پرستی کے باعث ایک افسانہ کی صورت اختیار کر چکا تھا، صرف برائے نام کچھ مہاجنی اور کپڑے کی دوکان باقی رہگئی تھی۔ ۷۵ سال کی عمر مین ۱۹۰۵ء مین وفات پائی۔ یادگار مین پختہ دو منزلہ مکان سر بازار موجود، جو قدیم مکان کے گرجانے پر تیار ہوا تھا۔

منگل سین کے بیٹے اجودھیا پرشاد بڑے عقلمند، ہوشیار، محنتی، آن بان والے، عاقبت اندیش، ذی حوصلہ بات کے دھنی، صاف گو، روشن خیال، ساتھ ہی اس کے شوقین مزاج، امیر دل، خوش اخلاق، خوش پوشاک اور عیش پرست بھی تھے۔ بگڑی ہوئی حالت کو خوب سنبھالا، کاروبار کے ترقی دینے مین حتی المقدور بہت کوشش کی۔ لڑکے کو بی، اے تک تعلیم دلوائی۔ ۱۹۱۲ء مین فوت ہوئے، ۶۶ سال کی عمر پائی۔ اولاد مین سرج لال۔ یادگار مین دو منزلہ پختہ مکان

واقع چھپی ٹولہ۔

مکندی ساہ

جین، فرقہ دگامبری، از خاندان سیتارام ساہ، پارس داس عرف پارس کے بیٹے، مشہور مہاجن، ڈھائی تین لاکھ (روپے، اشرفیاں، زیورات) کی دولت کے مالک۔ اصل نام مکندی لال، عرف مکندی ساہ۔ انھون نے اپنی زندگی ایسے ناگفتہ بہ طریقہ سے بسر کی کہ معمولی سے معمولی حیثیت والا آدمی بھی ان سے لاکھ درجہ اچھا تھا۔ افسوس ہے کہ باوجود لاولد ہونے کے ساہ جی نے اپنی زندگی مین حسب حیثیت کوئی نیک کام نہین کیا۔ تخمیناً ۷۰ سال کی عمر مین آخر ۱۹۰۲ء کے قریب فوت ہوئے۔ ساری دولت عزیزون کے قبضہ میں آکر بہت جلد برباد ہوگئی۔ یادگار مین ایک معمولی باغ اور چاہ پختہ معہ پوشالہ حلوائی کے تالاب پر موجود۔ یہ کنوان اور پوشالہ عرصہ سے جابجا شق ہوجانے کے باعث بیکار۔ کنوان بالکل خشک، نام کو بھی پانی نہین۔ لیکن ساہ جی کے باپ کے نام سے جو چاہ پختہ معہ پوشالہ انھین کے نصب کردہ باغ مین سراہی کے جھیل سے متصل، لب سڑک پختہ پورہ سکری کے قریب واقع ہے اُس سے لوگ فائدہ اُٹھاتے ہین (سراد کی ٹولہ)

ہرپرشاد بہاری لال

اگروال سراوگ، جین، کوٹھی وال مشہور۔ ہرپرشاد کے بزرگ ضلع پانی پت کے "بروٹی" نامے مقام سے دو سو برس کا زمانہ ہوا بوجہ قحط سالی پریشان ہوکر بہ سلسلہ قرابت دریاباد آکے آباد ہوئے تھے۔ غدر کے بعد انگریزی عملداری کے شروع مین ہرپرشاد نے بہاری لال کی شرکت میں کوٹھی قایم کی تھی، جو "ہرپرشاد، بہاری لال" کے نام سے مشہور تھی، جس مین ہنڈیون کی خرید و فروخت ہوتی تھی، دور دور اس کوٹھی کی شہرت ہوگئی تھی۔ ۱۸۹۶ء تک کارخانہ ترقی کے ساتھ قایم رہا۔ مگر ہنی آرڈر فارم کی ایجاد اور بنک کا دفتر قایم ہوتے ہی زوال مین آگیا۔ اب سے تخمیناً ۴۰ برس قبل ہرپرشاد نے وفات پائی اولاد مین جے دیال، منوہر داس بہ قید حیات، مکان پختہ دو منزلہ موجود۔ (سراوگی محلہ)

لالہ کندن لال

عرف کندن، جین، فرقہ دگامبری، لالہ ہیرالال کے بیٹے، لالہ سیتارام ساہ کے خاندان سے تھے۔ اپنے ہم عصر مہاجنون مین ان کی خاص شہرت تھی۔ ان کا کاروبار بالکل کھرا، ذرا بھی کھوٹا نہ تھا۔ یہ نہایت ایماندار ذی فہم، دور اندیش اور زمانہ شناس تھے۔ صرف سونا چاندی رہن رکھ کر قرض دیتے اور اپنے اصول کے سختی کے ساتھ پابند تھے۔ یہی وجہ تھی کہ بہ نسبت دیگر مہاجنون کے انھین کاروبار مین کبھی نقصان نہین برداشت کرنا پڑا۔ انھون نے عمر بھر نہ کسی پر نالش کی نہ اہل معاملہ سے رنجش کی نوبت آئی۔ ان کے مزاج مین لالچ کو مطلق دخل نہ تھا۔ انھون نے قرضخواہون کی زیر باری کے خیال سے سود کی شرح مین بہت کچھ تخفیف کردی تھی۔ اس سے قبل دریاباد مین شرح سود سونا چاندی

رہن رکھنے پر ڈیڑھ روپیہ اور دو روپیہ فیصدی ماہوار تھی۔ مگر کندن نے چھ آنہ، دس آنہ اور بعض موقع پر آٹھ آنہ سیکڑہ ماہوار سے زیادہ لینا پسند نہین کیا، جو اِن کی نیک نیتی اور انسانی خیرخواہی کی ایک بہترین یادگار ہے۔ کندن لال اپنے اوصاف حمیدہ کے باعث بہ قول شخصے آدمی نہین سونا تھے۔ سنہ ۱۹۲۰ء مین انتقال ہوا۔ ۷۰ برس کی عمر پائی۔ اولاد مین تمیز چند، گلاب چند، کیسر چند بہ قید حیات، مکان پختہ موجود۔ (مراد کی ٹولہ)۔

دوسری فصل کارخانہ دارون کے بیان مین

سَدھان بُدھان

شکر سازی کے متعلق مشہور و معروف کارخانہ دار۔ اِن کا ذکر باب ہذا کی پہلی فصل مین تفصیل کے ساتھ درج ہو چکا ہے۔

سعادت علی، جیا لال

سعادت علی، عطر فروش، جیا لال گندھی۔ دونون عطر اور تیل کے کارخانہ دار اور دوکاندار تھے۔ نواب آصف الدولہ بہادر کے زمانے مین اِن کی دھوم تھی۔

امامی، جانو، اَللہ رکھّو

اپنے وقت کے نامی کارخانہ دار، مشہور تنبا کو فروش۔ یہ لوگ کسی دوسری جگہ کا بنا ہوا تنبا کو نہین بیچتے تھے، بلکہ خود اپنے کارخانون مین خوشبودار اور ہر قسم کا عمدہ خمیرہ تنبا کو تیار کرا کر دوکان پر فروخت کرتے تھے۔ امامی، جانو اب سے ایک صدی قبل موجود تھے، اَللہ رکھّو نصف صدی پیشتر زندہ تھا۔ (ٹیڑھی بازار)

سلار بخش

شمع، عطر اور تیل کے کارخانہ دار، مشہور اور ایماندار عطر فروش، مگر ہر فن مولا، تعزیہ دار بھی تھے۔ اِن کی موم زردی بہت مشہور تھی، جو دو ڈھائی ہاتھ بلند خالص موم کی ہوتی تھی۔

اپنے باپ کے مرنے کے بعد انھون نے کارخانہ کو خوب ترقی دی، جس مین ہر قسم کا عطر اور تیل تیار ہوتا تھا، لیکن کثرتِ عیاشی کے باعث کارخانہ بہت جلد تباہ ہو گیا۔ چونکہ انھین عطر اور تیل کشید کرنے مین کامل مہارت تھی اور عطر وغیرہ کے متعلق اُن کے اجزا، اُن کے ساخت کی ترکیب سے بھی اچھی طرح واقفیت تھی، اس لئے یہ خود عطر اور تیل تیار کر کے ایک مختصر سی دوکان کے ذریعہ زندگی کے دن بسر کرنے لگے، ساتھ ہی اس کے نیچہ سازی، آرائش، پتنگ، تعزیہ وغیرہ فنون بھی حاصل کئے، جس سے آمدنی مین ایک معقول اضافہ ہو گیا۔ سلار بخش تا زندگی عطر فروشی اور دستکاری کی بدولت معمولی طور پر خوش حال رہے۔ بعینا مہ نوشتۂ یار علی کفش دوز بنام مولوی نور کریم صاحب ۱۰۔ ربیع الثانی سنہ ۱۲۷۱ھ سے ثابت

ہوتا ہے کہ یہ ۱۸۵۷ء مین موجود تھے۔ سلار بخش کے لڑکے اُمید علی عرف امیدن ۱۹۱۱ء مین فوت ہو گئے۔ (ٹیڑھی بازار)

بھگّن

اعلیٰ کارخانہ دار، نیک نیت، تنباکو فروش۔ عرصہ تک دریاباد اور قرب وجوار مین بھگّن کے خوشبودار تنباکو کی دھوان دھار تعریفین ہوتی رہین۔ لیکن، غدر کے پندرہ بیس برس بعد وہ قدردان اور شوقین نہ رہے جس سے کارخانے مین بجائے خوشبودار خمیرہ تنباکو کے کڑوا دُرسایا بیٹھاتیار ہونے لگا اور خوشبودار تنباکو کا نام ہی نام باقی رہ گیا۔ ریاست کمیاردرانی مئو، اکبرپور کے رئیس اور بھلسر، تال گانون، حیدرگڈھ، شمیرگنج، زیدپور کے دوکاندار بھگّن ہی کی دوکان سے ہر قسم کا تنباکو منگوایا کرتے تھے۔ بھگّن نے تخمیناً ۹۰ برس کی عمر مین وفات پائی۔ اولاد مین جُمّن وغیرہ۔ (چھیپی ٹولہ، ٹیڑھی بازار)

شیورام کاشی رام

شکر کے مشہور کارخانہ دار۔ ان کا بیان باب ہذا کی پہلی فصل مین مفصل طور پر درج کیا گیا ہے، ملاحظہ ہو۔

انگنو

کبڑیا، شکرسازی کے متعلق دو کارخانون کا مالک۔ ایک کارخانہ کٹرہ روشن لال مین تھا، دوسرا پرتاب گنج مین۔ بیان کیا جاتا ہے کہ "اس کی مان مفلسی کی حالت مین اسے لکھنؤ لے گئی، وہان اس نے ہوش سنبھالا اور قسمت کی یاوری سے سلطانی باورچیخانہ مین ترکاری کا ٹھیکہ دار ہو گیا اور اس طرح دولتِ کثیر پیدا کر کے غدر کے بعد دریاباد آکر اس نے شکر سازی کے کارخانے کھول دیے۔ سو اپنے وقت کے نامی کارخانے تھے۔ یہ بڑا اینک، محنتی، مذہب کا عاشق اور ذی حوصلہ تھا۔ چنانچہ "اللہ کی دیگ" اس کے نام سے اب تک مشہور ہے، جس مین ہزارون روپیہ صرف ہوا تھا۔ کبڑیون مین آج تک اس ہمت کا دُور دُور تک کوئی نہین ہوا۔" اس کے تین مکان تھے۔ ایک لالہ مہیش پرشاد صاحب کھرے کے مکان سے متصل مغل ٹولہ مین، دوسرا کٹرہ مین، تیسرا پرتاب گنج مین۔ یہ اب سے ۳۰ برس قبل لاولد فوت ہوا اور ساتھ ہی اس کے کارخانے بھی فنا ہو گئے۔

براتی و دیبی

اپنے وقت کے اچھے کارخانہ دار۔ بیان کیا جاتا ہے کہ "شکرسازی کا کارخانہ دیبی و براتی کی شرکت مین ۴۵ برس تک برابر جاری رہا، مگر کسی کو کانون کان مطلق خبر نہ ہوئی، سب یہی سمجھتے رہے کہ کارخانہ دیبی کا ہے۔ جب براتی مرے

ؔ جُمّن نے پرانے مکان کو نئے سرے سے پختہ سوایا۔ حاجی وارث علی شاہ صاحب کی تشریف آوری کی تقریب مین دھوم دھامی دعوت کی۔ ہر سال گیارھوین شریف کی غیر معمولی مجلس منعقد کر کے خاص طور پر نام پیدا کیا۔ اس وقت تک زندہ ۱۲۔

تو لوگون کو معلوم ہوا کہ یہ کارخانہ باہمی دونون کی شرکت مین تھا" واہ ری نیک نیتی اور واہ رے اتحاد باہمی!
آج کل ترقی کے لئے اسی نیک نیتی اور اتحاد کی ضرورت ہے۔ محفلون مین صرف دھوان دھار لیکچر دینے اور رزولیوشن
پاس کر دینے سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ ملکی یا قومی مفاد کے لئے براتی و دیبی کے طرز عمل کی تقلید کرنا چاہیئے جنھون نے معمولی
حیثیت سے باہمی اتفاق کی بدولت کارخانہ دار مشہور ہو کر دور دور تک سیکڑون آدمیون کو فائدہ پہونچایا اور خود دولت
مند ہو گئے۔

براتی کے مرنے پر دیبی بوجہ پیرانہ سالی و تنہائی مجبور ہو گئے، اس لئے کارخانہ کو زوال ہونے لگا حتی کہ دیبی کے
مرنے کے ساتھ ہی اُسے بھی موت آگئی۔ دیبی و براتی حلوائی پیشہ بھی تھے مگر مٹھائی کی دوکانین معمولی تھیں۔

براتی، زرگر، دیش، سیتل پرشاد عرف سیتل کے بیٹے، اصل نام براتی لال تھا۔ سُنا جاتا ہے کہ ان کے بزرگ
دریاباد کا بنیادی پتھر رکھنے کے وقت یہان آکر آباد ہوئے تھے۔ انھون نے اپنی زندگی مین شیو آلہ، ایک مختصر سا دھرم
شالہ، چاہ پختہ معہ پوشالہ اور ایک آمون کا باغ تیار کرا کے شیو آلہ کا استھانیا کیا، جسکے جشن مین کئی ہزار روپیہ صرف ہوا
شیو آلے کے دروازے پر سمبت ۱۹۴۵ بکرمی کندہ ہے۔ یہ کل پختہ املاک معہ باغ آبادی کے باہر دکھن طرف تھوڑے فاصلہ پر
اسٹیشن والی پختہ سڑک سے متصل واقع ہے۔ براتی لال ۹۰ برس کے ہو کر ۱۹۰۰ء مین لاولد فوت ہوئے۔ (چھیپی ٹولہ)

دیبی، اصلی نام دیبی پرشاد، بلدی تمبولی کے لڑکے تھے۔ ان کے بزرگ اُس وقت دریاباد مین آباد ہوئے
تھے جبکہ اس قصبہ کی داغ بیل پڑ رہی تھی۔ دیبی کی یادگار مین آبادی کے اُتر جانب ٹکیت نگر والی پختہ سڑک کے قریب ایک
پختہ دھرم شالہ اور ایک چاہ پختہ معہ پوشالہ، ایک آمون کا باغ آج تک موجود ہے۔ دیبی نے ۶۰ برس کی عمر پائی، ۱۹۱۲ء
مین قضا کی۔ اولاد مین سنت پرشاد، عرف سنتو زندہ۔ (سراوکی محلہ)۔

تیسری فصل دوکانداروں کے بیان مین

لالہ بنّے مل

مشہور جوہری، جین، وسوال، از فرقہ شیتامبری۔ ان کا مکان پانچ منزل کا تھا، ان کی یادگار مین "بنّے تلے"
محلہ اب تک موجود ہے۔ افسوس ہے کہ اس سے زیادہ بنّے مل کے حالات نہ معلوم ہوئے۔ (جوہری محلہ، چھیپی ٹولہ)۔

لالہ بھگوانداس جوہری

جین، سراوک، فرقہ دگامبری، از خاندان سیتارام شاہ دیبی۔ اس کے بیٹے، پارس داس کے حقیقی بھائی،
کمندی شاہ کے چچا، جواہرات کے روزگار مین اچھی شہرت حاصل کی تھی۔ ان کی دوکان جوہری بازار مین تھی، آصف
الدولہ کے زمانے مین بقید حیات۔ (سراوکی ٹولہ)۔

درگا پرشاد، راحت علی، رمضان خان

درگا پرشاد، نامی گرامی بادہ فروش، آٹھ دو کانون کے مالک۔ چار دو کانین دریا باد مین تھین، تین لکھنؤ مین اور ایک فیض آباد مین۔ راحت علی و رمضان خان، بہت بڑے عطار تھے۔

اچھا رام، ہنست لال و بھاگو لال، ہیرا

اچھا رام مربہ فروش، گرد و نواح مین اپنا جواب نہین رکھتا تھا۔ ہنست لال و بھاگو لال اور ہیرا بنسا ریون مین نامی تھے۔ زمانۂ حیات اب سے تخمیناً دو ڈیڑھ سو برس قبل۔

سوبھا داس، سمپت رام، روشن علی

سوبھا داس و سمپت رام بزازون مین فرد تھے۔ روشن علی کی دوکان کی روشنائی و قلم دور دور تک مشہور، اور اب سے سوا سو برس قبل موجود۔

راحت علی، درگا دین، ہیرا لال و سادھو رام
ماتا پرشاد، لچھمی نراین، بہاری لال

راحت علی پتمینہ فروش، درگا دین ریشمی پارچہ فروش، ہیرا لال و سادھو رام گوٹا فروش، ماتا پرشاد لچھمی نرائن نقرئی ظروف و زیورات کے دوکاندار، ہر ایک اپنے اپنے زمانے مین خاص شہرت رکھتا تھا۔ بہاری لال چکن فروش، ان کی دوکان پر لکھنؤ کی چکن، ڈھاکے کی ململ، ٹانڈہ کی جامدانی وغیرہ خاص خاص مشہور اور قیمتی کپڑے فروخت ہوتے تھے۔ یہ عہد نواب آصف الدولہ بہادر موجود۔

بالمکند، متھرا داس، فرزند علی

کلاہ فروش، بالمکند و متھرا داس رستوگی، دسوان ٹولہ مین رہتے تھے۔ یہ سب کے سب بڑے ایماندار اور یک سخن دوکاندار تھے، ہر میل کی ٹوپیان اور ہر قسم کے پٹکے دوکان پر موجود رہتے تھے۔ واجد علی شاہی مین عملۂ فوج کی بدعت سے تنگ آکر لکھنؤ بھاگ گئے تھے۔

سوہن لال، خورشید علی، موہن داس

سوہن لال بنارسی، نامی دوکاندار، ان کی دوکان پر ہر قسم کا خوشبودار کھانے کا تنباکو فروخت ہوتا تھا، یہ بنارس

کے رہنے والے تھے۔ خورشید علی، اعلیٰ تنباکو فروش، اِن کی دوکان پر گورکھپور، لکھنؤ، بسوان کا بنا ہوا خمیرہ تنباکو بکتا تھا۔ موہن داس بنارسی، اِن کی دوکان پر بنارس کے ساختہ کپڑے فروخت ہوتے تھے۔ یہ دوکاندار نواب آصف الدولہ بہادر کے زمانے مین خاص شہرت رکھتے تھے۔

لالہ مُنّو لال جوہری

وسوال، جین، شیتامبری فرقہ سے تھے۔ بیعنامہ حویلی مہدی رنگریز سے پتہ چلتا ہے کہ یہ چودھری حسین علی صاحب کے ہم عصر تھے اور نواب سعادت علی خان بہادر سے لیکر غازی الدین حیدر بادشاہِ اودھ کے زمانے تک بہ قید حیات رہے جوہری بازار عرف چوک مین دوکان تھی۔ (جوہری محلہ حال چھیپی ٹولہ)۔

سالِک و رام کِشن

پیشہ حلوائی، اِن کی دوکانین کٹرہ روشن لال مین تھین، جن میں ہر وقت نفیس مٹھائی تیار رہتی تھی، مگر پیڑے خصوصاً مشہور تھے۔ مقدمات اِن کی دوکانون کے پیڑے بطور تحفہ بھیجے گئے۔ سو برس کا زمانہ ہوا کہ دونون موجود تھے۔

لالہ چوکھے رام

عرف چوکھنی، دنیائے کائیستھ، بینساریون مین مشہور، اپنے پیشہ مین ایمانداری کی وجہ سے قابلِ ذکر، نہایت نیک چلن اور سیدھے سادے دوکاندار تھے۔ اولاد مین درگا پرشاد۔ (ٹیڑھی بازار متصل مکان رائیصاحب)

لالہ فقیر چند

عرف فقیرے ساہ، جین، از فرقہ دگامبری، لالہ درباری لال کے بیٹے، مشہور بزاز و مہاجن۔ قول و فعل کے سچے، ایماندار نہایت نیک بزرگ تھے۔ بزازی مین ترقی کرکے مہاجنون مین نام پیدا کرلیا تھا۔ فقیر چند ریاست سورجپور کے خزانچی بھی تھے سمبت ۱۹۳۹ بکرمی مین انتقال ہوا۔ ۶۲ سال کی عمر پائی۔ اولاد مین رگھبر دیال عرف رگھبر ساہ اور سکری پرشاد عرف سکری ساہ یادگار مین ایک باغ، جو منوہر لال سلوک کے قبضہ مین ہے۔ رگھبر ساہ ۱۵ جون ۱۹۰۱ء کو ۵۰ سال کی عمر مین لاولد فوت ہوگئے سکری پرشاد بہ قید حیات صاحب اولاد، قدیم مکان و جائیداد کے مالک ہوس ٹیکس کے ممبر۔

کودی لال

عرف کودی، کلولہ، مشہور مے فروش، از خاندانِ نول رام و ہنس رام اینانِ ہلاس۔ محمد روشن کی ایک دستاویز سے پتا چلتا ہے کہ نول رام و ہنس رام ۱۱۹۸ھ مین موجود تھے۔ اس سے قیاساً ہلاس کا زمانہ اب سے ڈیڑھ سو برس

قبل ثابت ہوتا ہے۔ لیکن ہُلاس کے بزرگون کا نام کیا تھا اور وہ کس وقت دریاباد میں آباد ہوئے تھے؟ اس کا حال باوجود کوشش کچھ نہ معلوم ہوا۔

کودی لال شراب فروشی کے علاوہ مہاجنی بھی کرتے اور انگریزی عملداری مین ضلع دریاباد بھر کے آن بان والے ٹھیکہ دار بھی تھے۔ ٹھیکہ داری کی حالت مین جب گدی دارون کے یہان سالانہ حساب فہمی کی غرض سے جاتے تھے تو، وہ لوگ خوشامدانہ طور پر ان کی خدمت کرتے تھے جسے یہ نامناسب سمجھ کر اُن کا احسانمند نہ ہونے کے خیال سے بہ قید زمانۂ قیام پانچ روپیہ یومیہ چھوٹ حساب مین مجرا دیتے تھے۔ بستی والون کا بڑا ادب کرتے تھے۔ زندگی بھر دریاباد مین کبھی گھوڑے پر سوار نہین ہوئے، ضرورت کے وقت بستی کے اندر پیدل چل کر باہر گھوڑے پر سوار ہوتے تھے۔ گھوڑے کی سواری کا انھین خاص شوق تھا۔ ایک کلان راس سفید رنگ کا گھوڑا ان کے یہان پلا ہوا تھا۔ گھوڑے کے سوا دوسری سواری پسند نہ تھی معزز لوگون مین ان کا شمار تھا۔

یہ فیاض بھی تھے۔ ایک زمین دور پختہ کنوئیں کی مٹی نکلوا کے اوسر نو پختہ بلند جگت بنوا کر پوستالہ جاری کر دیا تھا، جو اب تک موجود اور انھین کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کنوان پورہ حسن علی سے ملا ہوا اسٹیشن والی سڑک سے متصل واقع ہے علاوہ اس کے شیخ سلّی کے مزار کی پختہ چہار دیواری بھی پہلے پہل انھین کے صرف سے تعمیر ہوئی تھی، جو عرصہ ہوا کہ منہدم ہو گئی جس سے ان کی بے تعصبی اور مسلم فقرا کے متعلق ان کی عقیدتمندی بھی ظاہر ہوتی ہے۔ زمانۂ حیات اب سے نصف صدی قبل اولاد مین اوری لال وغیرہ موجود، آبائی دو منزلہ پختہ مکان پر قابض۔ (مغلان)۔

کشن پرشاد

عرف کشن، سراوگ، جین دھرم کے پابند، از فرقۂ دگامبری، حلوائی پیشہ شہرت کا باعث، نہایت ایماندار دوکاندار۔ ان کی دوکان کے پیڑے دور دور تک مشہور تھے، امرتی بھی مشہور تھی، تقریبی ورق دار برفیان بھی عمدہ اور نفیس ہوتی تھین۔ سالک و رام کشن کے بعد پیڑون کے بنانے مین انھون نے بھی خاص نام پیدا کیا تھا۔ ان کے پیڑون مین یہ خاص صفت ہوتی تھی کہ دو دو چار چار مہینے تک رکھے رہنے کے بعد بھی بدستور ملایم اور ذائقہ دار بنے رہتے تھے۔ ان کی دوکان کے پیڑے بڑے بڑے شہرون مین فرمائشی طور پر بھیجے جاتے تھے۔ کلکتہ بھی دو ایک مرتبہ تحفہ کے طریق پر سراوگون نے اپنی برادری مین روانہ کئے تھے جن کا شکریہ نہایت تعریف کے ساتھ ادا کیا گیا تھا۔ کشن پرشاد اب سے نصف صدی قبل زندہ تھے۔ (سراوگی محلہ)۔

امیر خان صاحب

آٹھ دوکانون کے مالک، ساتھ ہی اس کے بے مثل سوانگئے اور اعلیٰ قمار باز، دور دور تک انھین شوقون کے باعث مشہور و معروف۔ ٹھیکہ اور تجارت وغیرہ مین جو کچھ پیدا کیا وہ سب جوے اور عیاشی اور سوانگ کی نذر

کرکے اپنی بے انتہا ناعاقبت اندیشی اور فطری جہالت کی سچی تصویر پبلک کے سامنے پیش کردی۔

امیر خان صاحب کے بزرگوار جو یوسف زئی پٹھان کہلاتے تھے، افغانستان سے ہندوستان آئے۔ انھین بزرگون کی اولاد سے چند لوگ شکوہ آباد اور دریاباد مین آباد ہوگئے۔ مگر، دریاباد مین اُن کے خاندانی بزرگ قتل دخونریزی کی وجہ سے بے نام ونشان ہوگئے۔ دوسری مرتبہ قدیم بزرگون کی نسل سے چند اصحاب بہ عہد شاہ عالم بادشاہ رسالہ کے افسر مقرر ہوکر بکسر کی لڑائی مین شریک ہوئے، جس مین سلطانِ دہلی کو شکست ہوئی۔ یہ رسالہ بادشاہ کے ہمراہ الہ آباد آیا اور وہان صلحنامہ تحریر ہونے کے بعد ان کے بزرگ شجاع الدولہ بہادر کے رسالے مین ملازم ہوکر دریاباد مین تعینات ہوئے اور اس طرح معہ عیال واطفال اُنھون نے یہان سکونت اختیار کی، جن کے خاندان مین اتنی ترقی ہوئی کہ پٹھانون کے نام سے محلّہ آباد ہوگیا، جو واجب العرض دریاباد کے مطابق ۱۸۷۰ء تک قائم رہا، بعد اُس کے ویران ہوکر کٹرہ روشن لال مین شامل ہوگیا۔

خاصا صاحب نواب سعادت علی خان بہادر کے آخری زمانے مین پیدا ہوئے۔ نصیر الدین حیدر بادشاہ کے عہد حکومت مین مغفور پلٹن کے جمعدار ہوئے۔ چند روز کے بعد بہرائچ مین سید سالار مسعود غازی کی درگاہ کے متعلق مُلّاؤن جن ماہی جھگڑا ہوجانے کے باعث درگاہ کی نگرانی ان کے سپرد ہوئی۔ سات برس تک وہان تعینات رہ کر بہرائچ کی شاہی فوج مین مقرر کئے گئے اور واجد علی شاہ کے زمانے تک وہین رہے۔ نوابی ختم ہونے پر اپنے وطن دریاباد آئے۔ یہان غوث محمد خان صاحب کوتوال کی سفارش سے سب انسپکٹری پر مامور ہوگئے۔ لیکن، کوتوال صاحب کی سخت کلامی نے انھین جلد ترک ملازمت پر مجبور کردیا۔ نوکری سے استعفا دیکر کپڑے کی تجارت شروع کی اور دریاباد مین ایک دوکان کھولدی ساتھ ہی اس کے ایک چٹھی کے ذریعہ سے، جو ۱۸۵۷ء کے غدر مین ایک انگریز کی جان بچانے کے عوض انھین کسی افسر نے عطا فرمائی تھی، ضلع دریاباد کے متعلق سرکاری ضروریات رفع کرنے کے لئے اسٹیشنری، فرنیچر نیز تعمیرات کا ٹھیکہ بھی گورنمنٹ سے حاصل کیا۔ جس وقت سمیر صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر ہوئے تو، اُنھون نے شمیر گنج کے تعمیر کا کام بھی (تھانہ، تحصیل وغیرہ کی عمارت) انھین کے سپرد کردیا۔ اسی سلسلہ مین ان کی یہان سات دوکانین کپڑا، غلہ، جوتا، کرانہ، اشیاء وغیرہ کے متعلق قائم ہوگئین۔ اس تجارت اور ٹھیکہ کی بدولت امیر خان صاحب بہت جلد مالدار ہوگئے۔ لیکن، بعض معتبر لوگون کی زبانی یہ بھی سُننے مین آیا ہے کہ "راجہ بھوانی پرشاد صاحب کے بیٹون اور پوتون کے وقت مین خفیہ طور پر ان کے یہان صدہا اشرفیان معمولی رقم کے عیوض رہن ہوکر پھر واپس نہین کی گئین اور بہت سے بیش قیمت مُطلّا اور مرصّع زیورات کوڑیون کے مول فروخت کئے گئے، اور اس طرح ایک کثیر دولت بے محنت ومشقت ان کے ہاتھ آگئی تھی۔ قیمتی زیورون کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ خان صاحب کے زمانۂ افلاس مین ایک انگوٹھی زیدپور کے تعلقدار نے چھ ہزار تین سو روپیہ کو خریدی تھی"۔

۱۸۸۳ء تک خان صاحب کا کاروبار بدستور ترقی کے ساتھ جاری رہا۔ بعد اُس کے ان کے بڑے بھائی سورخان صاحب کے مرتے ہی کل دوکانین شکست ہوگئین اور یہ آزاد ہوکر عیش پرستی پر مائل ہوگئے۔ ناچ رنگ

کی صحبت چمک اُٹھی، ساتھ ہی اس کے قمار بازی اور سٹہ انگ کھیلنے کا بھی شوق پیدا ہوگیا، ادھار دھند روپیہ اُڑانے لگا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۸۴ء سے ۱۸۹۴ء تک یعنی دس برس مین ساری حیثیت خاک مین مل گئی۔ اب رہی برائے نام میدانی (سرائے خواجگی مین چک سعدی خان) وہ بھی رہن و بیع کے ذریعہ سے غیرون کے قبضہ مین آگئی۔ آخر مین دس بارہ برس سخت مصیبتین جھیلنے کے بعد ۲۲۔ اکتوبر ۱۹۰۸ء کو ساڑھے تین ہزار روپیہ اصل معہ سود قرض چھوڑ کر امیر خان صاحب دنیا سے رخصت ہوگئے۔ اولاد مین کالے خان کے بیٹے یعقوب خان بہ قید حیات، قدیم دو منزلہ پختہ مکان پر قابض، محکمہ جنگلات مین ملازم۔ انھون نے اپنے دادا کے وقت کا کل قرضہ معہ سود ادا کرکے اپنی سعادتمندی کا کافی ثبوت دیا ہے۔ (ٹھٹھانی ٹولہ حال کٹرہ روشن لال)۔

جوگل

اگروال بنیش، ان کی دوکان کی راٹھی بہت مشہور تھی۔ لکھنؤ، سندیلہ، ہردوئی وغیرہ تک تحفہ کے طور پر بھیجی جاتی تھی جوگل اب سے ۲۰ برس قبل زندہ تھے۔ (ٹیڑھی بازار)

بھولا پرشاد

عرف بھولا، دنیائے کائستھ، درگا پرشاد کے لڑکے، جوکھے رام عرف چوکھی کے پوتے، نامی عطار تھے۔ علاوہ دوائیون کے کرانہ کے متعلق چیزین بھی دوکان پر فروخت ہوتی تھین، عطر اور تیل بھی بکتا تھا، اور ہر ایک چیز صاف اور عمدہ۔ یہ بھی اپنے دادا کی طرح بڑے ایماندار اور نیک تھے۔ ہر چیز واجبی قیمت پر بیچتے، غریب امیر سب کو راضی رکھتے تھے۔ پڑھے بھی تھے، نسخے بہت جلد اور با سلیقہ باندھتے تھے۔ رائے صاحب اور ٹھاکر جانکی پرشاد سنگھ صاحب تعلقدار کے یہان انھین کی دوکان سے دوائین منگائی جاتی تھین۔ ۱۹۱۲ء مین بعارضہ طاعون فوت ہوئے۔ اولاد مین بیٹا لال موجود، مگر اگلی حیثیت خواب و خیال، دو منزلی پختہ دوکان قایم، آبائی مکان شکستہ اور ویران، چند روز کا مہمان۔

چوتھی فصل عام پیشہ ورون کے بیان مین

محمد علی، آتشباز عید و درگاہی رنگساز مبارک و سعد اللہ صیقل گر مہابلی و درگا خرادی۔ عنایت اللہ و فیاض احمد مرصع ساز برکت علی و کرامت رسول آئینہ ساز خیرات علی و کریم احمد ملمع ساز رحمت و شرافت خیمہ دوز قربان علی و امجد علی جلد ساز کریم بخش و حسین علی رنگریز الفت تاشا نواز منور خان و فرحت علی بہروپیے افضل و محمد نقال، ہر ایک اپنے اپنے فن مین اوستاد افضل و محمد لکھنؤ کا مشہور و معروف بھانڈ کربلا کی صحبت (سنگت) مین رہ کر مشہور ہو گئے تھے۔

نرائن کمہار آبخورے، صراحیان، جھجر بنانے مین ہوشیار تھا۔ عزت و قدرت کسگر، لکھنؤ کی وضع

کے رنگین و نقشدار حقے اور چلمین خوب بناتے تھے، کھلونے بھی مشہور تھے بھوندو کسگر خاص کھلونوں کے لئے مشہور خیراتی نمش کی قفلیاں اور کھیر کے پیلے قابل تعریف بناتا تھا دُنیگر کے موڈھے لائق تعریف ہوتے تھے گنگو بھرجی پرمل خوب بناتا تھا۔ دنیا دُگیا ٹپو اور گا، بنواری اور پنکھوڑی گاندر، ہر ایک اپنے آبائی فن مین یادگار۔

کرم علی و دین محمد سپر ساز اور حسین بخش و سرفراز علی طبلہ ساز اپنے وقت کے مشہور کاریگر تھے۔ موہن لال و موتی رام چھیپی پلی وال، جین، فرد و لحاف کے چھاپنے مین اور راحت خان سنیہہ ساز خاص شک بنانے مین شہرت رکھتے تھے۔

احمد علی و زاہد علی کفش دوز، یہ ایسے کاریگر تھے کہ جس قسم کا جوتا انھین دکھایا جائے، بجنسہ بنا دیتے تھے کسی فرمائش کی بابت مجبور نہ تھے مہنگو سورہ بان ایسے نفیس و خوبصورت بناتا تھا کہ دیکھکر طبیعت خوش ہو جاتی تھی، لکھنؤ تک اس کے مانون کی شہرت تھی۔ اب سے ۵۰ برس قبل زندہ۔ نعمت علی اور مہابت خان کی غلیلین مشہور تھین۔ چھمن و بھگولے پھولون کے گلدستے اور ریور بنانے مین خاص ملکہ رکھتے تھے۔ دیبی و بلدمی آہنگر، اپنے فن مین نہایت ہوشیار تھے۔

دیبی دین نجار بے مثل کاریگر تھا، اپنے آبائی فن کے علاوہ فن آہنگری سے بھی اچھی طرح واقف تھا مشہور ہے کہ دیبی دین کے مرنے پر ایک چھکڑا اوزار برآمد ہوئے تھے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے ایک ٹوٹ کا پلنگ بنا کر رائے سیو راج بلی صاحب کی خدمت مین نذر کے طور پر پیش کیا تھا جسے دیکھکر وہ بہت خوش ہوئے اور دیبی دین کو انعام عنایت ہوا۔ رانی مئو کے مشہور سارنگی نواز بجرنگ کتھک کہتے ہین کہ اس نے ایک سارنگی چھ مہینے میں تیار کر کے مخدوم بخش سارنگی نواز (دریاباد) کو دی تھی جس کے صلہ مین مبلغ تیس روپیہ انعام حاصل کیا۔ دیبی دین تخمیناً ۷۰ برس کی عمر مین اب سے نصف صدی قبل فوت ہوا۔ (پرتاب گنج)۔

رامچرن، دیبی دین نجار کا لڑکا، فن نجاری مین اپنے باپ کا شاگرد۔ اس کی کاریگری کے متعلق بہت سی زبردست یادگارین رائے صاحب کے یہان اب تک موجود ہین جن مین روشنی کا پھاٹک خاص طور پر قابل دید۔ رسول بخش قوال بیان کرتے ہین کہ "رامچرن کی بنائی ہوئی ایک خوبصورت ڈھول ہمارے پاس تھی جو دو فٹ لمبی، ایک بالشت ایک انگل قطر اور پاؤ بھر وزن کی تھی اور خوب بجتی تھی"۔ رامچرن ۱۹۱۴ء مین لاولد فوت ہوا۔ مکان بے نشان۔

چھیدی۔ نجار، ٹوٹ کا پلنگ، کرسیان خوب بناتا تھا۔ ۶۰ سال کی عمر مین اب سے پندرہ بیس برس قبل زندہ۔ اولاد کوئی نہین۔ (کرٹہ روشن لال)

گوردین کہار، گوشت خوب پکاتا تھا اور اس بارہ مین اس نے خاص طور پر نام پیدا کیا تھا۔ دریاباد کے کائستھون مین علی العموم برادری کی دعوت کے موقع پر اکثر گوردین ہی طلب ہوتا تھا اور گوشت پکانے کا کام اس کے سپرد کیا جاتا تھا۔ کباب بھی اچھے پکاتا تھا۔ (تمبولی چوہٹہ)

بدھی حسینی، معمار اب سے ڈیڑھ دو سو برس قبل زندہ۔ مدار، آلہی، منگرے اپنے وقت کے مشہور

معمار، کٹڑہ روشن لال مین سکونت، اب سے ۳۰ برس قبل موجود، یہ لوگ ایماندار اور محنتی تھے۔ نیسی معمار، فنِ معماری سے اچھی طرح آگاہ سنہ ۱۹ء مین بعمر تخمیناً ۷۵ برس فوت ہوا۔

بھوانی دین، نامی گڑے ساز، اپنے فن میں اوستاد، مشہور رہے کہ یہ پچاس روپیہ تک کے قیمتی کوڑے بناتا تھا۔ اُس زمانے مین انھین بیش قیمت کوڑون کی زیادہ مانگ تھی۔ بھوانی دین اب سے تخمیناً ۷۵ برس قبل موجود تھا۔ (کٹڑہ روشن لال)

دیارام، تلوار پر باڑھ رکھنے مین آپ ہی اپنا نظیر محلہ محراں مین کلیس تیس گھر اس پیشہ والون کے تھے، مگر دیارام ہی سب مین مشہور تھا، جو قریباً ایک صدی قبل زندہ۔

ہینگا کمنگر، اعلیٰ درجہ کا رنگساز تھا۔ لوگون کا بیان ہے کہ ہینگا ضلع بارہ بنکی مین اپنا ثانی نہین رکھتا تھا۔ پلنگ کے پایہ، پٹارے، دروازے کی جوڑیان، گاڑیان، (شکرم وغیرہ) فنس، پالکی، میانہ، ہر قسم کے باجے (چوبی وغیرچوبی) وغیرہ نفیس بیل بوٹون کے ساتھ حسب فرمائش ایسا رنگ دیتا تھا کہ جان صدقے ہوجاتی تھی۔ ہینگا نے اس فن کو گورکھپور مین کسی اوستادِ کامل سے حاصل کیا تھا۔ علاوہ رنگسازی کے بانک، پٹے مین بھی نہایت ہوشیار تھا اور اس فن مین مرچ خان کا شاگرد۔ سنہ ۱۹۰۶ء مین لاولد دنیا سے گذر گیا، ۱۰۵ برس کی عمر تھی۔ کمنگر مخفف ہے کمان گر کا، جس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہینگا کسی کمان گر کی اولاد سے تھا، جس نے آبائی پیشہ چھوڑ کر رنگسازی اختیار کی تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ہینگا عہدِ شاہی مین بذاتِ خاص کمان بنانے مین مہارت پیدا کرکے "کمان گر" مشہور ہوگیا ہو۔ (قضیانہ حال مخدوم زادگان)

شیو بخش، گھوڑے کا ساز بنانے مین دُور دُور تک مشہور تھا۔ اس کی نسل مین **مینڈی لال** بھی سادہ اور پُرتکلف ہر قسم کا ساز بنانے کے علاوہ تلوار کٹار کی میان بھی حسب فرمائش ہر قسم کی قابلِ دید بناتا تھا۔ ۸۰ برس کی عمر مین تخمیناً پچاس برس ہوئے کہ مرگیا۔ اولاد مین سورج بلی موجود (کھرن ٹولہ حال مغلان)۔

خدا بخش، آتشباز، بھاگو کا بیٹا، قرب وجوار مین اس کی آتشبازی مشہور تھی۔ نگر، قلعہ، ہوائی، چرخیان خاص طور پر قابلِ تعریف۔ قریباً ۴۰ برس کا زمانہ ہوا کہ ۹۰ سال کی عمر مین فوت ہوا۔ اولاد مین گھورو زندہ۔ (خانزادہ حال چودھریان)

رمضانی، اصل نام رمضان بخش، حجام، فنِ جراحی مین فرد، مصوری و دستکاری مین اوستاد۔ اب سے ایک صدی قبل زندہ، پُرانی وضع کا پابند، سلمہ نما ٹوپی، بڑے پائینچے والا پائیجامہ، چپکن، نری کا جوتا پہنتا تھا۔ ناخواندہ تھا مگر، شین و قاف درست، طرزِ گفتگو نہایت باسلیقہ، امیرون کا صحبت یافتہ، بڑے آن بان والا، چودھریون کا خاص فرمان بردار تھا، بجز اُن کے کسی کی حجامت نہین بناتا تھا۔ سپاہی بھی تھا۔ اولاد مین فقیر بخش، یادگار مین زری و براق ابتک موجود و مشہور۔ (نون ٹولہ شامل چودھریان)۔

ہ یہ زری اگرچہ بوجہ کہنگی عرصہ سے اپنی اصلی شان و شوکت کھو چکی ہے، تاہم اب سے بیس کلیس برس قبل محرم کی نویں تاریخ کو جب اسے چھوٹے چھوٹے خوبصورت ولایتی گلاسون، ہانڈیون، جھابون، قمقمون سے آراستہ کرکے جبوترے پر لاتے تھے اور گلاس روشن کئے جاتے تھے تو ایک دلکش عمارت کا نقشہ آنکھون کے سامنے پھر جاتا تھا۔ زری مذکور تخمیناً دس بارہ فٹ بلند تیار کی گئی تھی، جو دُور سے سنگ مرمر کی تعمیر

ابراہیم عرف براہیم، نائی، جراحی مین کامل۔ بیان کیا جاتا ہی کہ "اس نے منشی منڈی لال صاحب کے والد کو، جو جذام کے عارضے مین مبتلا تھے، بالکل اچھا کر دیا تھا جس کی صلے مین علاوہ انعام واکرام کے چار سیکھ خام آراضی بطور معافی اُنھون نے اسے عطا فرمائی تھی بموجب ماتا پرشاد صاحب مرحوم (وکیل) کے زمانہ حیات تک بحال رہی"۔ یہ بھی رمضانی کی طرح ماحامدہ تھا، مگر تین دفاق درست، بات چیت نہایت سلیقہ آمیز، طرز لباس مین بھی رمضانی کا مقلد۔ تخمیناً اب سے ۸۰ یا ۹۰ برس قبل زندہ۔ اس کا لڑکا گھسو بھی اچھا جراح تھا۔ ۹۰ برس کی عمر مین ۱۹۰۵ء مین فوت ہوا۔ اولاد مین چھنگا جراح موجود۔ (قضیانہ شامل مخدوم زادگان)۔

پیر بخش، نائی، از خاندان رمضانی، آبائی فن مین قابل تعریف۔ حجامت ایسی بناتا تھا۔ کہ تین چار دن تک

معلوم ہوتی تھی۔ لیکن، موزونیت کے ساتھ جابجا موقع سے اس مین جالی کار نگین کام، نفیس بیل بوٹے، سنہری افشان کا چھڑکاؤ وغیرہ صنعتین بھی دیکھنے کے قابل تھیں۔ اس مین لکھنؤ کی تین مشہور عمارتون، آصف الدولہ کا امام باڑہ، فرح بخش عرف چتر منزل، اُلٹی بارہ دری (قیصر باغ) کی خوبصورت نقل پائی جاتی ہی۔ براق بھی اُس وقت اپنی خوبصورتی مین لاجواب تھی۔ براق وزری کے بارہ مین مختلف روایات مشہور ہین جنداُن مین سے یہ ہین (۱) براق کو رمضانی کے باپ بھیئے" اور "تارا" زرگر دونون نے مل کر بنایا تھا۔ زری یحییٰ کی عقیدتمندانہ زور طبیعت کا نتیجہ ہی۔ یحییٰ کے مرنے پر رمضانی نے اس مین اضافہ کر کے زری کو زیادہ بلند کر دیا تھا جس کا آخری حصہ (چبوترہ) عرصہ سے غیر مستعمل ہو کر علیحدہ ہو گیا ہی (۲) ملبے حجام کہتے ہیں کہ اب سے تخمیناً ۳۸ برس ہوئے، جبکہ مین بارہ برس کا تھا، ایک دہلی کا مصور اس زری کی تعریف سُن کر دیا ماد آیا اور زری کا نقشہ اُتار ماچاہا۔ محرم کی نوین اور دسوین دونون دن پریشان رہا، مگر اچھی طرح کامیابی نہ ہوئی۔ مصور کو اُس وقت سے زیادہ حیرت ہوئی، جبکہ جانچ کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ زری چوبی نہیں ہی، بلکہ کاغذ ہی ہی جس کا ڈھانچا بانس کی تیلیون سے بنایا گیا ہی (۳) جب اس زری وبراق کی شہرت لکھنؤ تک ہوئی تو بادشاہ نے رمضانی کو معہ زری وبُراق کے طلب کیا۔ رمضانی حسب الحکم دربار شاہی مین حاضر ہوئے۔ بعد ملاحظہ حکم ہوا کہ "ایک ہزار روپیہ لے لو اور زری وبراق داخل کر دو"۔ یہ راضی نہ ہوئے۔ بادشاہ نے پھر ارشاد فرمایا کہ "تم خود جتنا مانگو دلا دیا جائے"۔ رمضانی نے دست بستہ عرض کیا جہان پناہ مالک ہین، زری وبُراق لے لیجائے اور غلام کو پھانسی پر لٹکا دیا جائے"۔ یہ سُن کر بادشاہ سلامت خاموش ہو گئے اور دونون چیزون کی واپسی کا فوراً حکم دیدیا۔ لیکن، بعض بزرگون کی زبانی معلوم ہوا ہی کہ جب رمضانی طلب ہوئے، تو اُنھون نے جلدی سے ایک دوسری زری معہ براق تیار کر لی جسے بادشاہ کے حضور مین پیش کیا اور وہ داخل کر لی گئی۔ صلے مین انعام واکرام مرحمت ہوا۔ اس سے رمضانی کی عقیدتمندی نے مثل صناعی اور زری وبُراق کی شہرت پر بجلی روشنی پڑتی ہی (۴) بعض لوگ بیان کرتے ہین کہ اُلٹی بارہ دری والا حصہ رمضانی کے بعد ترمیم شدہ حصہ کے عیوض داخل کیا گیا ہی، جو چودھری محمد علی صاحب کی اختراع پرداری کا اعلیٰ مونہ ہے۔ جسے رمضانی کے لڑکے پیر بخش نے اُنھین کے موزونہ نقشہ کے مطابق تیار کیا تھا۔ چودھری صاحب اس فن مین خاص دستگاہ رکھتے تھے اور اگرچہ خود تعزیہ دار نہ تھے مگر معتقد بہت تھے۔ چنانچہ جب تک زندہ رہے، اس تعزیہ کے مہتمم وسرپرست رہے، اُن کے دم تک زری وبُراق کی اصلی شان وشوکت بہت کچھ قایم رہی۔ اب بھی چودھری صاحب کے خاندان والے تعزیہ کی تیاری مین امداد کرتے ہین، جسکی وجہ سے آج کل اسے چودھری کا تعزیہ کہتے ہین ۱۲ —

کھونٹی نظر نہ آتی تھی۔ علاوہ اس کے یہ اُسترے کی باڑھ سے کپڑے پر چکن کا کام ایسا بنا دیتا تھا کہ بیل بوٹے اُبھر آتے تھے، جو ایک ہفتہ سے زائد تک قائم رہتے تھے۔ لیکن اگر کپڑا مہینوں نہ دھلایا جائے تو نشانات بدستور قائم رہین ترقی انگریزی تک زندہ۔ (ڈوڈن ٹولہ شامل چودھریان)۔

بھولئی خیاط آبائی فن مین اوستاد۔ بہ عہد سلطان واجد علی شاہ بادشاہِ اودھ شاہی پارچہ خانہ مین درزیون کا جمعدار تھا۔ (مخزن)۔

شکرو و ہبل بھولئی کے بیٹے، دونون اپنے فن مین قابل ہونے کے علاوہ سوزن کاری سے بھی اعلیٰ واقف سادے انگرکھے کی سلائی دو روپے سے کم نہین لیتے تھے۔ سلائی ایسی کہ کپڑا پُرزے پُرزے اُڑ جائے، مگر سلائی پر حرف نہ آئے جس انگرکھے پر کٹاؤ کا کام حسب فرمائش بنایا جاتا تھا اُس کی اُجرت معہ سلائی کے کم از کم چار روپیہ اور زیادہ سے زیادہ دس روپیہ ہوتی تھی۔ شکرو کو کبوترون کا بھی بڑا شوق تھا۔ انواع و اقسام کے قیمتی اور اعلیٰ کبوتر اپنے باپ کے ذریعہ لکھنؤ سے منگواتا تھا، اس لئے دور دور تک کوئی کبوتر باز اس کا مدِ مقابل نہ تھا۔ ۹۰۔۸۰ برس کے سن مین دونون نے یکے بعد دیگرے قضا کی۔

سرجو، زرگر، بھوانی پرشاد کا بیٹا، نہایت ہوشیار، بے مثل کاریگر، کٹک کی بنی ہوئی اشیا کی بجنسہٖ نقل کرنے مین لائق تعریف۔ تخمیناً ۸۰ سال کی عمر مین ۱۹۰۰ء کے قریب فوت ہوا۔ شاگردون مین مخدوم زرگر لاپتا اور کنھئی و کالکا زندہ موجود۔

آلہی صیقل گر اپنے فن مین مشہور۔ تلوار کا جوہر ایسا چمکا دیتا تھا کہ طبیعت نثار ہو جاتی تھی تلوار کی کاٹھی بھی خوب بناتا تھا۔

سالار بخش معرف سلاری خیاط، اپنے وقت کا نامی کاریگر۔ لکھنؤ مین شاہی درزیون کا افسر تھا، گھوڑا سواری کے لئے عنایت ہوا تھا۔ اولاد مین اس کا پوتا اللہ دین موجود (چھپی ٹولہ)

فقیر بخش مضانی نائی کا بیٹا، فن جراحی مین اپنے باپ کا شاگرد اور انھین کے برابر مشہور۔ خط بنانے مین فرد۔ سوتے مین حجامت بنا دیتا تھا اور خبر نہین ہوتی تھے۔ جب یہ کسی کا خط بنانے لگتا تھا تو اُسے نیند آنے لگتی تھی۔ پانچ منٹ مین ایسا خط بناتا تھا کہ شوقینون کو ایک ہفتہ کے لئے اطمینان ہو جاتا تھا۔ بغیر پانی استعمال کئے خط بنا دینا اور ذرا بھی تکلیف نہ محسوس ہونا بھی اس کا ایک خاص کمال تھا۔ ہر امیر و غریب کی یکسان حجامت بناتا اور خوشی کے ساتھ اطاعت کرنا بھی اسی کا خاص حصہ تھا، جو اس کی نیک نیتی کی اعلیٰ دلیل ہے۔ یہ دستکار بھی تھا۔ اس نے دو چھوٹی براقین ایسی خوبصورت بنائی تھین، جن کے چہرون مین قابلِ تعریف رنگ و روغن کی وجہ سے دیدہ زیبی و دلکشی کی خاص صفت پائی جاتی تھی۔ اِن براقون کا قد بالشت بھر سے زیادہ نہ تھا، ایک اُن مین سے اب تک موجود۔ فقیر بخش ۹۰ برس کی عمر مین اب سے نصف صدی قبل زندہ۔ اولاد مین رزاق بخش جراح، کسی قدر خوشحال (ڈوڈن ٹولہ شامل چودھریان)۔

ڈال چند۔ زرگر، سبک اور نفیس زیور بنانے مین خاص طور پر قابلِ تعریف۔ غدر کے بعد ۸۰ سال کی عمر

مین فوت ہوا - (مخدوم زادگان) -

سرجو - مرلی سنار کا بیٹا، اپنے فن مین لاجواب - ولایتی زیور اور دھات کی چیزین، کٹک کی نقرئی اشیاء دیکھ کر ہو بہو ویسے ہی بنا دیتا تھا کہ اصل و نقل کی تمیز نہیں ہوتی تھی - غالباً ۱۹۰۲ء مین بعارضۂ طاعون ۵۵ سال کی عمر مین قضا کی - اولاد کوئی نہیں - یادگار مین چھوٹا سا پختہ کنوان، مکان عائب - (مخدوم زادگان) -

ہیرا - زرگر، یہ بھی اپنے وقت کا مشہور کاریگر تھا - اب سے نصف صدی قبل زندہ - انگتو - فرد و لحاف کے بنانے اور سوتی و ریشمی کپڑون پر سنہرے روپہلے سل بوٹون کے چھاپنے مین فرد، تخمیناً ۸۰ برس کے سن مین اب سے ۴۰ برس قبل زندہ پڑپچھے بھی اس فن مین خاص مہارت رکھتا تھا - ۳۰ برس ہوئے کہ ۸۵ سال کی عمر مین فوت ہوا - (چھپی ٹولہ)

بھوسو - لائق نائی کا بیٹا، فن حجامی کے علاوہ بانک، پٹے، بانے مین بھی لائق فائق، اور اس فن مین مشہور - اوستاد مدح خان کا شاگرد، نہایت نیک چلن، الاطمع، ہندو مسلمان سب کی اطاعت مین مدل و جان موجود، پابند مذہب بزرگان دین کا دلی فرمان بردار، حضرت تجمل حسین شاہ عرف حسن میان (از اولاد شیخ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ) شاہجہان پوری کا مرید - بیان کیا جاتا ہے کہ بھوسو افیون کا دلدادہ ہر وقت پینک مین بیخود رہتا تھا - گرمی کے زمانے مین ایک روز فرنگی محل کے مشہور عالم مولانا عبد الرزاق صاحب مرحوم در بابا د تشریف لائے اور چھپیدا میان کی مسجد مین وعظ دینے لگے - اس مقدس محفل مین بھوسو کے مرشد بھی تشریف رکھتے تھے - بھوسو پنکھا جھلنے کے لئے حاضر ہوا - اتفاق سے پینک آگئی، پنکھا مولانا کے شانے پر لگ گیا، اس پر بھوسو کے مرشد نے اس کی طرف غصہ کی نظر سے دیکھا، یہ فوراً مسجد کے باہر آیا اور وضو کر کے قسم کھائی کہ، اب افیون نہ کھاؤنگا - کئی مہینے تک افیون ترک کر دینے سے یہ بیمار رہا - طبیبون نے رائے دی کہ اس چیز کو آہستہ آہستہ کم کر کے ترک کرو، دفعتہً ترک استعمال بیحد مضرت رسان ہے - مگر بھوسو نے صاف کہہ دیا کہ "جس چیز کے باعث مرشد کی نگاہ ٹیڑھی ہو گئی وہ چیز اب بالکل حرام ہے، چاہے جو کچھ ہو" لیکن، آخر مین مولوی حکیم عبد العزیز صاحب مرحوم کے علاج سے بھوسو اچھا ہو گیا اور پھر تا زندگی افیون کا نام بھی نہ لیا - یہ ہندی سے واقف اور منہس جواہر کا عاشق بھی تھا - منہس جواہر کی قلمی کتاب ہندی خط مین اس کے پاس تھی، جسے بڑے شوق سے پڑھا کرتا تھا - ۷۰ سال کی عمر مین ۱۹۰۸ء مین لاولد فوت ہوا - شاگردون مین بانک، پٹے کے متعلق غلام محمد نداف، شیو رتن پانڈے، دوسی بھٹیارہ موجود -

علی بخش - خیاط، اپنے آبائی فن کے ساتھ ساتھ بانک اور پٹے کے فن مین بھی خاص شہرت رکھتا تھا -

سید ھاری و مداری - شہنشائی بجانے مین مشہور، بہ عمر ۶۰ سال اب سے ۴۰ برس قبل زندہ -

منو و گھورے بھی اس فن مین کمال رکھتے تھے - منو کی اجودھیا مین بڑی قدر تھی - ہر سال ساون کے میلہ کے وقت کنک بھون مین طلب ہوا کرتا تھا - بہ عمر ۷۰ سال ۱۹۰۹ء مین فوت ہوا -

کریم - از خاندان رحمانی حجام، تاشا بجانے مین قابل اور اس فن مین اپنے پڑوسی بھگت بتولی کا شاگرد، اب سے ۳۰ برس قبل زندہ - اولاد مین عید و موجود - جو اپنے باپ کے قدم بہ قدم چلنے پر کمر بستہ -

غلام علی - نامی کفش دوز - یہ اتنا بڑا کاریگر تھا کہ اس کے بنائے ہوئے اعلیٰ و ادنیٰ ہر قسم کے کفش نہایت

خوبصورت اور سُبک ہونے کے علاوہ یکسان طور پر مضبوط بھی ہوتے تھے۔ باوجود اِن خوبیون کے دام بہت واجبی لیتا تھا۔ اِس نے اپنی زندگی مین ایک پختہ امام باڑہ کے علاوہ ایک پختہ مسجد بھی بنوائی تھی۔ امام باڑہ ۱۸۷۵ء کے بعد نیست و نابود ہو گیا جو ایک سرکاری[1] کاغذ سے ثابت ہی۔ امام باڑہ مسجد سے دکھن طرف واقع تھا۔ مسجد اِس وقت تک موجود اور موچیون کے نام سے مشہور۔ بیعنامہ[2] نوشتہ شیخ جیون سے معلوم ہوتا ہی کہ غلام علی ۱۲۲۹ھ مین زندہ موجود تھا۔ (کفش دوزان حال سیڑھی بازار)

کھرگی ۔ کھار صراحیان اور آبخورے خوب بناتا تھا۔ بہ عہد ٹھاکر جانکی پرشاد سنگھ صاحب ریاست رانی مئو مین اسی کے یہان سے صراحیان منگوائی جاتی تھین۔ (مغلان) ۔

مدح خان ۔ نیچہ اور شک بنانے مین اوستاد، ایماندار اور نیک۔ اِس کا کام خوبصورت اور مضبوط ہوتا تھا۔ (کٹرہ روشن لال) ۔

خدا بخش ۔ رحمان جولاہے کا لڑکا، اِس کی زری و بُراق مشہور تھی۔ یہ تعزیہ دار تھا، تعزیہ فروش نہ تھا۔ تخمیناً ۹۰ برس کی عمر مین ۱۹۰۶ء مین فوت ہوا۔ اولاد مین مُلہے لاتا۔ (چودھری محلہ) ۔

بھاگو ۔ اور اِس کا لڑکا **احمد بخش** دونون کبابون کے لئے مشہور تھے۔ ہر قسم کے کباب مزیدار ہوتے تھے (چودھری محلہ) ۔

حب علی، عرف جبلی، شیعہ، رنگریز، اپنے فن مین نہایت ہوشیار، نیک، اخلاق اور تہذیب کا مجسم پتلا اِس کی زبان ایسی صاف اور شستہ تھی کہ، اچھے اچھے پڑھے لکھے اِس کے سامنے فصیح اُردو نہین بول سکتے تھے۔ اب سے تخمیناً تیس پینتیس سال قبل فوت ہوا۔ **مہدی** بھی اپنے وقت کا مشہور رنگریز تھا۔ (سیڑھی بازار)

لولے، بہودی ۔ تیلی، چھپر بندی مین مشہور۔ جس وقت رانی مئو کے اُولوالعزم اور نفاست پسند تعلقدار ٹھاکر جانکی پرشاد سنگھ صاحب نے برسات کے موقع پر پھوس کا بنگلہ تیار کرانا چاہا، تو یہی دونون کاریگر طلب ہوئے تھے جنھون نے ایسا خوبصورت اور مضبوط بنگلہ تیار کر دیا تھا کہ ٹھاکر صاحب خوش ہو گئے تھے۔ (پٹھکانی ٹولہ)

امام بخش دوانو ۔ نامی خوگیر دوز ہینگا خیمہ دوز اپنے فن مین خاص شہرت رکھتا تھا۔ امام بخش اب سے نصف صدی قبل اور دانو دہینگا ۱۹۱۰ء مین موجود۔

سلار بخش، وقار بخش ۔ سنی المذہب جولاہے، شیخ مشرف کریم عرف شیخ مشرف کے پوتے، مشہور دلال یہ دونون حقیقی بھائی دریاباد مین کپڑے کی تجارت کے متعلق دلالی کرتے تھے۔ باہر سے جو سوداگر مال خریدنے آتے تھے وہ انھین کے مکان پر ٹھہرتے تھے۔ اِن کا کاروبار بہت اچھا تھا، بڑے دولت مند تھے، مکانات پختہ تھے۔ اب سے ڈھائی تین سو برس قبل موجود تھے۔ اِن کی نسل مین حاجی حافظ عبدالجبار و محمد یوسف، عبدالغفور، عبدالرحیم اِس وقت

[1] مثل نمبری ۵۹۰، فیصلہ ۲۴ دسمبر ۱۸۷۵ء، مقدمہ بیع کی سزا، بیان کریم عرف چھیدا میان ۱۲ [2] میان عبدالرشید صاحب کے پاس موجود ۱۲۔

تک موجود۔ انھون نے نان بائی پیشہ کے ذریعہ خوب دولت پیدا کی ہے۔ کلکتہ مین روٹی کی دُوکانین ہین۔ حال مین دو منزلے پختہ مکانات تیار ہوئے ہین۔ یہ لوگ قابل مبارکباد ہین کہ انھون نے پردیس جاکر محنت و مشقت سے روپیہ پیدا کرنے کے ساتھ ہی اپنے بزرگون کے مٹتے ہوئے نشانات کو از سرِ نو قایم کرکے اُن کا نام روشن کر دیا جو انکی سعادتمندی و حب الوطنی کا کافی ثبوت ہے۔ (جوہری محلہ، حال چھیپی ٹولہ)

ساٹھکا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مرزا صاحب کے چند خاندانی معزز دربار شاہی مین ملازم تھے، ضرورت کے وقت ساٹھکا اُن کے پاس خط لیکر جاتا تھا اور ایک ہی دن مین لکھنؤ جاکر دریاباد واپس آتا تھا۔ یہ صار رفتار قاصد ایک دن مین ۶۰ کوس یعنی ۱۲۰ میل چلنے کی طاقت رکھتا تھا، اس وجہ سے اس کا نام ساٹھکا مشہور ہو گیا تھا۔

گھسیٹے و گردین۔ متمول، فیاض و مذہبی عقیدتمندی مین لایقِ ذکر۔ گھسیٹے رایصاحب کے یہان بوتات خانہ مین نوکر تھے۔ آٹے دال کی دوکان بھی تھی۔ دولتِ کثیر پیدا کرکے ایک معقول رقم نیک کام مین صرف کر ڈالی۔ اولاد مین تین لڑکیان۔ یادگار مین بلند اور عمدہ سیو آلہ چاہ پختہ معہ پوشالہ، دھرم شالہ (واقع میان گنج) گھسیٹے کے چچازاد بھائی گردین نے بھی دریاباد سے ۱۲ فرلانگ کے فاصلہ پر ٹکیت نگر والی سڑک پر چاہ پختہ معہ پوشالہ اور ایک دھرم شالہ بنوا کر نام کر دیا یہ بھی خوشحال اور اچھے دوکاندار تھے۔ دونون بھائی ۶۰-۶۵ سال کی عمر مین ۱۹۰۸ء کے قبل فوت ہوئے۔ گردین کی اولاد مین گیا پرشاد موجود۔ ان کے یہان کی جنم اشٹمی مشہور اور کرشن جی کی جھانکی قابلِ دید۔ (ٹیڑھی بازار)۔

گنیشی۔ حلوائی۔ اب سے بیس پچیس برس قبل گلاب جامن بنانے مین خاص کمال حاصل تھا۔ مہینون رکھے رہتے مگر کیا مجال کہ ذائقہ اور خستگی مین ذرا بھی فرق آجاتا۔ تھوڑا زمانہ ہوا کہ ۷۰ سال کی عمر مین فوت ہو گیا۔ (ٹیڑھی بازار)۔

رگھو۔ آہن گر، اپنے فن مین نہایت قابل، بندوق، تپنچہ، بائیسکل کی مرمت خوب کرتا تھا۔ بیکار شدہ پرزون کے عوض اُنکی جگہ نئے پرزے بناکر قایم کر دینا کہ جو اصلی معلوم ہون، اس کا خاص حصہ تھا۔ برادری مین اسے جودھری کے لقب سے شہرت تھی۔ آٹھ نو برس ہوئے گذر گیا۔ (سنگلی ٹولہ حال برداری محلہ)۔

چھٹا باب

عمارات، باغات، محلات، بازار وغیرہ کا بیان

پہلی فصل عمارتون کے بیان مین

قلعۂ شاہی۔ عالی شان پختہ قلعہ بشکل مخمس۔ پانچ برج قایم تھے، جن پر ہر وقت توپین چڑھی رہتی تھین۔ قلعہ کے تین طرف اُتھلا پُختہ مدکن خندق تھی۔ دروازہ پورب جانب تھا۔ قریب ہی توپخانہ کی عمارت تھی قلعہ

مین فوج کے علاوہ ناظم اور پیکار دار بھی رہتے تھے اور اُن کے نیز کچہریون کے متعلق مکانات بھی بنے ہوئے تھے - آئین اکبری مین اس قلعہ کا ذکر ہے - حدیقۃ الارض سے معلوم ہوتا ہی کہ دریا خان صاحب عامل نے اِسے پندرھوین صدی عیسوی مین بنوایا تھا - لیکن مولوی کاظم علی صاحب کے بیان[۵۲] سے قلعہ کی تعمیر بارھوین صدی کے آخر مین پائی جاتی ہے اور شیخ کرم کریم صاحب عرف چھید امیان کے بیان[۵۳] سے ثابت ہوتا ہے کہ قلعہ چودھوین صدی مسیحی مین تعمیر ہوا تھا - غدر کے بعد انگریزی عملداری مین قلعہ کی عمارتین منہدم ہوکر اسکول اور تحصیل کے متعلق جدید عمارتین تعمیر ہوئین - ۱۸۶۸ء کے بعد تحصیل کا دفتر منہی گھاٹ مین قائم ہوا اور ہائی اسکول بارہ بنکی منتقل ہوگیا - آج کل ٹلی ورنا کیولر اسکول اور بورڈنگ ہاؤس موجود - قلعہ کے متعلق اکثر برجون اور چار دیواری کے نشانات ظاہر - قلعہ کی خندق تالاب کی صورت مین "بڑگڑا" کے نام سے مشہور - توپخانہ کا جنوبی حصہ کمیت اور شمالی حصہ پوسٹ آفس کی شکل مین نمودار - پوسٹ آفس کے دکھن طرف تھوڑی دور پر ایک پختہ کنوان ہی جس کا سنگی کتبہ کرنیل گریگ صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر بارہ بنکی لے گئے - توپخانہ کی یادگار مین اب صرف یہی کنوان باقی ہی - قلعہ مین بھی دو پختہ کنوین قدیم یادگار سے ہین جن کی حالت مین مرمت ہونے سے اُن پر جدید طرز تعمیر کا اطلاق ہوتا ہے -

چھٹنکی محل - اصل نام چھٹنکی ساہ کا ست کھنڈا، رام جی مل عرف چھٹنکی ساہ کی مشہور اور بہت بڑی عظیم الشان خوبصورت عمارت، جو نہایت قدیم زمانے مین تعمیر ہوئی تھی - یہ محل سات منزل کا تھا دو مرتبہ کسی نواب کے حکم سے اس کے تین منزل گروا دئے گئے اور دونون مرتبہ مالک مکان نے اُنھین تعمیر کرا دیا - لیکن تیسری مرتبہ سخت حکم نازل ہونے پر پھر دوبارہ منہدم شدہ حصے تیار نہین کئے گئے اور اُس وقت سے چھٹنکی محل صرف چار ہی منزل کا رہ گیا[۵۴] - اس مین دو زبردست تہ خانے تھے، اور جس قدر لکڑی تعمیر مین صرف ہوئی تھی وہ ست منقش اور دلکش سیل بوٹون سے آراستہ تھی - اس محل کا کچھ حصہ ۱۸۰۹ء تک موجود رہا جس مین پنڈت برج نارائن صاحب مغرم عرصہ تک قیام پذیر رہے - تیس بتیس برس کا زمانہ ہوا کہ اسے ہرکھ چند جوہری نے رائے صاحب کے ہاتھ فروخت کر ڈالا تھا جس کا اب کہین نشان بھی نہین - یہ محل بہت بڑے وسیع رقبہ مین تعمیر ہوا تھا - (جوہری محلہ حال چھپی ٹولہ) -

مہابیر جی کا مندر - نہایت قدیم اور مشہور و معروف مندر، جو چار بیگھہ ۱۲ بسوہ کی عمدہ پھلواری مین واقع تھا - پھلواری کی دیوارین پختہ تھین اور چارون طرف برآمدہ والی پختہ کوٹھریان بنی ہوئی تھین، پھاٹک پورب طرف تھا - بیان کیا جاتا ہی کہ "یہ مندر قبل آباد ہونے دریا باد کے موجود تھا - دور دور کے راجہ مہاراجہ اس مندر کے معتقد تھے

---

۵۲ و ۵۳ ملاحظہ ہوں سانات مولوی کاظم علی و درخت اشرف و شیخ کرم کریم، مثل مقدمہ کلیری ۵۹، فیصلہ ۲۴ - دسمبر ۱۸۷۵ء - اجلاس مولوی سید اکبر علی صاحب بہادر اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ضلع بارہ بنکی - راجہ رامدر بہادر سنگھ رئیس اموائے لعہد رام ملی مقابلہ مقدمہ ہیچ کی سزا ۱۲

۵۴ عالیجاہ مہربانی نواب برہان الملک بہادر (صوبہ دار اودھ) کی ہوگی جنھین ایسی ہی قوم والون کی نمود و تہورت لیسند نہ تھی، غیر قوم کی شان و شوکت کب دیکھ سکتے تھے - قیصر التواریخ وغیرہ سے ثابت ہوتا ہی کہ سید وجیہ لکھنؤ کے مشہور و معروف قلعہ تھی محلوں کے پھاٹک کا نام سیخی دروازہ تھا - اُس مین ایک سنگی تمثال لٹکتی تھی، جسے نواب برہان الملک نے کاٹ کر پھنکوا دیا تھا ۱۲ -

جن مین سے راجہ درشن سنگھ دائی احمد دھیا کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہی۔ مندر مین جو مورت تھی وہ بڑی خوبصورت اور چھوٹی سی تھی، جو کسی خاص مسالہ سے گوبر کی بنی ہوئی تھی۔ دریاباد کے چکلہ دار بدری داس نے جب راجہ چھتر پتی تعلقدار ٹھہرا پر سرکاری مالگذاری وصول کرنے کی غرض سے حملہ کیا اور انھین شکست دیکر گرفتار کرنے کے بعد تین برس کی بقایا وصول کرلی تو بموجب اپنے عہد کے مندر کو نئے سر سے ایک عالی شان اور نفیس عمارت کی صورت پختہ بنوا کر قدیم مورت کے بجائے پتھر کی مورت پانچ سو روپیہ کی بنارس سے منگوا کے اس مین استھاپت کی اور پرانی مورت اسی مندر مین دوسری جگہ رکھی گئی ۱۸۵۷ء کے غدر مین مندر چند بدمعاشون کی شرارت سے مسمار ہو کر غارت ہو گیا۔ عرصہ سے یہ شکستہ مندر ایک معمولی مکان بن گیا ہی جس کی جنوبی کوٹھری مین جدید مورت استھاپت ہی لیکن قدیم مورت کا پتہ نہین ہی۔ پجواری بھی کس بیپرسی کی وجہ سے ویران ہو گئی ہی۔ تھوڑے زمانہ سے یہ مقام بابا پورن داس کے تکیہ کے نام سے مشہور ہی۔ اس مندر کے مصارف کے لئے ایک سو روپیہ سالانہ قدیم زمانے مین دربار شاہی سے مقرر ہو گیا تھا جو آخر شاہی تک برابر ملتا رہا۔ علاوہ شاہی عطیہ کے دیگر ریاستون سے بھی ۳۰ بیگھہ خام آراضی مندر کے لئے وقف تھی، جو اب تک بحال ہی۔ لیکن، راجہ صاحب ٹھہرا اپنی معافی کی بابت کچھ لگان وصول کر لیتے ہین۔ (تکیہ پورنداس متصل تالاب دانا شاہ)۔

۱؎ تصدیق کے لئے جید شاہی پروانوں کی نقلین ملاحظہ ہون (۱) پروانہ مہری گردھاری سنگھ مصرم چکلہ دریاباد رودولی وغیرہ۔ درباب سالیانہ لچھمی داس سیرکی استھان سری مہاسیرجی واقع دریاباد خاص موسومہ کمپیر سنگھ و ڈوڈی سنگھ مالگذار موضع سرائی بابت ۱۲۵۸ فصلی کمپیر سنگھ و ڈوڈی سنگھ مالگذاری موضع سرائی یگہ دریاباد۔ مبلغ یکصد روپیہ سکہ کلدار کہ نصف آن سیاہ دو روپیہ میتوانند وجہ سالانہ لچھمی داس سیرکی استھان سری مہاسیرجی واقع دریاباد خاص از قدیم الایام مقرر و مجرائی دفتر معلی است و ہمیشہ لوایت گذشتہ دیوستہ یافتہ آمدہ لہذا نگارش میرود کہ سال بسال مدد کورہ مات سالمال ۱۲۵۸ فصلی ارجوانی وہ خود حاضر دہ رسانیدہ رسیدش یا سند نامی الحال بموجب پروانہ ہذا در رسیدش در حساب سالتمام الیتیان مجرا و محسوب خواہد شد درین باب تاکید مزید دانستہ حسب المسطور عمل آرد فقط مالمرقوم ششم رجب المرجب ۱۲۶۵ ہجری (۲) مہر راجہ نخنا دار سنگھ۔ برخوردار سعادت اطوار لچھمن پرشاد بابیت باشند معائنہ نوشتہ بہر دیس برخوردار راجہ ہردت سنگھ بہادر موسومہ ایتیان در بارہ دادنی مبلغ یکصد روپیہ سکہ وجہ سالانہ لچھمی داس سیرکی استھان سری مہاسیرجی مقرری دریاباد مجرای دفتر معلی در بابت شد کہ ایتیان ہوز رسش یہ سیرکی مذکور مہا سیدا مد لہذا نگارش میرود کہ بموجب علم رآمد قدیم و گذشتہ پیوستہ مجرائی دفتر معلی از رجہ نگارہ بابت ۱۲۵۸ فصلی دہانیدہ قبض الوصول ستانند درین باب تاکید مزید دانستہ حسب الارقام عمل آرد ریادہ جہ قلمی رود۔ مرقوم ہفتم ربیع ۱۲۶۶ ہجری (۳) پروانہ دیا سنگھ مصرم چکلہ دار دریاباد وغیرہ بنام گوربرتاد سنگھ سیوہ ۱۲۷۴ھ (۴) پروانہ شیدو ورعلی صاحب چکلہ دار دریاباد رودولی وغیرہ اسمٹی غضنفر حسین صاحب تحصیلدار دریاباد ۱۲۶۰ھ (۵) پروانہ راجہ مان سنگھ بہادر قایم جنگ باظم نیام میر علی محمد تحصیلدار دریاباد ۱۲۶۰ھ (۶) پروانہ مہابل جنگھ صاحب چکلہ دار دریاباد وغیرہ نام شیخ عاشق علی صاحب تحصیلدار ۱۲۶۰ھ (۷) پروانہ کمیدان گردھاری سنگھ صاحب چکلہ دار دریاباد رودولی نام شیخ بھکھ علی محرر دریاباد ۱۲۶۰ھ (۸) پروانہ راجہ ہردت سنگھ نام لچھمی پرشاد تحصیلدار سورجپور ۱۲۶۰ھ (۹) پروانہ راجہ مان سنگھ بہادر ناظم محالات دریاباد رودولی وغیرہ نام میرزا کرم حسین صاحب ۱۲۶۲ھ (۱۰) پروانہ مرزا قاسم علی صاحب تحصیلدار پرگنہ دریاباد نام چودھری حسین علی صاحب ۱۲۶۰ھ (۱۱) پروانہ راجہ ہردت سنگھ صاحب چکلہ دار دریاباد رودولی نام ہربرتاد ۱۲۶۳ھ" یہ پروانے دیسی دت کے پاس موجود خود رجسٹری وصیت نامہ محررہ دھنسد قہ ۲۱ اکتوبر ۱۹۰۵ء صاحب مالیوں داس آراضی و معافی و مندر مکان وغیرہ جائداد یہ قابض ہین ۱۲

قلعہ کی مسجد عرف جامع مسجد، بعض کہتے ہین کہ یہ مسجد بابر شاہ کے حکم سے تعمیر ہوئی تھی، بعض اسے عالمگیری مسجد کہتے ہین۔ لیکن، بیعنامہ نوشتہ رعایت اللہ نام مولوی مخدوم بخش صاحب مورخہ ۲۷ صفر ۱۲۳۷ھ مین حسن علی نائب قاضی پیش نماز مسجد قلعہ دریاباد، سید عتیق اللہ موذن مسجد" تحریر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کی بنیاد تعمیر قلعہ کے وقت قائم ہوئی تھی۔ شاہی زمانے مین عام طور پر اسے قلعہ کی مسجد کہتے تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ قلعہ کی قربت کی وجہ سے اس کا یہ نام پڑ گیا ہو یہ مسجد بلا مینار کے ایک مختصر سی خوبصورت اور نہایت مستحکم عمارت ہے جسکی چھت ڈاٹ کی بنی ہے۔ مسجد کا درمیانی حصہ معہ گنبد ۳۲ فٹ بلند ہے، باقی دو حصے ۱۴ فٹ بلند۔ اندرونی فرش کا طول ۴۳ فٹ، عرض ۲۲ فٹ، آثار ۵ فٹ صحن کا طول ۴۹ فٹ، عرض ۳۳ فٹ۔ چھت پر جانے کے لئے ادھر ادھر دو زینے ہین۔ اس مسجد کی بیرونی دیوارین، معمولی دروازہ، حجرہ یا مسافر خانہ، غسل خانہ کی تعمیر جدید ہے۔ پختہ کنوان قدیم ہے۔ اس مسجد مین ہر جمعہ کو عام طور پر نمازیوں کی کثرت سے ایک خاص قسم کی رونق ہو جاتی ہے۔

بنے مل کا پیچ محلہ عرف بنے محل تعمیر کردہ بنے مل جوہری، دریاباد کے نامی گرامی محلات مین سے پانچ منزل کا ایک عظیم الشان محل تھا۔ (جوہری محلہ حال چھیبی ٹولہ)۔

دھنو سیٹھانی کا پیچ محلہ معروف بہ دھنو محل، بیس اور پنج منزلی عمارت تھی۔ یہ محل زمانہ حال کے مطابق موپانڈے اور منشی کامتا پرشاد صاحب کے مکان کے درمیان واقع تھا۔ اب سے ۳۰ برس قبل اس کی اکثر دیوارین شکستہ حالت مین موجود تھین (ٹھکانی ٹولہ)۔

بنی خانہ۔ مشہور اور مقدس عمارت۔ مزار شاہ خوبان کی چار دیواری سے ملی ہوئی دکھن طرف واقع جس مین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی مبارک نشان محفوظ تھا۔ افسوس اور تعجب ہے کہ ایسی قابل تعظیم تعمیر بھی غفلت کی نذر ہو کر بالکل بے نشان ہو گئی۔ (مخدوم زادگان)۔

سنگئی ساہ کا ست کھنڈا۔ عرف سنگئی ساہ کا محل، نہایت عظیم الشان اور اپنے وقت کی بہت بڑی نامی گرامی لاجواب عمارت۔ بیرونی حصہ ایک نامعلوم زمانے سے بے نام و نشان ہے۔ اندرونی حصہ (زنانخانہ) نصف صدی کے اندر کھنڈر کی شکل مین باقی رہ گیا ہے جسکی چار منزلی بیرونی دیوارین ۱۷۷ فٹ لمبی، ۱۰۳ فٹ چوڑی، اور ۹۰ فٹ بلند ہین اگر ۱۰ فٹ بلند کرسی بھی شامل کر لی جائے تو کل بلندی تخمیناً ۱۰۰ فٹ ہوتی ہے۔ اب اس سے ست کھنڈے کی اصلی بلندی کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس حصہ مکان مین چارون طرف تہ خانے در تہ خانے بنے ہین، جو خزانون کے لئے وقف تھے۔ مکان کا خاص دروازہ اتر جانب صحن سے ۳½ گز بلندی پر واقع ہے۔ دروازے تک پہونچنے کے لئے آٹھ سیڑھیان ۷ فٹ لمبی ۲ فٹ چوڑی بنی ہوئی ہین۔ اس حصہ محل کی کرسی مین تین طرف گوشے ہوئے کنگرے لگے ہین، جو سانچے مین ڈھالے ہوئے معلوم ہوتے ہین۔ کرسی کے پیچ کی کانس، جو کنگرون ہی کی بنی ہوئی ہے اور جس مین خوبصورت ابھرے ہوئے بیل بوٹے کھدے ہین، ایک عجیب چیز ہے۔ ان کنگرون پر اس قسم کے نشانات پائے جاتے ہین جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام در و دیوار پر چونے کے پلاستر کا نفیس کام کیا گیا تھا اور ہر کنگرہ علیحدہ علیحدہ معلوم ہونے کے ساتھ ساتھ رنگین نقش و نگار سے بھی مزین تھا، کانس

والے کنگرون کے بیل بوٹے بھی رنگین تھے۔ محل کی تعمیر مین جس قدر لکڑی صرف ہوئی تھی، وہ سب قابلِ دید نقش و نگار اور دلکش بیل بوٹون سے آراستہ تھی یعنی چوکھٹ، بازو، تختے، جھانپیین، کیواڑ، کھمبے، اُترنگ، کڑیان وغیرہ سب منقش، بعض بعض جوڑیون مین جالی کا ایسا کام کھدا ہوا تھا، جسے دیکھ کر عقل دنگ ہو جاتی تھی۔ ۱۹۱۳ء کے قبل یہ حصۂ محل کسی قدر درست تھا۔ اس مین جو تہ خانے بنے ہین اُن کے راستے بہت مخدوش اور بھول بھلیان کی طرح پیچیدہ اور خوفناک ہین۔ راستے چار ہین دو پورب، دو پچھم، نیچے اُترنے کے لئے صدہا پختہ سیڑھیان بنی ہوئی ہین۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ محل پہلے سب کھنڈر اُقلعہ مشہور تھا فیض آباد کے کسی نواب[1] کے حکم سے تین منزل گروا دئے گئے، اُس وقت سے اسے "سنگی ساہ کا محل" کہنے لگے اور یہ محل صرف چار منزل کا رہ گیا جو بہت بڑے وسیع رقبہ مین واقع تھا۔ محل کے پچھم طرف ایک دیوہرہ کی اعلیٰ تعمیر تھی۔ زمانے حتیٰ (موجودہ کھنڈر) کے پورب طرف کھڑکی کے متصل ایک نہایت عمدہ باغین باغ تھا۔ صرف زمانے مدعہ مین کنواڑون کی چھوٹی بڑی سب ملا کر ۲۵۰ جوڑیان تھین، محل کے رقبہ مین ۲۶ چھوٹے بڑے پختہ کنوئیں تھے، جن مین سے کئی ایک اب بھی موجود۔ تمام محل بھر میں پیچھے سے اوپر تک مضبوطی کے لئے دیوارون مین چھوٹے بڑے ہر قسم کے مجوسے (جوبی چوکھٹے) لگے ہوئے تھے محل کی بیرونی دیوارون کی نیوین چار پانچ ہاتھ سے کم چوڑی نہین تھین۔ یہ کی گہرائی پانی کے قریب تک۔"

نواب شیر افضل کا امام باڑہ - اپنے وقت کی دلچسپ و اعلیٰ تعمیر بیان کیا جاتا ہے کہ نواب شیر افضل خان صاحب عالی دریا باد نے اسے تعمیر کرایا تھا۔ یہ امام باڑہ زمانہ حال کے مطابق اُس مقام پر تھا جہان برائی کبڑیا کا کھیت ہے جو بستی سے پچھم طرف واقع ہے۔ اس کھیت مین اب بھی اکثر نشانات پائے جاتے ہین۔

شیش محل، رنگ محل - اپنے وقت کی بے مثل عمارتین، بانی حاجی محمد مصطفےٰ شاہ صاحب بزمانہ اکبر بادشاہِ ہندوستان۔ شیش محل اور رنگ محل کے دلفریب اور شگفتہ نامون پر غور کرنے سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ جگمگاتی ہوئی عمارتین کیسی فرحت بخش اور خوشنما بنی ہونگی، جن کی چمک دمک، رنگ آمیزی عجب بہار دکھاتی رہی ہوگی اور اِن کے اہتمام مین کس قدر اُلوالعزمی سے کام لیا گیا ہوگا اور کاریگرون نے تعمیر کے دلچسپ بنانے میں اپنی عجیب و غریب صناعیون کے ذریعہ سے کیسی کیسی اوستادانہ خیال آرائیون کا اظہار کیا ہوگا!!! (خدم زادگان)

رنگ بھون، لکشمی بھون - رنگ بھون بمعنی عیش خانہ اور لکشمی بھون یعنی دولت کا گھر، اس سے قیاساً معلوم ہوتا ہے کہ یہ محلات کسی وقت مین نہایت نفیس اور خوبصورت، شاندار تعمیر ہوئے ہونگے۔

امام باڑہ نصرت حسین - پورب بھاٹک کے باہر تھوڑی دور پر سنگی ساہ کے کنوئین سے متصل، کسی وقت یہ امام باڑہ دیکھنے کے قابل تھا۔ آج کل صرف نردی والا حصہ یعنی بارہ دری شکستہ حالت مین موجود، جو دم واپسین بھر رہا ہے۔ دری بھی، جس مین جالی کا دلکش کام کھدا ہوا ہے چند روزہ مہمان۔ ایک سرکاری[2] کاغذ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ امام باڑہ اب سے ۱۳۳ برس قبل تعمیر ہوا تھا اور اس کے متعلق پانچ بیگھہ ۱ بسوہ پختہ آراضی دربارِ اودھ سے مانگ امام باڑہ کو مرحمت

[1] غالباً یہ بھی نواب برہان الملک ہی ہونگے ۱۲ [2] نقل حکم و تحریر اجلاس منشی کریم احمد صاحب صدر مصرم سدولت مورخہ ۱۸ جنوری ۱۸۶۸ء، تحصیل حسین بدعی ہیرا راج لی دسرجو پرشاد دعا علیہ ۱۲

ہوئی تھی، جو شاہی پروانون مین درج تھی (گوبند پور)۔

امام باڑہ غریب شاہ بیان کیا جاتا ہے کہ تخمیناً دو سو برس کا زمانہ ہوا، اسے غریب شاہ نے بنوایا تھا جو قبل غدر معمولی کھنڈر کی صورت میں باقی رہ گیا تھا، غدر کے بعد زلزلہ ہو کر منہدم کرا دیا گیا۔ امام باڑہ کی قابل تعریف زری جو آئینہ والی زری کے نام سے مشہور تھی، اشک کہنہ سالگی میں موجود۔ غریب شاہ کی نسل مین عید و شاہ، کا شاہ، سکرو شاہ اس وقت تک زندہ اور زری کے محافظ۔ (سنگی گنج حال پرتاب گنج)۔

شیخ فضل علی کا امام باڑہ۔ نہایت خوبصورت اور عالی شان امام باڑہ، بنا کردہ شیخ فضل علی صاحب جیکلہ دار و رئیس۔ یہ امام باڑہ قیمتی شیشہ آلات سے آراستہ تھا۔ شیخ صاحب کے بیٹے نعیم اللہ صاحب کی وفات کے بعد، منشی نبی بخش صاحب عاصی جو انھین کے خاندان سے تھے، مالک ہوئے، غالباً شروع انگریزی مین شکستہ حالت مین موجود تھا۔ (ٹھکالی ٹولہ)۔

روشن لال کا مکان۔ عظیم الشان امیرانہ عمارت۔ اس مین دو منزلے سہ منزلے نفیس اور دلکش مکانات بارہ دری، رنگ محل، محلسرا، ٹھاکر دوارہ، دیوانخانہ، نقارخانہ، نوبت خانہ، فیلخانہ، شترخانہ، اصطبل، گاؤخانہ، وغیرہ نامون سے مشہور اور بجائے خود ایک عمدہ تعمیر تھے۔ افسوس ہے کہ دیوان روشن لال صاحب کی اس تابناک یادگار کے متعلق اب صرف بارہ دری کی ڈیوڑھی اور محلسرا کا نصف حصہ معہ اپنے عماری دار دروازے کے شکستہ حالت میں باقی رہ گیا ہے۔ خدا کی قدرت دیکھئے کہ جس زمین پر نادر و نایاب عمارتین بنی ہوئی تھین، وہان آج کل تنباکو کی کاشت ہو رہی ہے۔ جہان نوبت و نقارہ کی سریلی صدائین گونجتی تھین، جہان سنکھ گھڑیال بجتا تھا، ہر ہر کی مسرت خیز آوازین آتی تھین، وہان چیل کوے الو بول رہے ہین، ہر طرف سناٹا، ہو کا عالم، جدھر دیکھئے سائین سائین ہیبتناک منظر (محرران)۔

دیچھتون کی حویلی۔ عالی شان اور دلچسپ تعمیر، جو خاص مہاراجہ ٹکیت رائے کے حکم سے تیار ہوئی تھی۔ اسمین دیوانخانہ، بالاخانہ، بارہ دری، محلسرا، وغیرہ کے نامون سے سلسلہ وار دو منزلے، سہ منزلے مکانات بنے ہوئے تھے۔ بھوانی شنکر دیچھت کی یہ یادگار تخمیناً اب سے ۴۰ برس قبل کچھ کچھ اچھی حالت مین تھی، آج کل صرف کچھ حصہ کھنڈر کی شکل مین برائے نام باقی۔ (دیچھتانہ)۔

راجہ بھوانی پرشاد کا مکان۔ خوبصورت اور نفیس امیرانہ عمارت، جس مین دو منزلے سہ منزلے چہار منزلے مکانات تعمیر تھے۔ یہ مکان اب سے نصف صدی قبل کھنڈر بے نام و نشان ہو گیا۔ (محرران)۔

لیکھراج کا محل۔ اس خوشنما عمارت کو راجہ بھوانی پرشاد صاحب کے چھوٹے بھائی لالہ لیکھراج صاحب نے اپنے رہنے کے لئے مغلانی محلہ مین بنوایا تھا۔ یہ دو منزلی تعمیر بلندی مین سہ منزلے سے کم نہ تھی، جو ۱۸۹۲ء مین بے نام و نشان ہو گئی، جس کے متعلق اب ایک چھوٹا سا پختہ کنوان باقی رہ گیا ہے۔ (مغلن ٹولہ)۔

کیسدان کا امام باڑہ۔ مشہور و معروف امام باڑہ۔ اسے امیر خان صاحب کیسدان نے بنوایا تھا، جو جامع

ف بعض حضرات اس امام باڑہ کو امیر خان صاحب کیسدان لکھنوی کا تعمیر کردہ خیال فرماتے ہین جو بعہد امجد علی شاہ بادشاہ لکھنؤ دریاآبادی فوج مین تعینات تھے، حالانکہ امام باڑہ مذکور نواب سعادت علی خان بہادر کے وقت میں امیر خان کیسدان دریاآبادی نے تعمیر کرایا تھا ۱۲۔

مسجد سے متصل، توپخانہ سے ملا ہوا پورب طرف واقع تھا۔ غدر کے بعد زدول ہو کر منہدم کیا گیا۔

رائے صاحب کا مکان۔ دو منزل کی وسیع اور اعلیٰ عمارت۔ مکان بھر میں چاروں طرف مسلسل جواب الجواب بلند عمارتوں کی دلکشی، کمروں کی سجاوٹ، در و دیوار کی موزونیت اور نفاست ایک زبردست امیرانہ شان و شوکت کا پتہ دیتی ہے۔ ۱۹۰۴ء کے گزیٹیر میں اس عمارت کا ذکر ہے، جسے لائق مولف نے بجائے رائے راجیشر بلی صاحب کے رائے مہادیو بلی صاحب کے نام سے موسوم کر دیا ہے۔

پتھر کا شیوالہ۔ مختصر مگر عمدہ تعمیر، مخروطی شکل، رائے مہادیو بلی صاحب کی مذہبی یادگار، پرگنہ دریاباد میں اس سے قبل پتھر کی کوئی عمارت نہ تھی۔ یہ شیوالہ اوّل سنگی تعمیر ہے، جو رائے صاحب کی جدت پسند طبیعت کا ایک دل خوش کن جلوہ ہے۔ رائے صاحب ممدوح کی زندگی میں ہر سال کجلی تیج کی رات کو یہاں ایک اچھا جشن منایا جاتا تھا۔ شیوالے کے اندر باہر چاروں طرف (در و دیوار، چھت، چھجہ) جھاڑ، کنول، ہانڈیاں، جھابے، گلاس وغیرہ آراستہ کئے جاتے تھے۔ شیشہ آلات کی روشنی سے تمام خطہ جگمگا اٹھتا تھا۔ فصیل گرما کا آغاز ہوتے ہی دروازوں میں خس کی ٹٹیاں لگائی جاتی تھیں۔ افسوس ہے کہ رائے مہادیو بلی صاحب کی وفات سے شیوالے کے متعلق دیگر تعمیریں وجود میں نہ آسکیں جن کے لئے اکثر ضروری سامان فراہم بھی ہو چکا تھا۔

ڈپٹی صاحب کا مکان۔ عظیم الشان مکان، مولوی حاجی عبدالقادر صاحب ڈپٹی کلکٹر کی مستحکم یادگار۔ مکان کی بارہ دری وسعت اور خوبصورتی کو بلندی کے لحاظ سے نیشاپوری طرز تعمیر کا اعلیٰ نمونہ معلوم ہوتی ہے۔ نہایت خوشی کی بات ہے کہ اس مکان کے آگے ۱۹۲۲ء میں ڈپٹی صاحب کے حقیقی بھتیجے اور بیٹوں نے اپنی سعادتمندانہ کوششوں سے ایک شاندار اور خوبصورت کوٹھی بنوا کر مکان کی شان و شوکت میں قابل قدر معقول اضافہ کر دیا ہے، جس سے اُن کی اُلوالعزمی و حب الوطنی ظاہر ہوتی ہے۔ (مخدوم زادگان)۔

دیوہرہ۔ جینی مندر، سالِ تعمیر ۱۹۱۰ء، خاص مندر کی شکل مخروطی، تخمیناً ۶۰ فٹ بلند، مندر کا کلس سونے کے ملمع سے معمور، بیدی کا فرش سنگِ مرمر اور سنگِ موسیٰ سے مزین جس مکان میں یہ مندر واقع ہے، وہ بشکل مربع، عمارت مضبوط اور وسیع و خوبصورت بلند کرسی پر قائم۔ اس دیوہرہ کو دریاباد کے سراؤگوں نے باہم شرکت میں چندہ کے ذریعہ سے تعمیر کرایا ہے۔ (سراؤ کی محلہ)

باولی کنواں۔ بنا کردہ سنگی ساہ، بستی کے باہر پورب طرف، امام باڑہ تصرف حسین کے متصل اس خشک کنوئیں کا شمالی حصہ زمین دوز ہو کر سڑک میں شامل ہو گیا ہے۔ باقی حصہ کی پیمائش سے معلوم ہوا کہ قطر ۱۶ فٹ، عمق کی چوڑائی جو کنکروں کی بنی ہے ۱۶ فٹ، اونچائی ۱۰ فٹ اور محیط ۵۰ فٹ، پانچ سیڑھیاں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کنوئیں میں باولی بنی ہوئی تھی اور اس کے چاروں طرف اندرونی حصے میں چار منزلی عمدہ عمارتیں تعمیر تھیں۔ دو پختہ راستے تھے۔ ایک خاص سنگی ساہ کے محل سے پختہ سرنگ کے ذریعہ سے قائم کیا گیا تھا، دوسرا عام لوگوں کی سیر و تفریح کے لئے۔ یہ کنواں اپنی خصوصیت کے لحاظ سے غالباً اودھ میں پہلی تعمیر ہے جس کے بہت دنوں کے بعد لکھنؤ میں بہ عہد نواب آصف الدولہ بہادر اسی قسم کا باولی کنواں تیار کیا گیا تھا جو اس وقت تک موجود، اور جس کا جواب آج تک کسی دوسرے مقام پر دیکھنے

سُننے مین نہین آیا۔ روایت ہے کہ "ایک مرتبہ اس کنوئین سے پانی کا بم پھوٹنے پر گمان ہوا کہ سارا دریا اد بہ جائے گا۔ لیکن، سنگئی ساہ نے کئی ایک دنی لوہے کے توے ڈلوا دیے، جس سے پانی کا زور کم ہو گیا"

تالاب پختہ بانی دیوان روشن لال صاحب، نفیس اور قابل دید تالاب۔ چارون طرف بلند اور پختہ دیوارین تھین۔ دکھن طرف مرجھون والے دو پھاٹک تھے۔ ایک گئو شالہ والا، دوسرا عام لوگون کی آمد و رفت کا۔ پورب طرف بہت بڑی عالی شان، خوبصورت دو منزلی کوٹھی تھی، جسے "تالاب والی کوٹھی" کے نام سے شہرت تھی۔ دکھن اور پچھم طرف بارہ دری نما لمبے چوڑے دو درجے والے چار دھرم شالے بنے تھے، پچھم ایک مختصر سا شیوالہ بھی بنوایا گیا تھا اُتر طرف زنانہ گھاٹ کی تعمیر ہوئی تھی۔ ان مین سے شکستہ تالاب، زنانہ گھاٹ اور شیوالہ موجود، باقی عمارتین عرصہ سے بے نام و نشان۔ تالاب کا طول ۳۳۰ فٹ، عرض ۲۳۲ فٹ۔ زنانہ گھاٹ، ایک مختصر سی عمارت دو درجون پر قایم ہے۔ آمد و رفت کے راستے مخدوش ہو گئے ہین۔ عمارت کا اگلا درجہ جو بلندی پر ہے، ۳۴ فٹ لمبا ۸½ فٹ چوڑا، اِدھر اُدھر دونون جانب دو کوٹھریان دوسرا درجہ جو حوض کے قریب ہے، ۳۴ فٹ طویل، ۱۶½ فٹ عریض ہے، آمنے سامنے دو کوٹھریان۔ حوض کا طول ۳۴ فٹ، عرض ۳۳ فٹ ۴ انچ۔ پورب پچھم دو دالان۔ یہ عمارت ۲۴ فٹ بلند ہے، آثار ۴½ فٹ، کل عمارت ڈاٹ کی ہے۔ اس گھاٹ کے بیرونی حصے میں بھی سیڑھیون کے برابر دو آمدے پورب پچھم بنے ہوئے ہین۔ برساتی پانی نکلنے کے لئے پچھم شمال و جنوب دو نہرین (پختہ نالیان) بنائی گئی ہین، جن مین سے ہر ایک ۳۸۴ فٹ لمبی، ۳ فٹ چوڑی، ۵ فٹ گہری ہے، آثار ۳ فٹ سے زائد، نالیون کی زمین بھی پختہ۔ لکھنؤ کے مشہور شاعر متی رام سہائے صاحب تمنا نے اپنی تالیف "افضل التواریخ" مین اس تالاب کو سار کردہ الماس علی لکھا ہے۔ لیکن، یہ روشن لال کے نام سے مشہور ہے، جس کی تصدیق ایک سرکاری مثل سے بھی ہوتی ہے۔ (ملاحظہ ہو بیان مولوی کاظم علی، باب ۶، فصل ۴، ذکر الماس گنج) علاوہ اس کے شیوالہ اور دھرم شالون کی تعمیر خود اس بات کی دلیل ہے کہ تالاب ہندو کا بنوایا ہے۔

دوسری فصل باغون کے بیان میں

سنگئی ساہ کی پھلواری۔ رقبہ تخمیناً دو بیگھہ پختہ، مشہور باغچہ۔ اس مین دکھن طرف پختہ عمارتین تھین۔ عرصہ سے یہ باغچہ ویران ہے۔ پختہ چار دیواری، پختہ کوٹھری معہ دالان، ایک چھوٹا سا پختہ کنوان، پختہ بلند دروازہ شکستہ حالت مین اب تک موجود۔ سنگئی ساہ کی مُدوّر قبر جو تخمیناً ۱۰ فٹ بلند ہے، اسی پھلواری مین بنی ہے۔ اس قبر کے قریب لمبے چوڑے پختہ چبوترے پر تین گول قبرین اور بھی ہین جو پنڈت ودیا نند و بلاس و سیتا رام جین دھرم کے پوجاریون کی بیان کی جاتی ہین، جنھین یہ باغ سنگئی ساہ کے خاندان والون نے شکلپ کر دیا تھا۔ آج کل یہ ویران پھلواری پنڈت دو لیند وغیرہ کی نسل مین پنڈت آدناتھ وغیرہ کے قبضہ مین ہے۔

شیوالہ والی پھلواری۔ رقبہ تخمیناً دس بیگھہ پختہ، اپنے وقت کی مشہور و معروف نفیس پھلواری،

ے تھانہ یوا شیوالہ والی پھلواری سے متعلق تھی ۱۲۔

بانی دیوان روشن لال صاحب - بیان کیا جاتا ہے کہ اس پھلواری مین انواع و اقسام کے میوہ دار درخت اور پھولون کے خوشنما چمن کھلے ہوئے تھے - باغ کا پختہ پھاٹک تالاب والی کوٹھی سے متصل دکھن طرف تھا - چار دیواری پختہ اور بلند تھی - اس مین ایک خوشنما کوٹھی اور چند پختہ مکان بنے ہوئے تھے - باغ تیار ہوکر شیوالہ کی تعمیر ہوئی تھی، اس لئے اسے شیوالہ والی پھلواری کہتے تھے" مدت ہوئی یہ باغ اپنی بہار رکھو کر کھیتون کی صورت مین منتقل ہوگیا ہے - اب صرف باولی کنوان اور شیوالہ باقی رہ گیا ہے - باولی کی گول عمارت مارہ پہل کی ہے، جس مین محراب نما آٹھ در محض نمائشی اور چار پانی بھرنے کے ہیں - عمارت کی چھت ڈاٹ کی تھی، جو گر گئی - یہ عمارت تخمیناً ۵ فٹ بلند اور کنوئین کی جگت پر قائم ہے - باولی کا راستہ دیوان روشن لال صاحب کے بعد مخدوش سمجھ کر بند کر دیا گیا - شیوالہ ویران نہ مورت ہے نہ گھنٹہ - شیوالہ کے پختہ حلقہ مین برسات کا آغاز ہوتے ہی کانٹون کی جھاڑیون، گھاس پھوس کی کثرت سے ایک دشوار گذار جنگل پیدا ہوجاتا ہے - شیوالہ کے قریب ہی مغرب طرف چند قدم پر دیوان روشن لال صاحب کی قبر پختہ چار دیواری کے اندر واقع ہے -

مٹھ والی پھلواری - شیوالہ والی پھلواری سے متصل اُتر طرف واقع اور اُسی کے برابر وسیع اور خوشنما و قابل تعریف - اس کے بانی بھی دیوان روشن لال ہی تھے - دیبی کا مٹھ تعمیر ہونے کے باعث اسے مٹھ والی پھلواری کہتے تھے - اس مین بھی کئی ایک پختہ عمارتین تھین - نقل عرضی دعوی لالتا پرشاد وغیرہ مورخہ ۲۰ - اگست ۱۸۷۲ء سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ پھلواری نیز شیوالہ والی پھلواری اُجڑی ہوئی حالت مین ۱۸۵۷ء کے بعد رہن ہوکر بندوبست کے زمانے مین (۶۴-۱۸۶۲ء) راجہ صاحب ہٹرا کے قبضہ مین آگئی تھی اور ۱۸۷۲ء مین کچھ حصہ میدان اور کچھ حصہ کھیت ہوگیا تھا -

ٹھاکر دوارے والی پھلواری - دلچسپ باغچہ - بیان کیا جاتا ہے کہ پہلے اس جگہ ایک معمولی آمون کا باغ تھا، جسے سورج بلی صاحب نے اپنے والد سیتل پرشاد صاحب کی وفات پر تیار کرایا تھا - سیتل پرشاد صاحب کی قبر اسی باغ مین ہے - باغ کے ساتھ ہی ٹھاکر دوارے کی تعمیر شروع ہوگئی تھی - جب شیو راج بلی صاحب ریاست کے منتظم ہوئے تو انھون نے اس باغ کو از سر نو درست کرا کے ایک مختصر سی عمدہ پھلواری بنا دیا، جسے مندر کی وجہ سے "ٹھاکر دوارے والی پھلواری" کہنے لگے - زمانہ کی نیرنگی دیکھئے! جہان کسی وقت رنگا رنگ کے خوشبودار پھول کھلتے رہے، سبزہ و گل کے نظارے سے دل کو فرحت، آنکھون کو تازگی حاصل ہوتی رہی، انواع و اقسام کے میوہ دار درخت اپنی لطیف بہار دکھاتے رہے، طائران خوش الحان کی زمزمہ سنجی سے دل باغ باغ ہوتا رہا، آج وہی خطہ چمن افزا ویران ہوکر ایک وحشت ناک میدان بن گیا ہے - مستطیل نما پختہ حوض، جس مین رنگین مچھلیان تھین، عرصہ سے خشک، چھوٹی سی کوٹھی، چاہ پختہ، اور دو چار درخت اگلی شان یاد دلانے کو قائم و موجود لیکن، شکر کا مقام ہے کہ ٹھاکر دوارے کے عیوض (جسکی شکستہ اور بوسیدہ عمارت بہت کچھ مخدوش ہوگئی تھی) حال میں جدید دو منزلہ مندر تیار ہو رہا ہے - عجب نہین کہ رائے راجیشر بلی صاحب بہادر اس ویران پھلواری کی طرف بھی کچھ توجہ مبذول فرمائین -

بہار باغ نفیس باغچہ نام کی موزونیت اور جدت قابل داد - پہلے یہ ایک معمولی میوون کا باغ تھا - رائے مہادیو بلی صاحب نے اسے از سر نو درست کرانے کے ساتھ ہی ایک خوبصورت کوٹھی نما دو منزلہ پھاٹک بھی تعمیر کرا دیا، جو اپنے طرز خاص کی بناء پر غالباً ضلع بارہ بنکی بھر مین اوّل پھاٹک ہے - ممدوح کی زندگی تک اس مین وقتاً فوقتاً تفریحی سامان کا

قابلِ قدر اضافہ ہونے کے باعث روز بروز رونق بڑھتی رہی۔ پختہ حیاط دیواری سے کی نوبت نہ آئی تھی کہ دفعتہً اُن کا انتقال ہو گیا۔ کچھ دن کے بعد کس مپرسی کی وجہ سے باغ کی ساری بہار رخصت ہو گئی۔ موجودہ مارنے رائے نام پھاٹک جو کسی قدر غیر مکمل ہے، موجود۔

تیسری فصل محلوں کے بیان میں

جوہری محلہ، اصل نام دسوالن ٹولہ، نہایت قدیم اور دولت مند محلہ، جوہریوں کی کثرت ہونے کے باعث اسے جوہری محلہ کہتے تھے۔ یہ جوہری مذہب جین کے پابند "دسوال" کہلاتے تھے۔ یہاں بہت سے پختہ مکانات اِن دسوالوں کے تھے، جن میں چھٹنکی محل اب تک مشہور ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس محلہ سے ایک دم ۲۵ گھروں کے باشندے صرف لکھنؤ جا کر آباد ہو گئے اور باقی گھروں کے لوگ کانپور، بنارس، دہلی وغیرہ چلے گئے اور یہ محلہ غدر کے قبل ہی بے نام و نشان ہو گیا۔ جوہری محلہ زمانۂ حال کے مطابق زنانہ اسکول سے متصل واقع اور دکھن طرف دور تک آباد تھا۔

پٹھکانہ، عرف پٹھکانی ٹولہ، قدیم آبادی، پاٹھکوں کی زیادہ آبادی ہونے سے اس خطہ کا نام پٹھکانی ٹولہ مشہور ہو گیا۔ یہ لوگ دولت مند اور سُود بیر تھے۔ یہاں جگاتی املی ایک مشہور درخت ہے، جس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ جو کوئی سودا بیچنے والا باہر سے اس محلہ میں آتا تھا اُس سے پاٹھک لوگ "جگات" لیتے تھے اور "یہ جگات" اسی املی کے درخت تلے وصول کی جاتی تھی، جہاں جگات یعنی چنگی (محصول) لینے والوں کی نشست رہتی تھی، اس بنا پر اسے "جگاتی املی" کے نام سے شہرت ہو گئی۔ بعض کہتے ہیں کہ جگاتی نامے بھورجی نے نصب کیا تھا اس وجہ سے جگاتی املی کہنے لگے۔ اگن ہوتریوں کے مشہور رگیہ اسی محلہ میں ہوئے تھے۔ مدت سے یہ محلہ دیہاتی اور معمولی محلوں میں شامل۔

دیکھتانہ۔ عرف دیکھتانی ٹولہ، کسی وقت میں یہ بہت مارونق محلہ تھا، اس میں ہر فرقہ کے لوگ آباد تھے "ڈسٹرکٹ گزیٹیر" بارہ بنکی میں اس کا نام آیا ہے۔ قبل میں یہاں صرف دیکھتوں کی زبردست نسل قائم ہوئی تھی، اس وجہ سے دیکھتانی ٹولہ کے نام سے شہرت ہو گئی۔ سُنا گیا ہے کہ بھوانی شنکر دیکھت کے وقت میں یعنی اب سے سوا سو برس قبل یہاں چالیس گھر پختہ صرف دیکھتوں کے موجود تھے۔ یہاں چار رگیہ، جو تین مختلف فرقوں اوستھیوں، جگدھریوں، دیکھتوں کے نام سے اب تک مشہور ہیں، ہوئے تھے۔ اب سے ایک صدی قبل تک یہ محلہ اچھی طرح آباد رہا۔ بعد اُس کے زوال شروع ہوا اور رفتہ رفتہ یہ نوبت پہونچی کہ دیکھتوں کے ۴۰ گھروں میں سے ایک گھر باقی رہ گیا، اسی طرح دیگر فرقے بھی آوارۂ وطن ہو گئے۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ پورۂ خوبان کے پیشہ ور عموماً اور کوری خصوصاً اسی محلہ کے رہنے والے تھے، جو دیکھتوں کی تباہی پر وہاں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ آج کل اس محلہ کا مشرقی حصہ (خاص کر مُیوں کی آبادی)۔ بجائے خود ایک محلہ قرار دیا گیا ہے، جسے "ملھیا تالاب" کی رعایت سے "ملھیا محلہ" کہتے ہیں۔

مخدوم زادگان۔ حضرت مخدوم آبگش کی نسل والوں نے اُن کے نام سے اس محلہ کو منسوب کیا تھا۔ بارہ بنکی گزیٹیر میں اس محلہ کا بھی ذکر ہے۔ پیشہ وروں میں یہاں اچھے اچھے لوگ آباد تھے، جن میں سپر سازوں کی خاص

تہرت تھی۔ اُنکی حویلیان سہ منزلی چہار منزلی تھیں، اُن مین سے بعض رئیسانہ حیثیت رکھتے تھے جسکی تصدیق حدیقۃ الارض سے بھی ہوتی ہے۔ آج کل یہ محلہ بھی بے رونق ہے۔

چودھریان، واجب العرض دریاباد، محلون کے بیان مین پورہ فتح علی عرف چودھری محلہ تحریر ہے، جو اِس بات کی دلیل ہے کہ اِس محلے کے بانی چودھری فتح علی صاحب تھے، جن کا نام محضر نامہ منجانب قاضی محمد نور الحق مورخہ ۲۲ جمادی الثانی ۱۱۸۹ھ اور حکمنامہ باسم ہمت دھونکل مرقومہ ۷۔ رجب ۱۱۶۰ھ مین بہ گواہان حاشیہ درج ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس محلہ کی بنیاد ۱۱۶۷ھ کے قبل یا ۱۱۶۷ھ اور ۱۱۸۹ھ کے درمیان قائم ہوئی تھی ضلع کی تاریخ مین اِس محلہ کا بھی نام ہے۔ یہ محلہ غدر کے قبل اچھی طرح آباد تھا۔ یہان ایک تالاب "رہ دیا تلاؤ" کے نام سے مشہور ہے، جس کی نسبت لوگون کا بیان ہے کہ کسی وقت اِس تالاب کے گرد چارون طرف ایک جنگل تھا جس مین راہزن لوگ مسافرون کو لوٹ کر چھپ رہتے تھے۔ اِس گروہ کی سرغنہ ایک عورت تھی۔ اِسی وجہ سے تالاب کو پڑھے لکھے رہزنیا اور بے پڑھے "رہ دیا تلاؤ" کہنے لگے۔ اِس محلہ مین دیگر متیہ وردن کے علاوہ جولاہے زیادہ آباد تھے۔

خانزادہ، معروف بہ خانزادون کا محلہ، بانی چودھری فتح علی صاحب تعلقدار و قانوگو بعضون کے نزدیک یہ محلہ بہت قدیم ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اِس مین خانزادون کے نوسو مکانات تھے، جو بڑے بہادر، شریف اور مشہور غلہ باز تھے، آصف الدولہ کے زمانے مین ایک فیلبان ہاتھی پر سوار اِس محلہ مین آنکلا۔ ایک صاحب نے کہا کہ پردہ دارون کی بے پردگی ہوتی ہے، اِدھر ہاتھی نہ لاؤ" اُس نے کچھ خیال نہ کیا، اور ہاتھی مکان کے قریب پہونچ گیا۔ جب اُنھون نے دیکھا کہ آبرو جاتی ہے تو (اُس وقت اُن صاحب کے ہاتھ مین علیل تھی اور کمر مین تلوار) پہلے اُنھون نے ایک غلہ ہاتھی کے ماتھے پر ایسا تاک کر مارا کہ ہاتھی نے چنگھاڑ کر غصہ کی حالت مین اُن کے مکان کا چھپر گرا دیا۔ بعد اُس کے اُن پر حملہ آور ہوا۔ اُنھون نے جلدی سے اُس کی سونڈ تلوار سے کاٹ لی۔ ہاتھی شور کرتا ہوا بھاگا۔ فیلبان نے چکلہ دار و ناظم سے اِس بات کی اطلاع کی۔ وہان سے اُن پر عتاب نازل ہوا۔ لیکن اُن کا ایک عزیز شاہی فوج مین افسر تھا اُس نے سارا واقعہ چکلہ دار سے بیان کر دیا۔ فیلبان کی خطا ثابت ہونے پر اُسکو سزا دی گئی۔ عرصہ سے یہ محلہ ویران ہو کر چودھری محلہ اور مخدوم زادگان مین شامل ہو گیا ہے۔

بازداران۔ سُنا جاتا ہے کہ چودھری صاحب کے مکان سے کچھ طرف تین چار سو پختہ گھر بازدارون کے بنے ہوئے تھے، جن کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا اِس سلسلۂ آبادی کو بازدارون کا محلہ یا بازدارن ٹولہ کہتے تھے۔ اِس آبادی کا کچھ حصہ اب سے نصف صدی قبل ایک معمولی ٹیلے کی صورت مین موجود تھا۔ قاسم شاہ ہنس جواہر کے مصنف اِسی محلہ مین رہتے تھے۔

سواران، عرف سوارن ٹولہ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ محلہ چھیپی ٹولہ کے دکھن طرف محلۂ مغلان سے متصل دور تک چارون طرف واقع تھا، جس مین دو ڈھائی سو گھر سوارون کے تھے۔ اِسی بنا پر اِسے سوارون کا محلہ کہتے تھے۔ دیگر متیہ ور بھی اِس مین آباد تھے۔ آٹھ دس گھر پٹھان چاٹک سوارون کے بھی تھے۔

کھرن ٹولہ - بانی کھرے کائستھ - واجب العرض دریاباد مرقومہ ۲۶ فروری ۱۸۷۰ء، دفعہ ۹ مین اس محلہ کا نام درج ہے - نصف صدی کے اندر ویران ہو کر محلہ مغلان مین شامل ہو گیا - کسی وقت اس کا شمار بڑے محلون مین تھا -

مغلان معروف بہ مغلن ٹولہ، بانی سردار مرزا بخش اللہ بیگ صاحب مغل - بعضون کا بیان ہے کہ یہان اچھے اچھے امیر و معزز مغل لوگ آباد تھے، اس وجہ سے اسے مغلن ٹولہ کہنے لگے - بارہ بنکی گزیٹیر مین اس محلہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے - آج کل یہ محلہ بھی ویران ہے -

محرّران، عرف محرون ٹولہ، بانی محرون کے مورث اعلیٰ کے نزدیک محرون کی نسلی ترقی محلہ کی بنیاد کا باعث بارہ بنکی گزیٹیر مین اس محلہ کا بھی نام درج ہے - اس محلے مین ہر قسم کے باشندے آباد تھے، مگر، کائستھون کی خاص طور پر کثرت تھی - یہ محلہ اب سے نصف صدی قبل اچھی حالت مین تھا - شاہی زمانے مین یہان دیگر پیشہ ورون کے علاوہ محض تلوار کی باڑھ درست کرنے والے کاریگرون کے پچیس تیس گھر تھے جو غدر کے بعد دس پندرہ برس تک آباد رہے -

چھیپی ٹولہ - یہان جیون کا ایک فرقہ "چھیپی پٹی وال" کے نام سے آباد تھا - یہ لوگ کپڑا چھاپتے تھے، اسی وجہ سے ان کو چھیپی پٹی وال کہتے تھے - انھین لوگون کی کثرت سے اس محلہ کو چھیپی ٹولہ کے نام سے شہرت ہو گئی تھی - کہا جاتا ہے کہ اس محلہ مین سو ڈیڑھ سو گھر چھیپیون کے تھے، جو فرد و لحاف وغیرہ کے علاوہ ریشمی و سوتی کپڑون پر سنہرے، روپہلے بیل بوٹے بھی چھاپتے تھے - دیگر پیشہ ورون کی بھی اچھی خاصی آبادی تھی - عرصہ سے یہ محلہ بھی ویران اور معمولی محلون مین شامل -

سنگئی ٹولہ - بانی سنگئی ساہ - کسی وقت مین رونق و آبادی کے لحاظ سے اس محلہ کا شمار دریاباد کے خاص خاص محلون مین تھا - سنگئی ساہ کا مشہور محل "ست کھنڈا" اسی محلہ مین تعمیر ہوا تھا، جس کا کچھ حصہ کھنڈر کی صورت مین اب تک موجود ہے - واجب العرض دریاباد مین اسے برداری محلہ عرف سنگئی محلہ لکھا ہے، اور آج کل اسکو برداری محلہ کہتے ہین، سرکاری کاغذات مین بھی یہی نام درج ہے - لیکن تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ سنگئی محلہ کے قریب ہی برداری محلہ بجائے خود ایک محلہ تھا، جو مدت دراز سے نیست و نابود ہو کر کھیتون کی صورت اختیار کر چکا ہے اور موجودہ محلہ دراصل سنگئی ٹولہ ہے، جسکی شہادت کے لئے سنگئی ساہ کے محل کا عظیم الشان کھنڈر کافی ہے - ایسی حالت مین سنگئی ساہ کی بنیاد مٹا کر زبردستی برداری کے نام سے محلہ کو شہرت دینا واقعات کے لحاظ سے ایک حیرت انگیز اور اخلاقی نقطۂ نظر سے افسوسناک بات معلوم ہوتی ہے -

گوبند پور - آباد کردہ گوبند پرشاد عرف سنگئی ساہ - گوبند پور موضع کی حالت سے ترقی کر کے دریاباد کا ایک زبردست مترقی محلہ بن گیا تھا - اسکی آبادی متمول رعایا سے آباد تھی، اس مین پختہ مکانات تھے، ہر فرقہ و ہر قوم اور ہر طبقہ کے لوگون کی کثرت تھی - دھرم شالہ، پھلواری، باولی کنوان، اور چاہ پختہ[۵] کی بنیاد اسی محلہ مین قائم ہوئی تھی - ہر پرشاد اوستھی کہتے تھے کہ "ہمنے سنا ہے کہ دریاباد باولی کنوئین سے بھی آگے دور تک آباد تھا - پوربی دیبی کا مندر دریاباد کے اندر واقع تھا

---

[۵] عرصہ سے یہ کنوان زمین دوز ہو کر بے نام و نشان ہو گیا تھا - سمبت ۱۹۴۲ کمری مین درگا پرشاد نیماری نے صاف کرا کر از سر نو ملمہ اور لمبی چوڑی پختہ جگت سواری - لیکن تعجب ہے کہ کنوئین کے سنگی کتبہ مین انھون نے اپنا تعمیر کردہ کندہ کرا دیا ہے، جو بالکل خلاف واقعہ ہے ۱۲ -

پختہ مکانون کی لمبی، چوڑی زمین دور دور جا بجا ہمنے خود دیکھی ہین۔ ہمکو اچھی طرح یاد ہے کہ ہمنے اپنے لڑکپن میں ایک سو آٹھ دس ہاتھ گہری کھدتے ہوئے دیکھی ہے، جس مین لکھوری سے بڑی لال لال اینٹین نکلی تھیں۔ گو بندپور کا بہت بڑا حصہ اب سے ۷۵ برس قبل ویران ہو چکا تھا۔ لیکن باقی حصہ ۱۸۶۲ء تک اچھی طرح آباد رہا، جس مین "نقل روکار محکمہ بندوبست (رائے گیشی لال صاحب بہادر کا مشہور فیصلہ) کے مطابق امرت نیڈت، نرائن ناتھ، گنگا شوکل، ماتا دین برہمن، سنت، احودھیا، تسکر کا تتکار، بھکھاری، سیوا، خوشحال، ٹھولال اگروال، ماتا دین بھورجی، بسال تقال، فقیر بخش، حب علی وغیرہ مختلف اقوام کے بہت سے پختہ و خام مکانات موجود تھے اور جس کی نسبت اسی کاغذ میں لکھا ہے کہ "قبل از بندوبست ہوسے یور و گوبندپور کی آبادی تھی؟ کوئی نہین جانتا تھا! اور ٹیکس بھی دریا ماد مین لکھا ہے اور معاملہ باہمی اور متعلق دیوانی و فوجداری ڈکلکٹری و رجسٹری و مالی و شادی و قصہ و تجارت سب حاصلہ ہائے مثلثہ عی (گوبندپور، ہوسے یور) کی سکونت دریا ماد مین لکھی جاتی رہی۔ بندوبست ۱۹۶۲ء سے گوبندپور دریا ماد سے خارج ہو کر ایک علیحدہ موضع قرار دیا گیا ہے، جس کا بیان کہین پتہ نہین ہے۔

چوتھی فصل بازارون کے بیان مین

ٹیڑھی بازار۔ واجب العرض دریا باد مین اس کا اصل نام "پرانی بازار" تحریر ہے، جس سے اس کی قدامت کا پتہ چلتا ہے۔ مگر اس کے بانی کا نام اور آباد ہونے کا زمانہ ہنوز ایک حل طلب معما ہے۔ صاحب حدیقۃ الارض تحریر فرماتے ہین: "شیخ احمد صاحب مرید حاجی مصطفی صاحب (زمانۂ حیات ۹۰۰ھ) نے اپنی تصنیف تسبیح نامہ مین دریا ماد کی آبادی و سرا و بازار وغیرہ کا ذکر کیا ہے" لیکن چونکہ یہ کتاب اس وقت نایاب ہے، اسلئے قیاساً کہہ سکتے ہین کہ شاید وہ بازار بھی پرانی بازار ہو۔ اگر یہ قیاس مجبوراً صحیح مان لیا جائے تو بازار کی میعاد ۹۰۰ھ یعنی اب سے ۳۷ برس قبل ثابت ہوتی ہے۔ یہ طولانی بازار قدیم آبادی کے مطابق قصبہ کے وسط مین واقع ہے، جس کا سلسلہ مغرب مین بیچ کی سرا سے کئی جگہ خم کھاتا ہوا پورب طرف نرائن حلوائی کی دوکان سے متصل چاہ پختہ و مندر کے سامنے ختم ہو جاتا ہے۔ اس ٹیڑھے پن کی وجہ سے اس کو ٹیڑھی بازار کہنے لگے۔ نواب آصف الدولہ بہادر کے زمانے مین اس بازار کی چہل پہل، دوسری سہ منزلی عمارتون والی دوکانون کی باقاعدہ آراستگی قابل دید تھی، اور اس وقت اسے یہ خاص شرف حاصل تھا کہ نواب صاحب اپنی والدہ بہو بیگم صاحبہ کی ملاقات کو مہینے مین کئی بار لکھنؤ سے فیض آباد جایا کرتے تھے، اسی آمد و رفت کے سلسلے مین وہ تھوڑی دیر کے لئے یہاں اتار کی خدمت مین ضرور حاضر ہوتے تھے اور اس طرح اس دریا دل بادشاہ کی رونق افروزی سے اکثر دوکاندار اور سودا بیچنے والے نیز صدہا بیکس و محتاج اور ہر قسم کے سائل مالا مال ہو جاتے تھے۔ یہان تین پختہ سرائین تھین۔ "بیچ کی سرا"، جس کا ذکر آگے آئے گا۔ دوسری[1] سوارون کی سرا، تیسری دھانا بھٹیاری کی سرا۔ کوتوالی (جہان آج کل ڈون پولیس کا خالی مکان موجود ہے) کے آگے طوائفون کا

[1] رقبہ دو بیگھہ پختہ۔ اس مین چارون طرف پختہ کوٹھریان تھین، جس کے آگے پختہ برآمدے سے ہوئے تھے، چار دیواری بھی پختہ تھی۔ پھاٹک ٹیڑھی بازار مین کوتوالی کے سامنے اتر طرف تھا۔ اس مین رسالہ کے چند سوار ہمیشہ رہا کرتے تھے اس وجہ سے اسکو سوارون کی سرا

چکلہ تھا، جس مین دنرات گانے بجانے کا مشغلہ جاری رہا کرتا تھا - یہ چکلہ بہت سے پختہ مکانات کا ایک حلقہ تھا جس کا جنوبی پھاٹک منہدم ہوکر نئی صورت مین اب بھی موجود ہے، جسے شاہی مین طوائفون کا پھاٹک کہتے تھے - بازار مین بزاز، صراف، عطار، حلوائی، پنساری، تنبا کوفروش، عطرفروش، ساقین، وغیرہ ہر قسم کے پیشہ ورون کی بہ کثرت دوکانین تھین - ضروریات زندگی کے متعلق کسی چیز کی کمی نہین تھی، تفریح و دلچسپی کا سامان بھی موجود تھا - تعجب ہے کہ بارہ نبکی گزیٹیر مین کٹرہ روشن لال اور پرتاب گنج کے بازارون کے شمول مین اس مشہور و معروف بازار کا ذکر غیر موزون سمجھ کر نظر انداز کر دیا گیا، حالانکہ یہ بازار وسعت و قدامت کے علاوہ رونق و آبادی مین بھی دونون سے ہمیشہ افضل رہا -

جوہری بازار، عرف چوک، مختصر مگر دلچسپ و خوبصورت بازار - اس مین پہرون چڑھے سے پہر رات تک ایک خاص قسم کی چہلپش رہتی تھی - چارون طرف پختہ دوکانون مین گوٹا، پٹھا، جواہرات، نقرئی و طلائی زیورون کی خرید و فروخت ہوتی تھی - یہ بازار محض انھین چیزون کی دوکانداری کے لیے وقف تھا - یہان دیگر دوکانداروں کی بہ نسبت جوہریون کی دوکانین بہت زیادہ تھین، اسی رعایت سے اس کو جوہری بازار کہتے تھے کیا شان الٰہی ہے! جہان کبھی کنچن برستا تھا، آج وہان ذرات خاک برس رہی ہے اور کہنے سننے کے لئے صرف چوک کا نام باقی رہ گیا ہے یا چوک کے نام سے ایک پختہ کنواں، جو زمانہ حال کے مطابق منوہر داس سراوک کے مکان سے تھوڑی دور پچھم طرف اب تک شکستہ حالت مین موجود -

---

کہتے تھے - سیاہہ نوشتہ محمد روشن (جو تحقیقات سے جھیبی ٹولہ کا رہنے والا معلوم ہوا ہے) مین یہ عبارت تحریر ہے - "مایانکہ محمد روشن قصبہ دریاباد صوبہ اخر مگر جوں یک قطعہ زمین مکہ واقع قصبہ مذکور متصل سرای جانب مشرق الخ ۱۱۹۸ھ ہجری" (اردو ترجمہ العرض دریاباد مرقومہ ۱۸۷۰ء) سراؤن کے بیان میں اس کا ذکر نہین ہے - اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ۱۱۹۸ھ یعنی ۱۷۸۴ء کے قبل یہ سرا تعمیر ہو چکی تھی اور ۱۸۷۰ء کے پیشتر منہدم ہوکر میدان ہوگئی تھی - آج کل اس کی زمین داخل کاشت اور سرا کے متعلق پختہ کنواں موجود - یہ سرا زمانہ حال کے مطابق ٹیڑھی مارار کی پشت پر تلک رام کلوار کے مکان سے متصل، شیخ سلاح کے مزار کے قریب جھیبی ٹولہ مین واقع ۱۲ **۵۲** عرف بھٹیاری سرا، انی دھانا بھٹیاری - رقبہ تخمیناً دو ڈھائی بیگھہ پختہ، سرا کا پھاٹک پورب طرف تھا - دکھن طرف ایک عمدہ مسجد تھی جب سرا کا وجود باقی نہ رہا تو کس بیکسی کی وجہ سے مسجد بھی ویران ہوکر منہدم ہوگئی - لیکن، رسالہ کے سوارون نے چندہ کے ذریعہ بہت جلد اسے از سر نو تعمیر کرا دیا اور ساتھ ہی اس کے اسلامیہ مدرسہ بھی اس مین قائم کر دیا - روبکار محکمہ بندوبست ملک اودھ (فیصلہ رائے گیتی لال صاحب بہادر، نمبر مقدمہ ۱۵) سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدرسہ ۱۸۶۲ء مین موجود تھا - مسجد ایک زمانے سے آغا میر کے نام سے مشہور ہے، جسکی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ آغا میر بیس بائیس برس کے سن مین دریاباد آکر آباد ہوئے کے ساتھ ہی اس مسجد کے حجرے مین دن رات رہنے لگے، صرف کھانے کی غرض سے مکان جاتے رہے - ایک مدت تک یہی سلسلہ جاری رہا - چونکہ مسجد کا کوئی خاص والی وارث نہ تھا، اس لئے اسکی نگرانی بھی انھین کے ذمہ تھی - جب یہ اے واقف کار لوگ گذر گئے تو نئے آدمی باوجود بالا اسے آغا میر کی مسجد کہنے لگے - آغا میر خواجہ میر محمد رسالدار (بہ عہد واجد علی شاہ ترجمہ رسالہ ان کے ماتحت تھا) کے چھوٹے بھائی ان کی بہن حکیم برکت اللہ بیگ صاحب کے لڑکے مرزا محمد رضا بیگ صاحب کے منسوب تھیں - اسی سلسلۂ قرابت نے آغا میر صاحب کو دریاباد کھینچ لیا تھا - ۱۹۱۹ء مین وفات پائی، ۹۷ برس کی عمر تھی - اولاد مین بدھو میان موجود ۱۲ -

سنگی ساہ کا بازار - بانی سنگی ساہ، سنگی ساہ کے محل سے متصل اُتر طرف واقع - یہ بازار بہت بڑا لمبا چوڑا اور شاندار تھا شمال و جنوب سڑک کے دونوں طرف پختہ اور بلند دوکانیں تھیں، پورب پچھم دو عالی شان پھاٹک تھے، تین طرف پختہ دیوار قائم تھی، دکھن طرف محل کی عمارت کا سلسلہ تھا - اُتر طرف دوکانوں کی پشت پر گنج کی آبادی تھی - تخمیناً ۷۰ سال سے اس مقام پر پرتاب گنج آباد ہے -

الماس گنج - عرف پرانا کٹرہ یا کٹرہ روشن لال، دیوان روشن لال صاحب نے اپنے ولی نعمت رکن الدولہ میان الماس علی خان صاحب بہادر کے نام سے آباد کیا تھا - بارہ بنکی گزیٹیر میں اسے بازار روشن لال تحریر کیا گیا ہے - اس کے چاروں طرف ۵۳۰ فٹ لمبی، ۴۲۰ فٹ چوڑی، تخمیناً ۱۵ فٹ بلند شہر پناہ تھی - پورب پچھم دو سرے دو پختہ پھاٹک تھے - گنج میں ہر قسم کے لوگ آباد تھے - آبادی کا زیادہ حصہ ہنر مند پیشہ ور دوں سے معمور تھا - بازار میں بڑی رونق رہتی تھی - سڑک کے دونوں طرف معہ برآمدے کے ۷۰ پختہ دوکانیں تھیں - ٹھٹھرائی، بزازہ، صرافہ، مکرانہ وغیرہ سبھی کچھ موجود تھا - آمنے سامنے دو پختہ سرائیں تھیں - جانب مشرق گنج شالہ کی ایک عالی شان عمارت تھی، جو گنج خانہ کے نام سے مشہور تھی - اس کے ایک مختصر حصے میں حمام بھی تھا جس کا فرش لال پتھر کا تھا - ۱۸۶۳-۶۴ء کے درمیان گنج خانہ میں جیل خانہ قائم ہوا - بعد اس کے ایک اسکول کھولا گیا، پھر ٹرائل کورٹ کی کچہری آ دھمکی - غالباً ۱۸۸۰ء میں اس عمارت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا - ۱۹۰۰ء میں نصف حصہ گنج معہ شہر پناہ و دوکانات دوسرا دو مشرقی پھاٹک کھنڈر ویران ہو گیا - اب صرف جنوبی حصہ شکستہ اور ناگفتہ بہ حالت میں اپنی اگلی شان و شوکت پر رونے کے لئے باقی رہ گیا ہے - مغربی پھاٹک بھی زیادہ دن تک قائم نہیں رہ سکتا - موجودہ حصہ کی سرا بھی برائے نام - اس میں ایک مسجد ہے، جس کے سنگی کتبہ سے پایا جاتا ہے کہ یہ مسجد ۱۲۰۳ھ میں تعمیر ہوئی تھی، غالباً گنج کے آباد ہونے کا بھی زمانہ یہی ہو - سنگی تحریر حسب ذیل ہے -

زحکم خداوند الماس علی	بکرد مسجد بہ شان تمام
زفضل الامین و رحمت علی	شدہ روشن از ہند تا روم و شام
بجستیم تاریخ سالش ز ہاتف	ندا داد آنست بیت الحرام ۱۲۰۳ھ

"زحکم خداوند الماس علی" سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مسجد الماس علی خان صاحب کے حکم سے تعمیر ہوئی تھی - اسی طرح الماس گنج کا نام اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اسے الماس علی خان صاحب نے تیار کرایا تھا - تائید انھیں وجوہ سے تمنا صاحب لکھنؤ کے مشہور شاعر و سابق ڈپٹی انسپکٹر مدارس ضلع اناؤ، منشی رام سہائے صاحب ساکن فوبھیر نے اپنی تالیف "افضل التواریخ" میں گنج کو بنا کردہ الماس علی خان تحریر فرمایا ہے - لیکن، اصل واقعہ یہ ہے کہ گنج اور مسجد دونوں کے بانی مبانی دیوان روشن لال ہی تھے - عام طور پر بھی یہی مشہور رہا کہ گنج کو روشن لال صاحب نے آباد کیا تھا اور مسجد بھی انھیں نے بنوائی تھی - ایک سرکاری مثل سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے، جس میں

ملاحظہ ہو مثل مقدمہ نمبری ۵۹۰، فیصلہ ۲۴ - دسمبر ۱۸۷۵ء، اظہار مولوی کاظم علی گواہ، اجلاس مولوی سید اکبر علی صاحب بہادر اسسٹنٹ کمشنر ضلع بارہ بنکی، راجہ مزاندر بہادر سنگھ تعلقدار ہڑا مدعی، رائے انجلوم بلی تعلقدار مدعا علیہ، مقدمہ سریچ کی سرا ۱۲

تحریر ہے "قلعہ کے پچھم زمین گنج و عمارات و تالاب و مسجد وغیرہ کے لئے روشن لال دیوان الماس علی خان کو ریاست ہڑاہا سے دی تھی"۔ علاوہ اس کے گنج مین ایک عمارت گئوشالہ کے نام سے تعمیر ہوئی تھی، جس کا ذکر اوپر ہو چکا اور جو نصف صدی کے اندر موجود تھی۔ یہ گئو شالہ مع گنج روشن لال صاحب کے بعد اُن کے چھوٹے بیٹے مہی لال کی نسل مین لالتا پرشاد وغیرہ کی ناعاقبت اندیشی سے تباہ و برباد ہوا گئوشالہ کی اینٹین فروخت ہوئین، نصف تہہ پناہ مع سرا نیلام ہوئی، باقی نصف گنج پر راجہ صاحب ہڑاہا ذریعۂ رہن اس وقت تک قابض ہین۔ اگر گنج اور مسجد کا بیادی پتھر الماس علی خان نے رکھا ہوتا تو نہ روشن لال کی شہرت ہوتی۔ قابل دید گئو شالہ تعمیر ہوتا اور سرلالا پرشاد وغیرہ گنج کے جائز مالک قرار دئے جاتے، ملکہ گورنمنٹ خود اسے نزول کرنے پر مجبور ہوتی۔ الماس علی خان نے جو صحن آ، دیا تھا وہ میان گنج ہے، جہان اُن کے نام کی "بارہ دری" باوجود نیست و نابود ہو جانے کے اتک مشہور ہے۔ اُس گنج اور بارہ دری کے بارہ مین روشن لال کا کوئی نام بھی نہیں لیتا، حالانکہ اُس کے مہتمم یہی تھے۔ مثل مقدمۂ سرائے الماس گنج (ہینگن بھٹیاری مدعی، راجہ صاحب ہڑاہا مدعا علیہ) اور بعض بزرگون کے بیانات سے بھی یہی پایا جاتا ہے کہ گنج اور مسجد کے بانی روشن لال صاحب تھے۔ (بیانات روشن لال صاحب کے ذکر مین ملاحظہ ہون) گنج کو الماس گنج اور مسجد کے کتبہ مین الماس علی کا نام ظاہر کرنے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اگلے زمانے کے ایک آدمی شہرت پسند نہین ہوتے تھے اور جس کا کھاتے تھے اُس کا گاتے تھے، روشن لال صاحب بھی نیک اور اپنے مالک کے سچے خواہ تھے (ملاحظہ ہو پنڈت بیتانند کی چٹھی روشن لال صاحب کے بیان میں) سیر یہ کہ الماس علی خان کی بدولت غریب سے امیر ہو گئے تھے؛ اس لئے "جس کی جُن، اُسکی بن" خیال کر کے انھون نے بجائے اپنے نام کے اپنے آقا کی شہرت مناسب سمجھ کر یہ کارروائی کی کہ گنج کو الماس علی کے نام سے موسوم کر کے مسجد مین اُنھین کے نام کا کتبہ لگا دیا جو روشن لال صاحب کی روشن خیالی کی ایک روشن اور صاف دلیل ہے۔

کٹرۂ درباری لال کا بازار۔ خوشنما چوپڑ کا بازار، تفریح و دلچسپی کے لحاظ سے چوک لکھنؤ کا مختصر نمونہ ہر طرف پختہ دکانون کے سلسلے مین اکثر دو کانین دو منزلی سہ منزلی تھین، جن کے بالائی کمرے حسین طوائفون سے آباد تھے۔ بازار مین شام سے پہر رات تک (۶ بجے سے ۱۰ بجے تک) خاص طور پر رونق رہا کرتی تھی۔ تو قین تماشائیون کا ہجوم، پالی پلائے والون کے ڈول کی کھٹکھٹاہٹ، پھولون کے گجرے اور ہار بیچنے والون کی آوازین، میوہ فروشون کی صدائین بے فکرون کی مٹر گشتیان، البیلے نوجوانون کی نرالی جھانک تاک، خوبصورت ساقیون کے جھمکے، حسینون کی دلفریب نظر بازیان، گانے بجانے کا دلچسپ مشغلہ، دکانون کی باسلیقہ سجاوٹ وغیرہ سامان دلون پر ایک عجیب اثر پیدا کرتا تھا۔ کٹرہ کا اصلی نام نواب گنج تھا، شکل مخمس، رقبے مین الماس گنج سے دو چند۔ روشن لال صاحب کے بڑے بیٹے لالہ درباری لال صاحب حکیلہ دار نے نواب آصف الدولہ بہادر کے نام پر نواب کی رعایت سے نواب گنج رکھا تھا جو الماس گنج کے سلسلے مین پچھم طرف واقع۔ حلقہ کی دیوارین پختہ تھین، چھ پھاٹک تھے۔ پہلا الماس گنج کے مغربی پھاٹک سے قریب، دیوان روشن لال صاحب کے مکان کا گذرگاہ تھا۔ دوسرا تالاب پر جانے کے لئے، تیسرا گئو گھاٹ کے متعلق

چوتھا رام نگر والی سڑک پر پانچوان پھاٹک طرف، چھٹا دکھن طرف - اِن مین سے مغربی پھاٹک دو منزلہ تھا اور باقی سب جُرجیون والے تھے - اُتر طرف پختہ سرا تھی، دکھن طرف آبادی، جس کا کثیر حصہ لکھنؤ کے باشندوں سے آباد تھا باشندے پیشہ ور اور خوشحال تھے - ماتا دین ٹھیٹھر بیان کرتا تھا کہ "واجد علی شاہ کے زمانے مین یہ کٹرہ بالکل ویران ہوگیا تھا - قناتی دیوارین، سرا، بازار کی دوکانین وغیرہ سب بے نام ونشان ہو چکی تھین، صرف الماس گنج کے مغربی پھاٹک سے متصل دونون طرف پندرہ بیس دوکانین اور برائے نام پھاٹک کا کچھ حصہ باقی رہ گیا تھا - اِن دوکانون مین ہر وقت شراب وگوشت اور کھانے پینے کی چیزین بکا کرتی تھین بعض دوکانین خوبصورت ساقنون کی نشستگاہین تھین - شام کے وقت اس مقام پر تماشائیون کا اچھا مجمع ہوجاتا تھا - پھولون کے ہار بیچنے والے، پانی پلانے والے بھی موجود رہتے تھے - ہمارے دیکھتے ہوئے اب سے نصف صدی قبل یہ سب باتین ایک افسانہ ہوگئین"

پانچوین فصل دھرم شالون اور سراؤن کے بیان مین

سنگی ساہ کا دھرم شالہ - بہت بڑی پختہ عالی شان عمارت، گوبند پور مین پھلواری اور بادلی کنوئین سے متصل واقع - اس مین خیرات خانہ بھی قائم تھا - اب سے سو برس قبل ندارد -

لُلّو سیٹھ لچھمی سیٹھ کے دھرم شالے - مشہور ومعروف دھرم شالے، اپنے وقت کی اچھی عمارتین افسوس ہے کہ اِن دھرم شالون کی نسبت یہ نہ معلوم ہوا کہ کہان پر تھے اور دریا بادمین کب تک قائم رہے -

دھرم شالہ بیجن لال - یہ دھرم شالہ بہت بلند اور وسیع رقبہ مین واقع ہونے کے علاوہ دو منزلی خوبصورت عمارت بھی تھی، جسے بیجن لال کے دادا نے بنوایا تھا، جو اپنے وقت کے بڑے دولت مند اور دھرماتما مشہور تھے - اس مین جس قدر سادھو اور غریب ہندو مسافر آکر ٹھہرتے تھے، سب کو جو راک ہفت روزہ تقسیم کیجاتی تھی - مدت دراز کے بعد اس دھرم شالے کو بیجن لال کے نام سے شہرت ہوگئی تھی جھجھین خاصی مین اپنے باپ دادے سے بھی زیادہ دلچسپی تھی - دھرم شالہ کے متعلق چاہ پختہ ابتک باقی - (گھڑیالی محلہ) -

پُرانی سرا - عُرف بیچ کی سرا، لمبی چوڑی اچھی خاصی پختہ سرا تھی - پورب پچھم دو بلند پھاٹک تھے، ٹیڑھی بازار کے مغربی سرے پر واقع تھی - پہلے اسے پُرانی سرا کہتے تھے، جب الماس گنج مین سرائین تیار ہوئین تو ٹیڑھی بازار اور الماس گنج کی سراؤن کے درمیان واقع ہوجانے کے باعث اسکو "بیچ کی سرا" کے نام سے شہرت ہوگئی - یہ سرا شاہی تھی، قلعہ سے تعلق تھا، شاہی عملہ اس کی مرمت کرواتا تھا - اس سرا کے منہدم ہوجانے کے بعد اس کی زمین پر اُتر دکھن دو سرائین بنوائی گئین تھین، جس کی تصدیق ایک سرکاری کاغذ (مثل مقدمہ نمبری ۵۹، راجہ صاحب ہڑہا مدعی، رائے ابھرام بلی مدعا علیہ، مقدمہ بیچ کی سرا) سے بھی ہوتی ہے، جس مین تحریر ہے کہ انھین چھٹنکی اور ہیگن بھٹیاری نے تیار کرایا تھا اور جنوبی سرا کا پھاٹک بخشی رام پرشاد نے بنوایا تھا، جسکی تعمیر ۱۲۶۵ھ فصلی مین ہوئی تھی" اُتر طرف والی سرا ۱۸۷۵ء کے قبل نیست ونابود ہوچکی تھی، مگر جنوبی سرا ابتک ناگفتہ بہ حالت مین موجود اور چند روزہ مہمان - تعجب ہے کہ یہ

سرا راجہ صاحب ہٹوا کے قبضہ مین ہے اور وہ خبر نہین لیتے -

الماس گنج کی سرائین عرف کٹرہ کی سرائین، بانی دیوان روشن لال صاحب، یہ پختہ سرائین اپنی بعض خصوصیات کی وجہ سے بہت مشہور تھین - غریب مسافرون سے کرایہ نہین لیا جاتا تھا اور اُن کو خوراک مفت تقسیم کی جاتی تھی - اس بارہ مین دیوان جی کا سخت حکم تھا - اگر کسی قسم کی شکایت سنی جاتی تھی تو بھٹیارون سے سخت بازپرس ہوتی تھی - یہ دونون سرائین طول وعرض اور خوبصورتی مین یکسان تھین صرف اتنا فرق تھا کہ جنوبی سرا مین مسجد بھی تھی اور کنوان بھی تھا، لیکن، شمالی سرا مین فقط ایک چاہ پختہ کی تعمیر ہوئی تھی - شمالی سرا سنہ ۱۹۰۱ء سے بے نام ونشان ہے جنوبی سرا ابھی برائے نام باقی ہے، جس کا طول ۱۳۷ فٹ عرض ۱۳۱ فٹ - ۴۳ کوٹھریان، برآمدے ندارد، دروازون کے پختہ چوکور ستون جا بجا موجود - مسجد کی چھت ڈاٹ کی بنی ہے، آثار ۳۰ فٹ، مینار ودرمیانی گنبد چھت، محرابی در، اُبھرے ہوئے بیل بوٹون سے آراستہ، میناروں کی بلندی تخمیناً ۵۰ فٹ - مسجد کا طول ۵۰ فٹ، عرض ۲۰ فٹ، بلندی ۳۵ فٹ مسجد کا اندرونی حصہ ۴۰ فٹ لمبا، ۱۲ فٹ چوڑا، صحن مسجد ۴۷ فٹ طویل اور ۳۰ فٹ عریض ہے - دکھن اور اُتر طرف ۵۳ فٹ طول اور ۱۰ فٹ عرض مین دو دالان چار کوٹھریان آمنے سامنے ایک دوسرے کے جواب مین بنی ہوئی ہین، جنھین مسافر خانہ، غسل خانہ وغیرہ کہہ سکتے ہین، جو کس مپرسی کی وجہ سے چند روزہ مہمان ہین -

کٹرۂ درباری لال کی سرا - عالی شان پختہ سرا، رقبے مین الماس گنج کی دونون سراؤن کے برابر، بانی دیوان روشن لال صاحب کے بڑے بیٹے - اس مین چارون کونون پر چار عمدہ ہوادار کمرے (بالاخانے) بنے ہوئے تھے - دو منزلہ پھاٹک پورب جانب تھا -

کٹرۂ مہی لال کی سرا مشہور اور بہت بڑی عمدہ پختہ سرا، بنا کردہ لالہ مہی لال صاحب ناظم فرزند خورد دیوان روشن لال صاحب - اس کٹرہ کا اصل نام آصف گنج تھا جو نواب آصف الدولہ بہادر کے نام سے موسوم کیا گیا تھا یہ کٹرہ کٹرۂ درباری لال سے ملا ہوا دکھن طرف تھا، بازار کی دو کانین پختہ تھین محمد علی شاہ کے زمانے مین نہ سرا تھی نہ کٹرہ کا وجود باقی تھا -

آصفی بازار کی سرا - نامی اور نادر پختہ سرا - بانی دیوان روشن لال صاحب کے فرزند سوم لالہ سیوک رام صاحب ناظم یہ بازار کٹرۂ درباری لال سے ملا ہوا اُتر طرف واقع تھا - دو کانین پختہ تھین - آبادی خاص پیشہ ورون کی تھی، جس مین لکھنؤ کے باشندے زیادہ آباد تھے - بازار کا نام آصف الدولہ بہادر کے نام پر آصفی بازار رکھا گیا تھا -

چھٹی فصل میلون کے بیان مین

مہابیر کا میلہ - اپنے وقت کا مشہور اور زبردست میلہ - بستی سے باہر تھوڑی دور پر مہابیر جی کے مندر سے متصل (بابا پورن داس کی کٹی) ایک بہت بڑے میدان مین ہوتا تھا - بیان کیا جاتا ہے کہ بدری داس چکلہ دار اور راجہ درشن سنگھ ناظم کی عقیدتمندانہ کوششون سے اس میلہ کو دور دور تک شہرت حاصل ہو گئی تھی - شاہی

زمانے تک میلہ کی شان بدستور ترقی کے ساتھ قایم رہی۔ بعد اُس کے غدر کی وجہ سے میلہ موقوف ہوگیا، ساتھ ہی اس کے چند بدمعاشون نے مندر مین دفینہ سمجھ کر اُسے جا بجا سے منہدم کرکے تباہ و برباد کردیا۔ انگریزی عملداری مین رائیصاحب کے زیر اہتمام پھر از سرِ نو میلہ کی بنیاد ڈالی گئی، جو اگرچہ اس وقت تک معمولی میلہ سے زیادہ وقعت نہین رکھتا، تاہم رائیصاحب کی یہ مذہبی خدمت قابل تعریف ہے کہ اُنھون نے مٹی ہوئی قدیم اور مقدس یادگار کو دوبارہ زندہ کردیا۔ یہ میلہ ہر سال منگل کے دن گوپال مندر کے قریب ہوتا ہے، اور مندر خوب آراستہ کیا جاتا ہے۔

دسہرہ - پہلے یہ دھوم دھامی اور شاندار میلہ بھی بابا پورن داس کی کٹی سے متصل پورب طرف میدان مین مشیر نارائن دت کے زیر اہتمام ہوتا تھا اور دریاباد کے قرب وجوار کے علاوہ دُور دُور تک مشہور تھا۔ کمیدان گردھارا سنگھ، راجہ ہردت سنگھ، سر مہاراجہ مان سنگھ وغیرہ ناظم وچکلہ دار (عمّال شاہی دریاباد) کی کوشش اور گرد و نواح کے زمینداروں اور تعلقدارون کی شرکت سے میلہ مین ایک قسم کی شان اور رونق پیدا ہوجاتی تھی۔ اس میلہ کی اہمیت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ دربارِ لکھنؤ سے ایک سو روپیہ سالانہ چندہ مقرر تھا اور عمال شاہی خاص سرپرست تھے۔ آج کل دسہرہ کا میلہ لالہ کے تالاب سے متصل ایک دلچسپ اور پُرفضا مقام پر ہوتا ہے۔ یہ جدید میلہ بھی عام طور پر شہرت اور مقبولیت کی سند حاصل کرچکا ہے۔ لیلا بھی معقول طریقہ سے ہوتی ہے، مجمع بھی کم نہین ہوتا، ہر سال دس پندرہ ہزار آدمی میلے مین شریک ہوتے ہین۔ میلہ صاف اور ستھرا، انتظام نہایت معقول، دسہرہ کا جلوس قابل دید۔

دھنش جگ - دسہرہ کے برابر مشہور و معروف اور نفیس میلہ۔ شاہی زمانے مین یہ میلہ بھی مشیر موصوف اور عمّال شاہی کی سرپرستی مین بڑی دھوم دھام سے شان و شوکت کے ساتھ رام لیلا کے میدان مین ہوتا رہا۔ دربار لکھنؤ سے اس کے لئے بھی سو روپیہ سالانہ چندہ مقرر تھا۔ غدر کے بعد مشرجی کے مرنے پر ایک مدت تک دھنش جگ کا ہونا موقوف رہا۔ سمبت ۱۹۴۶ بکرمی مطابق ۱۸۸۹ء مین جُنّی لال عرف جُنّی سراؤگ کی کوشش سے پھر دوبارہ میلے کا آغاز ہوا۔ چند سال جُنّی ساہ مہتمم رہے۔ بعد اُس کے عرصہ تک چند ہندو اصحاب کے اہتمام مین چندہ کے ذریعہ سے یہ مبارک رسم ادا ہوتی رہی، ساتھ ہی اس کے میلہ بھی ترقی کرتا رہا۔ غالباً ۱۹۱۴ء سے رائے راجیشر بلی صاحب اس مذہبی خدمت کو بحسن و خوبی انجام دے رہے ہین۔ رائے صاحب کی سرپرستی مین دھنش جگ کا انتظام ہونے کے باعث اس میلہ نے نمایان ترقی حاصل کرنے کے علاوہ اچھی خاصی شہرت بھی پیدا کی ہے۔ میلہ تین روز تک رہتا ہے۔ دن مین دھنش جگ کے متعلق لیلا ہوتی ہے اور رات کو قابلِ دید مذہبی ناٹک۔ لیلا نفیس اور باقاعدہ، انتظام معقول، تماشائیون کا ہجوم پانچ چھ ہزار سے زائد۔ اس سال ۱۹۲۳ء مین آٹھ دس ہزار آدمی شریک تھے۔

عشرہ - عظیم الشان اور زیادہ بارونق میلا۔ سُنا جاتا ہے کہ شاہی عہد مین عشرہ کے دن دریاباد سے کربلا تک ہر طرف آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔ چالیس پچاس بُراقین، پانچ چھ سو تعزیون کے بیس پچیس غول نکلتے تھے، جن مین خوبصورت اور بڑے تعزیئے زیادہ ہوتے تھے، چھوٹے اور معمولی بہت کم۔ انھین تعزیون مین کاغذ اور ابرک کے علاوہ

ہ اُس سال ۱۹۲۳ء کے میلے مین بیس پچیس ہزار آدمیون کا تخمینہ کیا گیا ہے ۱۲۔

مٹی، جو، لکڑی، مٹر، موم، کپڑے، پوت، پھولوں وغیرہ کے تعزیون کی بھی ایک معقول تعداد ہوتی تھی، جو بڑی محنت اور کاریگری سے تیار کئے جاتے تھے۔ کئی جگہ پانی اور شربت کی سبیلیں جاری کی جاتی تھین، جو تصادیر اعد گلدستون وغیرہ سے پُر تکلف آراستہ ہوتی تھین۔ ہندوؤں کی طرف سے بھی شربت اور پانی پلانے کا معقول بندوبست کیا جاتا تھا۔ بانک، پٹے وغیرہ کے بڑے بڑے اوستاد اپنے کرتب دکھاتے تھے۔ موجودہ زمانے مین بوجہ افلاس وگرانی اس میلہ مین بہت کچھ کمی ہوگئی ہے۔ لیکن، پھر بھی مجمع و رونق کے لحاظ سے بہت غنیمت ہے، چنانچہ گذشتہ سال (۱۹۲۲ء) میلہ مین پچیس تیس ہزار آدمیون کا تخمینہ کیا گیا تھا اور دو سو ساٹھ تعزیے شمار کئے گئے تھے، جن مین عمدہ اور بڑے تعزیئے صرف گنتی کے تھے۔ شربت کی ایک ہندو سبیل بھی تھی، چند معمولی بانک، پٹے والے بھی تھے۔ تعزیون کے نکلنے کا انتظام بھی قابلِ ذکر ہے۔ محرم کی دسوین تاریخ کو (روز عاشورہ) پہلے قصبہ کے کل تعزیئے "بنے تلے" جمع ہوتے ہین، بارہ بجے کے بعد آہستہ آہستہ عکیت نگر والی سڑک پر گذر کر قریب شام کربلا مین دفن ہوجاتے ہین۔

ساتوین فصل عرسون کے بیان مین

شاہ عبدالرسول کا عرس۔ بانی شیخ کرم کریم صاحب عرف چھیدا میان، ۱۱ ذی حجہ کو ہوتا ہے۔ قوالی بھی ہوتی ہے، معمولی طور پر میلہ بھی لگتا ہے۔

پیر اشاہ کا عرس۔ شاہی مین خاص طور پر شہرت تھی، میلہ بھی دلچسپ اور اچھا ہوتا تھا، عمّال شاہی سرپرست تھے آج کل عرس صرف قصبہ مین مشہور اور میلہ برائے نام۔ تاریخ عرس بسنت پنچمی۔

آٹھوین فصل کتب خانون کے بیان مین

جینی کتب خانہ۔ نہایت قدیم اور اپنے وقت کا بہترین علمی ذخیرہ۔ غالباً اب سے دو سو برس قبل غارت ہوکر بے نام ونشان ہوگیا۔ اس کتب خانہ کی تخمیناً دو سو قلمی پوتھیان سنسکرت و پراکرت اور مرہٹی زبان کے متعلق نہایت خوشخط عجیب و غریب حرفون مین بھوج پتر اور تاڑ پتر پر لکھی ہوئی ابتک ایک شخص کے پاس موجود ہین۔ عرصہ ہوا، ان پوتھیون مین ایک پوتھی ایسی بھی دیکھی گئی تھی، جس مین سنگئی ساہ دریابادی کے حالات لکھے ہوئے تھے۔ قیاساً معلوم ہوتا ہے کہ یہ پوتھیان چھٹنکی ساہ اور سنگئی ساہ کے کتب خانون کی ہونگی، کیونکہ دولت مند جینی بزرگ کتب خانے کے بڑے شوقین ہوتے ہین، اور اب سے چار یا پانچ سو برس قبل تو جینی اصحاب کی علمی خدمت ملک بھر مین مشہور تھی، جسکی زندہ جاوید مثالین احمد آباد، پاٹن، جیسلمیر اور کھمبات وغیرہ کے کتب خانے اس وقت تک موجود ہین افسوس ہے کہ مذکورۂ بالا پوتھیان ایک مقفل صندوق مین بھری پڑی ہین اور ان کے دکھلانے سے سخت گریز کیا جاتا ہے، جس سے احتمال ہے کہ چند روز مین ضائع ہوجائین گی۔ کاش انھین عام طور پر ظاہر کرکے قدردانون کی بدولت دانی مستفید ہونے کے ساتھ ساتھ پبلک کو بھی فائدہ پہونچانے کی کوشش کی جاتی، اور اس طرح غیر مطبوعہ نسخے

(یقیناً اس ذخیرہ مین بہت سے نسخے ایسے ہونگے جنھون نے مطبع کی صورت ابھی تک نہ دیکھی ہوگی) چھپ کر شایع ہو جاتے اور قلمی کتابین ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جاتین۔

پنڈت جیو نارائن کا کتب خانہ - قلمی پوتھیون کا زبردست اور قابل تعریف ذخیرہ - دریاباد کے مشہور و معروف پنڈت جیو نارائن مشر نے سمبت ۱۸۰۱ بکرمی، مطابق ۱۷۴۴ء کے قبل قایم کیا تھا، جو تخمیناً ستر اسّی برس کے بعد ناقدری کے ہاتھون تباہ ہو گیا۔ اس برباد شدہ کتب خانہ کے متعلق جس قدر قلمی کتابین ناگفتہ بہ حالت مین موجود ہین، اُن مین سے صرف ۸۰ پوتھیان دیکھنے مین آئی ہین جو قریب قریب اٹھارھوین صدی بکرمی کی سفید بانسی کاغذ پر لکھی ہوئی ہین۔ لیکن، بعض پوتھیان سترھوین (سمبت ۱۶۳۹)، سولھوین (سمبت ۱۵۴۴) اور تیرھوین (۱۲۴۶) صدی بکرمی کی بھی تحریر شدہ ہین۔ ان اسّی پوتھیون مین نصف کے قریب بلحاظ اپنی اہمیت کے نہ صرف نہایت ممتاز درجہ رکھتی ہین، بلکہ سنسکرت خزانہ کی تابناک جواہرات کہے جانے کی مستحق ہین۔ انھین پوتھیون مین ایکا رتھت دھن، پاکھنڈ چیٹیکا، آرکھ راماین، متیال پچیسی وغیرہ ایسی نایاب و عجیب و غریب نام کی پوتھیان بھی شامل ہین، جن سے غالباً سنسکرت دان طبقہ کے لوگ بہت کم واقف ہونگے۔ اس سے کتب خانہ کی اہمیت کا اندازہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس دعویٰ کی بھی کافی تردید ہوتی ہے کہ ہندوستان مین کاغذ سازی کا کام عہد اکبر سے شروع ہوا، جسے آج تک صرف (۱۵۵۶ء لغایت ۱۶۰۵ء) ۳۶۶ برس ہوئے۔

دیکھتون کا کتب خانہ - عالی شان علمی خزانہ، بانی پنڈت براگدت دیکھیت - نواب آصف الدولہ بہادر کے زمانے مین بنیاد ڈالی گئی تھی۔ یہ کتب خانہ باقاعدہ تھا۔ سنسکرت کے علاوہ بھاشا کی بھی بہ کثرت پوتھیان تھین۔ اس مین چند محرر بھی ملازم تھے، جو پوتھیان لکھا کرتے تھے۔ شروع انگریزی عملداری مین خاندان والون کی غفلت و جہالت کے باعث یہ نایاب ذخیرہ تلف ہو گیا۔ اب صرف سو پچاس بوسیدہ اور کرم خوردہ کتابین باقی رہ گئی ہین، جو مہابیر دیکھیت کے یہان ایک صندوق مین ردی کی طرح بھری پڑی ہین۔

کتب خانۂ رائیصاحب - مہتم بالشان اور خوشنما کتب خانہ - بانی رائے راجیشر بلی صاحب بہادر۔ اس مین سنسکرت، بھاشا، فارسی، اردو، انگریزی کے متعلق ہر قسم کی تخمیناً چھ ہزار کتابین موجود ہین، جن مین چند قلمی کتابین بلحاظ اپنی قدامت و اہمیت کے اعلیٰ درجہ کی ہین۔ قلمی نسخون مین دو کتابین ڈھائی سو برس کی لکھی ہوئی، ایک ڈیڑھ سو برس کی اور سوا سو برس کی متعدد کتابین ہین۔ علاوہ ان کتابون کے انگریزی کے دو مطبوعہ البم بھی ہین جن مین غار اجنٹا کی تصاویر کے فوٹو چھپے ہین۔ یہ البم جرمن کے چھپے ہوئے چار چار سو روپیہ قیمت کے ہین۔ کتب خانہ کی عمارت اور آراستگی بھی دیکھنے کے قابل ہے، جو ایک پُر فضا باغ کے اندر واقع ہے۔ کتابون کے علاوہ ہندوستان کی قدیم مصوری اور مقامی نجارون، معمارون کی قابل تعریف صناعی کے دلکش نمونے بھی اس کتب خانہ مین پائے جاتے ہین۔ سُنا جاتا ہے کہ "نومبر ۱۹۲۱ء کو مسٹر جا پلنگ صاحب بہادر کمشنر لکھنؤ نے اپنی میم صاحبہ کے مخصوص اس کتب خانہ

---

* ان کتابون مین اہمیت کی بنا پر قاسم شاہ کی مشہور تصنیف "ہنس جواہر" زیادہ قابل قدر و قابل ذکر ہے، جو ۱۲۵۸ھ مین نثر فارسی لکھی گئی تھی ۱۲۔

کو دیکھنے کی غرض سے دریا باد تشریف لائے تھے۔ صاحب بہادر اور میم صاحب کو لائبریری اور مصوری سے بیحد دلچسپی ہے ساتھ ہی اس کے مصوری کے نکات سے بھی اچھی طرح وقفیت حاصل ہے۔ انھوں نے کتب خانہ کی کتابین اور سجاوٹ غار اجنٹا کی تصویرین ملاحظہ فرماکر بہت مسرت ظاہر کی تھی"۔ رپورٹ انڈسٹریل سروے ضلع بارہ بنکی ۱۹۲۳ء (مطبوعہ گورنمنٹ پریس الہ آباد) سے معلوم ہوتا ہے کہ لارڈ میسٹن صاحب بہادر سابق گورنر صوبہ متحدہ ان تصویرون اور صناعیون کی تعریف سنکر بہت خوش ہوئے تھے اور کئی بار ان کے دیکھنے کی خواہش کی تھی"۔ صوبہ کے مشہور اخبار پائنیر اور لیڈر مین اس لائبریری کی بہت کچھ تعریف کی گئی ہے۔ اس سے کتب خانہ کی شان و شوکت پر جو روشنی پڑتی ہے، وہ محتاج تصریح نہین۔

کتب خانہ عبدالقادر مشہور اور عام کتب خانہ۔ حاجی مولوی عبدالقادر صاحب مرحوم ڈپٹی کلکٹر کی یادگار مین ان کے سعادتمند لڑکون مولوی عبدالمجید صاحب (ڈپٹی کلکٹر لکھنؤ) اور مولوی عبدالماجد صاحب **ناظر** بی۔ اے نے آخر ۱۹۱۳ء مین ایک خوبصورت اور شاندار مکان کے اندر قایم کیا تھا۔ اس مین فارسی، عربی، انگریزی، اردو ہندی، کتابون کے ایک بڑے ذخیرے کے علاوہ اردو، ہندی، انگریزی اخبارات و رسائل بھی بہ کثرت آتے تھے لیکن، نہایت افسوس ہے کہ اہل وطن کی بے توجہی اور بعض دیگر وجوہ سے یہ کتب خانہ زیادہ دن تک قایم نہ رہ سکا۔

کتب خانہ عبدالحسیب۔ نادر علمی ذخیرہ۔ یہ کتب خانہ حکیم صاحب کے مورثون مولانا حکیم نور کریم صاحب اور حکیم عبدالعزیز صاحب کا جمع کیا ہوا ہے۔ ۱۸۵۷ء کے غدر مین بہت سی نادر و بیش بہا کتابین تلف و ضایع ہوگئین تاہم اب بھی عربی و فارسی کی دو ہزار کتابون کا ایک معقول ذخیرہ موجود ہے۔ طب کی کتابین قدرتاً زیادہ ہین، مگر دوسرے فنون کی کتابین بھی اچھی خاصی تعداد مین جمع ہین۔ اکثر کتابین تین چار سو برس کی لکھی ہوئی ہین اور دو ڈیڑھ سو برس کی لکھی ہوئی تو بہت سی ہین۔ مولانا حکیم نور کریم صاحب خود بہت بڑے خوشنویس اور خطاط تھے، بکثرت کتابین انکے ہاتھ کی صحیح، صاف اور خوشنما لکھی ہوئی موجود ہین۔ تاریخ الخلفا، عربی، جذب القلوب فارسی، مدارج النبوۃ فارسی، شرح مواقف عربی، تفسیر بیضاوی عربی، ہدایہ عربی، فتاوی عالمگیری عربی، شرح وقایہ عربی، حیوۃ الحیوان فارسی، فتوح الغیب عربی، مرت مسعودی فارسی، مرات الوجود فارسی، مشکوۃ المصابیح عربی، مکمل قانون شیخ الرئیس عربی، نفیسی عربی، افسرائی عربی، گلستان فارسی، بوستان فارسی، مدارج النبوۃ فارسی، تقویم البلدان عربی، وغیرہ بہ کثرت کتابون کے قلمی اور خوشخط نسخے پائے جاتے ہین۔

بعض چھپی ہوئی کتابین بھی، جو اب نایاب ہوگئی ہین، یہان محفوظ ہین مثلاً تفسیر کشاف (مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۶ء) برہان قاطع (مطبوعہ کلکتہ) دیوان واجد علی شاہ، دیوان مہر، دیوان زخمی، درۂ نادرہ، وغیرہ۔

ایک آدھ کتاب ایسی بھی ہے، جو ابتک غیر مطبوع ہے، اور اپنی قدر و قیمت کے لحاظ سے بھی نہایت نادر کہی جاسکتی ہے مثلاً عربی مین علامہ ارنیلی کی کتاب "مدینۃ العلوم"، جو اخیر زمانہ تک کے تمام مسلمان ماہرین علوم و کاملین فنون کی جامع فہرست ہے۔ اس نادر کتاب کا ایک بڑا حصہ خوشخط لکھا ہوا اس کتب خانہ مین موجود ہے۔

اس کے مطالعہ سے آنکھین کھل جاتی ہین، اور نظر آجاتا ہے کہ اہل اسلام نے اپنے زمانۂ عروج و ترقی مین سیکڑون ایسے علوم و فنون مین، جن کا اب کوئی نام بھی نہین جانتا، کیسی حیرت انگیز ترقی کی تھی!

کتب خانۂ عبدالماجد۔ عجیب و غریب خزانۂ علم، اور ہند سے فرنگ تک مشہور و معروف۔ انگریزی اُردو، فارسی، عربی کی کل کتابین کئی ہزار کی تعداد مین ہین۔ عربی و فارسی کی کتابین کچھ مولانا مظہر کریم صاحب کے وقت سے چلی آتی تھین، حال مین اِن مین بھی اضافہ ہوا ہے، اور انگریزی، اُردو کا ذخیرہ بالکل جدید ہے۔

انگریزی مین زیادہ تر کتابین مغربی فلسفہ کے متعلق ہین۔ عربی و فارسی کا بڑا حصہ تفسیر، حدیث، تصوف، فقہ پر شامل ہے۔ قلمی کتابین بہت سی ہین۔

قابلِ ذکر و قابلِ دید کتابون مین ایک قلمی نسخہ اخلاق ناصری، مصنفۂ نصیرالدین محقق طوسی کا ہے، جس پر سالِ کتابت سنہ ۱۰۰۱ھ درج ہے۔ یہ نسخہ خط نسخ مین لکھا ہوا ہے۔ خط کی پختگی، صفائی، خوشنمائی، دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے ساتھ ہی تین سو برس گذر جانے پر روشنائی کسی ایک مقام پر بھی ماند نہین پڑی ہے۔ یہ نسخہ شہنشاہان دہلی کے کتب خانہ مین بھی رہ چکا ہے "شاہ رفیع الدرجات" بادشاہِ دہلی کی مُہر سنہ ۱۱۲۵ھ اس پر درج ہے۔ جدول اور لوح کی صناعی دیکھکر قیاس یہ ہوتا ہے کہ غالباً شاہی کتب خانہ ہی کے واسطے اسکی کتابت بھی ہوئی ہے۔

ایک نایاب کتاب، جو ابتک غیر مطبوع تھی، ملک الشعراء شیخ مصحفی کی مثنوی "بحر المحبت" ہے۔ مصحفی کا کلام ملک مین متعدد بار شایع ہو چکا، مگر اس مثنوی کا کسی کو علم ہی نہ تھا۔ حضرات حسرت موہانی، احمد علی شوق، عزیز لکھنوی وغیرہ جن جن اصحاب سے دریافت کیا گیا، سب نے اپنی لاعلمی ظاہر کی۔ بالآخر مولوی عبدالماجد صاحب ناظر بی۔ اے نے اپنے قلمی نسخہ کے مطابق بعد صحت اغلاط و اضافہ، مقدمہ و دیباچہ و حواشی کثیرہ مثنوی کو ۱۹۲۳ء مین دارالمصنفین اعظم گڈھ سے شایع کرا دیا۔ ملک کے اخبارات و مشاہیر ادب نے اس پر بہتر سے بہتر ریویو کئے، اور کتاب بعض یونیورسٹیون کے نصاب ادب اردو مین بھی داخل ہو گئی۔

دیگر قابل ذکر کتابین:۔ (۱) دیوان حافظ، تقطیع خرد، خوشخط و خوشنما، ناتمام، از اول و آخر (۲) تذکرۃ الاولیاء شیخ فریدالدین عطارؒ، خط نسخ، ناتمام (۳) نفحات الانس، مولانا جامیؒ (۴) مثنوی مولانا روم، دفتر اول (۵) مجمع البحرین، شہزادۂ داراشکوہ، ابتک غیر مطبوع (۶) حسنات العارفین (۷) صُراح، بہ غایت خوشخط (۸) مناقب رزاقیہ، مرتبہ میر باقر علی صاحب دُدولوی، ابتک غیر مطبوع (۹) فتاوائے مظہریہ، مجموعہ فتاویٰ مولانا مظہر کریم صاحب خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا، ابتک غیر مطبوع (۱۰) ہدایہ، کرم خوردہ و ناتمام (۱۱) فتاویٰ عالمگیری، کرم خوردہ و ناتمام (۱۲) تفسیر حسینی ایضاً (۱۳) ہنس جواہر، مصنفۂ قاسم شاہ دریابادی، بخط دیوناگری (۱۴) ترجمہ اُردو مراصد الاطلاع، عربی مین لغت جغرافیہ پر مشہور و جامع کتاب ہے۔ اس کا اُردو ترجمہ از مولانا مظہر کریم دریابادی خود مترجم کے ہاتھ کا لکھا ہوا (۱۵) منتہی الکلام، مصنفۂ شیخ حیدر علی صاحب فیض آبادی۔

کتب مطبوعہ، جو اب نایاب و ناپید ہین مثلاً (۱) برہان قاطع، مطبوعہ کلکتہ (۲) شرح سفر السعادت

مطبوعہ کلکتہ (۳) فتاویٰ قاضی خان، مطبوعہ کلکتہ (۴) نغمات الانس، مطبوعہ کلکتہ (۵) نغمات الانس، مطبوعہ بمبئی (۶) سیر الاولیا، مطبوعہ دہلی (۷) گلستان، مطبع مصطفائی (۸) بوستان، مطبع مصطفائی کانپور (۹) تفسیر عزیزی مطبع بمبئی (۱۰) مثنوی مولانا روم، ہر شش دفتر، مطبوعہ نامی پریس کانپور (۱۱) جذب القلوب، مطبوعہ کلکتہ (۱۲) رسالہ شید سالار، نامی پریس کانپور (۱۳) ترجمہ اردو مناقب العارفین، رامپور۔

غیر مطبوع و نادر کتابین ایسی ہین، جسکی وجہ سے اس کتب خانہ کی شہرت ہندوستان سے گذر کر یورپ تک پہونچ چکی ہے۔

ایک، ملفوظات مولانا روم موسوم بہ فیہ ما فیہ، بزبان فارسی۔ مشرق و مغرب دونون کے محققین اس کتاب کو معدوم سمجھ چکے تھے۔ خدا کی شان! کہ مولوی عبد الماجد صاحب بی۔ اے کو اس کے بعض قلمی نسخون کا علم ہوگیا۔ چنانچہ بہ صرف زر کثیر و سعی بلیغ حیدرآباد و رامپور سے تین مختلف نسخون کی نقلین حاصل ہوگئین اور ایک نقل قسطنطنیہ کے شاہی کتب خانہ سے مل گئی۔ کاملین فن کے نزدیک ایک بہت بڑی دولت گم گشتہ کا پتہ لگ گیا۔ یورپ کے مشہور فاضل اور کیمبرج یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر نکلسن نے اس تلاش کی بہت داد دی، اور ۱۹۲۴ء مین "رایل ایشیاٹک سوسائٹی" کی صد سالہ سالگرہ کا جشن جب لندن مین منایا گیا، تو یورپ کے بڑے بڑے نامی علما و فضلاء کی مجلس مین پروفیسر موصوف نے "دریاباد" کی اس تلاش کی داد اپنے ایک فاضلانہ مضمون مین دی، جس کا اردو ترجمہ بھی رسالہ "معارف" علی گڈھ مین چھپ چکا ہے۔ اب عبد الماجد صاحب اس کتاب کو چھپانے کی فکر مین ہین، اور مقابلہ و تصحیح و اضافہ، مقدمہ و حواشی وغیرہ مین مشغول۔ چھپنے کے بعد دنیا کے علمی خزانہ مین دریاباد کی طرف سے ایک یادگار اضافہ ہوگا۔

دوسرا رسالہ "القصد الی اللہ" عربی زبان مین، فن تصوف پر اتنی قدیم کتاب آج تک دنیا کے علم مین نہ تھی۔ خوش قسمتی سے مولوی عبد الماجد صاحب کو حیدرآباد و لکھنؤ سے اسکے دو مختلف نسخون کی نقلین حاصل ہوگئین بعض علماء کا قول ہے کہ یہ رسالہ تمام صوفیون کے سرتاج حضرت "جنید" بغدادی کی تصنیف ہے۔ اس رسالہ کو کیمبرج کے نامور فاضل پروفیسر نکلسن" نے بڑے فخر و مباہات کے ساتھ اپنے زیر اہتمام طبع و شائع کرنا منظور کیا ہے۔ دریاباد کی طرف سے دنیا کے خزانۂ علم مین یہ دوسرا بیش بہا اضافہ ہے۔

ساتوان باب

موجودہ مشاہیر کا مختصر بیان

فخر وطن آنریبل رائے راجیشر بلی صاحب منسٹر

بی۔ اے، او۔ بی۔ ای، وزیر تعلیم و لوکل سلف گورنمنٹ ممالک متحدہ اودھ، ماتھر کائستھ، رائے

نارائین بلی صاحب تعلقدار کے فرزند اول، بہت بڑے نامور رئیس و تعلقدار، مذہبی فرایض مین سختی کے ساتھ پابند، کرشن جی مہاراج کے خاص معتقد، ہندوستانی صناعی کے بیحد شوقین اور قدردان۔ ولادت ۱۸۹۰ء۔

پہلے کارون اسکول (لکھنؤ) مین تعلیم پائی۔ بعد اُس کے کننگ کالج مین بی۔ اے پاس کیا۔ ۱۹۱۳ء سے کاروبار ریاست مین مشغول ہونے کے ساتھ ہی آنریری مجسٹریٹ اور انجمن ہند لکھنؤ کے جوائنٹ سکریٹری بھی ہو گئے کچھ دنون کے بعد اقبال نے اور یادری کی ۱۹۲۱ء لیجسلیٹس کونسل کی ممبری عطا ہوئی۔ جوری ۱۹۲۴ء مین گورنمنٹ ہند نے منسٹری کا جلیل القدر عہدہ مرحمت فرما کر سرفراز فرمایا۔ رائیصاحب تعلقداران اودھ مین اول تعلقدار اور کائیتھ ہونے کی بنا پر غالباً یوپی بھر مین پہلے کائیتھ اور کم سنی کے اعتبار سے سارے ہندوستان مین اوّل شخص ہین جنھون نے کرسی وزارت پر رونق افروز ہو کر زبردست شہرت و ناموری حاصل کی۔

ممدوح کی ذات سے دریاباد مین سنسکرت پاٹ شالہ اور انگریزی اسکول کی بنیاد ڈالی گئی۔ حال کے دسہرہ و دھنس یگیہ کو زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی سنٹرل کو اپریٹو بینک کھولا گیا۔ پائین باغ مین از سر نو کتب خانہ قایم ہوا جس مین بھاشا اور سنسکرت کی قلمی پوتھیون کا معقول اضافہ خاص انھین کی دلچسپی کا باعث ہے۔ بنارس والا سنگی دو منزلہ مکان پانچ منزل کا تعمیر ہو کر ایک عظیم الشان محل کی صورت مین نمودار ہوا۔ منسٹر صاحب کے وقت کے جمد دیگر کارنامے بھی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہین۔

(۱) جشن تاجپوشی ملک معظم ایڈورڈ ہفتم ۱۹۰۱ء۔ عالی شان دربار آراستہ ہوا جس مین بستی کے علاوہ عملۂ تحصیل، قرب و جوار کے رؤسا و زمیندار اور مہاجن وغیرہ شریک ہوئے۔ اسپیچین دی گئین، مدحیہ قصاید پڑھے گئے۔ اسکول دریاباد و متھرا نگر کے طلباء کو شرینی اور قریباً دو ہزار محتاجون کو کھچڑی تقسیم کی گئی۔ غریبون کو کمل بانٹے گئے۔ ڈیڑھ ہزار روپیہ، جو کاشتکارون کے ذمہ باقی تھا، معاف کیا گیا۔ رات کو روشنی ہوئی، آتشبازی چھوڑی گئی، ناچ گانا ہوا اور پُرتکلف دعوت دی گئی۔ دربار کی رونق، محفل کی زینت اور دونون کی سجاوٹ قابل دید تھی۔ تخمیناً تین ہزار روپیہ صرف ہوا (۲) ۱۹۰۶ء کی زبردست قحط سالی مین گورنمنٹ سے بیس پچیس ہزار روپیہ بذریعہ تقاوی حاصل کر کے (یہ روپیہ بدفعات کئی قسطون مین معہ سود ایک مقررہ میعاد کے اندر ادا کر دیا گیا تھا) ایک بہت بڑا تالاب تیار کرایا گیا، جس سے نہ صرف صدہا سیکسون اور محتاجون کی جان فاقہ سے بچ گئی، بلکہ آبپاشی کے ذرایع وسیع ہو جانے کے باعث زراعت کو بھی بیحد فایدہ پہونچا۔ یہ تالاب راجیشور بلی صاحب کے نام سے موسوم ہو کر راج سرور کہلاتا ہے (۳) جشن تاجپوشی شہنشاہ جارج پنجم ۱۹۱۱ء۔ اس جشن مین غریبون کو بجائے کمل کے مرزائیان تقسیم کی گئی تھین، باقی کل کارروائی قریب قریب مطابق جشن اوّل (۴) جنگ یورپ کے موقع پر ایک زبردست میٹنگ منعقد کر کے ہوائس وقت تحصیل سنہی گھاٹ مین اوّل میٹنگ تھی، اور جس مین

لہ اس موقع پر راقم الحروف نے یہ قطعۂ تہنیت کہہ کر اپنی دلی مسرت کا اظہار کیا تھا قطعہ بعد مدت سیر اقبال چمکا اے محب ہو گیا دنیا مین دریاباد کا بالائے راجیشور بلی صاحب منسٹر ہو گئے ۔ دھوم ہے چارون طرف، غل ہے مارکباد کا ۔ ۲ افسوس ہے کہ بیلک کی کم توجہی سے یہ اسکول جولائی ۲۶ء کو شکست ہو گیا ۱۲۔

دریا باد کے علاوہ قرب وجوار کے لوگ بھی بکثرت شریک تھے، برٹش امداد کے لئے حوصلی اور پُر زور تحریک کی گئی۔ جنگ مین ڈھائی ہزار کے قریب چندہ دیا گیا، اور ڈھائی سو رگروٹ (رنگ روٹ) بھرتی کئے گئے۔ علاقہ والے رگروٹون کے ساتھ حسب مناسب ضروری رعائتین کی گئین۔ اس وفادارانہ خیر خواہی کے صلہ مین برٹش گورنمنٹ نے رائے راجیشر بلی صاحب کو او۔ بی۔ ای (آرڈر برٹش ایمپائر خیر خواہ سلطنتِ برطانیہ) کا خطاب مرحمت فرمایا (۵) جشن فتحیابی ۱۹۱۹ء۔ مسٹر "ہوبارٹ" ڈپٹی کمشنر (بارہ بنکی) کی صدارت مین ایک بہت بڑا دربار منعقد کیا گیا، جس مین تحصیل کھیر کے معززین ذروسا، وغیرہ نے شرکت فرمائی تھی۔ ہون کے بعد جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی۔ اسٹیجیں دی گئیں نظمین پڑھی گئین اسکول کے طالب علمون کو شرینی تقسیم کی گئی۔ محتاجون کو مرائیان اور رصائیان میم صاحبہ کے دستِ مبارک سے تقسیم کرائی گئین۔ بارہ سو روپیہ بقایا لگان معاف کیا گیا۔ علّہ کی زبردست حیرات ہوئی "شہنشاہ کی جے" کے نعرے بلند ہوئے، پھر ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر کی تحریک پر "رائیصاحب کی جے" منائی گئی۔ رگروٹون کے بھرتی کرنیوالون مین سے اہلکارون متعدد ہون ضلعدارون کو شال دوشالے (بارہ) عنایت ہوئے اور سپاہیون کو چاندی کی شام لگی ہوئی لاٹھیان (۱۱) دی گئین۔ رات کو معقول روشنی ہوئی، اور نفیس آتشبازی چھوڑی گئی۔ تخمیناً چار ہزار روپیہ صرف ہوا۔ دربار خوب آراستہ تھا۔ فتحیابی کا یہ شاندار جلسہ ضلع مین پہلا جلسہ تھا، جس کے قبل کسی دوسرے مقام پر اس قسم کے جلسہ کی نوبت نہین آئی تھی (۶) جو وکیل نان کوآپریٹر ہوکر وکالت چھوڑ بیٹھے تھے، رائیصاحب نے انھین سمجھا بجھا کر قانونی پیشی پر آمادہ کردیا اور وہ بدستور سابق گورنمنٹ کے خیر خواہ بن گئے۔

رائیصاحب نے صنعت وحرفت کی قدردانی مین خاص طور پر نام پیدا کیا ہے۔ چنانچہ انڈسٹریل سروے ضلع بارہ بنکی ۱۹۲۳ء (مطبوعہ گورنمنٹ پریس الہ آباد) مین تحریر ہے:-

"رائے راجیشر بلی صاحب ممبر کونسل صوبہ متحدہ آگرہ واودھ دریا باد کے قابل قدر تعلقدار صنعت وحرفت کے بڑے سرپرست ومربی ہین۔ قصبہ کے ایک مصوّر سرا غفار بیگ کو نوکر رکھا ہے۔ مرزا صاحب اور رائیصاحب دونون نے مل کر قدیم تصاویر کی صناعی اور خوبیون کو سمجھ کے بڑے پیمانہ پر اُن کی نقلین حاصل کی ہین، خود دیوارون اور چھتون مین نظر آرہی ہین۔ انھون نے قدیم اور پختہ رنگون کی تحقیقات بھی کی اور اُن کے تیار کرانے مین کامیاب ہوئے۔ یہ رنگ خیال کی مدد سے تیار ہوتے ہین، جو اگلے زمانے مین صدیون تک بدستور چمک رکھتے تھے۔ تعلقدار صاحب نے اپنے ڈرائینگ روم (ملاقاتی کمرہ، متعلقہ کتب خانہ) مین مجریہ ان رنگون کا استعمال کیا ہے، جو نہایت کارآمد ثابت ہوئے ہین۔ مقامی نجارون سے بھی کچھ کام لیا گیا ہے، جن کے نمونے الماریون اور تصویرون کے چوکھٹون سے ظاہر ہوتے ہین۔ مقامی معمارون کی صناعی بھی دیکھنے کے قابل ہے۔ ان صنّاعیون کو لارڈ میسٹن صاحب بہادر سابق گورنر صوبہ متحدہ نے بہت پسند فرمایا اور کئی بار ان کے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔"

فخر وطن آمد بیل رائے راجیشر بلی صاحب بڑے خوش نصیب، اقبال مند، نہایت نیک، بامروت، خلیق، ملنسار، خوبصورت خنداں رو، خلیفہ یتیمانی، نوجوان، ہر دل عزیز، غیر متعصب، منکسر المزاج، صاحب اولاد، وضع قدیم وجدید۔

رائے بہادر رائے چندر ہربلی صاحب

رائے شنکر بلی صاحب کے اکلوتے بیٹے، رائے راجیشر بلی صاحب کے چچا، ریاست کے نائب، آنریری مجسٹریٹ و منصف، وفادارِ گورنمنٹ، حکام رس، ملکی صنعت و حرفت کے بہی خواہ، زندہ دل، فارسی و انگریزی کے ماہر، اردو مین نتیجہ خیز شعر گوئی کے شوقین، مذاقِ سخن پاکیزہ، ذی فہم، خلیق، جوان، صاحبِ اولاد، وضع قدیم و جدید۔ ولادت ۱۹۳۸ بکرمی مطابق ۱۸۸۱ء۔

رائے بہادر صاحب نے ۱۹۱۰ء مین دیسی مصنوعات کی ترقی کے لئے دریاباد مین پارچہ بافی کا اسکول قایم کیا، جس مین سوتی و ریشمی ہر دو قسم کے عمدہ اور مضبوط کپڑے تیار ہوتے تھے۔ بہت سے کپڑون کو سر جان ہیوٹ صاحب بہادر سابق لفٹنٹ گورنر صوبہ متحدہ و اودھ (بہ مقام بارہ بنکی بہ تقریب جلسۂ ہیوٹ اسکول) ملاحظہ فرماکر نہایت خوش ہوئے تھے، اور دو تھان ریشمی کپڑے کے، جو بطور تحفہ اُن کی خدمت مین پیش کئے گئے تھے، بہت شکریہ کے ساتھ قبول فرماکر عزت افزائی کی تھی۔ لیکن نہایت افسوس ہے کہ پبلک کی ناقدری سے یہ اسکول ۱۹۱۷ء مین بند کر دیا گیا، جسے ملک کی بدقسمتی کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہین؟۔

۱۲۔ دسمبر ۱۹۱۱ء کا دربار دہلی سے، آنریری مجسٹریٹی و آنریری منصفی، ممبری ڈسٹرکٹ بورڈ، مدد دہی حکام مقامی، اجراء و اہتمام اسکول پارچہ بافی وغیرہ مفید خدمات کے صلے مین سارٹیفکٹ اور نقرئی تمغہ عطا ہوا۔ زراعت کے متعلق کام کرنے کی بنا پر "کانفرنس محکمہ زراعت و تجارت لکھنؤ" سے ایک سند ملی۔ جنگ یورپ کے زمانے مین رائے چندر ہربلی صاحب نے رکروٹون کے بھرتی کرنے مین زبردست حصہ لیا۔ مختلف مقامات پر جاجاکر موثر لیکچر دئے جس کا اثر عوام پر اچھا پڑا۔ اس خیر خواہانہ خدمت کے عیوض گورنمنٹ سے "رائے بہادری" کا خطاب عنایت ہوا۔

رائے اُمانا تھ بلی صاحب

رائے مہادیو بلی صاحب کے فرزند اوّل، ہندوستانی موسیقی کے بہت بڑے حامی اور مشہور ماہر، ذی علم، انگریزی و فارسی اور اردو و بھاشا سے آگاہ، انگریزی و بھاشا مین صاحب تصنیف و تالیف، تعلقدار پریس کے مالک، حکام رس ولادت ۱۸۹۲ء۔ موسیقی مین وہ قابلیت پیدا کی ہے کہ اس وقت علمی حیثیت سے ٹھاکر نواب علی صاحب تعلقدار (سیتاپور) کے بعد صوبۂ اودھ مین ان کا کوئی ہمپایہ نہین۔ ہندوستان کے نامی گرامی علمائے موسیقی پنڈت وشن نرائن بھات کھنڈے (ساکن بمبئی، یورپ و امریکہ اور جاپان وغیرہ، یعنی تمام دنیا مین مشہور و معروف) و تاترئی کیشو جوشی (پونا) پریم بلبھ جوشی (پروفیسر اجمیر کالج) شنکر راؤ کرنادھ (بمبئی) برج کشن کول (دہلی) ایچ۔ بی کرشنا راؤ (ریاست میسور) ایم ایس راما سوامی آئیر (کویم بٹور، مدراس) سے سلسلۂ مراسلت قایم ہے۔

اُمانا تھ بلی صاحب آل انڈیا میوزک کانفرنس کے ممبر ہین۔ ان کی منشا ہے کہ ہندوستانی موسیقی، جو

ایرانی موسیقی کے سیل سے خراب اور ناقص ہوگئی ہے، اُسے پھر اصلی صورت مین لانا چاہیئے۔ انھون نے بھاشا زبان مین ایک رسالہ "سنگیت سُدھا" نامے دریا باد سے شائع کرنا شروع کیا تھا۔ لیکن، افسوس! مُلک کی ناقدری سے صرف پانچ مہینے اگست ۱۸۹۹ء لغایت دسمبر ۱۸۹۹ء جاری رہ کر بند ہوگیا۔ یہ رسالہ موسیقی معلومات کا ایک خزانہ تھا جس کے نامہ نگار نامی نامی اہل قلم تھے۔ رسالہ کے ایڈیٹر اور پروپرائیٹر رائیصاحب ہی تھے۔ حال مین موسیقی کے متعلق میوزک آف انڈیا (انگریزی) اور سنگیت پردیپکا (بھاشا) دو کتابین بڑی محنت اور قابلیت سے تصنیف فرما کر ملک پر بڑا احسان کیا ہے۔ یہ کتابین عنقریب چھپ کر شائع ہونیوالی ہین۔ آج کل موسیقی کالج کھولنے کے لئے بدل وجان کوشش کر رہے ہین۔ برٹش انڈیا مین اس وقت تک نہ کوئی اسکول ہے نہ موسیقی کا کالج۔ اس لئے رائیصاحب کی یہ عظیم الشان کارآمد خدمت ایک لاجواب یادگار ہوگی۔

رائیصاحب فرمیسن لاج فیض آباد کے بھی ممبر ہین، اور آل انڈیا اسٹینڈنگ کمیٹی آف میوزک کی طرف سے صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ کے اسسٹنٹ سکریٹری بھی ہین۔

وضع قدیم وجدید، خوشرو، نوجوان، خوش فہم، خوش خلق، خوش پوشاک۔ طرز لباس مین مغربی و مشرقی دونون رنگ شامل۔

رائے سومناتھ بلی صاحب

رائے مہادیو بلی صاحب کے فرزند دوم، دریاباد مین راگھوسمتی کے بانی مبانی۔ یہ انجمن دسمبر ۱۹۲۴ء مین قومی ہمدردی اور مذہبی ترقی کے لئے قایم کی گئی ہے۔ اُمید کی جاتی ہے کہ کارکنانِ انجمن زمانہ کی رفتار دیکھ کر متانت اور سنجیدگی کے ساتھ قدیم ہندو مسلم اتحاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے فرائض کے انجام دینے مین مشغول ہوکر منزل مقصود پر پہونچنے کی کوشش فرمائینگے۔ رائے صاحب نیک، خلیق، ملنسار، نوجوان۔ وضع قدیم وجدید۔

رائے بشیشر بلی صاحب

بی۔ اے، آنریل رائے راجیشر بلی صاحب بہادر منسٹر کے برادر خورد ۱۹۲۲ء مین لکھنؤ کے کیننگ کالج مین بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ نوجوان، نیک طینت، صاحب اخلاق، ذہین، وضع قدیم وجدید۔ ولادت ۳۰۔ اپریل ۱۸۹۵ء۔

رائے شمبھو بلی صاحب

ولادت ماہ پھاگن سمبت ۱۹۳۴ بکرمی مطابق فروری ۱۸۷۷ء، رائے رگھناتھ بلی صاحب کے فرزند اکبر گیتا کے شوقین، فارسی و انگریزی اور سنسکرت سے واقف، بھاشا کے اچھے انشا پرداز اور ایک پوتھی کے مصنف جو تعلقدار پریس مین زیر طبع ہے، اور جن مین نہایت عمدہ دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ دروپدی کے پانچ خاوند نہ تھے، بلکہ ایک ہی

ع تاریخ ہذا کامل طور سے مرتب ہوجانے کے بعد یہ مسرت انگیز خبر سُننے مین آئی کہ رائیصاحب موصوف ڈپٹی کلکٹری کے لئے نامزد ہوگئے ہین۔ مبارک ہو۔ مولف

تھا۔ ان سے بیشتر رائے صاحب کے خاندان مین سنسکرت تعلیم کا مطلق رواج نہ تھا، یہ پہلے شخص ہین جنہون نے اپنی قومی زبان مین قابلیت پیدا کرکے سنسکرت دانی کا مرتبہ حاصل کیا۔ وضع قدیم و جدید۔

رائے سدھ ناتھ بلی صاحب فراقی

ولادت سمبت ۱۹۳۹ بکرمی مطابق ۱۷ جولائی ۱۸۸۳ء یوم دوشنبہ، رائے تھیجو بلی صاحب کے برادر خورد۔ فارسی مین قابل، اُردو کے اچھے اور سخن آفرین شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ فارسی مین بھی شعر کہنے پر مائل، فارسی کے متعلق خواجہ عزیز الدین صاحب عزیز لکھنوی (کیننگ کالج مین فارسی کے پروفیسر تھے) اور اُردو مین حضرت جلال مرحوم (لکھنوی) کے شاگرد، غزل۔ رُباعی قطعہ۔ مُسدّس وغیرہ ہر صنف کلام پر قادر۔ کلام بہت کچھ جمع ہو چکا ہے، مگر ابھی چھپنے کی نوبت نہین آئی ہے۔ حال مین طبیعت کا رنگ بدل گیا ہے، قدیم طرز شاعری ترک کرکے جدید روش اختیار کی ہے، اور بجائے حُسن و عشق کی فرضی خیال آرائیون کے سبق آموز مذہبی واقعات نظم کرنے لگے ہین۔ چنانچہ اس سلسلہ مین رامائن کے دو باب اُردو نظم کے زیور سے آراستہ ہو چکے ہین، باقی حصص کی نسبت بھی کوشش بلیغ ہو رہی ہے۔ مطبوع شدہ حصّے مسدس کی حیثیت رکھتے ہین، اسی طرح رامائن کے دیگر حصص بھی اسی صنف شاعری کے حدت انگیز لباس مین خوبصورتی کے ساتھ جلوہ گر کئے جائین گے۔ اُردو و فارسی مین آج تک اس قسم کی کوئی رامائن شایع نہین ہوئی، اسلئے یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ علمی دنیا مین یہ بیش بہا مذہبی تحفہ اپنی خصوصیت کے لحاظ سے ادبی ذخیرہ کے لئے ایک قابل قدر اور جدید اضافہ تسلیم کیا جائے گا۔ فراقی صاحب کیسے شاعر ہین اور ذی علم طبقہ مین اِن کا کلام کس نظر سے دیکھا جاتا ہے؟ اس کا حال ذیل کے ایک مختصر مگر، دلچسپ ریویو سے ظاہر ہوتا ہے، جو اودھ اخبار کے ایک تازہ اشاعت مین فاضل ایڈیٹر کے جادو نگار قلم سے نکلا ہے۔

"ہمین یقین ہے کہ یہ اطلاع نہایت تفریح و دلچسپی کا باعث ہوگی کہ خاندان روسائے دریاباد کے ایک ممتاز تعلیم یافتہ ممبر جناب رائے سدھ ناتھ بلی صاحب المتخلص بہ فراقی رامائن کو اُردو نظم کا جامہ پہنا رہے ہین۔ اس کے دو سین ہمارے دوست رائے اُمانا تھ بلی صاحب مالک تعلقدار پریس کی عنایت سے ہمین بغرض اشاعت موصول ہوئے ہین، جنھین ہم نہایت شکریہ کے ساتھ اپنے ناظرین کی دلچسپی کے لئے یہان درج کرتے ہین۔ اُمید ہے کہ رائیصاحب موصوف کی مہربانی سے اس مجموعہ کے دیگر حصص بھی وقتاً فوقتاً ہم شایع کرتے رہین۔ رائیصاحب موصوف کا یہ کارنامہ بلحاظ اس کے مذہبی اور لٹریری اہمیت کے ملک مین عام طور پر پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے گا۔ ایڈیٹر۔ از اودھ اخبار ۹۔ نومبر ۱۹۲۴ء، صفحہ اول، کالم پہلا"

رسالہ "زمانہ" کانپور کے قابل اسسٹنٹ ایڈیٹر جناب احسن صاحب (بمبئی) اپنے ایک پرائیویٹ خط مین تحریر فرماتے ہین:۔ ۱۰۔ نومبر ۲۴ء۔ مکرمی۔ تسلیم۔ مبارک ہو کہ آپ رامائن کو اُردو نظم مین جلوہ گر کرنے کی کوشش فرما رہے ہین، خدا کرے کہ آپ کی یہ سعی مشکور کامیاب ہو۔ رسالہ زمانہ بطور تحفہ حاضر خدمت ہوتا ہے، اُمید ہے کہ آپ

اسکی خریداری منظور فرماکر کبھی کبھی اپنی میٹھی بہانظموں سے اسکی نرم ادب کو رونق بخشتے رہیں گے۔ زیادہ تسلیم۔ آپ کا مخلص
احسن بمبئی اسسٹنٹ ایڈیٹر "زمانہ" اس سے بھی فراقی صاحب ذی علم اور قابل شاعر معلوم ہوتے ہیں۔ رسالوں میں
حتی المقدور عمدہ ہی کلام چھاپنے کی کوشش کیجاتی ہے اور "زمانہ" اردو کا مشہور و معروف رسالہ ہے، محتوی ہیں۔ خط بھی
فراقی صاحب کے نام ہے اور انھیں کے پاس موجود۔

فراقی صاحب اپنے مذہبی فرض کی ادائیگی میں قدیم اصول کی پابندی زیادہ مناسب خیال فرماتے ہیں۔ چنانچہ انہوں
نے اپنا "جنیو" باقاعدہ کیا ہے۔ اسلامی زمانے سے ہمارے صوبہ کے ہندوؤں میں برہمنوں کے علاوہ دیگر معزز فرقے چھتری
کائستھ، ویش وغیرہ دھرم شاستر کے یوحب یگیوپویت (جنیو پہنا) کی رسم ادا نہیں کرتے، بلکہ شادی بیاہ کے موقع پر
پنڈت جی کے حکم سے جنیو پہن لیتے ہیں، جو ایک افسوسناک غلطی ہے، اس لئے چھتری، ویش میں عموماً اور کائستھوں
میں خصوصاً یہ پہلی رسم ہے، جسے پنڈت ہری شنکر جوتشی کے ذریعہ بنارس میں ۲۱۔ مارچ ۱۹۱۰ء یوم سنیچر کو ہندو
شریعت کے مطابق باضابطہ ادا کیا گیا۔ دریاباد کے مشہور پنڈت شنکر دیال اوستھی نے ان کے پیدا ہونے کی دلچسپ تاریخ
کہی ہے **دوہا** سمبت بکرم نرپت کے ندھ گن ندھ نش ناتھ ہیم سنیچر دیتیا سوم دن جنم لیو سدھ ناتھ ۔ اس سے سمبت ۱۹۳۹ برامی
نکلتے ہیں۔ وضع قدیم وجدید، خوبصورت، خلیق، سخن سنج، شاعروں کے دوست و قدردان، صاحب اولاد۔

رائے دیوراج بلی صاحب و رائے ہرناتھ بلی صاحب

رائے کدار بلی صاحب کے بیٹے، انگریزی تعلیم یافتہ، ایف۔ اے پاس۔ اسی سال (۱۹۲۴ء) امتحان میں
کامیاب ہوئے ہیں۔ دیوراج بلی صاحب کی تاریخ ولادت ۵۔ فروری ۱۹۰۱ء اور ہرناتھ بلی صاحب کا زمانہ پیدائش ۸۔
جنوری ۱۹۰۳ء۔ وضع قدیم جدید، صاحب اخلاق، آغاز شباب، ملنسار، دھیمن، خوش چلن۔

رائے امرناتھ بلی صاحب

رائے بیجاناتھ بلی صاحب کے بیٹے، زراعت کے خاص شوقین اپنے خاندان میں پہلے تعلیم یافتہ نوجوان شخص ہیں
جنھوں نے "اُتم کھیتی مدھم بان" پر عمل کرکے دو برس ہوئے کہ باقاعدہ کاشتکاری شروع کردی ہے۔ رائے امرناتھ بلی صاحب
نوجوان، نیک، خلیق، ملنسار، وضع قدیم وجدید۔

خان بہادر مرزا محمد یوسف بیگ صاحب

ولادت ۱۸۷۴ء مرزا محمد اصغر بیگ صاحب کے فرزند اول، خاندانی رئیس، آنریری مجسٹریٹ درجہ دوم، بہت
بڑے عالی نسب، منتظم، دولت مند، فارسی و انگریزی اور اردو سے بقدر ضرورت واقف، دور اندیش، فہیم، زمانہ شناس
سخن دوست، قدردان علم و فن، حکام رس، خیر خواہ گورنمنٹ برطانیہ۔ ان کی شادی آنریبل نواب امیر الدین احمد خان بہادر

کے. سی. ایس، آئی دائی لوہارو (ملک پنجاب) کی ہمشیرہ کے ساتھ ہوئی۔ سراج الدین صاحب سائل دہلوی حضرت داغ کے داماد اور نواب صاحب لوہارو کے چچازاد بھائی اور سالے ہین، اور غالب دہلوی بھی نواب صاحب کے رشتہ دار ہین۔ کیونکہ نواب صاحب کے والد ماجد مرزا علاء الدین احمد خان تخلص علائی غالب کے شاگرد اور رشتہ دار تھے "جواہر اردو معلی غالب" سے ظاہر ہے، اور نواب صاحب کی ہمشیرہ مرزا محمد یوسف بیگ صاحب کو منسوب ہیں، اس لئے سائل و داغ و غالب مرحوم مرزا صاحب کے بھی رشتہ دار ہوئے۔ حال کی مشہور تاریخون امیریل کا رونیکل بک لاہور ۱۹۱۱ء، گولڈن بک نولکشور پریس لکھنؤ ۱۹۱۱ء، تاج التواریخ لاہور، نصرت التواریخ، انڈیا دار بک لاہور ۱۹۱۵ء مین مرزا صاحب کے بعض حالات بڑی تعریف کے ساتھ قلمبند کئے گئے ہیں۔ چنانچہ ایک انگریزی تاریخ مین تحریر ہے۔

"مرزا محمد یوسف بیگ صاحب آنریری مجسٹریٹ و رئیس دریاباد تعلقدار بلند اس پور ضلع بارہ بنکی ملک اودھ۔ ان کے خاندانی بزرگ بہ عہد اورنگ زیب ایران سے دہلی آئے۔ ان مین سے اکثر اصحاب معزز و معتبر ہونے کی وجہ سے بزمانہ مغل دیوانی و فوجداری کے محکمہ مین جلیل القدر عہدہ پر ممتاز رہے۔ خان بہادر صاحب کے والد مرزا محمد اصغر بیگ قدیم طرز کے رئیس اور آبائی وضع کے پابند اور گورنمنٹ انگلیشیہ کے خیر خواہ تھے۔ خان بہادر صاحب نہ رہائیس نواب صاحب لوہارو کے رشتہ دار ہین جن کی بہن ان کو بیاہی ہوئی ہے۔ جنگ یورپ کے موقع پر انھون نے رکروٹ بہم پہونچائے، اور اپنی رعایا سے برضامندی چندہ وصول کیا۔ قرضہ جنگ اور مختلف چندون کے دینے مین شرکت کی۔ ان وفادارانہ خدمات کے صلہ مین وار بورڈ اور دیگر معزز حکام کی طرف سے شکریہ ادا کیا گیا۔ مجسٹریٹ ضلع تحریر کرتے ہین کہ "خان بہادر مرزا یوسف بیگ ضلع مین پہلے شخص ہین جنھون نے دروازہ "رکروٹ منٹ" کا کھولا" از انڈیا دار بک نمبر ۲، صفحہ ۷، مکھو سلا برادرس پرنٹنگ ورکس لاہور

مرزا صاحب روزہ و نماز کے پابند، خوبصورت خلیق، نفاست پسند، خوش پوشاک، ملنسار، سیر و تفریح کے شوقین، صاحب اولاد۔ وضع جدید، تیر دانی اچکن، نیکس، واسکٹ، پتلون، پاجامہ، پمپ شوز، ٹرکی ٹوپی استعمال کرتے ہین۔

مولوی محمد کریم صاحب تحصیلدار پنشنر

ولادت ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۸۵۱ء، از اولاد حضرت شیخ مخدوم آبکش دریابادی، حافظ مرتضیٰ کریم صاحب کے فرزند چہارم۔ لکھنؤ مین تحصیل علوم سے فراغت حاصل کرکے بائیس تیئیس سال کی عمر مین ۱۸۸۰ء مین پہلے تحصیل بدوسہ ضلع باندہ کے نائب تحصیلدار ہوئے، ایک ہی سال کے بعد ترقی کرکے کماسن مین تحصیلدار ہوگئے۔ مدت دراز تک اضلاع الہ آباد و ہمیرپور کی مختلف تحصیلون مین اسی عہدہ پر مامور رہ کر تحصیل مہجاپور ضلع الہ آباد آئے اور یہین سے پنشن پاکر خانہ نشینی اختیار کرلی۔ اس وقت تک بفضلہ صحیح و سلامت اور آنریری اسسٹنٹ کلکٹری کے عہدہ سے سرفراز، ایمانداری و خوش اسلوبی سے کار متعلقہ مین مصروف۔

قیام الہ آباد کے سلسلے مین خان بہادر سید اکبر حسین صاحب جج تخلص اکبر الہ آبادی سے اور تحصیلدار صاحب سے

گہرے تعلقات پیدا ہو گئے تھے، جو اُن کی زندگی تک بدستور قایم رہے۔ چنانچہ جس وقت یہ تحصیل "میجا" کی خراب حالت کو درست کرنے کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے وہان تعینات کئے گئے تو حضرت اکبر نے یہ رُباعی نظم فرما کر ان کے پاس بھیجدی۔

رُباعی "در میتیں چند امور سیجا آئے ؛ مصلح بن کر کریم میجا آئے ؛ حکام سے کیون کیجئے اس کو منسوب۔ سچ پوچھئے تو، خدا نے بھیجا، آئے"۔

ایک مرتبہ تحصیلدار صاحب نے کچھ پختہ و خام مچھلیان ممدوح کی خدمت مین روانہ کین، جس کے تشکریہ مین حضرت اکبر نے یہ رُباعی تصنیف فرمائی:۔ رُباعی[1] "حمد مچھلی مُسلّم و خام ملی ؛ تحفہ پایا مراد حُدام ملی ؛ ممنون کریم کیون نہ ہون اے اکبر وہ دام مین لائے مجھے بے دام ملی"۔

یہ بڑے زمانہ شناس، ذی حوصلہ اور روشن خیال بھی ہین اپنے بڑے لڑکے اور سید مرتضیٰ علی[2] اپنے داماد کو بیرسٹری پاس کرنے کے لئے ولایت بھیجا اور جب تک وہ کامیاب ہو کر واپس نہین آئے، خوشی سے مصارف کثیر برداشت کرتے رہے اِن کے تین بیٹے بڑے احمد کریم، دو ان سے چھوٹے۔ صاحب اخلاق، بامروت، خوش مزاج، خوش تقدیر، کچھ کچھ ورزش کے شوقین، وضع جدید بطرز مغربی۔ (مخدوم زادگان)۔

مولوی احمد کریم صاحب سب جج

ولادت ۱۳۰۴ھ مطابق ۱۸۸۵ء، مولوی محمد کریم صاحب کے فرزند اوّل۔ ۱۲ برس کے سن مین ولایت جاکر خوب محنت و مشقت کرکے بیرسٹری کی سند حاصل کی ۱۹۰۷ء لغایت ۱۹۱۲ء الہ آباد مین بیرسٹری کرتے رہے۔ بعد ازان گونڈہ کے منصف، پھر ممالک متحدہ آگرہ و اودھ کے محکمہ رجسٹری مین انسپکٹر ہوئے۔ عرصہ سے فیض آباد کے منصف تھے، حال مین کچھ روز بہرائچ کے قایم مقام سب جج رہے، آج کل گونڈہ کے سب جج اور اسسٹنٹ سشن جج۔

۱۹۲۲ء مین انھون نے "جدید قانون لگان" کا انگریزی سے اُردو مین عام فہم ترجمہ کیا، جس کے صلے مین گورنمنٹ نے از راہِ قدردانی مبلغ پانچ سو روپیہ مرحمت فرما کر سرفراز فرمایا۔

لسان العصر حضرت اکبر الہ آبادی قدیم تعلقات کی بنا پر اِن پر بھی شفقت فرماتے تھے۔ جب یہ الہ آباد مین بیرسٹری کرتے تھے تو کسی روز انھون نے دو چیتے شکار کرکے اُن کی خدمت مین روانہ کئے۔ ممدوح نے فوراً شکریہ مین برجستہ شعر موزون فرمایا۔ شعر "میان احمد نے دو چیتے بھیجے ؛ لطف یہ ہے کہ بے کہے بھیجے"۔

سُنا جاتا ہے کہ جس وقت فیض آباد مین یہ خبر گرم ہوئی کہ مسٹر احمد کریم صاحب منصف، بہرائچ کے قائمقام سب جج ہو گئے، اُسی وقت سے وہان کی معزز جماعت گارڈن پارٹی دینے پر آمادہ ہو گئی۔ روز ایک گارڈن پارٹی کا جلسہ ہونے لگا ایک ہفتہ تک بڑے جوش و خروش کے ساتھ یہ محبت آمیز اخلاقی سلسلہ قایم رہتے ہوئے بھی اکثر اصحاب کے دل مین حسرت باقی رہ گئی اور منصف صاحب تاریخ معہودہ پر مجبوراً بہرائچ تشریف لیگئے۔ اس سے مولوی احمد کریم

[1] کلیات اکبر حصہ اول ملاحظہ ہو ۱۲ [2] آج کل ریاست بھوپال مین ہائی کورٹ کے جج، سات سو روپیہ ماہوار مشاہرہ ۱۲

صاحب کی اخلاقی وسعت کا زبردست پتا چلتا ہے۔

سب جج صاحب خوش رو خوان، خوش فہم، خوش نصیب، خوش طبیعت، خوش تقریر، خوش چلن، خوش پوشاک خلیق، ہنسکر المزاج، ہردل عزیز، بامروت، غیر متعصب، باعدل وانصاف، اپنے فرایض منصبی کو نہایت نیک نیتی و ایمانداری اور بڑی مستعدی و قابلیت کے ساتھ انجام دینے مین مشغول۔ وضع مغربی۔

مولوی عبدالمجید صاحب ڈپٹی کلکٹر

فرزند اکبر حاجی مولوی عبدالقادر صاحب ڈپٹی کلکٹر مرحوم، ولادت ۱۸۸۶ء۔ راجہ درگا پرشاد صاحب مہر (تعلقدار سندیلہ) نے فارسی زبان مین قطعہ تاریخ ولادت کہا "غنچۂ امید بشگفت"۔ اردو، فارسی درسیات اور عربی کے صرف نحو میر چندر سالے منطق کے مکان پر مولانا حکیم محمد علی اطہر صاحب دہوی سے پڑھے۔ ضلع گورکھپور کے جوبلی ہائی اسکول مین۔ انگریزی تعلیم کی ابتدا ہوئی سیتاپور ہائی اسکول سے ۱۹۰۶ء مین انٹرنس کی سند حاصل کی۔ لکھنؤ کے کیننگ کالج و کرسچین کالج مین تعلیم پاکر ۱۹۱۰ء مین ایف۔ اے پاس کیا۔ سرکاری ملازمت کا آغاز عہدۂ نائب تحصیلداری سے اخیر ۱۹۱۰ء مین ہوا۔ کئی سال تک تحصیلداری لکھنؤ کے اہم اور مشکل خدمات کو نیک نامی کے ساتھ انجام دینے کے بعد آخر ۱۹۲۳ء سے ڈپٹی کلکٹری کے عہدہ پر ممتاز، حکام اور رعایا مین یکسان ہردل عزیز۔

اخبارون[۵] کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی عبدالمجید صاحب کو تحصیلداری کے عہدہ سے سبکدوش ہونے پر لکھنؤ کی پبلک نے سات آٹھ سو روپیہ چندہ جمع کرکے قیصر باغ مین ایک بڑی دھوم دھامی گارڈن پارٹی دی تھی۔ غالباً اودھ مین آجتک کسی تحصیلدار کو ایسی گارڈن پارٹی نہین دی گئی، اس لئے مولوی صاحب اوّل تحصیلدار ہین جنھین معززباشندگان لکھنؤ کیطرف سے اس مقام پر یہ اعلیٰ افتخار حاصل ہوا تھا، جہان صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کے حکم سے اس قسم کی گارڈن پارٹی کے لئے اجازت ملنا ایک نہایت دشوار بات ہے۔ لکھنؤ کی پبلک کا گارڈن پارٹی دینا ڈپٹی صاحب کے اوصاف حمیدہ کا ایک شاندار اور کافی ثبوت ہے۔

گذشتہ کئی سال سے ڈاکٹر رشبروک ولیمس گورنمنٹ آف انڈیا کے لئے ایک کتاب "انڈیا" کے نام سے ہر سال تیار کیا کرتے ہین۔ ۱۹۲۰ء اور ۱۹۲۱-۲۲ء کی کتاب کا ترجمہ مولوی عبدالمجید صاحب نے "مرقع ہند" کے نام سے کیا۔ متعدد اخبارات نے ترجمہ کے متعلق نہایت عمدہ تبصرہ لکھے۔ علاوہ بریں کبھی کبھی اخبارات مین مضمون نگاری بھی کیا کرتے ہین۔ نہایت نیک ملنسار، بہی خواہ وطن، خوش خلق، خوش لباس، غیر متعصب، صاحب اولاد، وضع قدیم وجدید (مخدوم زادگان)۔

حافظ عبدالرشید صاحب

از نسل حضرت مخدوم آتکش دریابادی، مولوی شیخ عبدالوحید صاحب کے فرزند اکبر، اپنے خاندانی سلسلہ کے اعلیٰ

---

۵ انڈین ڈیلی ٹیلیگراف مورخہ ۳۰۔ نومبر ۱۹۲۳ء، ہمدم اور اودھ اخبار مورخہ یکم دسمبر ۱۹۲۳ء ۱۲۔

محقق، سنا ہی اور انگریزی عہد کے صدری اور مفید کاغذات معرجہ بقول ماقاعدہ و مالترتیب محفوظ رکھنے مین قابل قدر حافظہ اور یادداشت کی بنا پر لایق داد و تحسین - ولادت ۲۸ محرم ۱۲۸۸ھ، مطابق ۱۹ - اپریل ۱۸۷۱ء یوم چہارشنبہ

ابتدائی تعلیم اُردو و فارسی اور حفظ قرآن کی دریاباد مین ہوئی - انگریزی اپنے ماموں حکیم عبدالعزیز صاحب کے ساتھ رہ کر لکھنؤ مین مڈل تک پڑھی - صدری تعلیم کے بعد ریاست بھوپال، ریاست کیورتھلہ (علاقہ بارہ بنکی) اور ریاست گڈھی بھلول وغیرہ میں ملازمت کی - کچھ عرصہ سے مکان پر قیام پذیر اور موروثی جایداد کے انتظام مین مصروف - فی الحال ڈسٹرکٹ بورڈ وغیرہ کے ٹھیکہ دار، فن تعمیر سے دلچسپی - اپنے بزرگون سے ان کو خاص عقیدت ہے - چنانچہ مخدوم صاحب کی درگاہ اور اکثر بزرگون کے سالانہ عرسون کا اہتمام انھین کے تعلق ہے - اکثر درگاہون کی خام دیوارون کو نئے سرے پختہ بنوا کر صحن مین پھول اور کیلے وغیرہ کے درخت نصب کرا دئے ہین، جسکی وجہ سے ہمیشہ ایک قسم کی رونق رہا کرتی ہے

حافظ حی صاحب نے بڑی تلاش اور محنت سے اپنے خاندان کا ایک شجرہ از سر نو تیار کر کے عمدہ یادگار قایم کی ہے - اسی سلسلہ مین بعض بزرگون کے صدری حالات کا خلاصہ قلمبند کر کے ایک مختصر سی کتاب کی صورت مین چھپانے کا خیال بھی ظاہر کیا گیا ہے - خدا کرے کہ یہ سعی مبارک جلد کامیاب ہو -

آغاز جوانی مین کچھ کچھ ظرافت نگاری کا بھی شوق پیدا ہو گیا تھا - اکثر خیمہ طور پر ظریفانہ مضامین لکھتے اور اودھ پنچ لکھنؤ مین شایع کراتے تھے - دریاباد کی تاریخ لکھنے مین انھون نے راقم الحروف کو بڑی مدد دی - اکثر کارآمد باتین اور حالات جو بزرگون سے سُنے تھے، انھیں خوب یاد ہین - اولاد مین ایک لڑکی جو عبدالمجید صاحب ڈپٹی کلکٹر کو بیاہی ہوئی ہے خلیق خوش مزاج، ملنسار، پابند سوم صلوٰۃ - (مخدوم زادگان) -

حکیم مولوی محمد عبدالحسیب صاحب

مولوی شیخ عبدالوحید صاحب کے فرزند دوم، بہت بڑے قابل اور مشہور و معروف طبیب - ولادت ۲۱ ذیحجہ ۱۲۹۵ھ مطابق نومبر ۱۸۷۸ء یوم چہارشنبہ - فارسی و اُردو کی ابتدائی تعلیم دریاباد مین پائی - انگریزی و عربی کا سلسلہ لکھنؤ سے شروع ہوا - کتب درسیہ عربی مولانا محمد عبدالمجید صاحب و مولوی محمد عبدالحمید صاحب فرنگی محل سے پڑھین - بعد اُس کے پہلے اپنے ماموں حکیم عبدالعزیز صاحب سے، پھر اُنکے انتقال کر جانے کی وجہ سے کانپور مین حکیم محمد حیات صاحب شاگرد رشید حکیم عبدالعزیز صاحب دریاباد سے جو اُس وقت کانپور کے نامور اطبا مین سے تھے، طب کی علماً و عملاً تکمیل کی، اور وہان سے سند ملنے کے ساتھ ہی لکھنؤ کے مشہور اُستاد حکیم محمد عبدالولی صاحب (جھوائی ٹولہ) کے درس و مطب مین مشغول رہ کر مزید سند طبابت بھی حاصل کر لی - پھر آگرہ میڈیکل اسکول مین فن جراحی و تشریح سے واقفیت پیدا کی، جس کے لئے موجودہ طبیبون کو مطلق خیال نہین، حالانکہ اس فن سے ماہر ہونے کی بہت بڑی ضرورت ہے - جس وقت آگرہ میڈیکل اسکول مین آئی اسپتال (آنکھ کا اسپتال) قایم کیا گیا، تو، دوبارہ وہان جا کر آنکھون کا عملی کام خاص طور پر سیکھا - ۱۹۰۳ء سے اپنے وطن دریاباد مین مطب شروع کیا اور علاج کے ساتھ ساتھ نزول الماء (موتیا بند) کے متعلق آپریشن اور عمل جراحی بھی انجام پانے لگا

سنہ ۱۹۱۱ء تک نہایت کامیابی و شہرت کے ساتھ کام کرتے ہوئے سلسلۂ درس و تدریس بھی جاری رکھا۔ اکثر طلباء تحصیل علم کی غرض سے آتے رہے۔ قرب و جوار مین بڑے بڑے معرکہ کے علاج کئے۔ رانی مئو کے مشہور تعلقدار ٹھاکر جانکی پرشاد سنگھ صاحب کے دارو عہ مسمی وزیر کی عورت کے پیٹ مین بچہ مرگیا اور وہ جان بلب ہوگئی جب کسی تدبیر سے بچہ نہ نکل سکا، تو حکیم صاحب کو تکلیف دیگئی۔ انھون نے فوراً بذریعۂ عمل جراحی بآسانی پیٹ سے بچہ کو کاٹ کر نکال لیا، جس سے عورت کی جان بچ گئی۔ یہ ایک ایسا معرکہ کا علاج ایک ہندی طبیب کے ہاتھ سے ہوا تھا جس کا تذکرہ اودھ اخبار لکھنؤ، اخبارِ تفریح لکھنؤ، البشیر اٹاوہ، مجلۂ طبیہ دہلی، انڈین ڈیلی ٹیلیگراف، ایڈوکیٹ لکھنؤ وغیرہ مین بڑی تعریف کے ساتھ کیا گیا، اور ٹھاکر صاحب خاص طور پر مداح اور معتقد ہوگئے۔

اوّل اوّل جب دریاباد مین طاعون کی بیماری نازل ہوئی، تو اہل قصبہ مکانات چھوڑ کر میدانون مین رہنے لگے۔ مگر حکیم صاحب اپنے مکان پر قیام پذیر رہنے کے ساتھ ہی مریضان طاعون کا علاج بھی کرتے رہے جس مین اس قدر کامیابی حاصل ہوئی کہ بارہ بنکی کے مشہور ڈپٹی کمشنر مسٹر بوس صاحب نے بڑی تعریف کی اور سارٹیفکٹ عنایت فرمایا۔

سنہ ۱۹۱۲ء سے لکھنؤ مین مطب کا سلسلہ قائم کیا، چند ہی روز مین شہر بھر مین شہرہ ہوگیا، اور اب تو یہ حالت ہے کہ حکیم عبدالحمید صاحب اور حکیم کمال الدین صاحب ایسے نامی گرامی اطبائے لکھنؤ مین حکیم محمد عبدالحسیب صاحب کا بھی شمار ہونے لگا ہے۔ لکھنؤ کے علاوہ اضلاع گورکھپور، بستی، دکھیری، سیتاپور، ہردوئی، اناؤ، بارہ بنکی، گونڈہ، بہرائچ، وغیرہ مین بھی حکیم صاحب کی خاص شہرت ہوگئی ہے، جہان علاج کی غرض سے برابر آمد و رفت لگی رہتی ہے۔ لکھنؤ سے کلکتہ ایک مارواڑی سیٹھ کے یہاں علاج کرنے گئے اور اُسے شفا ہوگئی۔ ایک مرتبہ بمبئی جاکر سیٹھ چھوٹانی صاحب کے بھائی کا علاج کیا اور وہ بہت جلد صحت یاب ہوگئے۔

رانی مئو، بھلول، سبیحہ، ہڑاگاؤن، ٹکرا (ضلع سیتاپور) جھنڈی، مگجیس، کٹوارہ، دھیوہ (ضلع کھیری) ریاست عالیہ محمود آباد، سورجپور، ہڑاہا، محمدی، نانپارہ (بہرائچ) گدیہ، ستر کھ، پیسار (بارہ بنکی) مہسون ضلع بستی، وغیرہ ریاستون مین حکیم صاحب بڑی قدر و منزلت کے ساتھ علاج کی غرض سے بلائے جاتے ہین۔ راجہ قصدق رسول خان صاحب کے۔ سی۔ ایس۔ آئی تعلقدار جہانگیرآباد بھی حکیم صاحب ہی کا علاج کرتے تھے۔

لکھنؤ مین طبیبون کے علاوہ بڑے بڑے ڈاکٹرون کے مقابلے مین بھی حکیم صاحب نے معرکہ کے علاج کرکے نیکنامی و سرخروئی کا افتخار حاصل کیا ہے۔ پروردگار عالم حکیم صاحب کی عمر دراز کرے اور صحت کو برقرار رکھے، انکی ذات سے بھی دریاباد کو نئے سر سے بہت کچھ شہرت و عزت نصیب ہوئی ہے۔

حکیم صاحب کو نباضی اور تشخیص مرض مین اعلیٰ دستگاہ حاصل ہے۔ غریب و امیر کا یکسان جی لگا کے علاج کرتے ہین۔ نسخہ پر تاثیر و زود اثر اور کم قیمت ہوتا ہے۔ خدا نے ہاتھ مین شفا دی ہے، مریضون کو بہت جلد صحت ہوجاتی ہے۔ جو مرض کسی طبیب سے مہینون مین بھی نہین دفع ہوتا وہ حکیم صاحب کی دوا سے صرف ہفتہ بھر مین کافور ہوجاتا ہے

جن مریضون کو اچھے اچھے ڈاکٹر اور طبیب اپنے علاج سے تنگ آکر جواب دیدیتے ہین، وہی بیمار حکیم صاحب کے نسخے سے چند روز مین چنگے ہوجاتے ہین۔

حکیم صاحب کی عالی ہمتی اور فیاضی و سخاوت بھی لایق ذکر ہے۔ اکثر میلون اور جلسون مین بغرض رفاہ عام ذاتی صرفہ سے شفاخانہ قایم کرکے بلا معاوضہ علاج کرتے ہین۔ چنانچہ اس سلسلہ مین حکام و معززین و روساء نے اپنی اپنی قیمتی اور گران بہا رائیون کا اظہار کرتے ہوئے حکیم صاحب کی اس قابل تعریف خدمت کی خوب خوب داد دی ہے۔ ناظرین کی آگاہی کے لئے چند رائین حسب ذیل ہین۔

(۱) مین نے حکیم عبد الحمید صاحب کے خیراتی شفاخانہ کا، جسے انھون نے یہان (میلہ دیوی) کھولا ہے، معائنہ کیا۔ اب تک ۵۲ مریضون کا علاج ہوچکا ہے۔ نتیجہ نہایت خوشکن ثابت ہوا۔ دستخط وی۔ ای۔ جی۔ جسی، ڈپٹی کمشنر بارہ بنکی۔ ۲۸۔ اکتوبر ۱۹۱۲ء

(۲) مین نے خیراتی شفاخانہ کا، جو کہ لائق حکیم عبد الحمید صاحب نے دیوی کے میلے مین کھولا ہے، معائنہ کیا۔ حکیم صاحب کو جو شوق ہندوستانی دواؤن اور طریقۂ علاج کا ہے، وہ بہت ہی قابل تعریف ہے۔ لوگون کے لئے دواؤن کا مفت تقسیم کرنا قابل شکریہ ہمدردی ہے۔ راجیشور بلی۔ چیئرمین (رئیس اعظم دریاباد) ۲۹۔ اکتوبر ۱۹۱۲ء (۳) مجھے اس خیراتی شفاخانہ کے کھلنے اور اس کے کارآمد ہونے کی نہایت خوشی ہے۔ اپنے دورہ قیام مین مین نے دواؤن کے ذخیرہ کو جو کہ دواخانہ مین کافی مقدار مین ہے، دیکھا۔ حکیم صاحب جو ہمدردی مریضون کے ساتھ کر رہے ہین وہ بہت ہی قابل تعریف ہے۔ شفاخانہ کھولنے اور پبلک کو آرام پہونچانے کا خیال ایک بہت بڑی عالی ہمتی ہے۔ حکیم صاحب پہلے شخص ہین جنھون نے اس خیال کو عملی جامہ پہنایا ہے، جو ہر شخص کے لئے قابل شکریہ اور قابل ہمت افزائی ہے۔ ہمکو امید کرنا چاہئے کہ اس مثال کی تقلید ان کے ہم پیشہ اور لوگ بھی کرینگے۔ ولایت علی وکیل بارہ بنکی۔ میلہ و نمائش دیوی ۳۰ اکتوبر ۱۹۱۲ء (۴) خیراتی یونانی دواخانہ کھولن جسکو مین نے آج معائنہ کیا، حکیم صاحب کے پبلک خدمت کرنے کی ایک نہایت ہی قابل قدر مثال ہے۔ مین امید کرتا ہون کہ پبلک حکیم صاحب کے شفاخانہ کھولنے کی بہت زیادہ ممنون اور شکرگذار ہوگی۔ مین نے لوگون کو حکیم صاحب کی زود اثر اور پرتاثیر دواؤن کی تعریف کرتے سنا ہے۔ رگھبر دیال ڈپٹی کلکٹر ۳۱۔ اکتوبر ۱۹۱۲ء میلہ و نمائش دیوی (۵) مین نے حکیم عبد الحمید صاحب کے خیراتی شفاخانہ کو، جو کہ انھون نے دیوی نمائش مین کھولا ہے، معائنہ کیا۔ میرے خیال مین کمیٹی اور پبلک دونون کو حکیم صاحب کا ممنون ہونا چاہئے۔ میرے چچازاد بھائی کو تپ شدید آگئی تھی، مین خیال کرتا تھا کہ کم از کم دو تین روز یہان قیام کرنا پڑیگا۔ لیکن، حکیم صاحب کے علاج سے صرف چند گھنٹے مین صحت کلی حاصل ہوگئی۔ مسیح الدین بیرسٹر، بارہ بنکی (۶) مین خیال کرتا ہون کہ کانگریس کو حکیم عبد الحمید صاحب دریاباد کا ممنون اور شکرگذار ہونا چاہئے، جنھون نے کانگریس کیمپ مین دواخانہ قایم کرکے بلا معاوضہ لوگون کا علاج کیا۔ حکیم صاحب سے مجھ سے ذاتی طور پر ایک مدت سے ملاقات ہے۔ حکیم صاحب کا پیشہ طبابت مین دور دور تک شہرہ ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ لوگون نے حکیم صاحب کی اس قابل قدر خدمت سے فایدہ اٹھایا ہے۔ پرتھی پال سنگھ وائس چیئرمین (انڈین نیشنل کانگریس لکھنؤ)، ۲۔ اکتوبر ۱۹۱۲ء (۷) ہم لوگ حکیم عبد الحمید صاحب کے بہت ممنون ہین، جنھون نے شرکاء کانگریس کے آرام کے لئے شفاخانہ قایم کیا اور بلا معاوضہ لوگون کو امداد دی۔ لوگون نے ان کی مرکب و زود اثر دواؤن سے فایدہ اٹھایا۔ ہم امید کرتے ہین کہ حکیم صاحب کے اس طرز عمل کی اور لوگ بھی تقلید کرینگے۔ ناظر الدین حسن ایم۔ اے، ایل۔ ایل۔ ڈی

سر سٹرایٹ لا، جوائنٹ سیکرٹری ۳۱- انڈین نیشنل کانگریس لکھنؤ، بھنوری ۱۹۱۷ء (۸) حکیم مولوی عبدالحسیب صاحب کا دواخانہ کانگریس کیمپ میں میری نظر سے گذرا حکیم صاحب نے از خود کیمپ میں بغرض معالجہ اتفاقیہ بیماروں کے ایناد دوائی خانہ یہاں قائم کیا ہے چنانچہ مختلف و متعدد اشخاص بغرض علاج حکیم صاحب کی خدمت میں آئے اور انکی دوا سے فائدہ حاصل کیا۔ میں نے بھی ایک نسخہ حکیم صاحب سے لکھوالیا ہے۔ اس طریق عمل سے حکیم صاحب کے ظاہر ہوتا ہے کہ انکو مخلوق الٰہی سے کس قدر ہمدردی ہے کہ بلا معاوضہ ایسے بڑے مجمع میں اپنا فیض جاری کر رکھا ہے۔ اسکے ساتھ ایک عمدگی یہ ہے کہ ابھی کسی دوا کا کوئی اشتہار تقسیم نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محض بے غرض یہ زحمت حکیم صاحب نے برداشت کی ہے جسکے لیے وہ مستحق شکریہ ہیں۔ محمد عبدالرحیم وکیل عدالت دیوانی علی گڈھ و پریزیڈنٹ اونسل کانفرنس متعدہ بنارس ۱۹۱۷ء - ۲۹ - دسمبر ۱۹۱۶ء (منقول از رجسٹر معائنہ اصحاب "حکیم صاحب کے یہاں موجود) -

علاوہ مطب کے حکیم صاحب کو ملکی و قومی کاموں سے بھی بہت دلچسپی ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں بھی اپنے حسن خدمات کی بنا پر اچھا خاصا نام پیدا کیا ہے ۱۹۱۱ء میں ڈسٹرکٹ بورڈ کی ممبری ملی۔ یہ انتخاب بڑے معرکہ کا تھا۔ لیکن بعضے کامیابی ہوئی۔ ۱۳-۱۹۱۲ء میں انجمن اصلاح المسلمین لکھنؤ کے جوائنٹ سکریٹری اور ممتاز دارالتبلیغ لکھنؤ کے رکن انتظامیہ ساتھ ہی اس کے نمائش دیوی کے ممبر مقرر ہوئے ۱۹۱۵ء میں آل انڈیا ویدک اینڈ یونانی طبی کانفرنس دہلی کے وائس پریسیڈنٹ ہو گئے ۱۹۱۶ء میں آل انڈیا مسلم لیگ و ویرا اونسل مسلم لیگ کے متعلق کونسل کی ممبری کا عہدہ عنایت ہوا۔ ۱۹۲۰ء میں ہوم ٹیکس کمیٹی دسلہا کی بھی ممبری مل گئی ۱۹۲۱ء سے اودھ خلافت کمیٹی کے رکن انتظامی اور کانگریس کمیٹی لکھنؤ کے بھی ممبر ہو گئے ہیں۔ حال میں ایک سرکاری تحریر سے معلوم ہوا ہے کہ گورنمنٹ ویدک و طب یونانی کی ترقی کے لئے بہترین ذرائع اختیار کرنے والی ہے جسکی نسبت حکیم صاحب عرصہ سے خاموشی کے ساتھ کوشش کر رہے ہیں۔ اس کے متعلق جو کمیٹی مقرر ہونے والی ہے، اس کے لئے صوبہ متحدہ و اودھ سے سرکاری طور پر صرف تین ممبر منتخب کئے گئے ہیں، جن میں ایک ممبر حکیم محمد عبدالحسیب صاحب بھی ہیں۔ ہندوستان کی ویدک اور طبی انجمن کا نائب ہونا، جس کے بانی مبانی اور روح رواں ملک کے سچے خادم اور سچے بہی خواہ مشہور زمانہ اوستاد حکیم اجمل خان صاحب دہلی ہیں، اسی طرح سرکار کا اپنی مجلس شوروہ کے لئے رکن قرار دینا حکیم صاحب کی زبردست شخصیت کا عین ثبوت ہے -

حکیم اجمل خان صاحب دہلوی کے دو گرامی نامے، جو حکیم صاحب کے نام ہیں، دیکھنے میں آئے ہیں، اُن سے بھی حکیم صاحب کی زبردست شخصیت کا پتہ چلتا ہے اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حکیم صاحب کو یونانی طب سے فطری محبت ہے جسکے یہ دل سے بہت بڑے ترقی خواہ ہیں۔ گرامی نامون کی نقلیں حسب ذیل ہیں -

(۱) ۲۲ مئی ۱۹۱۰ء، راہ عدن۔ حکیم صاحب مہربان من دام لطفکم۔ وعلیکم السلام۔ آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۱ مئی مجھے بمبئی میں اُس وقت ملا جبکہ میں سفر یورپ و ایشیا کے لئے روانہ ہو رہا تھا، اس لئے اُس کا جواب جہاز سے دے رہا ہوں۔ جس جوش اور محبت کے ساتھ آپ نے اپنی طب کو اس خط میں یاد کیا ہے خدا تعالیٰ اس سے زیادہ آپ کے دل میں طب یونانی کی محبت عطا فرمائے

آپکے اس خط کو پڑھ کر میرے دل مین بھی خاص اثر ہوا ہے جس سے مین سمجھتا ہون کہ آپنے جوش دلی کے ساتھ یہ چند سطرین لکھی ہین۔
اجمل (۳) ۱۷ فروری ۱۹۲۸ء - مکرمی تسلیم - بعد ما کہ اخبارات اور کانفرنس کے دعوت نامہ سے آپ کو معلوم ہوا ہوگا - آل انڈیا ویدک اینڈ یونانی طبی کانفرنس کا تیسرا سالانہ اجلاس دہلی مین ۲۷ و ۲۸ فروری و یکم مارچ ۲۸ء کو قرار پایا ہے - اب زمانہ وہ آگیا ہے کہ ہم اپنی عزیز طبوں کو موجودہ حالت مین نہین چھوڑ سکتے ہین اور ان کی بقا و ترقی کے لئے ہم سب کو اپنا فرض ادا کرنا ناگزیر ہے - پس اس اجلاس مین یونانی طب اور ویدک کی زندگی اور ترقی کے لئے ایک نہایت عمل اور نظام تیار کرنا ہے جو ان کے ستارہ مستقبل پر اثر ڈالنے والا ہوگا - یونانی طب سے آپ کو خاص دلچسپی ہے اور جس قدر آپ کے مفید مشوروں سے طب کی ترقی کے لئے شاہراہ عمل بنانے مین مدد مل سکتی ہے اسکے بیان کی ضرورت نہین ہے - میرا خیال ہے کہ آپ جیسے باوقار ارباب فن کی شرکت کے بغیر ہم صحیح نتیجہ پر نہین پہنچ سکتے ہین - اسلئے آپ کی شرکت اس اجلاس مین از بس ضروری ہے - مجھے کامل یقین ہے کہ اپنے شریف فن کی خدمت کے خیال سے اور اسکو موجودہ دور کے سرد سامانی سے نکالنے اور بام رفعت و ترقی پر پہونچانے کے مقصد سے آپ اپنے عزیز اور گرانمایہ اوقات مین سے چند روز اس کانفرنس کے لئے مخصوص کر لین گے اور اپنی اور اپنے ہم پیشہ احباب کی شرکت سے مجھے خاص مسرت اور شکرگزاری کا موقع دینگے براہ مہربانی اپنی تشریف آوری کی تاریخ اور وقت سے جلد مطلع فرمائیے - اجمل"

مولوی عبد الحسیب صاحب روزہ و نماز کے پابند، نہایت نیک، بہت بڑے خلیق اور ملنسار، قانع، مروت دار، منکسر المزاج، ہندو مسلمان سب کے دوست، بہی خواہ وطن، خوبصورت، خوش چلین، خوش پوشاک، وضع جدید اولاد مین محمد امین ایف۔ اے تک تعلیم یافتہ، بعد تکمیل علم عربی اپنا آبائی فن طب شروع کیا ہے - (مخدوم زادگان)

نوٹ - یہ حالات کتاب ہذا کی تکمیل و ترتیب کے بعد جبکہ ابتدائی حصہ چھپنے کے لئے پریس مین داخل کر دیا گیا سنہ ۱۹۲۸ء مین کچھ ضروری اور مفید باتین اضافہ ہو کر پھر از سر نو لکھے گئے ہین -

شیخ محمد مقیم صاحب

مولوی شیخ عبد الوحید صاحب کے فرزند سوم ایمانداری و قناعت پسندی اور حسن کارگذاری مین قابل تعریف
ولادت ۲۲ جمادی الثانی سنہ ۱۲۹۸ھ، مطابق ۲۲ مئی سنہ ۱۸۸۱ء یوم دوشنبہ -

جوبلی ہائی اسکول لکھنؤ مین تعلیم پائی - سنہ ۱۹۰۲ء مین ذاتی کوشش و پیروی سے اودھ و روہیلکھنڈ ریلوے مین ملازمت کی - سنہ ۱۹۱۱ء تک لکھنؤ، بارہ بنکی، فیض آباد، بنارس، کاشی، بریلی، مراد آباد، پریاگ وغیرہ کے اسٹیشنون پر پارسل گھر اور مال گودام مین کام کرتے رہے - ان مقامات پر جہان آمدنی کی کوئی انتہا نہ تھی، نہایت نیک نیتی و ایمانداری سے اپنے فرض منصبی کو انجام دیکر پبلک و معززین اور افسران ریلوے کو خوش رکھا - پریاگ اسٹیشن پر انھون نے خصوصیت کے ساتھ عزت و ناموری حاصل کی - چنانچہ پنڈت موتی لال صاحب نہرو وکیل الہ آباد، جسٹس سر ناکس جج ہائی کورٹ الہ آباد، جسٹس پرمود ھاچون نیر جی، سر جی، یم چینی چیف ایڈیٹر اخبار پائنیر الہ آباد، جسٹس سید کرامت حسین صاحب جج ہائی کورٹ الہ آباد خاص طور پر مہربان تھے - اس درمیان مین کئی ایک ہندو

مسلمانون کو ریاست امیٹھی (سلطان پور) مین پنڈت موتی لال نہرو سے سفارش کر کے حمدہ عہدون پر نوکر رکھوا دیا۔ ۱۹۱۲ء مین دفتر ٹریفک منیجر مین کوشش کر کے تبدیلی کرالی۔ جہان آج کل پچھتر (۷۵) روپیہ ماہوار کے مشاہرہ پر مامور، اپنے کار متعلقہ مین بہ ہوشیاری مشغول۔ دفتر کی ملازمت مین بھی انھون نے سفارش کر کے دس بارہ ہندو مسلمانون کو او۔ آر۔ آر کی ملازمت دلوادی ہے۔ پابند صوم وصلوٰۃ، نیک چلن، خلیق، غیر متعصب، صاحب اولاد (مخدوم زادگان)۔

شیخ محمد مبین صاحب

مولوی شیخ عبدالوحید صاحب کے فرزند چہارم بڑے فقیر دوست اور مہمان نواز۔ ولادت ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۰۰ھ مطابق ۲۷۔ اکتوبر ۱۸۸۳ء یوم شنبہ۔ ضرورت کے موافق انگریزی پڑھنے کے بعد دریاباد اسٹیشن پر ریل کا کام بطور خود سیکھا۔ شروع مین کانپور کے اسٹیشن پر ملازم ہوئے۔ پھر لکھنؤ آگرہ کا امتحان پاس کیا۔ عرصہ تک لکھنؤ، کانپور، بنارس، فیض آباد، رائے بریلی، کاشی وغیرہ مختلف اسٹیشنون پر مختلف حیثیتون سے تعینات رہے۔ ایک سال بار سل اکسپریس ٹرین کے متعلق بطور گارڈ کام کیا۔ اسی سلسلہ مین اسسٹنٹ اسٹیشن ماسٹری کا امتحان بھی پاس کر لیا جو ۱۹۲۰ء مین لکھنؤ اسٹیشن پر پارسل آفس مین تعینات تھے پچھتر روپیہ ماہوار تنخواہ تھی۔ فروری ۲۵ء سے گورس اور پسنجر ٹرین کے گارڈ ایک سو دس روپیہ مشاہرہ اس وقت یہ عہدہ بطور قائمقامی ہے۔ لیکن سنا جاتا ہے کہ بہت جلد مستقل ہو جائے گا۔ منکسر المزاج، نیک، محنتی، آمدنی کا زبردست حصہ فقیرون اور مہمانون کی خدمت مین صرف کر دیتے ہین، اس وجہ سے، مالی حالت درست نہین رہتی۔ یہ حالات بعد تکمیل کتاب ہذا ضروری ترمیم و اضافہ ہونے کی وجہ سے پھر دوبارہ از سر نو فروری ۲۵ء مین لکھے گئے ہین۔

مرزا اشرف علی بیگ صاحب

دریاباد کے مشہور شاعر مرزا نجف علی بیگ صاحب تخلص نجف کے بیٹے، نہایت نیک نیت اور دیانت دار، ولادت غالباً ۱۸۸۳ء حسب ضرورت اردو، انگریزی پڑھ کر ۱۹۰۳ء مین حضرت گنج کے اسپتال مین بصیغہ کمپونڈری ملازمت کی۔ ایک ہی سال کے بعد علیحدہ ہو گئے اور ادھر رہیلکھنڈ ریلوے کے اسپتالون مین مختلف مقامات پر نوکر رہے۔ ۱۹۰۸-۱۹۰۹ء دو سال ٹکٹ کلکٹری کا کام انجام دیا۔ ۱۹۱۰ء ایک سال بوجہ تخفیف بیکاری مین گذرا۔ ۱۹۱۱ء سے پھر دوبارہ ریلوے مین مستقل طور پر ملازم ہو گئے۔ اس وقت کانپور "او۔ آر۔ آر" کے اسٹیشن پر مامور اور چوالیس ۴۴ روپیہ ماہوار تنخواہ، بہ مستعدی کار متعلقہ مین مشغول۔ نیک، خلیق، وضع جدید، صاحب اولاد۔ خاندانی حالات کے لئے باب ۲، فصل ۴ مین نجف صاحب کا بیان ملاحظہ ہو۔ (چھیپی ٹولہ)۔

بابو انوکھے لال صاحب

لالہ شنکر لال صاحب کے فرزند دوم (بڑے صاحبزادہ بشیشر دیال[1] تھے) نیک نیتی اور جھاکشی میں لایق ذکر۔ ولادت غالباً ۱۸۹۰ء۔ پہلے اودھ رہیل کھنڈ ریلوے مین پندرہ روپیہ ماہوار کی ملازمت کی۔ بعد اُسکے رفتہ رفتہ ترقی کرکے حضرت گنج کے دفتر مین اٹھائیس روپیہ ماہوار کے شاہرہ پر ملازم ہوگئے۔ آج کل کلکتہ[2] مین تعینات، سوا سو روپیہ ماہوار تنخواہ، بہ ہوشیاری و خوش اسلوبی کار متعلقہ مین مصروف۔ نیک، خلیق، صاحب اولاد۔ اِن کے بھائی بھی لایق اور اچھے محنتی ہین۔ **بابو مادھو دیال** صاحب، بابو آنوکھے لال صاحب کے برادر خورد۔ ولادت ۱۸۹۲ء عالم باغ کے دفتر مین (او۔ آر۔ آر) تعینات، ۴۵ روپیہ ماہوار تنخواہ نیک، خلیق، صاحب اولاد **بابو جے دیال** صاحب، بابو انوکھے لال صاحب کے سب سے چھوٹے بھائی۔ ولادت ۱۸۹۷ء۔ اودھ رہیلکھنڈ ریلوے کے متعلق حضرت گنج کے دفتر مین ۵۴ روپیہ ماہوار پر ملازم۔ نیک، خلیق۔

بابو انوکھے لال صاحب کے بزرگ، فری واستویہ دوسرے کائستھ، آل ڈینگر، موضع بردلیا پرگنہ فتح پور (ضلع بارہ بنکی) سے غالباً اب سے ۱۲۵ برس قبل دریا آباد آکر آباد ہوئے تھے۔ (مردہی محلہ)۔

فخر وطن مولوی عبدالماجد صاحب ناظر

بی۔ اے، ڈپٹی عبدالقادر صاحب مرحوم کے چھوٹے صاحبزادے، فارسی و عربی مین ذی استعداد، انگریزی کے بہت بڑے ادیب، اُردو کے قابل تعریف ڈراما نویس، اور بہترین انشا پرداز و مضمون نگار، ساتھ ہی اِس کے اچھے نقاد فن اور اعلیٰ فلسفی و صوفی خیال شاعر، زبردست مصنف و مولف، ہندوستان سے یورپ تک مشہور۔ ولادت غالباً ۱۸۹۳ء۔

اُردو فارسی اور عربی کی تعلیم مکان پر مختلف مولوی صاحبان سے حاصل کی، اُن مین سے بعض جید عالم تھے، مثلاً مولانا حکیم محمد علی اطہر صاحب۔ انگریزی تعلیم کی ابتدا سیتاپور اسکول سے ہوئی، چنانچہ انٹرنس وہین سے پاس کیا۔ ۱۹۱۲ء مین کیننگ کالج لکھنؤ سے "بی۔ اے" کی سند حاصل کی۔ علی گڈھ کالج مین ایم۔ اے مین داخل ہوئے مگر، اُسی زمانے مین والد نے سفر حجاز مین انتقال فرمایا لہذا کالج چھوڑنا پڑا۔

مطالعۂ و مضمون نگاری کا شوق بچپن سے تھا چنانچہ جس وقت سیتاپور ہائی اسکول کی ساتوین جماعت مین تعلیم پاتے تھے تو متعدد مضامین آریون کے جواب مین پنجاب کے اخبارات مین شایع کرائے۔ کیننگ کالج مین داخل ہوتے ہی مطالعہ کے میدان نے بہت وسعت اختیار کی، کیونکہ لکھنؤ کے متعدد کتب خانون سے مستفید ہونے کا پورا موقع حاصل تھا۔ چنانچہ ۱۹۱۰ء مین رسالہ "الناظر" مین "تنقید الکلام مولانا شبلی" کے عنوان سے چھ نمبر ایک طالب علم کے فرضی نام سے لکھے۔ اِن مضامین کی اشاعت سے رسالہ الناظر کی شہرت تمام علمی دنیا مین ہوگئی اور تھوڑے

[1] عین جوانی مین فوت ہوگئے۔ ان کا بیٹا راج کرشن بوقت حیات امپیریل انجینیرنگ کمپنی کانپور مین پچاس روپیہ ماہوار پر ملازم۔ عمر ۲۳ سال، ایک خلیق، ہوشیار۔ [2] حال مین ایسٹ انڈیا ریلوے کمپنی سے نکل کر اودھ رہیل کھنڈ ریلوے مین، جو گورنمنٹ ریلوے ہے، شامل کردی گئی ہے۔

ہی دنون مین لوگونکو اصل لکھنے والے کے نام سے بھی وقفیت ہوگئی۔ اُس وقت سے مولوی عبد الماجد صاحب کا شمار ہندوستان کے مشہور لکھنے والوں مین ہوگیا۔

فلسفہ جدید کی شاخ "نفسیات" کے ساتھ شروع ہی سے بہت شغف تھا۔ زیادہ زمانہ نہین گذرنے پایا تھا کہ تصنیف اور تالیف کے میدان مین آگئے۔ فلسفۂ جذبات، فلسفۂ اجتماع، تاریخ اخلاق یورپ ۲ جلد، مکالمات برکلے، پیام امن، بحر المحبت شیخ مصحفی، زود پشیمان (ڈراما) سالوکالوجی آف لیڈرشپ (انگریزی) وغیرہ ایسی معرکۃ الآرا کتابین اس وقت تک مولوی صاحب کے قلم سے نکل کر چھپ چکی ہین۔ مشہور اخبارات و رسائل مین وقتاً فوقتاً ان کتابون کی بابت خوب خوب فاضلانہ داد دی گئی ہے۔ چنانچہ مسٹر ظفر حسن خان صاحب سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس "پیام امن" پر ریویو کرتے ہوئے "الناظر" مارچ ۱۹۲۴ء مین رقمطراز ہین:۔

"مولوی عبد الماجد صاحب ملک کے اُن ہونہار فرزندون مین سے ہین، جنھون نے تھوڑی عمر مین ملک کی سب سے زیادہ علمی خدمت کی ہے۔ خدا ان کی عمر مین برکت دے، ملک کی بہت سی اُمیدین ان کی ذات سے وابستہ ہین۔ دیگر مستقل تصنیفات کے علاوہ آپ کے تراجم "تاریخ اخلاق یورپ" اور "تاریخ تمدن" قابل ذکر ہین۔ اصل یہ ہے کہ لکھی اور بکل اُردو مین ان مباحث پر لکھنے تو مترجم موصوف ہی کی زبان اختیار کرتے۔ ترجمہ مین کہین ترجمہ پن نہین معلوم ہوتا۔ بیان مین وہی روانی اور خیالات مین وہی قدرتی ترتیب ہے جو کسی بلند پایہ مصنف کی مادری زبان کی تصنیف مین ہونا چاہیے، یہی خوبی "پیام امن" کا طرۂ امتیاز ہے"۔ یہ کتاب فرانس کے نامور اہل قلم "پال رچرڈ" کی شہرۂ عالم تصنیف کا ترجمہ ہے۔

اس سے اندازہ کرسکتے ہین کہ مولوی عبد الماجد صاحب اپنے علم و کمال مین کس پایہ کے ہین اور ہندوستان کی علمی جماعت انھین کس قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتی ہے!

تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ اُردو اور انگریزی کے متعدد رسالون مین بکثرت مضامین لکھے اور اب بھی لکھتے رہتے ہین۔ زمانہ کانپور، ادیب الہ آباد، الناظر لکھنؤ، معارف اعظم گڈھ، اُردو اورنگ آباد دکن، ماڈرن ریویو کلکتہ، ایلسٹ اینڈ ویسٹ بمبئی، مولوی صاحب کے بیش بہا مضامین کی بارش سے ہمیشہ رہین منت رہین گے۔

کچھ عرصے سے فلسفیانہ خیالات کی جگہ تصوف نے لے لی ہے اور مذہب کا رنگ روز بروز غالب ہوتا جاتا ہے۔ غنیمت ہے کہ اب تک "این دفتر بے معنی غرق مئے ناب اولیٰ" پر عمل نہین اور لوگ مولوی صاحب کی مفید تحریرون سے مستفید ہوتے رہتے ہین۔

کالج سے نکلنے کے تھوڑے زمانہ کے بعد ایک معزز انگریز کی سفارش سے (جس سے کوئی تحریک اور کوشش نہین کی گئی تھی) "رائیل ایشیاٹک سوسائیٹی" کے ممبر منتخب ہوئے، پھر "حکیم ارسطو" کے نام سے جو مشہور انجمن لندن مین قائم ہے، اُسکی ممبری ہوگئی۔ یہ دونون انجمنین نہایت ممتاز ہین اور صرف ممیز اساتذہ فن کے لئے مخصوص ہین، اس لئے اس وقت تک صرف چند ہی ہندوستانیون کا نام فہرست ممبری مین پایا جاتا ہے۔

مولوی عبد الماجد صاحب مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے کورٹ کے ممبر بھی ہین اور ڈگری کے امتحانون مین اکثر

سخن ہوا کرتے ہین۔ الہ آباد یونیورسٹی بھی باوجود اپنی مسلمہ باقدر شناسی مولوی صاحب کے تبحر علمی سے کبھی کبھی فیض حاصل کرتی رہتی ہے۔

۱۹۱۷ء مین عثمانیہ یونیورسٹی (حیدرآباد دکن) کے شعبۂ تراجم مین مبلغ قرار مشاہرہ پر ملازمت اختیار کی بہت بڑی قدر و منزلت ہوئی۔ مگر ایک ہی سال کے قیام مین وہان کے سازشون سے اس قدر پراگندہ ہوئے کہ واپس چلے آئے۔ چند دنون کے بعد ہز اگزالٹیڈ ہائینس حضور نظام[۵] نے یاد فرمایا اور بذریعۂ این جنگ بہادر طلبی ہوئی چنانچہ حیدرآباد گئے اور مار یاب ہوئے۔ حضور نظام نے قیام حیدرآباد پر بہت اصرار کیا۔ لیکن شیدائے علم ہمیشہ ملازمت کی قیود سے آزاد رہنا چاہتے ہین، اس لئے باوجود اصرار بلیغ وہان کے قیام پر راضی نہین ہوئے حضور نے آخر کار معقول وظیفہ مقرر کر دیا اور شرط یہ قرار پائی کہ سال مین ایک کتاب لکھدیا کرین۔

فلسفیت کے پیس نے ذوق سلیم پر غلبہ نہین پایا ہے، اس لئے ناظر صاحب کو شعر و سخن سے دلی لگاؤ ہے۔ دل مین درد رکھتے اور اثر سے ڈوبے ہوئے کلام سے فوراً متاثر ہو جاتے ہین۔ بیشتر تو زبان قال سے شعر کی باریکیان نشتر پاتی تھین، اب زبان حال سے دوسرون کو متاثر کرتے ہین۔ خود روتے ہین اور دوسرون کو رلاتے ہین۔ کبھی کبھی بعض رسالون (معارف اور الناظر) مین ناظر کے نام سے غزلین چھپا کرتی ہین۔ حال مین دو نعتیہ غزلین رسالہ الناظر مین شائع ہوئی ہین، دونون غزلین اپنے رنگ مین نہایت ہی خوب ہین۔

ناظر صاحب حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی، حضرت ریاض گورکھپوری، جناب عزیز لکھنوی وغیرہ نامی گرامی شعراؤ اہل قلم اور ملک کے مشہور ایڈیٹرون سے مراسلت رکھتے ہین۔ راقم کے اوستاد مخدومی و مکرمی جناب منشی نوبت رائے صاحب نظر مرحوم (لکھنوی) ایک مرتبہ بسبیل تذکرہ ارشاد فرماتے تھے کہ "محب صاحب! آپ کے ہم وطن مولوی عبدالماجد صاحب ناظر بہت بڑے قابل شخص ہین۔ ادبی حیثیت سے علمی دنیا مین اُن کا درجہ بہت ہی بلند اور ممتاز نظر آتا ہے۔ مین اُن کی تصانیف اور اُن کے مضامین کو جو اخبارون اور رسالون مین اکثر شایع ہوتے رہتے ہین، بڑے غور اور شوق سے دیکھتا ہون۔ مین نے سُنا ہے کہ لسان العصر حضرت اکبر الہ آبادی اور مولانا حسن نظامی اُن پر بہت مہربان اور اُن کی قابلیت کے غائبانہ بڑے مدّاح رہتے ہین۔ لیکن، یہ کوئی بڑی بات نہین، اُن کی اس وقت ہندوستان بھر مین شہرت ہے۔ اس دور جدید کے بہترین اُردو اہل قلم سب اُن کی لیاقت اور ادبی خدمت کے دل سے معترف ہین، جسکی تصدیق مشہور اخبارات و رسائل کے فائلون سے اچھی طرح ہو سکتی ہے۔"

لسان العصر حضرت اکبر مرحوم کے پرائیویٹ خطوط سے پایا جاتا ہے کہ وہ مولوی عبدالماجد پر خاص طور سے مہربان تھے اِن کی علمی قابلیت، اِن کی شاعری، اِن کے فلسفیانہ مضامین کی دل سے تعریف کرتے اور انہین بڑی قدر کی نگاہون سے دیکھتے تھے۔ اِنھین خطوط مین عزیز من، ڈیر فرینڈ۔ عنایت فرمائے من،

---

۵ نواب سر عثمان علی خان بہادر آصف جاہ، جی، سی، ایس، آئی، وائی حیدرآباد دکن ۱۲۔

الطاف فرمائے اکبر، برادرم، مکرمی، زیب انجمن علم و دانش وغیرہ خطاوں سے عبدالماجد صاحب کو یاد فرمایا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح عبدالماجد صاحب کی علمی قابلیت اور استعداد بتدریج ترقی کرتی گئی، اُسی طرح مولانا اکبر کے دل مین بھی محبت اور قدر و منزلت اور اعزاز و مراتب کا اضافہ ہوتا گیا۔ ابتدا مین "عزیز من" لکھتے رہے، بعد اُس کے دوستانہ برتاؤ اختیار کیا اور "ڈیر فرینڈ" عنایت فرمائے من" "الطاف فرمائے اکبر" وغیرہ برادرانہ القاب پسند فرمائے، پھر برادرانہ طور پر "برادرم" لکھنے لگے اور آخر مین بزرگ تسلیم کرکے "زیب انجمن علم و دانش" اور "مکرمی" ایسے شاندار اور معنی خیز القاب استعمال کرنے پر آمادہ ہوگئے تھے۔ ایک خط مین تحریر ہے:۔ "آپ کی محبت اور عنایت اور مہربانی اور سیکدلی ہے کہ آپ نے مجھکو قابل مشورت سمجھا ہے" اسی خط مین دوسری جگہ لکھا ہے۔ "آفتاب علم" آپ اب بھی ہین۔ خدا کا فضل شامل حال رہا تو عمر و عروج کے ساتھ آپ کی شعاعین زیادہ ہوتی جائیں گی رسائی مین زیادہ ہونگی۔ اب عقلون تک پہونچتی ہین تو آئندہ دلون تک پہونچین گی" از مکاتیب اکبر حصہ دوم، مرتبہ مولوی عبدالماجد صاحب ناظر بی۔ اے۔

عبدالماجد صاحب اپنی علمی خدمت اور علمی تحقیقات کی بدولت ہندوستان کے علاوہ یورپ مین بھی مشہور ہوگئے ہین۔ وہان اِن کے فضل و کمال کی خوب خوب تعریفین ہورہی ہین چنانچہ کیمبرج یونیورسٹی (لندن) کے نامی گرامی فاضل پروفیسر نکلسن "رائل ایشیاٹک سوسائیٹی آف گریٹ برٹن کی صد سالہ سالگرہ کے جلسہ مین بڑے بڑے عالمون اور فاضلون کے درمیان ملفوظات جلال الدین رومی پر تقریر کرتے ہوئے بیان فرماتے ہین:۔

"اِس درمیان مین ایک ہندوستانی فاضل مولوی عبدالماجد (دریا آباد، بارہ بنکی) میرے علم مین تین نسخے اور لائے ہین، جن مین سے ایک کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد کا ہے، ایک سرکاری کتب خانہ رامپور کا، اور ایک نواب سالار جنگ حیدرآباد کے کتب خانہ کا۔ مولوی عبدالماجد کا قصد اس رسالہ کے شائع کرانے کا ہے، اور اس غرض سے اُنھون نے اِن تینون نسخون کی نقلین حاصل کرلی ہین۔ چند ہفتہ ہوئے اُنھون نے بکمال عنایت کتب خانہ آصفیہ والے نسخہ کی نقل مجھے بھی عنایت کی تھی۔ مین اس موقع پر یہ مسرت اُنکی اس عنایت کا، میرا اُنکے دیگر اہم خدمات کا، جو وہ میرے زیر ترتیب ایڈیشن مثنوی کے سلسلہ مین کررہے ہین، شکریہ ادا کرنا چاہتا ہون" از رسالہ معارف علی گڈھ مئی ۱۹۲۷ء

فخر وطن مولوی عبدالماجد صاحب کی ذات سے دریاباد کو جو غیر معمولی شہرت نصیب ہوئی ہے، راقم الحروف اُسکے اظہار سے قاصر ہے، ناظرین خود اندازہ کرلین۔ پروردگار عالم ممدوح کو خضر علیہ السلام کی عمر عطا فرمائے اور اُنکی صحت و تندرستی کو ہمیشہ برقرار رکھے۔ آمین!

مولانا پابند صوم و صلوٰۃ، حلیق، ملنسار، اہل کمال کے قدردان، سخن دوست، سخن سنج، منکسر المزاج، شیدائے وطن، صوفیانی وضع، گلدرپوش، صاحب اولاد، ہندو مسلم اتحاد کی حمایت مین ساعی اور مشغول۔ (مخدوم زادگان)

مولوی تجمل کریم صاحب وکیل

بی۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی، مولوی سید مظفر کریم صاحب وکیل مرحوم کے فرزند اصغر، باندہ کے مشہور وکیلون

مین شامل، ہندو مسلم اتحاد کے حامی، قومی معاملات سے زیادہ دلچسپی۔ ۱۹۱۶ء مین کرسچین کالج الہ آباد سے بی۔ اے پاس کیا۔ ۱۹۱۹ء مین "لا کالج" الہ آباد سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ اسکے بعد ہی بانده مین وکالت شروع کردی، اور اس وقت تک بفضلہ کامیابی و ترقی کے ساتھ مشغول۔ حال مین ان کا عقد ثانی تعلقدار صاحب گنڈارا کی بیٹی کے ساتھ ہوا ہے۔ جوان، خلیق، نیک طبیعت، خوش وضع، صاحب اولاد، ولادت ۱۸۹۱ء۔ (مخدوم زادگان)۔

شیخ حفیظ الدین صاحب اسٹیشن ماسٹر

از نسل حضرت مخدوم آبکش دریا بادی، مولوی علیم الدین صاحب کے بڑے بیٹے، محمود دھر ریلوے مین اسٹیشن ماسٹری کے عہدہ پر مامور۔ خلیق، نہایت نیک، جوان، روزہ و نماز کے پابند، وضع جدید، صاحب اولاد۔ ولادت غالباً ۱۸۸۲ء۔ (مخدوم زادگان)۔

مولوی حکیم الدین صاحب سب ڈپٹی انسپکٹر

شیخ حفیظ الدین صاحب کے حقیقی بھائی۔ علی گڈھ کالج مین ایف۔ اے پاس کیا۔ آج کل فیض آباد مین سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس۔ ولادت ۱۸۹۲ء۔ نیک مزاج، جوان، خلیق، صاحب اولاد، وضع جدید۔ تیروانی جبکہ پتلون نما پائجامہ، قمیص یا کرتا، واسکوٹ، بوٹ، ٹرکش کیپ استعمال کرتے ہین۔

حاجی محمد یوسف صاحب

از اولاد حضرت مخدوم آبکش دریا بادی، شیخ فضل رب کے بڑے بیٹے، فطری خوشنویس۔ اردو شکستہ لکھتے اور عربی خط بہت خوبی کے ساتھ استعمال کرتے ہین۔ حضور نظام کی قدردانی سے راجہ راجمان راجہ شیو راج مہاراج دھر مونت بہادر آصف جاہی رئیس و سر دفتر مال کے سر رشتہ دار ہین، ڈھائی سو روپیہ ماہوار مشاہرہ ہے۔ نیک، صاحب اخلاق، صوفیانی وضع روزہ و نماز کے پابند، اولیائے کرام کے معتقد، صاحب اولاد۔ ولادت غالباً ۱۸۶۶ء (مخدوم زادگان)۔

حافظ محمد یونس صاحب چیف ریڈر

شیخ فضل رب کے چھوٹے صاحبزادہ، حاجی محمد یوسف صاحب کے برادر خورد۔ کلام مجید خوب یاد ہے اور صاف پڑھتے ہین۔ باوجود عارضہ ضیق النفس کے اکثر رمضان مین محراب سنایا کرتے ہین۔ انگریزی اور اردو دونون خط پختہ اور نہایت صاف۔ مختلف حیثیتون سے اضلاع مکیری و اناؤ اور ہردوئی مین نیک نامی سے

سرکاری ملازمت کی۔ آج کل ضلع ہردوئی مین چیف ریڈر ہین۔ ملنسار اور خلیق، دریاباد مین آبائی پختہ مکان موجود، صاحب اولاد۔ ولادت ۱۸۶۸ء۔

شیخ جلال الدین صاحب خوشنویس

عرف ضیاء الدین، شیخ جمال الدین صاحب کے بیٹے، از اولاد مخدوم آبکش دریابادی، فن خوشنویسی کی باقاعدہ تعلیم مین منہمک، خط نستعلیق و طغرا لکھنے پر مائل، لکھنؤ کے مشہور و معروف اوستاد محمد افضل صاحب اعجاز رقم کے شاگرد، خوشنویسی کے علاوہ حسب ضرورت عربی و فارسی کی تکمیل مین بھی مشغول۔ ابھی عمر بہت کم ہے اگر کچھ دن اسی طرح مشق جاری رہی تو، اچھے خوشنویسون مین ان کا شمار ہو جائے گا۔ ذہین، ہونہار، محنتی نیک۔ ولادت ۱۹۰۲ء۔

حافظ مشرف کریم صاحب گرداور قانونگو پنشنر

حافظ مصطفےٰ کریم صاحب کے اکلوتے بیٹے۔ عرصہ تک گرداور قانونگو رہے۔ اپنے فرض منصبی کو خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیکر حکام و رعایا، اور ماتحتین کو ہمیشہ خوش رکھا۔ حال مین ساٹھ روپیہ ماہوار کے مشاہرہ سے پنشن لیکر خانہ نشینی اختیار کی۔ آبائی وضع، غیر متعصب، نیک، ملنسار، خلیق، صاف گو، دنیا کے تین پانچ سے ناواقف، روزہ و نماز کے پابند، اولاد مین صرف لڑکی، ذاتی پختہ مکان موجود۔ ولادت ۲۔ رجب ۱۲۷۷ھ مطابق ۱۴ جنوری ۱۸۶۱ء یوم دوشنبہ۔

شیخ محمد امین صاحب گرداور قانونگو

حافظ محمد یونس صاحب کے فرزند اکبر انگریزی مین انٹرنس تک تعلیم یافتہ۔ حال مین گرداور قانونگوئی کا عہدہ عنایت ہوا ہے۔ خلیق، ملنسار، نیک، جفاکش، تخمیناً ۲۰ سال کی عمر، ولادت غالباً ۱۹۰۴ء از مخدوم زادگان

مولوی اجتبیٰ کریم صاحب ٹکٹ اگزامنر

حافظ مجتبیٰ کریم صاحب کے فرزند دوم، لکھنؤ کے نامی گرامی وکیل مسٹر محمد نسیم صاحب کے حقیقی بھانجے ایف۔ اے پاس۔ مختلف محکمون مین ملازمت کی۔ فی الحال او۔ آر۔ آر مین ٹکٹ اگزامنر، عرصہ بیس برس سے گڑھی بھلول مین سکونت پذیر۔ ولادت غالباً ۱۸۸۶ء۔

مولوی مصطفےٰ کریم صاحب

مولوی اجتبیٰ کریم صاحب کے چھوٹے بھائی، بی۔ اے، حیدرآباد مین سررشتۂ تعلیم کے محکمہ مین ملازم۔

یہ بھی اپنے بھائی کے ہمراہ گڈھی بھلول مین رہتے ہین۔ انھون نے عربی کی تحصیل دہلی کے مشہور عالم مولانا عبداللہ سندھی سے کی تھی۔ ولادت غالباً ۱۸۸۹ء۔

پروفیسر برج راج بہادر صاحب

ایل۔ ایل۔ بی، ایم۔ ایس۔ سی، پروفیسر سائنس، بابو شیو راج بہادر صاحب کے فرزند اول، کھرے کائستھ، کائستھ پاٹ شالہ الہ آباد مین ملازم۔ ولادت ۱۸۸۴ء۔

بابو گرراج بہادر صاحب

شری واستو یہ کھرے کائستھ بی۔ اے، بابو شیو راج بہادر صاحب کے فرزند دوم۔ ۱۹۲۳ء مین میور کالج الہ آباد سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ آج کل بنارس مین ملازم اور وکالت کا امتحان دینے کے لئے قانونی کتابون کے مطالعہ مین مشغول۔ ولادت ۱۸۹۹ء۔

بابو بلراج بہادر صاحب

ایف۔ اے پاس، بابو شیو راج بہادر صاحب کے فرزند سوم۔ حال مین ایف۔ اے پاس کیا۔ بہت نیک خلیق، بنارس مین ملازم۔ ولادت ۱۹۰۲ء۔

بابو برج لال صاحب

بی۔ اے، شری واستو یہ کھرے، بابو بشیشر دیال صاحب کے فرزند اول، ہندو ہائی اسکول (فیض آباد) مین ملازم۔ ولادت ۱۸۹۲ء۔

پروفیسر جالپا پرشاد صاحب

ایم۔ ایس۔ سی، پروفیسر بنارس، بابو برج راج بہادر صاحب کھرے کائستھ کے خاندانی رکن، بابو اقبال بہادر صاحب سپرنٹنڈنٹ کلرک (بہرائچ) کے بیٹے، کائستھ پاٹ شالہ الہ آباد مین ملازم۔ ولادت ۱۸۸۸ء۔

بابو رام سرن داس صاحب وکیل

بی۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی، بابو شمبھر دیال صاحب سپرنٹنڈنٹ کلرک کے بیٹے، کھرے کائستھ، از خاندان

لہ نمبر ۵ خاندانی حالات کے لئے باب ۳، فصل ۱، ذکر لالہ بھگوان داس صاحب ملاحظہ ہو۔

بابو برج راج بہادر، سلطان پور کے وکیلون مین مشہور۔ ولادت ۱۸۸۱ء

بابو شیام لال صاحب وکیل

بی۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی، بابو بشیشر دیال صاحب کے چھوٹے بیٹے، بابو برج لال صاحب بی۔ اے کے حقیقی بھائی، فیض آباد مین پیشۂ وکالت ذریعۂ معاش، نوجوان، خلیق، نیک، ولادت ۱۸۹۴ء۔

بابو سنت بخش صاحب وکیل

بی۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی، از نسل محرران دریا باد، لالہ شیونارائن لال صاحب کے بیٹے، شری واستو دوسرے کائستھ۔ کچھ دن گونڈہ مین سب رجسٹرار رہے، عرصہ سے مشہور وکیلون مین شامل۔ گونڈہ میں وکالت کے ذریعہ کثیر دولت پیدا کرکے وہان ایک عمدہ کوٹھی بنوائی ہے۔ ولادت غالباً ۱۸۷۶ء۔ بابو صاحب بہ سلسلۂ زمینداری کبھی کبھی اپنے وطن دریا باد آیا کرتے ہین، لیکن، اس بارِ گران سے سبکدوشی حاصل کرنے کی فکر مین ہین۔ دیکھئے کب مُراد پوری ہو؟ آبائی مکان (پختہ وخام) شکستہ کس مپرسی کی حالت مین چند روز کا مہمان۔

بابو برج لال صاحب وکیل

بی۔ اے، اجودھیا پرشاد مہاجن کے بیٹے، از نسل منگل سین کوٹھی والے۔ دریا باد مین اُردو مڈل کلاس پاس کیا۔ ۱۸۸۱ء مین بارہ بنکی ہائی اسکول مین انٹرنس، ۱۸۹۵ء مین کیننگ کالج (لکھنؤ) مین بی، اے کی سند حاصل کی۔ دو برس تک نائب تحصیلداری کا کام بارہ بنکی اور ہمیرپور مین انجام دیا۔ ۱۸۹۷ء مین ہائی کورٹ کا امتحان دیکر بعدِ کامیابی کانپور مین وکالت شروع کی۔ ۱۹۰۱ء سے بارہ بنکی مین قیام اور اس وقت تک سلسلۂ وکالت جاری۔ لیکن، افسوس ہے کہ صحت خراب ہونے کی وجہ سے، جسکی انھین ذرا بھی پروا نہین، اس پیشہ مین کچھ نام نہ پیدا کرسکے۔ بابو صاحب نیک چلن، کم سخن، با مروت، اولاد مین چھ بیٹے، اور سب انگریزی دان۔ ولادت تخمیناً ۱۸۶۶ء۔ یادگار مین ایک پختہ مکان بہ مقام نواب گنج بارہ بنکی موجود۔

بابو رام شنکر صاحب وکیل

بی، اے، ایل، ایل، بی، بابو برج لال صاحب وکیل کے فرزند چہارم۔ پہلے بارہ بنکی ہائی اسکول مین انٹرنس پاس کیا۔ بعد اُس کے کیننگ کالج لکھنؤ مین داخل ہوئے ۱۹۲۲ء مین بی، اے کی ڈگری حاصل کی۔ اس سال ۱۹۲۴ء مین ایل، ایل، بی کی ڈگری ملی اور وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔ ولادت غالباً ۱۹۰۰ء۔

بابو ہری رام صاحب

بی۔ اے، بابو برج لال صاحب وکیل کے فرزند پنجم۔ ابتدائی تعلیم ہائی اسکول بارہ بنکی مین پائی۔ سائنس امین آباد ہائی اسکول لکھنؤ مین پاس کیا۔ بعد اُس کے کیننگ کالج لکھنؤ مین داخل ہوکر اس سال (۱۹۲۴ء) بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ اب قانونی تعلیم مین مشغول۔ ولادت ۱۹۰۲ء۔

بابو بھگونت رائے صاحب منیجر بنک

شری واستویہ دوسرے کائستھ، از خاندان محرران دریابادی، منشی ہر پرشاد صاحب کے فرزند سوم انگریزی کے اچھے انشا پرداز، ایف۔ اے تک تعلیم یافتہ۔ ولادت سمبت ۱۹۱۲ بکرمی۔ پہلے دریاباد، پھر بارہ بنکی ہائی اسکول، بعد اُسکے کیننگ کالج لکھنؤ مین تعلیم پائی۔ عرصہ تک بعہدۂ سکنڈ ماسٹری مختلف انگریزی مدارس مین نیکنامی کے ساتھ کار متعلقہ انجام دیتے رہے۔ ستمبر ۱۹۱۱ء مین پنشن حاصل کی۔ ۱۹۱۲ء لغایت ۱۹۲۰ء رانا ناز کار و نیشن انگلش مڈل اسکول کھجورگانو مین ہیڈ ماسٹر رہے۔ آج کل کوآپریٹو ماون بنیک لمیٹڈ سلطان پور کے منیجر۔ خلیق، ملنسار، نہایت نیک، مذہب کے پابند، اولاد مین تین بیٹیان۔

چودھری نواب علی صاحب وکیل

چودھری عباد علی صاحب کے فرزند چہارم، گوالیار مین اُردو دان نامی وکیل، کسی قدر انگریزی کے ماہر، حسب ضرورت فارسی سے آشنا۔ سات آٹھ برس سے گوالیر مین وکالت کر رہے ہین، کام خوب چل رہا ہے خلیق، ملنسار، ہوشیار، زود فہم، صاحب اولاد۔ ولادت تخمیناً ۱۸۸۸ء۔

چودھری عاشق علی صاحب سب انسپکٹر

چودھری معشوق علی صاحب کے فرزند اول۔ پہلے کانسٹبل ہوئے، پھر ہیڈ محرر، بعد کو سب انسپکٹر۔ عرصہ تک ضلع جونپور کے سرپتہا تھانہ مین تعینات رہے۔ آج کل کانپور مین نہایت مستعدی و ہوشیاری سے اپنے فرائض انجام دینے مین مصروف۔ خلیق، ملنسار، صاحب اولاد۔ ولادت تخمیناً ۱۸۸۳ء۔

چودھری ساجد علی صاحب انسپکٹر بینک

ولادت تخمیناً ۱۸۷۷ء، چودھری معشوق علی صاحب کے فرزند دوم، ریاست بھوپال مین بنیک کے

لہ نہایت ۳ خاندانی حالات کے لئے باب ۳، فصل ۱، ذکر چودھری عباس علی صاحب ملاحظہ ہو ۱۲

انسپکٹر، خلیق، ملنسار، جوان، تعلیم یافتہ، خوش پوشاک، وضع جدید۔

منشی جانکی پرشاد صاحب رجسٹرار قانونگو

عرف چھیدی لال، ماتھر کائستھ، از نسل درگا داس بہ سلسلۂ خاندان رائیصاحب دریا باد، لالہ شیو گوپال صاحب کے بیٹے، انگریزی، اردو، فارسی کے ماہر، آغاز شباب مین مشہور لیکچرار۔ ولادت۔

اب سے ۳۰ برس قبل ان کے لیکچرون کی دور دور تک شہرت تھی۔ جس وقت شروع شروع مین منشی سکٹا پرشاد صاحب وغیرہ بہی خواہان قوم کی تحریک پر ہر طرف سوشل رفارم کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔ کائستھون کی دنیا مین عام طور پر ایک خاص جوش پھیلا ہوا تھا۔ بڑے بڑے شہرون لکھنؤ، بنارس، پٹنہ وغیرہ مین دھوم دھام سے جلسے منعقد ہو رہے تھے، رائیصاحب بہادر (دریاباد) انھین کو اپنی طرف سے ڈیلی گیٹ منتخب فرماتے تھے۔ یہ جلسون مین شریک ہو کر کرسی پر بیٹھ کے تماشا دیکھنے یا "ہان مین ہان" ملانے کے بجائے سبجکٹ کمیٹیون مین معقول رائین دیتے اور جلسے کے وقت پرزور اور موثر تقریرین کرتے تھے۔

۱۸۹۸ء مین بارہ بنکی ہائی اسکول سے انٹرنس پاس کیا۔ ۱۸۹۸ء لغایت ۱۹۰۸ء بارہ بنکی کے مشن اسکول مین ہیڈ ماسٹر رہے۔ ۱۹۰۹ء سے تحصیل سنہی گھاٹ مین رجسٹرار قانونگوئی کے عہدہ پر مامور ہین۔ فسانۂ آزاد (مصنفۂ پنڈت رتن ناتھ سرشار لکھنوی) اور نیچرل اشعار، جو تصنع و مبالغہ سے پاک ہون، سے دلچسپی رکھتے ہین۔ وضع قدیم وجدید، اولاد مین ہر نت بہاری۔

بابو چندر کا پرشاد صاحب ہیڈ کلرک

سن پیدائش غالباً ۱۸۸۵ء، منشی میکو لال صاحب کے اکلوتے بیٹے، انگریزی تعلیم سیتاپور ہائی اسکول مین پائی اور ۱۹۰۵ء مین وہین سے انٹرنس پاس کیا۔ ان کے خاندان کے اکثر افراد نے سررشتۂ تعلیم کے محکمہ کو ذریعۂ معاش قرار دیا۔ چنانچہ ماسٹر میکو لال صاحب اور ماسٹر رکھو پرشاد صاحب کے پڑھائے ہوئے صدہا طالب علم صوبۂ اودھ کے مختلف حصون مین پائے جاتے ہین۔ اسکول سے نکلنے کے بعد بابو چندر کا پرشاد صاحب دفتر ڈپٹی کمشنر سیتاپور مین ملازم ہو گئے۔ مگر تھوڑے دن کے بعد آبائی محکمہ کی جانب جھکے، اور اب لکھنؤ کے مشہور صنعتی اسکول (ٹیکنیکل اسکول) مین بہ عہدۂ ہیڈ کلرکی بمشاہرہ سوا سو ماہوار مامور ہین۔ باوجود انگریزی تعلیم کے خیالات کے لحاظ سے مشرقیت مزاج مین بہت غالب ہے۔ سرخان مرنج ہین۔ ہندو مسلمان مین یکسان ہر دل عزیز رہتے ہین۔ علم مجلس مین خاص سلیقہ رکھتے ہین۔ ماشاء اللہ قد و قامت کے لحاظ سے پولیس یا فوج کے محکمہ کے لئے زیادہ موزون معلوم ہوتے ہین۔ مگر جاننے والے جانتے ہین کہ آپ کا دل کتنا ہے! اس لئے اہل قلم ہی کی جماعت مین آپ کامیابی حاصل کر سکتے ہین۔ شروع شروع مین آپکی نامزدگی سب انسپکٹری مین ہوئی۔ مگر خوش قسمتی سے آپ انتخاب مین نہین آئے۔ مشرقیت کے لحاظ سے میلا ٹھیلا اور

محافل نشاط کے آپ بہت دلدادہ ہیں، اور سچ تو یہ ہے کہ لکھنؤ مین آپ ہی ایسے حضرات کی وجہ سے برسات مین عیش باغ کے میلہ کی چہل پہل باقی ہے۔ وضع قدیم وجدید، خوش پوشاک، خوبصورت، صاحب اولاد، نیک دل، نیک چلن، خاندانی حالات کے لئے باب ۳، فصل ۲، تذکرہ لالہ سرجو پرشاد صاحب کے متعلق فٹ نوٹ میں لالہ پریتم دیال صاحب کا بیان ملاحظہ ہو۔

منشی مگن بہاری لال صاحب

شری واستویہ دوسرے کائیتھ، لالہ کندن لال صاحب کے فرزند اول۔ اصلی وطن لکھنؤ۔ دریاباد مین تعلیم وتربیت پائی۔ منشی رام سہائے کے صاحب کے بعد معہ اپنے بھائی گوکل پرشاد کے اُن کی جملہ جایداد پر قابض ہوکر دریابادی کہلائے۔ انھین پبلک اور مذہبی کامون سے دلچسپی ہے۔ ۱۹۰۵ء لغایت ۱۹۰۹ء "پنچ گھروارہ" کے لقب سے ممتاز ہوکر کار متعلقہ کو بحسن وخوبی انجام دیا، جو سرکاری پروانون سے ثابت ہے۔ ۱۹۱۰ء کی مردم شماری مین اپنے عہدۂ گرداوری کے فرائض کو مستعدی کے ساتھ ادا کیا۔ گورنمنٹ سے خوشنودی مزاج کا پروانہ عطا ہوا لالہ لال بہادر صاحب کائیتھ (دیوانِ مرزا محمد یوسف بیگ صاحب) لاولد تھے، اُن کو ایک شیوالہ کی تعمیر کے لئے آمادہ کردیا، جس کی تیاری مین خود بھی بڑے شوق سے حصہ لیا۔ دونون صاحبون کے نام مورت کی استھاپنا ہوئی جس کا جشن بڑی دھوم دھام سے منایا گیا۔ گئو شالۂ دریاباد کی بنیاد انھین کی بے لوث کوششون سے قایم ہوئی جسکے تفصیلی حالات اودھ اخبار[1] لکھنؤ اور ڈسٹرکٹ گزٹ بارہ بنکی[2] مین شایع ہوچکے ہین۔ آج کل گئو شالۂ دریاباد کے آنریری سکریٹری اور اسکول دریاباد کے ممبر ہین۔ علاوہ اس کے ہر جلسہ اور ہر کمیٹی مین خواہ مذہبی ہو یا غیر مذہبی، شوق سے حصہ لیتے ہین۔ حکام ان کے کامون سے خوش رہتے ہین۔

خاص خاص سرکاری جلسون مین بھی یہ اعزاز کے ساتھ بلائے جاتے ہین چنانچہ ہیوٹ اسکول بارہ بنکی کے افتتاحی جلسہ منعقدہ ۱۶۔ فروری ۱۹۱۰ء مین شرکت کے لئے ہز آنر لفٹننٹ گورنر سر جان ہیوٹ کے۔ سی۔ ایس۔ آئی سی۔ آئی۔ ای کی آمد پر سی۔ اے شیرنگ صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر بارہ بنکی کی طرف سے منشی صاحب کے نام جو دعوتی مطبوعہ کارڈ آیا تھا، وہ اس بات کی گواہی دیتا ہے۔ یہ کارڈ منشی صاحب کے پاس موجود، جس کے خوشنما لفافہ پر انگریزی مین اِن کا نام لکھا ہوا ہے۔

منشی صاحب کے راجہ جیا لال صاحب گلشن (دیوان سلطنتِ اودھ، رئیسانِ لکھنؤ مین سے تھے) کی رشتہ داری کا فخر بھی حاصل ہے۔ راجہ بھوانی بخش صاحب دہلوی کے دولڑکے کنور اسری سہائے اور راجہ جیا لال اسری سہائے کے کنور اسنی کمار (زمیندار قصبۂ اچولی) جن کی لڑکی مگن بہاری لال صاحب کے والد کو منسوب تھی۔ اسلئے رام صاحب پرنانا اور اسنی کمار نانا ہوئے۔ مگن بہاری لال صاحب کی تاریخ ولادت ۱۸۷۰ء، خلیق، ملنسار،

[1] اودھ اخبار ۱۶ مارچ ۱۹۱۰ء، صفحہ ۸۔ اودھ اخبار ۱۷ فروری ۱۹۱۰ء صفحہ ۶ [2] بارہ بنکی ڈسٹرکٹ گزٹ بکم اپریل ۱۹۲۰ء، صفحہ

نیک دل، مذہب کے دلی معتقد، سخن دوست، صاحب اولاد۔

بابو گوکل پرشاد صاحب رنج افسر

منشی مگن بہاری لال صاحب کے برادر خورد، ڈویژن بہرائچ مین رینجے افسر۔ دریاباد مین معمولی اردو پڑھ کر ذاتی کوشش و پیروی سے "محکمۂ جنگلات" مین ملازمت کی، اور رفتہ رفتہ ترقی کرکے رینجے افسری کا معزز عہدہ حاصل کرلیا، عرصہ سے اسی عہدہ پر مامور۔ اپنے فرائض منصبی انجام دینے مین نہایت ہوشیار اور مستعد، پبلک اور حکام مین نیک نام اور ہردل عزیز۔ خلیق، ملنسار، بامروت، محنتی، نیک چلن، صاحب اولاد۔ ولادت ۱۸۸۰ء

منشی جے بہاری لال صاحب

ماتھر کائستھ، منشی کامتا پرشاد صاحب کے فرزند اول (منجھلے بھائی چھیل بہاری، چھوٹے رگھوونش بلی) بہت بڑے ایماندار دلاطمع، اور انھین اوصاف کے باعث نیک نام اور قابل قدر، اپنے ولی نعمت کے دلی خیر خواہ اور فرمان بردار۔ ولادت غالباً ۱۸۸۰ء۔

ان کے دادا منشی بندلیشری پرشاد صاحب غازی پور مین عرصہ تک سررشتہ دار رہے۔ والد جوانی مین خوش تحریر تھے۔ جیئے کی دال پر "آلہی غنچۂ امید بکشائے" ایسا صاف لکھتے تھے کہ بغیر عینک اچھی طرح پڑھ لیا جاتا تھا۔ مختلف جگہون مین نوکری کرکے بارہ بنکی مین عرائض نویسی اختیار کی، دو روپیہ روز آمدنی پیدا کرتے تھے۔ پیری کے زمانے مین اپنے سعادت مند لڑکون کے محبت آمیز اصرار سے مجبوراً خانہ نشین ہونا پڑا۔ اس وقت سن ۷۵ سال کا ہے۔

ان کا خاندانی سلسلہ دریاباد مین تخمیناً دو ڈھائی سو برس سے قایم ہے، جس کے بانی قصبۂ نارنول (ضلع بلند شہر) کے رہنے والے رائے کانجی مل صاحب چکلہ دار تھے، جنھون نے بادشاہ دہلی کے حکم سے یہان تعینات ہوکر رائے صاحب کے خاندان مین اپنی شادی کرنے کے ساتھ ہی دریاباد مین سکونت اختیار کرلی تھی۔

منشی جے بہاری لال صاحب نے دریاباد مین اردو مڈل کلاس پاس کیا۔ پہلے سررشتۂ تعلیم مین مدرسی کی نوکری کی۔ بعد اس کے رودولی کے مشہور تعلقدار چودھری ارشاد حسین صاحب (دریاباد، رودولی) کے یہان ملازم ہوئے اور بہت جلد اپنی فطری نیک نیتی اور خوش اسلوبی کی بدولت معززین مین افتخار حاصل کرلیا۔ عرصہ سے مختار عام کھانے کپڑے کے علاوہ پینسٹھ روپیہ ماہوار مشاہرہ، پچھتر بیگھہ پختہ آراضی کے دوامی معافی دار (جسکی آمدنی تخمیناً چھ سو روپیہ سالانہ) کار متعلقہ مین ہوشیاری و مستعدی کے ساتھ متعول، چودھری صاحب سے مہربان، عزت و ناموری مین روزافزون ترقی۔ سعادت مند، خلیق، نیک چلن، تکلف اور ستوقینی سے بری، صاحب اولاد۔ منشی صاحب کے منجھلے بھائی چھیل بہاری صاحب بھی چودھری صاحب کی قدردانی سے آنریری منصفی کے سررشتہ دار پینتیس ۳۵ روپیہ ماہوار تنخواہ، کھانا کپڑا اس کے علاوہ۔

منشی محمد عباس علی صاحب خوشنویس

شیخ انصاری، از خاندانِ حافظ جہانگیر بخش صاحب مرحوم۔ شیخ الٰہی بخش صاحب کے بیٹے، خوشنویسی مین لایق تعریف، کارامانت مین مشہور۔ دریاباد کے اسکول مین تعلیم پاکر لکھنؤ مین متفرق طور پر فارسی کی کتابین پڑھین اور وہین متہوا وستاد فن حافظ امام الدین صاحب دہلوی (مولانا حکیم محمد علی اطہر صاحب مرحوم کے والد ماجد) کی خدمت مین حاضر ہوکر باقاعدہ خوشنویسی کا فن حاصل کیا، ساتھ ہی اس کے بذات خاص محنت و مشقت کرکے امانت کے کام مین بھی اچھی خاصی مہارت پیدا کرلی۔ ۱۸ برس کے سن مین فرنگی محل کے مطبع مین کاپی نویسی کی نوکری کی، پھر نول کشور پریس مین پندرہ برس تک کتابت کا کام کیا۔ بعد اس کے اضلاع بالیسر (ملک اُڑیسہ) گورکھپور، چھپرا، پرنیان، ڈمرکا، اعظم گڈھ، میرٹھ وغیرہ مین بسلسلۂ امانت ملازمت کرتے ہوئے بارہ برس کی بعد دریاباد آئے۔ یہان تحصیل سنہی گھاٹ مین سرکاری حکم سے بطور کمیشن بارہ برس تک امین رہے۔ تھوڑے عرصہ سے ریاست ٹرا مین بیس روپیہ ماہوار پر ملازم اور اس خیال سے کہ "دیس کی آدھی بھلی"، خوش و خرم۔ ۲۲ سال کی عمر، ولادت ۱۸۶۲ء

حافظ محمد سعید صاحب خوشنویس

شیخ انصاری، حافظ محمد جہانگیر بخش صاحب کے اکلوتے بیٹے، اعلیٰ درجہ کے خوشنویس اور اس فن مین شیخ محمد عباس علی صاحب دریابادی (حافظ جی کے رشتہ کے خاندانی چچا) کے شاگرد، ساتھ ہی اس کے لکھنؤ کے مشہور و معروف اوستادِ فن منشی شمس الدین صاحب اعجاز رقم کے فیض تلمذ سے بھی مستفید۔ پہلے نولکشور پریس لکھنؤ مین نوکری کی۔ بارہ برس کے بعد لاہور پہونچکر گلاب سنگھ پریس مین ملازم ہوئے، جہان اس وقت تک مالک مطبع کی بیحد قدردانی سے خوش و خرم۔ ولادت تخمیناً ۱۸۷۳ء۔ اولاد مین دو لڑکے، دونون حافظ اور کلکتہ مین دوکاندار۔

شیخ کریم بخش صاحب امین

شیخ صدیقی، از اولادِ شیخ لطف اللہ صاحب سالدار، شیخ خدا بخش صاحب کے بیٹے، علم پیمایش مین قابل اوستاد۔ پندرہ برس کی عمر مین بھلسر (پرگنہ رُدولی) کے نامی گرامی منصرم منشی عبد الہادی صاحب کی خدمت مین حاضر ہوکر پیمایش کا کام سیکھا۔ بعد اس کے وہ کمال حاصل کیا کہ خود اوستاد کو حیرت ہوگئی۔ اضلاع مراد آباد، بدایون، میرٹھ، بریلی، بارہ بنکی، وغیرہ کے بہت سے لوگون کو لایق امین بنا دیا، بعض اُن مین سے انسپکٹر ہوگئے۔ وطنی شاگردون مین سے یعقوب خان صاحب، افضل صاحب، منشی عبد الوہاب صاحب (برادر

ڈاکٹر قادر بخش صاحب مرحوم[1]) شیخ رحیم بخش و شیخ شکور بخش صاحب وغیرہ اس وقت تک موجود اور ہر ایک لائق و ہوشیار۔

۱۸۶۲ء لغایت ۱۹۰۷ء یعنی ۴۵ برس بندوبست کے محکمہ مین مراد آباد، باندہ، گورکھپور، مدایون، میرٹھ وغیرہ ضلعون کی پیمایش کی۔ اکثر موقعون پر انسپکٹر بھی رہے، مگر چونکہ اس محکمہ مین ہمیشہ صرف چھ مہینے کام جاری رہتا ہے اور چھ مہینے بند، اس لئے انھین بجائے ملازمت کے اُجرتی کام پسند تھا جسکی آمدنی سو روپیہ ماہوار سے کم نہ تھی کار متعلقہ کو ہمیشہ نہایت خوش اسلوبی و دیانت داری اور بہت مستعدی و جفاکشی کے ساتھ انجام دیکر نیکنامی حاصل کرتے رہے۔ افسران محکمہ نے خوش ہوکر جو انگریزی زبان مین سارٹیفکٹ عطا فرمائے ہیں، اُن مین سے صرف چند کے ترجمے حسب ذیل ہین۔

(۱) سروے آف انڈیا تصدیق کیجاتی ہے کہ کریم بخش نے ۱۸۷۲ء سے محکمہ سروے میں کام کیا خصوصاً بحکم سری ۵ گورکھپور پارٹی مدت پانچ سال۔ یہ حسب کنی و تخمہ مسطح ہر دو طریقہ سے پیمائش کر سکتے ہین۔ انھون نے خسرہ ضلع گورکھپور پانچ فصلون میں تیار کئے ہین۔ یہ نقشون مین رد و تنائی بھر کر تیار کر سکتے ہین۔ دستخط لفٹننٹ کرنل نحط انگریزی، ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ انچارج نمبر ۵ پارٹی سروے آف انڈیا۔ ۲۷ ستمبر ۱۸۸۸ء (۲) کریم بخش مین نے پانچ ہزار ایکڑ کی اس سال پیمائش کی اور رقبہ صحیح نکالا۔ یہ بہت ہی محنتی اور ایماندار کام کرنے والے ہیں۔ ہم ان کے کام سے بہت خوش رہے۔ دستخط تھامسن اسسٹنٹ سروے ایم۔ سی۔ ایچ کیمپ ممبر، پارٹی نمبر ۵، ایس۔ آئی گورکھپور۔ ۱۶ مئی ۔

شیخ صاحب ناخواندہ محض ہین، ہندی بھی نہین جانتے، صرف انگریزی ہندسون سے واقف ہین، اس لئے ان کا کارنامہ ان کی فطری ذہانت اور قدرت الٰہی کا ایک حیرت انگیز کرشمہ معلوم ہوتا ہے۔ ۱۹ برس کی عمر مین کام کرنا شروع کیا، ۶۵ برس کی عمر مین خانہ نشینی اختیار کرلی۔ اس وقت سن ۸۰ سال کا ہے۔ ولادت ۱۸۴۴ء۔ اولاد مین۔ شکور بخش وغیرہ۔

مرزا غفار بیگ صاحب مُصوّر

عرف مین، مرزا چغتائی، نہایت قابل اور ہوشیار مُصوّر، شبیہ کشی و نقاشی مین مشاق، نکاتِ فن سے بخوبی آگاہ، محقق، صاحب معلومات۔ ولادت غالباً ۱۸۸۶ء۔ خیالی اور نقلی دونون قسمون کی تصاویر کھینچنے مین ید طولیٰ حاصل ہے، تصویرون کی نقلون پر اصل کا اطلاق ہوتا ہے۔ چھوٹی سے بڑی اور بڑی سے چھوٹی تصویرین بنانے مین کافی مہارت پیدا کی ہے۔ کاغذ، دیوار، کپڑے پر قلم سے یکسان خوبصورتی کے ساتھ کام لیتے ہین اور ذرا بھی نقص نہین

[1] دربار اودھ کے استال مین ملازم تھے۔ پنشن پانے کے بعد رائیصاحب کی قدردانی سے دریاباد مین معہ عیال و اطفال سکونت اختیار کرلی تھی بڑے نیک، خلیق اور ملنسار تھے۔ اولاد ابتک موجود ہے ۱۲ [2] رائیصاحب کے یہان ضلعدار، خوش اخلاق، خوش خلق۔ آبائی مکان کی ضروری ترمیم و مرمت کے بعد بطرز جدید ایک نخچہ خوبصورت نشست گاہ بنوا کر اپنی حب الوطنی کی شاندار یادگار قائم کی ۱۲۔

آنے پاتا۔ زمانۂ قدیم کے پختہ اور چمکدار رنگون سے واقف بھی ہین، اور اُن کے تیار کرنے کا معقول طریقہ بھی معلوم ہے۔

ان کے پردادا مرزا تقی بیگ صاحب، جو سردار مرزا بخش اللہ بیگ صاحب ناظم (رئیس دریاباد) کے چھوٹے بھائی کی اولاد مین تھے۔ پہلے رُدولی مین رہتے تھے۔ جب سردار صاحب کا دریاباد مین پورے طور پر قیام ہوگیا اور وہ اطمینان کے ساتھ یہان رہنے لگے تو مرزا تقی بیگ صاحب نے بھی اپنی سکونت دریاباد قرار دی اور رُدولی مین رہنا ترک کردیا بنّن صاحب کے والد مرزا آغا بیگ صاحب اُنھین کے حقیقی پوتے تھے۔ مرزا تقی بیگ صاحب مرزا ملّاق بیگ صاحب کے داماد اور اس رشتہ کی بدولت رئیس کہلاتے تھے، اُن کے مرتے ہی ساری زمینداری غفلت و بے پروائی سے رہن و بیع ہوکر تلف ہوگئی۔

بنّن صاحب فطری مصور ہین، کسی کے شاگرد نہین۔ اِنھون نے خود ہی اپنے قدرتی شوق اور آنریبل رائے راجیشر بلی صاحب منسٹر۔ رئیس اعظم دریاباد کی حوصلہ افزا قدردانی سے اس فن میں خاص کمال پیدا کیا ہے۔ رائیصاحب کے کتب خانہ مین اِن کی مصوّری کے بہت سے دلچسپ اور شاندار نمونے پائے جاتے ہین، جو قدیم تصویرون کی ہوبہو نقلین ہین جن سے شانِ مشاقی، خداداد ذہانت، طبیعت داری، نمایان کامیابی، دانشمندانہ صناعی اور زورِ قلم کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔

مرزا صاحب کو ایک مرتبہ بہرائچ کی نمایش سے ایک سارٹیفکیٹ مرحمت ہوا ہے جس سے اِن کی ابتدائی مشق بھی لایقِ تعریف پائی جاتی ہے۔ ترجمۂ سارٹیفکیٹ حسب ذیل ہے۔

"زراعتی و صنعتی نمایش بہرائچ ۱۹۱۳ء۔ درجۂ اول۔ یہ سارٹیفکیٹ مرزا غفار بیگ ساکن دریاباد ضلع بارہ بنکی کو بہ صلۂ تیاری مونوگرام آر۔ ایل۔ بیج کلارک صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر ضلع بہرائچ، جو کلاس نمایش مین رکھا گیا، اور سب سے اچھا ثابت ہوا، دیا گیا۔ دستخط انگریزی کلارک آئی۔ سی۔ ایس پریسیڈنٹ نمائش، سید رین الباد افسر انچارج نمائش، سید حسین سکریٹری۔ ۳۰ جون ۱۹۱۳ء

نومبر ۱۹۲۱ء مین رائیصاحب کے کتب خانہ مین مذکورۂ بالا تصویرون کو مسٹر جاپلنگ صاحب بہادر کمشنر لکھنؤ نے ملاحظہ فرماکر اظہارِ مسرّت کے ساتھ ساتھ مرزا صاحب کی بہت تعریف کی تھی۔ میم صاحبہ بھی، جو ممدوح کے ہمراہ تھین تصاویر کی بناوٹ، رنگ و روغن، خط و خال، تناسب اعضا، وغیرہ سے بہت خوش ہوئی تھین۔ صاحب بہادر اور میم صاحبہ کو مصوری اور لائبریری سے خاص دلچسپی ہے۔ رپورٹ انڈسٹریل سروے ضلع بارہ بنکی ۱۹۲۳ء (مطبوعہ گورنمنٹ پریس الہ آباد) مین آنریبل رائے راجیشر بلی صاحب کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ مرزا صاحب کا بھی ذکر ہے اور اِن کی مصوری کی تعریف لکھی گئی ہے۔ اسی طرح صوبہ کے بعض معزز اور نامی گرامی انگریزی اخبارون مین بھی ان کا تذکرہ چھپا ہے اور اِن کے کمال فن کی خوب داد دی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علمی دنیا مین دور دور تک غفار بیگ صاحب کا آوازۂ شہرت بلند ہوچکا اور فاضل اصحاب ان کی دلکش اور نظر فریب صناعیون

ف ان کی بی بی اپنے والد مرزا ملّاق بیگ صاحب کی زندگی مین اُنکی رضامندی سے چہارم تعلقہ کی مالک ہوگئی تھین اور اس طرح مرزا تقی بیگ صاحب کو یگانہ اعزاز حاصل ہوگیا تھا۔ ملاحظہ ہو باب ۳ فصل ۱ ذکر مرزا ملّاق بیگ صاحب ۱۲۔

سے خوش ہوکر انکی ثنا و صفت مین رطب اللسان ہو گئے۔

ان کی عمر اس وقت تخمیناً ۳۷ سال کی ہے۔ خلیق، ملنسار، نیک، حسب ضرورت پڑھے لکھے، وضع جدید۔ ان کا ایک بھائی ٹریوے کے دفتر مین (کلکتہ) سو روپیہ ماہوار پر ملازم اور مع عیال و اطفال کلکتہ مین مقیم۔ مرزا صاحب کے خاندانی حالات کی زیادہ وضاحت کے لئے باب ۳، فصل ۱، ذکر مرزا بلاق بیگ صاحب ملاحظہ ہو۔

میر سید علی صاحب

سنی المذہب، حسینی سید، میر کرامت علی صاحب کے بیٹے، فیاض، اپنے ہم وطنون کے اعلیٰ بہی خواہ، مہمان نواز، خضرپور (کلکتہ) مین برف اور سوڈے کی دوکان کے مالک اور ٹھیکہ دار۔ دریاباد سے جو شخص کلکتہ مین ان کے پاس جاتا ہے، اس کی میر صاحب صرف خاطر داری ہی نہین کرتے، بلکہ اُسے روزگار پر بھی لگا دیتے ہین انھون نے معمولی حیثیت سے قابل تعریف ترقی کرکے ایک امیرانہ شان پیدا کی ہے۔ موضع بھلونہ کا کچھ حصہ خرید کیا، آبائی مکان از سر نو پختہ بنوایا، جس سے بزرگون کا نام پھر زندہ ہو گیا، گاڑی گھوڑا مول لیا۔ ابھی اور زمینداری خریدنے کی فکر مین ہین۔ اس سے میر صاحب کی حب الوطنی اور علو ہمتی بھی ظاہر ہوتی ہے۔

ان کے والد میر کرامت علی صاحب کے پردادا میر غلام علی صاحب منگروندہ کے زمیندارون مین تھے۔ اب سے تخمیناً دو سو برس پیشتر قرابت داری کی بنیاد پر اپنا آبائی وطن ترک کرکے دریاباد مین سکونت اختیار کی تھی اور اس طرح اُن کا خاندان یہان قایم ہو گیا تھا۔

میر صاحب چھ بھائی ہین۔ ذاکر علی، سخاوت علی، مبارک علی، عاشق علی، صابر علی، سب کلکتہ مین دوکاندار اور خوشحال۔ میر ذاکر علی صاحب مذہبی خدمت مین قابل تعریف ہین، جنھون نے ایک مسجد کی تیاری مین دو ہزار روپیہ سے زائد چندہ دیا۔ یہ مسجد مردہی محلہ مین انھین کی تحریک پر انھین کے اہتمام مین تعمیر ہوئی ہے۔

سید محمد شفیع و سید محمد رفیع صاحب

سنی المذہب، میر اولاد علی صاحب کے بیٹے، کلکتہ مین نامور کمیشن ایجنٹ، چار پانچ لاکھ کی جائداد کے مالک صاحب اعزاز، خلیق، جوان، نیک۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ محمد شفیع صاحب کو اپنے آبائی وطن سے محبت پیدا ہو گئی ہے۔ چنانچہ حال ہی مین انھون نے دریاباد آکر اپنا قدیم مکان از سر نو پختہ تعمیر کرایا ہے اور آئندہ اسے زیادہ شاندار بنانے کا وعدہ فرمایا ہے۔ موصوف بڑے خوش مزاج اور خوش تقریر اور خوبصورت جوانون مین سے ایک زندہ دل شخص ہین۔ محمد رفیع صاحب کو اردو نظم و نثر سے بڑی دلچسپی ہے، شعر گوئی اور نثر نگاری کا شوق رکھتے ہین۔ تمہیر تخلص ہے، ایک رسالہ "خلافت کا چاند" کے نام سے تالیف فرمایا ہے، جو چھپ کر شایع ہو چکا ہے۔ ان مین بھی بوئے حب الوطنی پائی جاتی ہے۔ تاریخ دریاباد کی سرپرستی بخوشی قبول کرکے مالی امداد دینا اس بات کی دلیل ہے۔

بابو سید حاکم علی صاحب

سُنّی المذہب، مولوی ناظم علی صاحب کے بیٹے، مولانا کاظم علی صاحب کے حقیقی بھتیجے، بی۔ این۔ ڈبلو ریلوے کے متعلق ڈی۔ ٹی۔ ایس آفس گونڈہ مین اسسٹنٹ ہیڈ کلرک، نیک طینت، خلیق، ملنسار، کار متعلقہ مین ہوشیاری و مستعدی کے ساتھ مشغول۔ تخمیناً ۵۰ برس کا سن۔ ولادت غالباً ۱۸۷۲ء، صاحب اولاد۔

بابو جے دیال صاحب

جین، از فرقہ دگامبری، لالہ ہرپرشاد صاحب کوٹھی وال کے بیٹے۔ عرصہ تک اودھ و روہیلکھنڈ ریلوے مین کانپور کے اسٹیشن پر چیف پارسل کلرک رہے، ۱۹۱۰ء مین ریٹایر ہوکر خانہ نشین۔ تخمیناً ۷۲ برس کا سن ولادت غالباً ۱۸۵۲ء۔ انھوں نے بصرف کثیر فروری ۱۹۲۲ء مین رتھ جاترا کا جشن منایا تھا۔ خلیق، مروت دار، نیک دل، مذہب کے پابند، صاحب اولاد، خاندانی حالات کے لئے باب ۵ فصل ۱ مین لالہ ہرپرشاد کا بیان ملاحظہ ہو۔

بابو چھوٹے لال صاحب

بابو جے دیال صاحب کے فرزند دوم، کانپور کے اسٹیشن پر چیف پارسل کلرک، فیاض، نہایت نیک، خلیق، مروت کرم کے پابند، ولادت ۱۸۸۹ء۔ اس وقت تخمیناً ۳۵ سال کا سن۔ ان کے بڑے بھائی بابو دھن کمار داس صاحب انگریزی مین اچھی قابلیت رکھتے ہین پہلے ریلوے مین ملازم تھے، اکثر ملون مین بھی نوکری کی ہے۔ آج کل مکان پر خانگی امورات مین مصروف۔ عمر تخمیناً ۴۰ سال۔

سید ناصر علی صاحب منصرم پنشنر

سید عالم علی صاحب کے فرزند اول، اپنے والد کی طرح دیانت داری مین قابل ذکر، قناعت پسندی مین لائق تعریف۔ ولادت ۱۸۷۵ء۔ ۲۱ سال کی عمر مین پہلے الہدفوجداری، بعد اس کے الہدمال پھر یکم جنوری ۱۹۰۶ء سے ریاست محمود آباد مین ملازمت کی۔ ۶ جنوری ۱۹۰۶ء لغایت ۱۲۔ اکتوبر ۱۹۰۶ء گرداوری (مشاہرہ پچاس روپیہ) کا کام کیا۔ ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۰۶ء لغایت ۲۱۔ اکتوبر ۱۹۱۵ء ستر (۷۰) روپیہ ماہوار کے مشاہرہ پر محاسب رہے۔ ۲۲۔ اکتوبر ۱۹۱۵ء سے ۷۔ ستمبر ۱۹۲۲ء تک منصرمی کا عہدہ انجام دیتے ہوئے ایک سو روپیہ ماہوار کے مشاہرہ سے پنشن حاصل کی۔ آج کل خانہ نشین، پچاس روپیہ ماہوار پنشن۔

منصرم صاحب ۹½ سال گورنمنٹ کے ملازم رہے، ۱۱ سال ریاست محمود آباد مین نوکری کی، دونون جگہ فطری دیانت داری و نیک نیتی اور راستگوئی و محنت اور حسن کارگذاری کے باعث ہمیشہ نیک نام رہے، اور

اپنے قابلِ تقلید طرزِ عمل کی وجہ سے محمود آباد ایسی عالی شان اور نامی گرامی ریاست مین باوجود کم علمی (معمولی اُردو دانی) کے معزز منصب پر پہونچکر شہرت اور ہر دلعزیزی کے خلعت سے سرفراز ہوئے۔ اِن کے یہان جو اسناد دیکھنے مین آئے ہین، اُن سے اِن کے اوصاف حمیدہ اچھی طرح ظاہر ہوتے ہین۔ اسناد کی چند نقلیں حسب ذیل ہین۔

"(۱) ناصر علی عہدہ دار ایک لائق اہلکار ہے۔ وہ وقت کا پابند ہے اور اس وجہ سے اُس کا کام روز کا روز ہو جاتا ہے۔ وہ محنتی ہے اور ساتھ ہی اس کے اپنے کام مین ہوشیار ہے۔ اُس کا کام ویسا ہی صاف ہے جیسا کہ ہونا چاہئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُس کو اُس کے والد کی مشہور صفت دیانت داری وراثتاً ملی ہے۔ دستخط، گریزی شیخ محمد حبیب اللہ ڈپٹی کلکٹر کھیری۔ ۱۱ نومبر ۱۹۱۸ء (۲) من تسیح حبیب اللہ صاحب ڈپٹی کلکٹر کی تحریر کی تائید کرتا ہون۔ دستخط ینڈس مالک لال ڈپٹی کلکٹر کھیری۔ ۸ جنوری ۱۹۱۹ء (۳) نہایت راست باز اور صاف کام کرنے والے ہین۔ ایمانداری اِن کو وراثتاً ملی ہے۔ مین ایسے افسران نگران کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہون دستخط شیخ حبیب اللہ مدار المہام ریاست محمود آباد۔ ۷ مارچ ۱۹۲۱ء۔ ماخوذ از نقل سروس بک ریاست محمود آباد (اسی ناصر علی صاحب) جو ضابطہ ریاست کی مہر سے مُزیّن ہے۔"

ناصر علی صاحب نہایت نیک، خلیق، مروت دار، غیر متعصب، روزہ و نماز کے پابند، کم سخن، مستقل مزاج، ملنسار، صاحب اولاد، سن اس وقت ۴۹ سال کا ہے۔

پنڈت کشوری سرن شاستری

از نسل تیوارام دُکاستی رام پانڈے، دوارکا پرشاد پانڈے کے بیٹے، ساہتیہ یعنی علم ادب کے اعلیٰ ماہر پہلے دریاباد کے اسکول مین بھاشا کی تعلیم پائی، چودہ برس کی عمر مین مڈل کلاس کی سند ملی۔ بعد اُس کے کچھ دن اجودھیا مین سنسکرت پڑھی، پھر بنارس کے گورنمنٹ سنسکرت کالج مین داخل ہوئے۔ اپریل ۱۹۲۴ء مین ساہتیہ یعنی ادب کے متعلق شاستری کا درجہ یعنی بی۔ اے پاس کرلیا۔ ۲۶ سال کی عمر۔ تاریخ پیدائش قیاساً ۱۸۹۸ء۔ خلیق، تیز طبیعت، یک محنتی

حکیم مولوی سیّد نذیر احمد صاحب

مولوی محمد حاتم علی صاحب کے بیٹے، مولانا محمد کاظم علی صاحب کے پوتے، علم طب مین قابل۔ ۱۷ برس کی عمر مین اسکول دریاباد سے مڈل کلاس کی سند حاصل کی۔ چار برس لکھنؤ مین عربی و فارسی کی تعلیم پائی۔ بعد تکمیل علوم ۱۹۲۱ء مین تکمیل الطب کالج لکھنؤ مین داخلہ ہوا۔ دسمبر ۱۹۲۳ء مین درجۂ اعلیٰ پاس کیا اور ۲۳ مارچ ۱۹۲۴ء کو سالانہ جلسہ مین جناب آنریبل نواب صاحب چھتاری (منسٹر) نے سندِ طب عطا فرمائی۔ آج کل طبابت مین مشغول، ہونہار، خلیق، نیک، ۲۴ سال کی عمر۔ تاریخ ولادت غالباً ۱۹۰۰ء۔

بابو شاہ محمد صاحب ٹکٹ کلکٹر

شیخ مولوی کرامت علی صاحب کے اکلوتے بیٹے، بنارس چھاونی کے اسٹیشن ٹیکٹ کلکٹر محنت و مشقت اور دانشمندانہ کارگذاری و بلند حوصلگی مین قابل قدر۔ ولادت ۱۸۸۴ء۔ ان کے دادا مولوی جمعیت علی صاحب میلا ائے گنج سے بہ سلسلۂ قرابت دریاباد مین سکونت پذیر ہوئے تھے۔ مولوی کرامت علی صاحب کی پیدائش دریاباد ہی مین ہوئی تھی مولوی صاحب نے تمام عمر درس و تدریس مین بسر کی۔ عرصہ تک دیہاتی مدرسون مین بہ عہدۂ افسر مدرسی لڑکون کو تعلیم دیتے رہے، نو روپیہ ماہوار تنخواہ تھی۔ ضعیفی میں اپنے وطن دریاباد آکر قلیل تنخواہ پر معلم گیری اختیار کی۔ تھوڑا زمانہ ہوا کہ وفات پائی۔

شاہ محمد صاحب نے دریاباد کے اسکول مین تیسرا درجہ پاس کرکے پرائیویٹ طور پر کچھ انگریزی پڑھی۔ ۱۶ برس کی عمر مین پہلے پڑھانے کی نوکری کی مختلف جگہون مین معلم گری کرنے کے بعد ڈاکخانہ حضرت گنج لکھنؤ مین پوسٹمین ہوئے، تین برس کے بعد ڈپارٹ کلرک ہوکر دو برس تک اتنا کام نہایت خوبی کے ساتھ انجام دیا۔ سنہ ۱۹۱۱ء مین اس محکمہ سے علیحدہ ہوکر ریلوے کی ملازمت اختیار کی اور بیس روپیہ ماہوار پر ٹکٹ کلکٹر ہوئے۔ اپنی محنت و جانفشانی اور ایمانداری و حسن کارگذاری سے افسرون کو ایسا خوش کیا کہ اب پینتالیس روپیہ ماہوار مشاہرہ ہوگیا۔ امید ہے کہ شاہ محمد صاحب بہت جلد اس سے بڑا عہدہ حاصل کرینگے۔

بابو صاحب کے والد معمولی حیثیت کے آدمی تھے۔ مگر انھون نے محنت و مشقت اور فطری دانائی و کوشش سے نہ صرف ملازمت کے سلسلے مین ترقی کرکے اطمینان سے بسر ہونے کی صورت پیدا کی، بلکہ بچا سی بیگہ خام آراضی بھی باضابطہ عدالت سے ذریعۂ ڈگری ۱۵۔ نومبر ۱۹۲۳ء کو حاصل کرلی، ساتھ ہی اس کے تین باغون کی ملکیت بھی مل گئی۔ اس کے علاوہ ریلوے فنڈ مین بہ تنخواہ ایک کثیر رقم بھی جمع ہوچکی ہے جس مین تاریخ ملازمت برابر اضافہ ہوتا رہے گا۔

خدا کے فضل سے اب اس وقت شاہ محمد صاحب ٹکٹ کلکٹر ہونے کے ساتھ ساتھ زمیندار بھی ہین اور سرمایہ دار بھی۔ نہایت خلیق اور ملنسار، نیک چلن، منکسر المزاج، قانع، ہر دلعزیز، خوش تقریر، خوش نصیب، صاحب اولاد۔

شیخ رحیم بخش صاحب

شیخ کریم بخش صاحب امین کے بیٹے، کارچوب اور چکن کے کام مین نہایت ہوشیار۔ کارچوب بابو اوستاد لکھنؤ اور چکن کا فن تاج خان صاحب لکھنوی سے حاصل کیا۔ عرصہ سے رائے صاحب کے یہان جمعدار عمر تخمیناً ۴۲ سال، ولادت غالباً ۱۸۸۲ء۔ خلیق، محنتی، ہونہار۔

سید نظیر علی صاحب موٹر ڈرائیور

سید وزیر علی صاحب کے بیٹے۔ پندرہ برس تک کلکتہ مین موٹر ڈرائیوری کا کام کرتے رہے۔ کلکتہ کی فرنچ کمپنی مین اس فن کو حاصل کرکے اچھی شہرت حاصل کی۔ آج کل لکھنؤ مین موٹر کار کے متعلق پرزون وغیرہ کی

دوکان کھولنے کی فکر میں ہیں۔ تخمیناً ۳۵ برس کا سن، ولادت غالباً ۱۸۸۹ء۔

شیخ عظیم بخش صاحب

شیخ رحیم بخش صاحب جمعدار کے حقیقی بھائی، موٹر ڈرائیوری میں لائق تعریف عرصہ تک نواب سلطان علی خان بہادر (کشمیری محلہ لکھنؤ) کے یہاں ملازم رہے۔ اب بمبئی وغیرہ میں ملازمت کرنے کا ارادہ ہے۔

حافظ عبدالرحیم صاحب

نہایت خوش آواز، مثنوی مولانا روم اور قصۂ ہنس جواہر کو نہایت خوش الحانی سے پڑھتے ہیں۔ صوفیہ کرام کی صحبت کا فطری ذوق ہے چوٹ کھایا ہوا دل رکھتے ہیں۔ اساتذہ کا کلام ایک خاص انداز اور اثر سے پڑھتے ہیں محفل سماع میں حافظ صاحب کی موجودگی اکثر باعث گرمی محفل ہوتی ہے۔ آدمی ذی استعداد، پابند صوم وصلوٰۃ، نیک خلیق، ملنسار، خوش مزاج۔ ولادت غالباً ۱۸۸۶ء، اس وقت عمر تخمیناً ۶۰ سال کی ہے۔

پیشہ ور لوگ

لالہ سیتل پرشاد۔ عرف سیتل ساہ، جیس فرقۂ دگامبری، از نسل سیتا رام ساہ، لالہ بھیدی لال کے بڑے بیٹے، پیشۂ سرافی میں فرد، کنوتاں دریا باد کے خزانچی۔ بھائی کی شادی میں کوالعرمی کی وہ شان دکھائی کہ آرہ شہر میں نام ہوگیا۔ نیک، ملنسار، خوش مزاج، مروت دار، ۳۵ برس کی عمر، ولادت غالباً ۱۸۸۵ء۔

بھولا پرشاد۔ عرف بھولا، دیش، اچھے خاصے دہ کا مدار اور تھوک فروش۔ ان کی دوکان پر کرانہ کے علاوہ دیگر ضروری چیزیں بھی فروخت ہوتی ہیں۔ مذہبی فرض کی ادائیگی میں انھوں نے اچھا خاصا نام پیدا کیا ہے۔ جگناتھ اور گیا کا جاترا کرنے کے بعد وہ دھوم دھام سے "برم بھوج" (مذہبی دعوت) کیا کہ دور دور تک واہ واہ ہوگئی۔ بھولا کا سن اس وقت تخمیناً ۵۰ سال کا ہے، اولاد میں دو لڑکیاں۔ ولادت ۱۸۷۲ء۔

افضل حسین۔ مشہور قوال، حاجی غفور بخش کے چھوٹے بیٹے، قوالی میں اپنے والد کے شاگرد، حسب ضرورت فارسی سے آشنا۔ عنوان شباب میں ردولی کے سجادہ نشین حضرت شاہ التفات احمد کی توجہ ان پر مبذول ہوگئی، جس سے میدان افضل کی شہرت میں، جو بچپن سے ہونہار تھے، چار چاند لگ گئے، اور اب تو یہ عالم ہے کہ دور دور تک ان کی چوکی کا کوئی ہمپایہ نہیں۔ بڑے بڑے اعراس میں حاضر ہوتے اور میدان مسابقت میں اپنے ہمچشموں سے دوسرے نمبر پر نہیں رہتے۔ اساتذۂ قدیم اور جدید کا منتخب کلام خوب یاد ہے اور پھر لطف یہ کہ محفل کے رنگ کو خوب پہچانتے ہیں۔ خدا نے حافظہ ایسا دیا ہے کہ بہت تھوڑے وقت میں بڑی بڑی غزلیں حفظ کر لیتے ہیں۔ بعض

وقت محفل قوالی مین خود بھی متاثر ہو جاتے ہین، اُس وقت ایسا سماں باندھ دیتے ہین کہ حاضرین کو اپنے تن بدن کا ہوش نہین رہتا۔ تخمیناً ۴۵ برس کا سن، صاحب اولاد، ولادت تخمیناً ۱۸۷۵ء۔

اصغر علی ۔ سلاری قوال کے بیٹے کلام فارسی، اُردو، ہندی خوب یاد، محفل کا رنگ خوب پہچانتے ہین۔ فرزند دلپذیر آباد، اور لکھنؤ (شاہجہان پور) ایسے نامی گرامی قوالون کے ساتھ رہ کر اپنے فن مین ہوشیار ہو جانے کے علاوہ اچھی خاصی شہرت بھی حاصل کی ہے۔ ایک مدت تک عظیم آباد کے ایک رئیس کے یہان قیام رہا۔ تھوڑے دن سے خیر آباد مین سکونت اختیار کر لی ہے۔

حشمت علی ۔ برادر حقیقی وزیر جان طوائف، ہارمونیم بجانے مین دُور دُور تک مشہور و معروف، اور اس فن مین ہندوستان کے نامی گرامی اوستاد گنپت راؤ گوالیاری کے شاگرد، علم موسیقی کے بھی ماہر طبلہ کے فن سے بھی آشنا۔ موسیقی کا فن چھوٹے منّے خان لکھنوی سے حاصل کیا۔ طبلہ کا فن لکھنؤ کے مشہور اوستاد "لاڈلے" سے سیکھا۔ بنارس، گورکھپور، گیا، پٹنہ، اعظم گڈھ، مُرشد آباد وغیرہ شہرون مین ان کی خاص شہرت ہے۔ تھوڑے عرصہ سے تارک الوطن۔

آغا علی و خورشید علی ۔ حشمت علی کے حقیقی بھائی، سارنگی کے فن مین قابل، موسیقی مین صاحب استعداد، یوسف علی خان لکھنوی کے شاگرد، گورکھپور، پٹنہ وغیرہ مین مشہور، فی الحال تارک الوطن۔

منتظم حسین ۔ عرف منتظم، اعلیٰ سارنگی نواز، یوسف علی لکھنوی کے شاگرد، ہارمونیم کے قانون سے بھی واقف، گورکھپور وغیرہ کے اطراف مین اچھی طرح مشہور۔ انھون نے ذاتی طور پر ایک پختہ مکان بنوا کر اپنے بزرگون کے مٹے ہوئے نام و نشان کو نئے سرے سے قایم کر دیا ہے، جس سے ان کی حب الوطنی ثابت ہوتی ہے۔

امیر جان عرف اچھن بائی، جادی جان طوائف کی بیٹی، فن موسیقی مین کامل چھجو خان مراد آبادی کی شاگرد رشید۔ اچھن بائی نے علاوہ چھجو خان کے دیگر نامی نامی اوستادون سے بھی اس فن کو حاصل کیا ہے۔ اس وقت اودھ کے علاوہ ممالک متحدہ مین بھی ان کے گانے کی خاص طور پر شہرت ہے، اور اودھ مین تو ان کا کوئی مقابل ہی نہین۔ انھون نے اپنے بہن کے لڑکے تقی حسین کو انگریزی کی تعلیم دلوا کر بی۔ اے پاس کرایا ہے، آج کل وہ قانونی تعلیم مین مصروف ہین۔ اس سے بائی جی کی روشن خیالی ظاہر ہوتی ہے۔ تھوڑا زمانہ ہوا کہ اچھن بائی نے اپنے گھر والون کے بیجا برتاؤ کے باعث تنگ آکر دریاباد سے لکھنؤ مین سکونت اختیار کی ہے، جہان حال ہی مین دین دیال روڈ پر ذاتی بہت عمدہ پختہ مکان (دو منزلہ) بنوایا ہے، لیکن، دریاباد مین ان کا آبائی مکان (پختہ و خام) بدستور ابتک موجود، جس پر ان کے حقیقی بھائی منیر الزمان عرف میان منیر قابض اور پیشۂ عطاری سے خوش۔

پتلی بائی ۔ اصلی نام عزت النساء، منتظم حسین سارنگی نواز کی بیٹی، نغمہ سرائی مین قابل تعریف، رامپور کے مشہور منشی آمن خان کی شاگرد، گورکھپور وغیرہ شہرون مین ناموری حاصل کر رہی ہین۔

سورج بلی ۔ میڈی لال کا لڑکا، گھوڑے کا ساز اور تلوار کی میان خوب بناتا ہے۔ جلد سازی کے فن

مین بھی مہارت ہے۔ اولاد مین رام بلی، جیدیال، بھاگو، لکھنؤ اور کلکتہ کے "لوکو" مین ڈھلائی کے کام پر تعینات، پچاس ساٹھ روپیہ ماہوار تنخواہ۔

الہ دین - حجام، نبی بخش کا بیٹا، مشین کے ذریعہ سلائی کے کام مین نہایت ہوشیار۔ سلائی بہت عمدہ اور مضبوط ہوتی ہے۔ اچھے اچھے توقیعی اصحاب نے اس کے تیار کئے ہوئے اچکن اور کوٹ کے متعلق "کالر" کی خاص طور پر تعریف کی ہے۔ تیر دانی اچکن کی قطع و برید مین اسے اعلیٰ مہارت ہے۔ اس نے اپنے قوتِ بازو سے اس فن کی بدولت اچھی حیثیت پیدا کی ہے۔ خام مکان کو از سر نو پختہ بنوا کر اپنے بزرگون کا نام دوبارہ زندہ کر دیا۔ الہ دین تعزیہ دار، سنی المذہب، روزہ و نماز کا پابند، نیک اور جوان آدمی ہے۔ عمر تخمیناً ۴۲ سال۔ ولادت غالباً ۱۸۸۰ء۔

رزاق بخش - عرف رزاق، سنی المذہب، فقیر بخش نائی کا بیٹا، فن جراحی مین ہوشیار، اور اس فن مین اپنے باپ کا شاگرد، خوشحال، نیک۔ حال مین اس نے اپنے باپ دادے کا نام روشن کرنے کی غرض سے قدیم مکان کو پختہ بنوانا شروع کیا ہے، جو بہت جلد تیار ہو جائے گا۔ اس کی عمر اس وقت تخمیناً ۶۶ سال کی ہے۔ ولادت ۱۸۵۸ء۔

مولہے - بھاگو نائی کا بیٹا، سُنّی، بغیر پانی استعمال کئے ایسا خط بناتا ہے کہ طبیعت خوش ہو جاتی ہے بہت نیک، فرمانبردار، لاطمع۔ عمر ۵۲ سال، ولادت قیاساً ۱۸۷۳ء۔

عیدو - کریم نائی کا بیٹا، تاشا خوب بجاتا ہے، اس ہنر کو اپنے باپ سے سیکھا تھا۔ اس وقت عمر تخمیناً ۶۶ سال کی ہے۔ ولادت غالباً ۱۸۵۸ء۔

رحیم بخش - عرف رحیم، مشہور بہروپیا، مشہور اوستاد مدح خان کا شاگرد، اس نے اکثر ریاستون مین بعض بعض موقعون پر اچھے اچھے بہروپیون کے سامنے اپنا کمال فن دکھلا کر انعام حاصل کیا ہے۔ دور دور تک شاہ پور، دھناؤان، جنداپور، کھجورگانون وغیرہ مشہور ریاستون مین اس کا سالانہ چندہ مقرر ہے۔

رحیم بخش - عرف رحیم، کباب بنانے مین خاص شہرت رکھتا ہے۔ بھاگو کا شاگرد۔ مخدوم زادگان سکونت۔ عمر تخمیناً ۴۵ سال۔ ولادت غالباً ۱۸۷۵ء۔

عبداللہ شاہ - لائق بوٹ ساز۔ لکھنؤ کا مشہور کارخانہ "سیٹرجی کمپنی" مین بوٹ سازی کا فن حاصل کر کے اچھی خاصی مہارت پیدا کی۔ بالفعل رئیس رہرہ مئو (بارہ بنکی) کے بیج کے طور پر ملازم۔ ولادت ۱۸۸۲ء۔

بھوسی - ستان بخار کا بیٹا، زمانہ حال کے فن نجاری سے اچھی طرح واقف۔ فرنیچر کے متعلق میزین، کرسیان، الماریان وغیرہ ہر قسم کی چیزین خوبصورت اور نفیس بناتا ہے۔ آج کل "مرے کمپنی" لکھنؤ مین ملازم، ۱۲ سال کی عمر، کرمہ روشن لال سکونت۔ ولادت ۱۹۰۲ء۔

رام اوھین - انگنو مالی کا بیٹا۔ کپڑے کے پھول، پتیان، پھولون کی کلیان، کپڑے کے پھولون کی دیوار گیریان گلدستے وغیرہ ایسے بناتا ہے کہ نقل پر اصل کا گمان ہوتا ہے۔ ۴۰ سال کا سن۔ ولادت ۱۸۸۴ء

نواب۔ اصل نام، پٹھان، نہایت طاقتور اور غیر معمولی بارکش۔ اب سے ۲۵ برس قبل بڑے سے بڑا زبردست بوجھا پھول کے مانند اُٹھا لیتے تھے۔ آٹھ نو پنسیری کی آٹھ یا نو گڑ کی باریان (وزن فی باری ایک من یعنی چوبیس سیر سخیتہ) ڈیڑھ دو میل کے فاصلہ سے دریاباد اپنے سر پر لانا اِن کے نزدیک ایک معمولی بات تھی۔ دو من پختہ کرانے کا بورا سعادت گنج سے دریاباد سات کوس بآسانی لے آنا بائین ہاتھ کا کھیل تھا۔ یہ نہ بوجھا خود لادتے تھے نہ اُتارتے۔ آپ جتنا چاہتے، قاعدے سے سر پر لاد دیتے نواب کو پہونچا دینے مین عذر نہ ہوتا۔ لیکن، موقع پر اگر آپ نہ پہونچتے تو بوجھا سر سے زمین پر آرہتا۔ انھین مقام پر پہونچ کر پھر انتظار کرنا قیامت کا سامنا تھا۔ اب تک زندہ، اسّی یا نوے برس کا سن، سکونت کٹرہ روشن لال۔ امیر خان کے مکان سے متصل۔

آٹھوان باب

پرگنہ دریاباد کا بیان

پہلی فصل پرگنہ کی وسعت و آبادی وغیرہ کے بیان مین

پرگنہ دریاباد۔ یہ بڑا پرگنہ تحصیل سنہی گھاٹ کا شمالی حصّہ بناتا ہے۔ اسکی وسعت مشرق مین دریائے گھاگھرا سے لیکر مغرب مین پرگنہ پرتاب گنج اور تحصیل نواب گنج تک ہے۔ اس کے شمال مین بدوسرائے، رام نگر، تحصیل فتح پور، دکھن مین سورجپور، پرگنہ بسوڈھی و رُدولی۔ رقبہ ایک لاکھ ۳۸ ہزار ۸۸۵۔ ایکڑ یا تخمیناً ۲۱۷ مربع میل ہے۔ سنہ ۱۹۰۰ء کی مردم شماری مین ایک لاکھ ۳۹ ہزار ۱۹۹۔ آبادی تھی۔ ہندو ایک لاکھ ۱۸ ہزار ۴۶۶، جین ۳ ہزار ۹۰ مسلمان، باقی جین وغیرہ۔ اس پرگنہ مین آمد و رفت کے ذرائع اچھے ہین۔ پرگنہ کے جنوبی حصّہ مین اودھ۔ رہیلکھنڈ ریلوے کی لوپ لائن ہے، جس مین دریاباد، سید خانپور دو اسٹیشن ہین اور صفدر گنج پرگنہ کی آخری حد پر واقع ہے۔ یہان تین پختہ اور کئی ایک خام سڑکین ہین۔ کلیانی ندی کے قریب موضع رائے پور سے متصل آج کل ایک عالی شان کوٹھی راجہ راجوان راجہ شیو راج مہاراج دھرمونت بہادر آصف جاہی رئیس و سر دفتر مال ریاست حیدرآباد کے حکم سے تعمیر ہو رہی ہے جو تھوڑے دنون مین تیار ہو جائیگی۔

دوسری فصل مشہور ریاستون کے بیان مین

ہڑا۔ دریاباد سے ۱۰ میل کے فاصلہ پر بجانب شمال و مغرب، پرگنہ مین سب سے بڑا اور زرخیز تعلقہ، سورج

لہ از ڈسٹرکٹ گزٹ بارہ بنکی مطبوعہ سنہ ۱۹۰۴ء ۱۲۔

ونشی تعلقدارون کی ملکیت - یہان راجہ پرتھی پت سنگھ صاحب بہت نامی تعلقدار گذرے ہین، جو بہادر بھی تھے اور منتظم وعلم وہنر کے قدردان بھی - سُنا جاتا ہے کہ راجہ صاحب سکے کے حروف انگوٹھے سے مل کر غائب کر دیتے تھے - عرصہ سے تعلقہ کا صدر مقام رانی کٹرہ قرار پایا ہی جسے راجہ چھتر پتی سنگھ صاحب کی بی بی رانی رتن کنور صاحبہ نے آباد کرایا تھا - کٹرہ مین مدرسہ، ڈاکخانہ، بازار اور راجہ صاحب کا پختہ مکان ہی، جو منشی سورج بلی صاحب منیجر ریاست کے زیر اہتمام تیار ہوا تھا - آج کل راجہ رگھوراج بہادر سنگھ صاحب تعلقہ کے مالک اور صاحب اولاد -

کمیار - دریاباد سے ۱۰ میل کے فاصلہ پر بجانب شمال دریائے گھاگھرا سے متصل واقع - ٹھاکر شیر بہادر سنگھ صاحب یہان کے تعلقدارون مین نامی تھے - یہ تعلقہ بارہ بنکی، گونڈہ، بہرائچ تین ضلعون مین منقسم ہی - موجودہ تعلقدار کے وقت سے تعلقہ کا صدر مقام گونڈہ کے ضلع مین پہلے چھاونی تھا، اب پہلا دگنج ہے -

میلا رائے گنج - دریاباد سے ۱۰ میل پچھم طرف - یہ تعلقہ "میلا" اور "رائے گنج" دو موضعون سے نامزد ہے - شیخ نوشاد علی خان صاحب یہان کے مشہور تعلقدار تھے جو تعلیم یافتہ اور روشن خیال رئیس ہونے کے علاوہ اُردو کے مشہور شاعر اور سخن فہم وجوہر شناس بھی تھے - سنہ ۱۹۱۰ء مین لاولد وفات پائی - اس وقت لفٹنٹ راجہ امتیاز رسول خان صاحب اے - ڈی - سی گورنر متحدہ تعلقہ کے مالک -

سیدن پور - دریاباد سے پانچ کوس مغرب - شیخ عنایت اللہ صاحب نائب ریاست محمود آباد اور ممبر انجمن ہند لکھنؤ یہان کے مشہور تعلقدار تھے - آج کل شیخ حبیب اللہ صاحب ڈپٹی کمشنر، شیخ حامد علی صاحب، شیخ نعیم اللہ صاحب اس تعلقہ پر قابض - سیدن پور کے آم مشہور ہین - یہان مدرسہ ہے -

رانی مئو - دریاباد سے گوشۂ شمال و مشرق چھ میل کے فاصلہ پر تعلقہ ہڑہا کی سب سے بڑی اور مشہور و معروف شاخ، شاہی مین یہان کی گڑھی مشہور، چارون طرف خاردار جنگل، خندق، دو ضرب توپ - ٹھاکر اوتار سنگھ کے زمانے مین رانی مئو کو بہت عروج ہو گیا تھا - اس مین ہر فرقہ اور ہر پیشہ کے لوگ بکثرت آباد تھے - رانی مئو مین نامی نامی بزرگ گذرے ہین - ٹھاکر گنگا سنگھ صاحب اُولوالعزم، بے مثل رعایا پرور اور بڑے منتظم تھے - ان کے پوتے شیودت سنگھ، جگت سنگھ، عجب سنگھ، ارجن سنگھ - **شیودت سنگھ** صاحب بڑے خوبصورت اور رعب دار جوان سپاہی تھے - بادشاہ اودھ کے دربار مین باریاب ہو کر خلعت سے سرفراز ہوئے تھے **جگت سنگھ** صاحب ریاست شاہ پور مین ٹھاکر مہر تجے بخش سنگھ صاحب کے مصاحب خاص، نشانہ بازی اور جرات اور بھیڑتی مین خاص طور پر مشہور - بندوق سے چلر باگھ مار ڈالے تھے، جن مین ایک نو ہاتھ کا تھا - زمین سے نشانہ لگاتے تھے، مچان پر نہین بیٹھتے تھے - **عجب سنگھ** صاحب ان کا بیان سکر درعا مین درج کیا گیا ہے - **ارجن سنگھ** صاحب، بہادر، رعب دار، گران ڈیل، قانع، صلح پسند آزاد طبیعت، فیاض اور منتظم تھے - شیودت سنگھ صاحب کی نسل مین ٹھاکر اوتار سنگھ صاحب بڑے منتظم اور نامی رئیس ہوئے - یہ آخر واجد علی شاہی مین تعلقہ ملکھہ پر قابض ہو گئے تھے - لیکن، غدر کے بعد انگریزی انتظام ہونے کے وقت

---

[1] اقرار نامہ منگل سنگھ وغیرہ زمینداران منسور پرگنہ دریاباد سے پتہ چلتا ہی کہ راجہ صاحب سنہ ۱۲۳۳ھ مین بہ قید حیات تھے ۱۲

چند روز تک غیر حاضر رہنے کی وجہ سے بلکرہ ان کی ملکیت سے نکل گیا۔ پختہ بندوبست کے زمانے مین رانی سوبا ضابطہ تعلقہ قرار پایا اور اوتار سنگھ صاحب ایکٹ ۲ کے تعلقدار تسلیم کئے گئے۔ ٹھاکر جانکی پرشاد سنگھ صاحب۔ ٹھاکر اوتار سنگھ صاحب کے پوتے، ٹھاکر جنگ بہادر سنگھ صاحب تعلقدار کے فرزند اکبر، خوبصورت، جوان طاقتور، جامہ زیب، حکام رس قدردانِ علم و فن، نفیس مزاج، امیر طبیعت، خوش اخلاق، بامروت، خوش پوشاک، مذہب کے پابند، بڑے اولوالعزم اور فیاض رئیس تھے۔ ناگری زبان کے بہت بڑے حامی تھے۔ عیش پرستی و بادہ نوشی سے سخت نفرت تھی۔ دنگل اور تھیٹر کا بیحد شوق تھا۔ قوٹ گرانی مین اچھی مہارت پیدا کی تھی۔ گھوڑے پر خوب سوار ہوتے تھے۔ نشانہ بازی مین شہرت رکھتے تھے۔ پتنگ، تاش، چوسر، بازدبکری اور بلیرڈ وغیرہ سے بھی دلچسپی تھی۔ بنارس کے نامی گرامی پنڈت مہامہوپادھیائے شیوکمار شاستری، مہامہوپادھیائے سدھاکر شاستری وغیرہ ان پر خاص مہربان تھے۔ حضرت میان سید غلام رسول صاحب مرحوم (گرونڈہ) حکیم مولوی محمد عبدالحسیب صاحب (دکیاباد) ڈاکٹر عبدالرحیم صاحب مرحوم (اسسٹنٹ سرجن وکٹوریا گنج لکھنؤ) سے خاص تعلقات تھے۔ آج کل کے چھتریون مین ٹھاکر صاحب اول سورج ونش چھتری تھے، جن کے دم سے ان کے حقیقی بھائی دوارکا پرشاد سنگھ کا "یگیوپویت" (جنیو پہننے کی رسم) دھرم شاستر کے اصول پر بڑی دھوم دھام سے ہوا تھا۔ ۳۶ برس کی عمر مین ۱۰ جولائی سنہ ۱۹۱۰ء کو دفعتہً انتقال ہوگیا۔ اولاد مین دھرابندھ سنگھ بقید حیات۔ ریاست کورٹ، مکان ویران۔ حال مین یہان ڈاکخانہ و کانجی ہوس قایم ہوا ہے۔

بشن داس پور۔ بانی لالہ بشن داس صاحب کھرے۔ کھرے کائستھون کی ملکیت، عرصہ سے برائے نام، مرزا محمد یوسف بیگ صاحب قابض۔ **حمید نگر**۔ مشہور تعلقہ۔ چودھری عباس علی صاحب کے وقت مین یعنی اب سے نصف صدی قبل شکست ہوگیا۔ **سکری جیول**۔ پھاٹک اندر والے ماتھر کائستھون کی ملکیت مین اب سے ایک صدی پیشتر موجود تھا۔

کھجوری۔ چالیس مواضعات کا زرخیز اور مشہور تعلقہ۔ بانی رامچند بیس ٹھاکر، موضع کھجور گانون علاقہ بیسواڑہ کے رہنے والے تھے۔ سات سو برس ہوئے کہ علاءالدین غوری کے زمانے مین صوبہ دار کے ہمراہ یہان آئے اس وقت بھڑ قوم کا اس طرف راج تھا۔ رامچند نے بھڑ قوم کے اخراج مین صوبہ دار صاحب کو کافی مدد دی۔ اس

ٹھاکر صاحب کے وقت مین ریاست مقروض ہوگئی تھی جس سے ان کی ناعاقبت اندیشی اور فضولخرچی ثابت ہوتی ہے۔ لیکن ریاست کی تباہی کا خاص باعث یہ ہوا کہ:۔ ایک مرتبہ بنارس کے مشہور و معروف جوتشی مہامہوپادھیائے پنڈت سدھاکر شاستری نے جن کی نجوم دانی کا ملک مین خاص شہرہ تھا، ٹھاکر صاحب کا جنم پتر دیکھ کر صاف صاف بیان کر دیا کہ آپ صرف آٹھ ہی تو برس زندہ رہین گے، تین شادیون کے بعد چوتھی کا آغاز ہوتے ہی آپ کا خاتمہ ہے۔ اولاد زندہ نہ رہیگی، شاید آخری لڑکا بچ جائے۔ ماں، بھائی، عزیز و اقارب، کارندے سب خلاف ہوجائین گے۔ مکان ویران علاقہ تباہ ہوجائے گا وغیرہ وغیرہ"۔ ان مایوس کن الفاظ نے ٹھاکر صاحب پر گہرا اثر ڈالا، ساتھ ہی اس کے چند روز کے بعد ماں اور بھائیون نے علیحدگی اختیار کی، ڈھائی لاکھ کی جائداد بھی ہاتھ سے نکل گئی، تین لڑکے پیدا ہوتے ہی فوراً مر گئے، عزیز اقارب بھی بباطن عداوت پر آمادہ ہوگئے، کارندے بھی دشمنون سے مل گئے۔ بوجوہ ٹھاکر صاحب کو قدرتی طور پر پنڈت جی کی پیشینگوئیون پر کامل اعتقاد آگیا اور وہ اپنے دلی ارمان نکالنے پر مجبور ہوگئے۔ ایسی حالت مین ٹھاکر صاحب غیر منتظم اور ناعاقبت اندیش نہیں کہے جا سکتے ہین ۱۲۔

خیر خواہی کے صلہ مین صوبہ دار موصوف کی سفارش سے اُنھین بھڑ قوم کے مقبوضہ مواضعات بادشاہ نے عطا فرمائے۔ منجملہ دیگر دیہات کے ایک موضع کا کچھ حصہ جنگل کی حیثیت سے تھا، اُسے کٹوا کر بیس ٹھاکر نے آباد کیا، اور اپنے قدیم آبائی وطن کے نام کی رعایت سے "کھجوری" نام رکھا۔ اِن کی نسل والون نے خوب ترقی کرکے تعلقدارانہ حیثیت پیدا کرلی اور کھجوری چالیس مواضعات کا تعلقہ قرار دیا گیا، بارہ مواضعات پرگنہ بدوسرائے مین اور ۲۸ موضعے پرگنہ دریاباد مین شامل تھے۔ سنہ ۱۲۵۳ فصلی مطابق ۱۸۴۵ء مین رام پرشاد سنگھ، اجودھیا سنگھ، امان سنگھ صاحب کی رضامندی سے تینون بھائیون مین علاقہ تقسیم ہوکر تعلقداری کی شان سے خارج ہوگیا، اور ٹھاکر لوگ بجائے تعلقدار کے زمیندار کہلانے لگے۔ کھجوری کے رئیسون مین ٹھاکر رام چیرے، فقیر سنگھ، جنگی داس، دلتھمن سنگھ، اجودھیا سنگھ نامی بزرگ گذرے ہین۔ ٹھاکر رام چیرے سنگھ صاحب۔ بڑے اُولوالعزم، منتظم اور رعایا پرور تھے، اِن کے وقت مین کھجوری بہت زرخیز تھا۔ انھون نے ایک مرتبہ بجائے بیلون کے سراون مین ہاتھی جُتوا کر کھیت درست کرایا تھا۔ ٹھاکر فقیر سنگھ صاحب ملقب بہ فقیر شاہ۔ بڑے منتظم۔ قبل اِن کے علاقہ زیر بار ہوکر غیرون کے قبضہ مین آگیا تھا۔ لیکن، انھون نے کوشش و پیروی سے بہت جلد کُل علاقہ حاصل کرلیا۔ بہت دن تک ریاست ٹھراہا مین نیابت کی۔ دربار اودھ مین باریاب ہوکر "شاہ" کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ حسن انتظام سے کثیر دولت جمع ہوگئی، دُور دُور تک نام ہوگیا۔ ٹھاکر مولا بخش سنگھ صاحب کے یہان ٹھاکر فقیر سنگھ صاحب کے نام کی مُہرین موجود ہین جن پر "فقیر شاہ تعلقدار کھجوری" کندہ ہے۔ فقیر شاہ کے چھوٹے بھائی جنگی داس بڑے زبردست پہلوان تھے، جن کی پہلوانی کی بابت بہت سی بعید از قیاس روائتین زبان زد خاص و عام ہین۔ ٹھاکر دلتھمن سنگھ صاحب بہت خدآور اور طاقتور جوان تھے۔ ایک مرتبہ ایک ساکھو کا لٹھا چند ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دیا تھا۔ ٹھاکر اجودھیا سنگھ صاحب ایسے قوت دار تھے، کہ اُنگلیون سے روپیہ توڑ دیتے اور اُس کے حروف مل کر مٹا دیتے تھے۔ ۱۰۷ برس کے ہوکر اب سے نصف صدی قبل وفات پائی۔ ٹھاکر مولا بخش سنگھ صاحب کے پاس جو پُرانے کاغذات موجود ہین، اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلقدارانِ کھجوری بہت بڑے منتظم، حساب دان، اور عقلمند و تجربہ کار تھے۔ فہرست مواضعات مین زمین کی خاصیت، زمین کے نیچے پانی کی دوری کہ اِس مقام پر کنوان کھودنے سے اتنی دور پر پانی نکلے گا، باغات کے درختون کی تعداد، اُن کا تخمیناً دن وغیرہ بہت سی پُراز معلومات باتین درج ہوتا اُن کی دانائی وغیرہ کی صاف دلیل ہے۔ ٹھاکر چھتر سنگھ صاحب آتش لکھنوی کے اس شعر کی تقلید مین کہ "اللہ رے ہمارے تکلف شب وصال + روغن کے بدلے عطر جلایا گلاب کا"، بہت مشہور بیان کیا جاتا ہے کہ انھون نے اپنی معشوقہ جادی جان (طوائف کانپور) کی آشنائی مین روغن کی جگہ چراغ مین ایک ہزار روپیہ کا عطر جلا دیا تھا۔ بعض کہتے ہین کہ ناچ کے وقت عطر سے مشعل روشن کئے گئے تھے۔ رئیسان کھجوری اپنی لڑکیون کی شادیان اچھے اچھے اور نامی نامی تعلقدارون کے یہان کرتے ہین چنانچہ اِس وقت تک ٹھراہا، چندا پور، سمروتہ، رام نگر ڈھمینڈی، دھنانوان، شاہ پور، رانی مئو، آٹا، پائیر، رامپور متھرا، بسیٹی ڈیہہ، کسمنڈا، تلاپور، سرورا، اٹونجہ، بجے پال پور وغیرہ ریاستون سے قرابت و رشتہ داری

کا سلسلہ قائم ہوچکا ہے - ان شادیون مین ہتھورا اور رامپور کی شادی ابتک مشہور ہے - دونون براتون مین تین تین چار چار سو گھوڑے اور ڈیڑھ ڈیڑھ سو ہاتھی تھے - آدمیون کا شمار نہ تھا - قرب وجوار کے کنوئین خشک ہوگئے تھے پانی کا قطرہ گوہر نایاب ہوگیا تھا - آخری شادی رانی مئو کے تعلقدار کے یہان ہوئی تھی - برات مین بیس ہزار آدمیون سے زائد مجمع تھا، اچھے اچھے تعلقدار شریک تھے - حال مین ٹھاکر مولا بخش سنگھ صاحب کی بیٹی ہرہرپور کے تعلقدار سے منسوب ہوئی ہے - اس برات مین صفائی اور نفاست کا نظارہ قابل دید تھا - نامی نامی تعلقدار اور خاص خاص رئیس اور سفید پوش برات کے ہمراہ تھے، معمولی اور کم حیثیت کا کوئی آدمی نہ تھا - اس شادی مین ۳۰ ہزار روپیہ خرچ ہوا کھجوری کی شادیون کے متعلق یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ براتیون کی ایسی اطاعت اور خاطر داری کی جاتی ہے اور کھانے پینے دانہ، چارا، لکڑی، برتن وغیرہ کا ایسا معقول انتظام کیا جاتا ہے کہ کسی کو کسی قسم کی شکایت کا موقع نہین ملتا کھجوری کے زمیندار بہت بڑے دولت مند مشہور تھے - لیکن باہمی نفاق اور مقدمہ بازی کی بدولت سب کے سب تباہ و برباد ہوگئے - موجودہ زمیندارون مین ٹھاکر مولا بخش سنگھ صاحب اچھے منتظم، متمول اور سربرآوردہ رئیس ہین جنھون نے حال ہی مین اپنے قدیم مکان کے ایک حصے کو از سر نو پختہ بنوایا ہے، جو بجائے خود نہایت مضبوط اور ایک شاندار خوبصورت عمارت ہے - مردانہ نشستگاہ وسیع اور نفیس، آرامگاہ خاص فرش اور قیمتی شیشہ آلات اور فرنیچر سے آراستہ ہے - ٹھاکر صاحب کو کتابون کا بھی بڑا شوق ہے - ذاتی طور پر ایک نیا کتب خانہ قائم کیا ہے، جس مین سنسکرت، بھاشا، فارسی، اردو، بنگلہ زبان کے متعلق قریبًا ایک ہزار کتابون کا معقول ذخیرہ جمع ہے - قلمی کتابون مین چند کتابین دو سو برس کی لکھی ہوئی ہین - مولا بخش سنگھ صاحب لائق، نفیس مزاج، امیر دل، خلیق، علم و ہنر کے قدردان اور بڑے نوک پلک والے آدمی ہین - کھجوری کا شیوالہ اور تالاب اچھا بنا ہے، جو ٹھاکر رام بخش سنگھ صاحب کی یادگار ہے - بازار بھی قرب جوار مین مشہور ہے -

قیام پور - دریا باد سے شمال و مشرق ڈھائی میل - یہان ٹھاکر امان سنگھ، ٹھاکر اہبرن سنگھ بڑے لائق، منتظم اور رعایا پرور تھے - ٹھاکر نورنگ سنگھ بھی اچھے تھے - ان سے راجہ مان سنگھ صاحب سے خاص مراسم تھے - اس تعلقہ مین ہمیشہ اچھے اچھے پہلوان، بانک، پٹے کے کھیلنے والے بڑی بڑی تنخواہون پر نوکر رہا کئے - انگریزی عملداری مین نفاق باہمی اور مقدمہ بازی کے باعث تعلقداری کی فہرست سے خارج ہوکر آدھ پائیون مین تقسیم ہوگیا - اج کل یہان کے ٹھاکر لوگ بجائے تعلقدار کے زمیندار و پٹی دار کہلاتے ہین - چھ آنے کے مالک منشی بالک رام صاحب کیل (فیض آباد) جنھون نے اس قدر حصہ مختانہ مین حاصل کیا تھا، دس آنے ٹھاکر لوگون کے قبضہ مین ہین جس مین کئی ایک حصہ دار ہین - ان ٹھاکرون مین ٹھاکر انگد سنگھ صاحب بات کے بڑے دھنی اور نوک پلک والے بزرگ تھے، جن کا ابھی حال ہی مین انتقال ہوا ہے - اولاد مین صاحب بخش سنگھ و رام سنگھ بقید حیات - آج کل ٹھاکر انگد سنگھ کے حقیقی بھتیجے ٹھاکر راج بہادر سنگھ صاحب (ولد بجرنگ سنگھ) بڑے آن بان والے، خلیق، ملنسار، نوجوان، علم دوست مشہور تعلقدارانِ قیام پور بھی سورج ونش اور ریاست ہڑاہی کی ایک شاخ تھے -

تیسری فصل مشہور دیہات و مقامات کے بیان مین

ٹکیت نگر۔ آباد کردہ مہاراجہ ٹکیت رائے، دریا باد سے دو کوس کے فاصلہ پر بجانب شمال، خوشنما آبادی۔ چارون طرف بلند اور پختہ دیوارین تھین، جسکے نشانات اب بھی باقی۔ یورب پچھم دو عالی شان دو منزلے پھاٹک تھے جن مین مغربی پھاٹک اس وقت تک موجود اور مشرقی عرصہ سے منہدم ہو کر کھنڈر کی صورت مین نمودار۔ اُتر، دکھن کے پھاٹک معمولی برائے نام۔ بازار خوبصورت چوڑا ہے۔ جو ضلع کے مشہور بازارون مین شمار کیا جاتا ہے۔ یہان پیتل اور بھول کے برتن نفیس بنتے ہین۔ پختہ مکانات بھی اچھے اچھے ہین۔ مندرون مین کنھئی ساہ، ٹھاکر ساہ، سھو بھاٹ کے ٹھاکر دوارے اور جین مندر مشہور۔ ان مندرون مین ساون کے مہینے مین اچھی بھیڑ بھاڑ ہو جاتی ہے۔ راجہ نرمل داس اور راجہ بھوانی دین یہین رہتے تھے، جو فیاضی مین آج تک مشہور ہین اور جن کے وقت مین یہ بستی بہت گلزار تھی۔ مولچند ساہ اور لالہ گلزاری لال سیتل ساہ اچھے مہاجن گذرے ہین۔ مولچند ساہ کے بیٹے دھنپت ساہ، غیرہ اور سیتل ساہ کے بھائی لالہ پربھو دیال عرف پربھو ساہ، گلزاری ساہ کی اولاد مین دھرم داس وغیرہ چند بقید حیات۔ لالہ سکری پرشاد عرف سکری ساہ بڑے اولوالعزم، حکام رس، فیاض اور بات کے دھنی تھے۔ انھون نے بصرف کثیر پہلے پہل دو مرتبہ اس قصبہ مین رتھ جاترا کی رسم ادا کر کے اپنی مذہبی عقیدتمندی کا اظہار کیا۔ ایک پورہ بسایا اور ایک پھلواری قایم کی، جو اب تک ان کے نام سے مشہور و موجود۔ آج کل لالہ دھن کمار داس، سیتارام ساہ، لالہ مانک چند ساہ، دھنپت ساہ یہان کے نامور لوگون مین سے ہین۔ **دھن کمار** ساہ بہت بڑے مہاجن و زمیندار۔ انھون نے ایک عالی شان کوٹھی نما مکان (عرف نشستگاہ) بہ طرز جدید تعمیر کرایا۔ دھوم دھام سے رتھ جاترا کا فرض ادا کیا۔ اس سے ان کی اولوالعزمی و مذہبی عقیدتمندی ثابت ہوتی ہے۔ **مانک چند** ساہ امیر دل اور فیاض۔ دھن کمار داس کے بیٹے **نیم داس** صاحب آنریری مجسٹریٹ **دھنپت** ساہ مہاجن و زمیندار، ٹون آیریا و جین پاٹ شالہ وغیرہ کے ممبر۔ مہر مندون مین آنندی ٹھٹھیر ڈھول خوب بجاتا تھا، پرشاد خرادی بھی اپنے فن مین اوستاد تھا۔ اس وقت عبد السلام مین سازا و بدھو عرف اوستاد خرادی مشہور۔ ٹکیت نگر مین غلہ اور روئی کا روزگار بھی ہوتا ہے۔ ڈاک خانہ، مدرسہ، جین سنسکرت پاٹ شالہ، تھانہ، کانجی ہوس، ہوس ٹیکس کا دفتر، اسکول نسوان اور کولھو کا کارخانہ بھی ہے۔ اس کارخانہ مین بارہ ہزار کولھو ہین جسکی شاخین گورکھپور وغیرہ تک پھیلی ہوئی ہین۔ بحیثیت مجموعی ٹکیت نگر ایک اچھا قصبہ ہے جس کا انتظام ایکٹ ۲۰ سنہ ۱۸۵۶ء کے بموجب ہوتا ہے۔ آبادی مین ہندوؤن کی تعداد مسلمانون سے کچھ زیادہ معلوم ہوتی ہے جس کا کثیر حصہ بنیون سے آباد ہے۔ دسٹرکٹ گزٹ بارہ بنکی مین اس قصبہ کا ذکر ہے۔

ایچولی۔ معروف بہ قصبہ ایچولی۔ ٹکیت نگر سے متصل اُتر طرف۔ چار محلے، اٹھارہ سو مکانات جس مین سو گھر پختہ، تخمیناً چار پانچ ہزار کے قریب آبادی۔ اس بستی کا کثیر حصہ مسلمانون سے آباد، جس مین جولاہون کی تعداد غالب ہے۔ بارہ بنکی گزیٹیر مین لکھا ہے کہ ایچولی پرانے زمانے مین بھاروں کے سردار ایچا کا صدر مقام تھا۔ سنہ ۱۸۴۲ء مین

سیف الدین و قاضی کبیر الدین جو کہ سید سالار مسعود غازی کے ساتھیوں مین سے تھے، اُنھون نے بھارون کو شکست دیکر قلعہ کو توڑ ڈالا، راس کے قریب ہی ایک دوسرا مقام اُسی نام سے آباد کیا جس کے باشندے اُنھین کے ہمراہیون مین سے تھے، جن کی نسل ابتک قائم ہے۔ لیکن بعض بزرگون کی زبانی سُنا گیا ہے کہ مہاراجہ ٹکیت رائے کے زمانے مین ایچولی سے ایک موضع ٹکیت نگر بسے تھوڑے دور آباد تھا جب مہاراجہ صاحب نے ایچولی کے قریب ہی شمال رویہ ایک جدید بستی کی بنیاد ڈالی اور ذاتی مکان بنوا کر سکونت بھی اختیار کی تو ایچولی کے بہت سے باشندے اُس میں آباد ہوگئے اور کچھ باشندون نے ٹکیت نگر مین اپنے گھر بنا لئے، اس طرح ایچولی ویران ہوکر بے نشان ہوگئی اور راجہ صاحب کی آباد کردہ بستی کا نام بھی کچھ دنون ایچولی اور بعد کو قصبہ ایچولی مشہور ہوگیا۔ یہان نامی نامی بزرگ گذرے ہین۔ شیخ غلام مرتضیٰ صاحب زمیندار ہر کس و ناکس کی مصیبت مین بلا تفریق مذہب شریک ہوکر مدد دینا اِن کا خاص فرض تھا۔ شیخ محمد پناہ صاحب زمیندار، بات کے دھنی، اخلاقی خوبیون مین لائق تعریف۔ محی الدین ہندی کے نامی شاعر تھے، معرفت مین کلام بہت مقبول اور دلچسپ ہے منشی ایشری پرشاد صاحب۔ کائستھ شری واستو بہ دوسرے، فارسی کے زبردست ماہر، ناظم و ناثر، ۱۹۱۵ء کے قبل قوت ہوئے، ایک سو سال سے زائد عمر تھی۔ شیخ عباس علی صاحب نمبردار۔ فیاضی مین قابل ذکر، تخمیناً دو ڈھائی سو بیگھہ آراضی ہندو مسلمانون کو معافیون اور جاگیرون کے ذریعہ دے ڈالی، رعایا کو بہت سی آراضی باغ لگانے کے لئے بخشدی، غالباً ۱۹۱۹ء کے قبل موجود تھے۔ لالہ گوکل چند صاحب، شری واستو بہ دوسرے کائستھ، دھرم ماتما بزرگ، یادگار مین ایک پختہ ٹھاکر دوارا اور سدابرت (دوامی خیرات خانہ) موجود۔ میان خادم علی صاحب نمبردار اعلیٰ فارسی دان، ناظم و ناثر۔ ایک سو برس سے زائد عمر پائی غالباً ۱۹۱۷ء کے قبل فوت ہوئے۔ کنور اسنی کمار صاحب زمیندار، شری واستو بہ دوسرے کائستھ، کنور ایشری سہائے صاحب چکلہ دار و ولد راجہ بھوانی بخش صاحب دہلوی کے اکلوتے بیٹے، راجہ جیا لال صاحب گلشن دیوان سلطنت اودھ و رئیس لکھنؤ کے حقیقی بھتیجے۔ ان کے دم سے زمینہ مین لکھنؤ کا خربوزہ پیدا ہوکر بریگنہ دریاباد وغیرہ کے بازارون مین بافراط بکنے لگا۔ اِن کے والد کے لال بہادر صاحب، تخلص ذکی فارسی کے اچھے شاعر، عربی کے بھی ماہر، پتنگ بازی مین مشہور۔ اولاد مین بخت بہادر، سنگرام بہادر، گوبند بہاری، شیام بہاری بہ قید حیات۔ پنڈت دُرگا پرشاد، سنسکرت کے ماہر، مگر ویاکرن مین خاص طور پر مشہور، عربی و فارسی اور بنگلہ زبان سے بھی آشنا۔ شیخ محمد احمد صاحب ایم۔ اے۔ تھوڑا عرصہ ہوا ایل ایل بی کا امتحان دینے کے وقت فوت ہوئے۔ مہرمندون اور پیشہ ورون مین امام بخش جولاہا اور ہنگو کبڑ یا بانک پٹے مین اُستاد اُتری برہمن اور مدارا چوڑی فروش نامی پہلوان، حب لال و پنچم فن نجاری مین ہوشیار۔ **زمانۂ حال کے نامور اصحاب** شیخ علی احمد صاحب، نائب ریاست راجہ رائے رایان، (حیدرآباد دکن) انگریزی تعلیم یافتہ، وکالت پاس۔ خان بہادر شیخ مہدی حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر فیض آباد۔ ماسٹر امتیاز احمد صاحب کے بیٹے مہتمم احمد صاحب بی۔ اے ضلع فیض آباد مین سب انسپکٹر۔ سید محمد رضی صاحب قابل طبیب، ملازم ریاست رام نگر ڈھینڈی، وطن

مین کسی سے فیس نہین لیتے۔ پیشہ ورون مین دیال و پتھر نجار، مہابل لوہار، لالو معمار، سرجو دُمرلی سنار ہر ایک اپنے اپنے فن مین قابلِ ذکر۔ ایجوبی کا چہلم مشہور ہے۔ دسہرہ و دھنش یگیہ، محرم کے میلے بھی اچھے ہوتے ہین۔ یہان مدرسہ ڈاکخانہ، اور سیوا سمتی کا دفتر قایم ہے۔ ٹکیت رائے کا پختہ تالاب، ٹکیت رائے کی پھلواری دُور دُور تک مشہور ہے تالاب ایک عظیم الشان پنج منزلی اور سہ منزلی عمارت کے اندر واقع ہے، جس کے دو منزل شکستہ اور ناگفتہ بہ حالت مین ہین اب بھی قایم۔ کسی وقت یہ تالاب دیکھنے کے قابل تھا۔ صوبۂ اودھ مین اس شان کا کوئی دوسرا تالاب دیکھنے سُننے مین نہین آیا۔ پھلواری کا رقبہ تخمیناً ۱۶ بیگھہ پختہ۔ چارون طرف پختہ اور بلند دیوار، پورب عالی شان دو منزلہ پھاٹک۔ اندرونی عمارتین عرصہ سے بے نام و نشان۔ اس باغ کی اگرچہ اگلی رونق برائے نام باقی رہگئی ہے، تاہم اب بھی سیر و تفریح کے قابل ہے۔ اس پھلواری کے کھٹل بہت مشہور ہین، بعض بعض کھٹل ۱۸ مار پختہ سے کم نہین ہوتے

رامپور۔ مشہور بازار اور دیسی کپڑے کی بہت بڑی منڈی۔ یہان تخمیناً ڈھائی تین سو جولاہے آباد ہین۔ اچھے اچھے متمول اور صحتیون کے گھر بنے ہوئے ہین۔ ہندوستان کے بڑے بڑے تجارتی شہرون کے لئے یہان سے کپڑون کا چالان ہوتا ہے۔

رائے گنج۔ آباد کردہ مہاراجہ ٹکیت رائے، آباد اور مشہور بازار، جو ٹکیت نگر سے دوسرے درجہ پر ہے۔ یہان لالہ جگناتھ پرشاد صاحب نگم کائستھ اور اراضین کے خاندان مین لالہ نراین دین قابل ذکر بزرگ تھے۔ جگناتھ پرشاد نامی مہاجن، حکام رس، اور کٹر ہندو۔ ان کی ذات سے میلا رائے گنج مین گاؤ کشی ہمیشہ کے لئے بند ہو گئی ۱۹۱۹ء مین فوت ہوئے رام نراین دین نے ایک دھوم دھامی برم بھوج کر کے قرب و جوار مین نام کر دیا۔ خاندان مین بھگوان دین صاحب، جھیل بہاری صاحب، بابو لچھمن پرشاد صاحب انگریزی تعلیم یافتہ، خلیق، ملنسار صاحب اولاد، مہاجنی کا کاروبار بدستور۔ رائے گنج مین ڈاک خانہ بھی ہے۔

غازی پور۔ مشہور اور بہت بڑا موضع۔ غالباً تحصیل سنہی گھاٹ مین اس کے برابر کوئی دوسرا موضع نہ ہوگا جو بلحاظِ آمدنی و رقبہ ایک اچھے تعلقہ سے کم نہین۔ یہان سرکاری مدرسہ بھی ہے اور بازار بھی۔

کسفر۔ بلحاظ آبادی قابلِ ذکر۔ ٹھاکر امیر سنگھ صاحب یہان کے نفیس مزاج، شوقین زمیندار تھے، جنھین عطر کی شناخت مین خاص ملکہ حاصل تھا۔ یہان لکھنؤ کا خربوزہ پہلے بہت پیدا ہوتا تھا، لیکن اب کم بویا جاتا ہے۔ تھوڑے زمانہ سے مہابیر جی کا میلہ ہونے لگا ہے، جسکی وجہ سے ہر منگل کو کسفر مین ایک رونق پیدا ہو جاتی ہے۔ اس میلے کے بانی ایک ست نامی سادھو ہین، جن کا آج کل دُور دُور تک خوب شہرہ ہو رہا ہے۔

متھرا نگر۔ بانی ماتھر کائستھ، جو رائیصاحب دریاباد کے بزرگون مین سے تھے، اور جن کی یادگار مین قلعہ نما بہت بڑا پختہ مکان اس وقت تک موجود۔ نسل مین عبدو راج بلی صاحب وغیرہ زمیندار بہ قید حیات۔ اس موضع مین گمان کورمی بہت متمول آدمی ہے، جس کا پختہ باڑہ اور اسٹینڈ کا کارخانہ قرب و جوار مین مشہور ہے۔ گنگا بن کا ذرا اپنے خاص فن مین دُور دُور تک اپنا جواب نہین رکھتا۔ یہان مدرسہ بھی ہے۔

محمود آباد - دریاباد سے پچھم طرف چار کوس کے فاصلہ پر - بیان کیا جاتا ہے کہ شاہی مین کسی وقت حکیم کا صدر مقام تھا - قلعہ مین عامل رہتا تھا - یہان فوج بھی تعینات تھی - آج کل محمود آباد مین صرف ایک اپر پرائمری اسکول قایم ہے -

زمینہ - ٹکیت نگر سے متصل - یہان لکھنؤ کا خربوزہ بہت پیدا ہوتا ہے اور قرب وجوار مین بہت مشہور ہے اس موضع کی شہرت کا باعث یہی خربوزے ہین - زمینہ کا خربوزہ کسفر کے خربوزے سے زیادہ شیرین اور مزیدار ہوتا ہے

سکرورھا - بانی بھڑ قوم کے لوگ، ٹھاکر عجب سنگھ صاحب کی ملکیت اور انھین کے دم سے سورجپور بڑا ہاکیار وغیرہ نامی ریاستون کے مقابل مین مشہور - ٹھاکر صاحب کا خاندانی سلسلہ تعلقداران رانی مئو سے تعلق رکھتا ہے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے - یہ تلوار کے دھنی اور بڑے دلیر تھے - ایک مرتبہ پسکا کی لڑائی مین جبکہ توپ کے منھ مین فلیتہ دیکر آگ لگا دی گئی، انھون نے دھاوا بول دیا اور خود توپ کے قریب پہونچ گئے کہ دفعتہً توپ نے گولا اگل دیا - نتیجہ یہ کہ دشمن کی فوج بھاگ نکلی اور انھین فتح نصیب ہوئی - اس سے ان کی اقبالمندی بھی ظاہر ہوتی ہے - ایک موقع پر شاہی فوج کے مقابلہ مین جب تلوارون نے کام نہ دیا تو بندوق سے مارے گئے، جسے سن کر راجہ مان سنگھ بہادر قایم جنگ (ناظم دریاباد) کو سخت افسوس ہوا تھا - ان کی نسل مین پرتاب سنگھ اور مہابیر بخش سنگھ بڑے نامی بزرگ ہوئے ٹھاکر **پرتاب سنگھ** صاحب، اعلیٰ شجاع - دلونا کی لڑائی مین رائیصاحب کی فتح انھین کی ذات سے ہوئی تھی - اولاد مین چندر پال سنگھ کے بیٹے بندیشری پرشاد سنگھ وغیرہ موجود - ٹھاکر **مہابیر بخش سنگھ** صاحب - ٹھاکر پرتاب سنگھ صاحب کے حقیقی بھتیجے، ٹھاکر شیام سنگھ صاحب کے بیٹے، بڑے نوک پلک والے، نہایت نیک دل، بہت بڑے خلیق بڑے بڑے تعلقدارون چودھری وزیر علی صاحب بردلی، ٹھاکر شیر بہادر سنگھ صاحب کیار، ٹھاکر گھمبیر سنگھ صاحب دھنانوان، ٹھاکر مرتبے بخش سنگھ صاحب شاہ پور، بابو سکھراج سنگھ صاحب آٹا، رائے نارائن بلی صاحب دریاباد وغیرہ سے خاص مراسم تھے - ۱۹۱۷ء مین انتقال ہوا - تخمیناً ۷۰ سال کی عمر نصیب ہوئی - اولاد مین رام پال سنگھ صاحب اولاد بقید حیات، بہت بڑے منتظم، اور اپنے باپ کے نقش قدم پر چلنے مین کامیاب - یادگار مین پختہ وخام عالی شان حویلی، ایک بہت بڑی وسیع اور کشادہ عمدہ چوپال، ایک پھلواری، ایک آموں کا باغ -

میان گنج - بانی رکن الدولہ میان الماس علی خان منظور نظر نواب آصف الدولہ بہادر بادشاہ اودھ - یہ گنج پہلے بہت آباد تھا - اس مین شریفون اور پیشہ ورون کے بکثرت گھر تھے - گنج کے پچھم طرف سوبیگھہ مین پختہ عمارتون کا سلسلہ قایم تھا، بیچ مین ایک عظیم الشان وسیع بارہ دری کی تعمیر ہوئی تھی، بہت سے کنوئین بھی تھے - میان الماس علی خان اکثر جب لکھنؤ سے آتے تو یہین قیام فرماتے تھے - بارہ دری کا نشان اور ایک پختہ کنوان ابھی موجود، اور یہ سوبیگھہ کا خطہ "بارہ دری والی آراضی" کے نام سے مشہور -

کولوا - بابا جگ جیون داس یہان بہت بڑے مشہور ومعروف کامل بزرگ گذرے ہین، جن کی وجہ سے ہر ماہ معمولی اور کارتک بیساکھ مین بڑا زبردست دھوم دھامی میلہ ہوتا ہے - جگ جیون داس بھاشا کے شاعر بھی تھے

تصنیفات مین شبد ساگر، اگھ وناش، پرتھم گرنتھ، مہاپرسے، اگیان پرہاس موجود، جس مین سے صرف اول الذکر پوتھی چھپ کر شایع ہو چکی ہے۔ ان یوتھیون کی تعلیمین اخلاق پر اچھا اثر ڈالتی ہین۔ ان کے باپ گنگا رام چندیل ٹھاکر موضع سرہا کے زمیندار تھے۔ جگ جیون داس کی پیدایش ماگھ سدی ستمی سمبت ۱۱۸۲ بکرمی، وفات بیساکھ بدی ستمی سمبت ۱۲۶۱ بکرمی ۲۰ برس کی عمر مین سرہا چھوڑ کر کوٹوا مین سکونت اختیار کی تھی۔ ان کے گرو بشیشر پوری موضع گوبری پرگنہ گوارچ ضلع گونڈہ کے رہنے والے تھے۔ خاندان مین شادیان تعلقدارون کے یہان ہوتی ہین اور بھنت کا لقب ہے مہاتما جی کی پختہ سمادھ (مزار) ایک شاندار مکان کے اندر بنی ہوئی ہے، جسے رائے نہال چند پسر راجہ نرمل داس (راجہ ٹکیت رائے کے بھانجے) نے بہ عہد نواب آصف الدولہ بہادر تعمیر کرایا تھا۔ بابا جگ جیون داس کی نسل ابتک موجود۔ از گزٹیر بارہ بنکی

گوکلا گھاٹ - ہرکا تک کی یورنماشی کو اس مقام پر ایک اچھا خاصا میلا ہوتا ہے۔ یہ گھاٹ کلیانی ندی سے تعلق رکھتا ہے، جو دریاباد سے ۴ میل کے فاصلہ پر دکھن طرف واقع ہے۔ میلے کے بانی رائے نارائن بلی صاحب تعلقدار دریاباد۔

چوتھی فصل نامور اصحاب کے بیان مین

راجہ ٹکیت رائے صاحب - شری واستو یہ دوسرے کائستھ، جائے مل کے بیٹے، بہ عہد نواب آصف الدولہ بہادر سلطنت اودھ کے دیوان یعنی وزیر مال، سخاوت و فیاضی مین مشہور زمانہ۔ تاریخون مین انھین مہاراجہ بشیشر راجہ کرن، اور حاتم کا خطاب دیا گیا ہے۔ قوم پروری کی بابت یہ روایت ضرب المثل ہے کہ "ٹکیت رائے نے کنبھے کے درخت کو دوشالہ اوڑھا دیا"۔ سخاوت کے بارہ مین ابتک زبان زد ہر خاص و عام ہے کہ "اوپر خدائے، تلے ٹکیت رائے"۔ راجہ صاحب کی یادگار مین ٹکیت گنج، تالاب پختہ بازار راجہ (لکھنو) ٹکیت گنج (پرگنہ کرسی) ٹکیت نگر (رائے گنج پرگنہ دریاباد) تالاب پختہ، شیوالہ مندر، پھلواری کنوئین (قصبہ ایچولی) بازار دلمئو، دو پختہ دھرم شالے (رائے بریلی) راجہ بازار (کلکتہ) ابتک موجود۔ علاوہ اس کے صوبہ متحدہ و اودھ اور بنگال کے اکثر مقامات مین جا بجا پل، دریا کے گھاٹ، شیوالے، مندر، مسجدین، سرائین، دھرم شالے، مسافر خانے، کنوئین، باولیان تالاب پختہ، باغات، گنج، بازار، سڑکون کے کنارے سایہ دار درخت وغیرہ تا ہنوز قایم، جائداد وقف۔ راجہ صاحب کا اصلی وطن لاڈلی پور[۳] (سرکار جونپور) جائے سکونت قصبہ ایچولی و ٹکیت نگر (پرگنہ دریاباد) وفات ۱۲۲۲ھ کے بعد۔

بھیا رام سنگھ صاحب - از خاندان راجہ صاحب ہڑاہا، سورج ونش مشہور سپاہی اور سیف پور کے رئیس، اقبالمند، تعلقداران اودھ مین نامزد۔ غدر کے زمانے مین انگریزون کو پناہ دینے کے باعث برٹش راج کے

---

[۱] لیکن اگر درداس، جو جگ جیون داس کے پوتے تھے، اپنی تصنیف "بھگت نود" مین لکھتے ہین کہ جگ جیون داس ماگھ سدی ستمی سمبت ۱۷۸۲ بکرمی، منگل کے دن، پیدا ہوئے تھے یہ پوتھی ٹھاکر مولا بخش سنگھ صاحب رئیس کھجوری کے کتب خانہ مین موجود ہے۔

[۲] و [۳] از انکار سرو من قلمی، مصنفہ بینی کویہ معاصب خاص راجہ صاحب ممدوح، ساکن بیتی ضلع رائے بریلی یہ کتاب ٹھاکر مولا بخش سنگھ صاحب رئیس کھجوری کے کتب خانہ مین موجود ہے۔

خیر خواہ ہو کر تا زندگی گورنمنٹی دربارون مین برابر شریک ہوتے رہے اور تعلقدارون کے زمرہ مین اعزازی کرسی ملتی رہی۔ بہت دن تک ریاست بڑاہا مین دی اختیار نائب رہے۔ چار پانچ مواضعات کے مالک تھے۔ لاولد وفات پائی۔

ٹھاکر اوتار سنگھ صاحب، رئیس کھوری، بیس ٹھاکر، بڑے ذی علم، سنسکرت کے متعلق دیاکرن، جوتش مین خاص طور پر مشہور تھے۔ زمانہ حیات اب سے ۳۰ برس قبل۔

پنڈت **گیا پرشاد**، شوکل، شاستری **پنڈت بندھیا پرشاد**، جوتشی، ہر ایک قابل، سکونت نیما پور۔ ٹھاکر **ہردت سنگھ** صاحب۔ سکونت چیلا۔ بھاشا کے اعلیٰ شاعر، ویدک مین بھی لائق اور ہر فن کے متعلق صاحب تصنیف۔ سمبت ۱۹۰۱ کرمی مین بقید حیات تھے۔ بھیا **ہمت بہادر سنگھ** صاحب۔ ٹھاکر اہیرن سنگھ صاحب تعلقدار قیام پور کے بیٹے، رعب دار، سوربیر، سنسکرت دان، نجوم کے ماہر، بھاشا کے اچھے شاعر، جبریہ شعر کہتے تھے۔ ۷۵ برس کی عمر مین غالباً سنہ ۱۹۰۱ء کے قبل وفات پائی۔ اولاد مین مُنّا سنگھ وغیرہ۔ مدار پور سکونت۔

بہاری لال پاٹھک، زمیندار تارا پور، بہادر و پہلوان، ملنسار، نوک پلک والے سنہ ۱۹۰۱ء کے قبل زندہ۔ سو برس کی عمر۔ اولاد مین بھولا ناتھ موجود۔ **بیجن** سنگھ صاحب۔ ویدک مین اچھی شہرت تھی، مگر دستِ شفا حاصل نہ تھا۔ اب سے ۳۰ برس قبل زندہ۔ بریٹھی سکونت۔ نسل مین بھیارو دردت سنگھ موجود۔ **حسن خان** صاحب۔ محکمۂ انجنیری کے مشہور ٹھیکہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ پختہ اینٹون کے کارخانہ دار بھی تھے۔ حال مین فوت ہوئے۔ نیک، خوش مزاج خلیق، اولاد مین علی شیر خان وغیرہ۔ یادگار مین عمدہ دو منزلہ پختہ مکان۔ سکونت سرائے سگئی۔

بہ یار سنگھ نامی سپاہی، بریٹھی سکونت۔ ان کے پوتے **بھیکھم سنگھ**۔ بیس ٹھاکر، بہت بڑے زبردست پہلوان، اور بے مثل شجاع، نہایت نیک اور منکسر المزاج تھے **بھیرون سنگھ** بھیکھم سنگھ کے بیٹے، خوبصورت پہلوان اور اعلیٰ سپاہی ہونے کے علاوہ فن موسیقی مین بھی کامل تھے گانے اور ڈھولک بجانے مین لکھنؤ تک شہرت حاصل کی تھی۔ موسیقی کا فن کسی اوستاد سے سیکھا تھا۔ لکھنؤ کی شاہی فوج مین ملازم تھے۔ غدر کے زمانہ مین کسی انگریز کو قتل کرنے کی وجہ سے پھانسی دیگئی تھی۔ **رامدت سنگھ جمعدار**۔ بہریلیا ٹھاکر، دینا سنگھ کے بیٹے، دولت مند، خوبصورت، بہت بڑے نامی پہلوان۔ کانپور کی پلٹن مین جمعدار تھے۔ گورنمنٹ سے ایک طلائی کڑا، نقرئی آنڈو (زنجیر جسے پہلوان لوگ فخریہ پہنتے ہین) معہ تمغہ و سارٹیفکیٹ مرحمت ہونے کے ساتھ ہی یہ حکم بھی منتشر کر دیا گیا تھا کہ اگر آج سے کوئی رامدت سنگھ جمعدار سے کشتی لڑنے پر آمادہ ہوگا تو چھ مہینے کی سزا دیجائیگی یہ عزت جمعدار صاحب کو اُس وقت حاصل ہوئی تھی، جبکہ پلٹن مین کوئی جوان ان سے کشتی مین جیت نہ سکا۔ اب سے پچاس برس قبل زندہ سنگو پور سکونت۔ **رامداس**۔ برہمن، شوکل زبردست پہلوان، فن کشتی مین اوستاد۔ راجہ صاحب بانسی کے یہان علاوہ خوراک اور کپڑے کے تین سو روپیہ ماہوار پر نوکر تھے۔ ذرا سی بات پر ناراض ہو کر گھر چلے آئے، پھر عمر بھر کسی کی نوکری نہین کی۔ اب سے نصف صدی قبل زندہ۔ ۸۰ سال کی عمر۔ سرائے سیف وطن۔ **رام بھجن**، **رام سنیہی**، **رام کرشن**۔ بڑے بہادر اور سپاہی

ریاست رانی مؤ کے دلی خیرخواہ، برہمن، بسنت پور جائے سکونت، اب سے نصف صدی قبل زندہ **جیت سنگھ** رعب دار، دلیر، قول و فعل کے پابند۔ ان کے نام سے "پورۂ جیت" علاقہ کمیار مین ابتک موجود، اب سے ایک صدی قبل زندہ۔ **بھوانی بخش**۔ برہمن، تیواری، مشہور و معروف پہلوان۔ ایک مرتبہ کسی چکلہ دار کے نامی پہلوان کو تجاع گنج کے مقام پر کشتی کے وقت نہ صرف پچھاڑ دیا تھا، بلکہ اُس کے کلے بھی پھاڑ ڈالے تھے۔ ریاست پسکا و کمیار مین بڑی قدر و منزلت تھی۔ زمانۂ حیات اب سے ایک صدی قبل۔ کٹوٹی سکونت۔ **گنگا، مکندا**۔ برہمن، تیواری، مرے بہادر، دلیر اور قول و فعل کے دھنی۔ کمیار اور پسکا سے گھر بیٹھے معقول تنخواہین پاتے، ضرورت کے وقت ہاتھی سواری کو ملتا۔ کٹوٹی سکونت اب سے نصف صدی قبل موجود **بدھی**۔ دوبے، رودپور سکونت، بات کے دھنی اور "تلوار بہادر" کے لقب سے مشہور تھے۔ ریاست کمیار سے تین سو بیگھہ آراضی خام بطور معافی عنایت ہوئی تھی **سیتل** بھاٹ، جیول سکونت غیر معمولی بہادر اور طاقتور۔ نیما راے (مورث اعلیٰ راے صاحب دریاباد) کے وقت مین اُن کے حکم سے ایک مرتبہ ایک چھوٹی سی شکستہ توپ کے مُنھ مین ہاتھ ڈال کر اُسے اٹھالی تھی۔ زمانۂ حیات ۴۰۰ برس قبل۔ **غریب شاہ**۔ ٹھاکر، سرائے دُونولیا سکونت، دلیری اور بہادری مین مشہور ایک مرتبہ ایک مادۂ شیر کے کلے پھاڑ ڈالے تھے۔ زمانۂ حال کے مطابق سات آٹھ سیر پختہ خوراک تھی۔ اب سے ۷۰ برس قبل زندہ **خوشحال و بشارت**۔ تیج جیول سکونت، اپنی جوانمردی اور خداداد شجاعت کی بدولت تا زندگی شاہ پور، کمیار، دھنانوان وغیرہ ریاستون سے گھر بیٹھے معقول تنخواہین لیا کئے اور وقت پر حاضر ہو کر اپنی طاقت و جانبازی کے جوہر دکھایا کئے۔ اب سے ۸۰ برس قبل زندہ۔ **کریا**۔ برہمن، دوبے، سکرورھا سکونت، بڑے پہلوان، بڑے خوراکی، بڑے طاقتور۔ ایک مرتبہ گھڑے بھر ریڈی کے تیل مین (تیلی راب سمجھ کے) ستو ڈال کر چڑھا گئے اور معدہ کو مطلق خبر نہ ہوئی۔ اب سے ۹۰ برس یعنی تخمیناً ۱۸۴۳ء کے قبل موجود۔ **رامدین**۔ زبردست سپاہی بے مثل بہادر، تلوار اور بندوق کے فنون مین برق، بات کا دھنی، ساتھ ہی اس کے اعلیٰ چور اور بدمعاش۔ چوری مین وہ کمال کہ شرط لگا کر چیز غائب کر دیتا تھا۔ قیام پور، ملکھرہ، منگروندہ، کمیار وغیرہ ریاستون سے معقول تنخواہ مقرر تھی۔ ایک موقع پر ٹھاکر بشیشر کرن سنگھ صاحب (تعلقدار کمیار) کے سات سو سپاہیون مین سے کسی ایک سپاہی کو بھی یہ جرأت نہ ہوئی کہ تن تنہا تلوار سے رامدین کا مقابلہ کرتا۔ اس واقعہ کی بنا پر ٹھاکر صاحب نے تین سو بیگھہ خام آراضی بطور معافی عنایت فرمائی تھی۔ رامدین کا باپ ٹھاکر تھا اور مان کرمن تھی، اس لئے اس کے بعض غیر شریفانہ افعال چنداں تعجب خیز نہین، جو دو علے پن کی خاص دلیلین ہین۔ پورۂ رام کشن، مزرعۂ بانس گانوں سکونت اب سے ایک صدی قبل موجود۔

جانکی شاہ۔ بنیولی، لکھ پتی مہاجن، قول و فعل پر قائم، بات کے دھنی۔ بالکل معمولی حیثیت سے ایمانداری اور نیک نیتی کے ساتھ ترقی کر کے لکھ پتی مہاجنون مین مشہور ہو گئے۔ تا زندگی نہ کسی کی آبرو بگاڑی نہ ڈکیتی و قرقی کے ذریعہ کسی کو تباہ کیا، ہمیشہ باہمی سمجھوتے پر رضامند رہے۔ یادگار مین دو پختہ شیوالے، ایک چاہ پختہ شیوالے کا اسٹھانا پاٹری

دھوم دھام سے کیا گیا تھا۔ اس سے جانکی ساہ کی اُولوالعزمی، مذہبی عقیدتمندی، فیاضی بھی ظاہر ہوتی ہے۔ سنہ ۱۹۰۶ء میں فوت ہوئے۔ حیول سکونت۔ اولاد بدنام کنندۂ خاندان۔

مشری بخار (اُستولی) **بہاری** بڑھئی (سونک پور) **کالی** لوہار (کیمار) **بہاری** آہن گر (نیسا پور) ہر ایک اپنے اپنے آبائی فن میں نہایت ہوشیار اور مشہور۔ **بھگن** پٹوا، اپنے فن میں اوستاد۔ اولاد میں گھورے موجود اور آبائی ہنر میں اپنے باپ کا یادگار۔ **خوشحال** خیاط، اپنے فن میں بے مثل۔ تمام عمر لکھنؤ میں بسر کی۔ ایک مرتبہ ایک چولی کی سلائی میں ڈھائی سو روپیہ انعام ایک بیگم صاحبہ سے حاصل کیا۔ بھگن اور خوشحال کی سکونت رانی سُو۔ کالی اور بہاری لوہار غالباً سنہ ۱۹۱۰ء تک زندہ باقی کاریگر غدر کے قبل موجود۔

ننکو کتھک مشہور سارنگی نواز۔ اولاد میں **بجرنگ**۔ قانونِ سارنگی اور اصول نغمہ سرائی سے بخوبی واقف تا حال زندہ، **عیدن جان** گائے، ناچنے میں لائق تعریف **مغل جان**۔ خوبصورت، اقاصی نغمہ سرائی میں ہوشیار مگر، ننگی تلواریں لیکر پھری گدکے کے ہاتھ دکھلاتی ہوئی ناچنے میں خاص طور پر مشہور۔ یہ سب رانی سُو کے باشندے اور آخر نوابی تک زندہ۔

بابا دین۔ برہمن، بہت بڑے مشہور مہاجن و زمیندار۔ اس وقت بابا دین کی حیثیت باعتبار دولتمندی و زمینداری تحصیل سنہی گھاٹ کے سربرآوردہ مہاجنوں میں کسی مہاجن سے دوسرے درجہ پر نہیں۔ دنا پور سکونت، صاحب اولاد۔ پنڈت **رام سرن** اسسٹنٹ منیجر۔ پنڈت سیو شنکر دوبے کے بیٹے۔ پہلے پولیس میں۔ بعد اسکے ریاست دیرہ میں معزز عہدہ پر مامور ہوئے۔ پھر کورٹ آف وارڈس میں آگئے اور مختلف جگہوں پر کام کرتے ہوئے بلند شہر تبدیل کئے گئے، جہاں آج کل اسسٹنٹ منیجری کے عہدہ کا کام انجام دے رہے ہیں۔ سن اس وقت ۴۳ سال کا ہے۔ ولادت سنہ ۱۸۸۱ء۔ جرباری سکونت خلیق، ملنسار، مگر ذرا دبنگ اور ناعاقبت اندیش۔ پنڈت **رام سوجیت وکیل** بی۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی، بھرّدواج گوتر، بہت بڑے معزز، عالی خاندان، سروریہ برہمن کھوریا کے اُپادھیا، رام ادھین کے بیٹے۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں سنٹرل ہندو کالج بنارس میں ایف۔ اے پاس کیا۔ سنہ ۱۹۱۹ء میں بحالت ملازمت (بعہدۂ ماسٹری) گورکھپور سے پرائیویٹ طور پر بی۔ اے کی سند حاصل کی۔ سنہ ۱۹۲۲ء میں "لا کالج" الہ آباد سے۔ ایل۔ ایل۔ بی کی ڈگری ملی۔ آج کل بارہ بنکی میں وکالت کر رہے ہیں۔ آدمی ملنسار، نیک، خلیق، محنتی، عمر تخمیناً ۳۸ سال، صاحب اولاد۔ ولادت غالباً سنہ ۱۸۸۶ء۔ کھٹولی سکونت **رام ناتھ** کویہ، بھاشا زبان کے مشہور شاعر، تلمیذ شنکر سہائے (دریابادی) و پنڈت جوگل کشور مشر گندھولی (سیتا پور) شاعری میں سورج کنور پرکاش، سورج کنور بنود (مطبوعہ) شمبھو شتک، کالکا اُستت (غیر مطبوعہ) کے مصنف۔ سکونت دلسرائے متعلقہ ریاست ہڑاہا۔ عمر تخمیناً ۴۰ سال۔ سن ولادت غالباً سنہ ۱۸۸۴ء۔ ٹھاکر **کلو سنگھ** صاحب از خاندان راجہ صاحب ہڑاہا، سورج دنش، مشہور رئیس و زمیندار، علاوہ جنگر ایسا دن پور کے ریاست ہڑاہا کے ماتحت دار، چھہ مواضعات کے مالک، بہت نیک، امیر دل، خوش مزاج، قدردانِ علم و ہنر، ورزش کے شوقین، عمر تخمیناً

۳۸ سال، صاحب اولاد، سن ولادت غالباً ۱۸۸۶ء - پنڈت **رام سوجت** باجپئی، اسٹیشن ماسٹر رُودولی، محنت و مشقت مین قابل ذکر - جیٹھوتی سکونت - پنڈت **سنت پرشاد** ہیڈ ماسٹر گویان کے تیواری، کانکبج برہمن، کشیپ گوتر، **مشری لال** تیواری کے بیٹے - ۱۸۹۱ء مین اُردو مڈل کلاس، ۱۸۹۵ء مارمل اسکول لکھنؤ مین سینئر پاس کیا - آج کل نواب گنج بارہ بنکی کے اسکول مین ہیڈ ماسٹر، ساٹھ روپیہ ماہوار مشاہرہ - خلیق، محنتی، اپنے کام متعلقہ مین ہوشیار، صاحب اولاد - ولادت ۱۹۰۵ء - اٹورا سکونت -

قطعہ تاریخ اختتام کتاب ہذا نتیجہ فکر رائے سیدھ ناتھ بلی صاحب افراتی رئیس دریاباد

حالات لکھے اہل وطن کے محب نے خوب
کیا شستہ روزمرہ، عبارت ہے صاف صاف
پہونچی جو اختتام پہ ہاتف نے یہ کہا

مقبول خاص و عام مین یا رب ہو یہ کتاب
ہر حرف و لفظ اس کا ہے اک چشم انتخاب
تاریخ ہے محب کی بے مثل و لاجواب
۱۹۲۴ء

مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ ستمبر ۱۹۲۵ء

دریاباد کی قابل تعریف فیاضی اور اخبارات کی رائین

اخبار تنظیم، امرتسر، ۱۲ جولائی ۱۹۲۵ء "دریاباد" ۸ جولائی - مولوی عبدالماجد صاحب دریابادی نے مولانا شوکت علی صاحب کو دعوت دی تھی - ہزار ہا آدمی آپ کے نیاز حاصل کرنے کے لئے آئے اور شہر سے باہر اللہ اکبر کے نعروں کے ساتھ آپ کا استقبال کیا گیا - سات سو پچاس روپیہ کی ایک تھیلی آپ کے نذر کی گئی مقامی ہنود نے تمام باتون مین حصہ لیا، ان مین سے اکثرون نے ہلالی نشان لگائے تھے -

ہمدرد دہلی، ۱۳ جولائی ۱۹۲۵ء "دریاباد کی دریادلی" دریاباد کے دریادل مسلمانون نے مولانا شوکت علی صاحب کی خدمت مین ایڈریس کے ہمراہ ساڑھے سات سو روپیہ کی نذر پیش کی - دریاباد مین مسلمانون کی جو آبادی ہے وہ تعداد مین کم ہونے کے ساتھ ہی افلاس مین بہت بڑھی ہوئی ہے ایسی حالت مین اتنی رقم کا فراہم ہوجانا اس امر کی دلیل ہے کہ دریاباد اور اُس کے نواح کے مسلمان اسلامی اور مذہبی ضروریات کا اپنے دل مین کافی احساس رکھتے ہین - مولانا شوکت علی صاحب کے ورود پر جو غیر متوقع کثیر اجتماع ہوا اُس سے بھی اس امر کا اندازہ ہوتا ہے کہ عوام کے دلون مین ابتک صحیح جذبہ وطن دوستی اور ملت پرستی موجود ہے - ہم مولانا عبدالماجد صاحب اور قصبے کے تمام باشندون کو مبارکباد دیتے ہین اور اُمید کرتے ہین کہ دوسرے مقامات کے لوگ بھی مولانا موصوف کے آم کے دورے کو جو حقیقت مین کام کا دورہ ہے کامیاب بنائین گے -

اخبار خلافت بمبئی، ۱۷ جولائی ۱۹۲۵ء "زندہ باد دریاباد" دریاباد کی کل اسلامی آبادی ہزار ڈیڑھ ہزار سے زیادہ نہین ہے - مگر مولانا شوکت علی کے آم کے دورہ پر اسلامی و قومی جذبات کا جو مظاہرہ دریاباد مین ہوا، اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ صحیح جذبات کی فراوانی سے تعداد کی قلت کی تلافی ہو جاتی ہے - ساڑھے سات سو کی تھیلی دریاباد کے لحاظ سے ساڑھے سات لاکھ کے برابر ہے - جس نسبت سے مسلمانانِ دریاباد نے قومی امداد مین حصہ لیا، اس نسبت سے اگر بڑے بڑے شہرون سے بھی چندہ وصول ہو تو قومی تنظیم کا عظیم الشان کام نہایت خوش اسلوبی سے انجام پا جائے اور قومی مسائل کی نہ سلجھنے والی گتھیان نہایت آسانی سے سلجھ جائین موجودہ دور سرد مہری مین "دریاباد" نے جو مثال قائم کی ہے وہ بلاشک دوسرون کے لئے بہترین ہدایت کی سرمایہ دار ہے - دریاباد کی دریادلی نے ثابت کر دیا کہ قوم کی تحریک کا مرتبہ اب بھی عوام کے قلوب مین اتنا ضرور ہے کہ وہ اسے مٹنے نہین دینگے - دریاباد مین "بڑے بھائی" کی آمد کے محرک مولوی عبدالماجد صاحب قابل مبارکباد ہین کہ اُنھون نے آم کے دورے کو کام کا دورہ بنانے مین بہترین کوشش کی اور الحمدللہ کہ اُن کی ساعی جمیلہ سے اعلیٰ ترین کامیابی حاصل ہوئی اُنھون نے ہمین یہ سبق دیدیا کہ دنیائے علم و ادب کے بہترین و سرگرم خادم بھی تعلیم و تعلم اور تحقیق و تدقیق کی خاموش خدمات کے ساتھ ساتھ تھوڑا وقت ہنگامہ خیز قومی خدمات کے لئے بھی نکال سکتے ہین

نامی پریس لکھنؤ میں ہر قسم کی چھپائی کا کام نہایت حسن خوبی سے انجام دیا جاتا ہے اور
جملہ علوم و فنون کی کتابیں بغرض فروخت مطبع میں موجود رہتی ہیں فہرست طلب فرمائیے

تاریخ دریاباد ملنے کا پتہ منشی گمن بہاری لال صاحب آنریری سکریٹری گوشالہ
دریاباد ضلع بارہ بنکی